وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الهدایہ

المعروف بہ

شرح هدایہ

جلد نہم

کتاب السیر، الوقف

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

با اہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اگست 2012ء / رمضان المبارک 1433ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور 0322-7202212
قیمت	روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ

فَصْلٌ

بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا

فَصْلٌ فِی كَیْفِیَّةِ الْقِسْمَةِ

فَصْلٌ فِی التَّنْفِیلِ

بَابُ اسْتِیلَاءِ الْكُفَّارِ

بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ

فَصْلٌ

بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ

بَابُ الْجِزْيَةِ

فَصْلٌ

فصل

بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّينَ

بَابُ الْبُغَاةِ

كِتَابُ اللَّقِيطِ

كِتَابُ اللُّقَطَةِ

كِتَابُ الْإِبَاقِ

كتاب المفقود

كتاب الشركة

فصل

فَصْلٌ فِی الشَّرِکَةِ الْفَاسِدَةِ

فَصْلٌ

کِتَابُ الْوَقْفِ

فصل

مقدمہ رضویہ

الحمدُ لله الذی جعل العلماءَ ورثة الأنبياء ، وخلاصةَ الأولياء ، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء ، والسَّمَكُ فی الماء ، والطيرُ فی الهواء .والصلاةُ والسلامُ الأتمّان الأعمّان علی زُبدةِ خُلاصة الموجودات، وعُمدة سُلالة المشهودات، فی الأصفياءِ الأزكياء ، وعلی آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء ، وأصحابه الأبرار نجومِ الاقتداءِ والاهتداء .اما بعد فيقول العبد الضعيف الی حرم ربه الباری ،محمد لياقت علی الحنفی الرضوی البريلوی غفرله والوالديه ، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر .اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية . احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فی تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالی و بوسيلة النبی الكريم ﷺ . ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين وائمة المجتهدين فی الامة المسلمة ،(رضی الله عنهم)

غیرمقلدین اوراحترام فقہاءوفقہ حنفی

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ،مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کے بہت قریبی وادوست ہونے کے باعث علماء دیوبند سے بھی اتنے ہی قریب تھے،اکثرفرماتے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا احترام مجھے رُوحانی طور پر بتلایا گیا ہے، میں اُن شخصوں کو جن کو حضرت امام سے حسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں "أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى" (ترجمہ:-اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا)۔(النجم 12:)
میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔(تاریخ اہلِ حدیث،ص۷۹)
جوشخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔(تاریخ اہلِ حدیث 428: نقلاعن الحافظ عبدالمنان)

آپ نے تاریخ اہلِ حدیث کے نام سے محدثین اور اپنے اکابر جماعت کی ایک تاریخ لکھی،اس میں آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا،آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس دہلی اس کو شائع کرنا چاہتی تھی؛لیکن وہ لوگ اس پر رضامند نہ تھے کہ امام ابوحنیفہ

رحمہ اللہ کو محدثین میں ذکر کیا جائے انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ حضرت امام صاحب کا ذکر اس کتاب سے نکال دیں مولانا ابراہیم صاحب نے کتاب ان سے واپس لے لی؛ مگر امام صاحب کا نام اس کتاب سے نہ نکالا اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام محدثین سے کبھی الگ نہیں ہوسکتا۔

سید ابوبکر غزنوی نے اپنے والد مولانا محمد داؤد غزنوی کے سوانح حیات میں مولانا محمد اسحاق بھٹی کا ایک مقالہ بھی درج کیا ہے، اس میں آپ سید محمد داؤد غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ائمہ کرام کا اُن کے دل میں انتہائی احترام تھا، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اسمِ گرامی بے حد عزت سے لیتے، ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہلِ حدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی، بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا۔

مولوی اسحاق ! جماعت اہلِ حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کررہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے؛ پھر اُن کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ؛ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ اُنہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد اور یک جہتی کیوں کر پیدا ہوسکتی ہے"۔ (مولانا داؤد غزنوی 136)

ان دنوں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت جو آپ نے اپنے بیٹے حماد کے نام لکھی، نئی نئی طبع ہوکر آئی تھی، آپ اسے آنے جانے والوں کو دکھاتے اور فرماتے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر کم ازکم پانچ لاکھ احادیث پر تھی، اب بھی جماعت اہلِ حدیث میں اچھے خاصے لوگ ملیں گے جو ائمہ کرام اور فقہاء اسلام کا خاصا احترام کرتے ہیں؛ لیکن افسوس کہ چند ناعاقبت اندیش متعصب افراد کی جسارت اور دوسروں کی اس پر مصلحت کیش خاموشی پوری جماعت کو اہل السنت والجماعت سے باہر کھڑا کرتی ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون؛ لیکن افسوس کہ ان کے خطیب قسم کے علماء اور جماعت میں اپنی جھوٹی شخصیت اُبھارنے والے فقہ حنفی سے برسرِ عام کھیلتے ہیں، حضرت امام کے علم حدیث کا تمسخر اڑاتے ہیں اور یہ مسخرے نہیں جانتے کہ حضرت امام کی روحانی بددعا جس کے بھی شاملِ حال ہوئی وہ قادیانی ہوکر مرا یا رفض کی گود میں گیا یا اسے منکرینِ حدیث میں جگہ ملی اور یا دہ پاگل ہوگیا، سلامتی سے اُسے یہاں سے رخصتی نہیں ہوتی، "اعاذنا الله من سوء الادب فی الائمة المجتهدين"۔

یہ درست ہے کہ اس حلقے میں بعض حضرات معتدل مزاج بھی تھے؛ انہوں نے کوشش کی کہ جماعت کو مطلق العنان ہونے سے بچایا جائے اور اُنہیں پابند کیا جائے کہ کسی مسئلہ میں سلف کی حدود سے نہ نکلیں، اس جذبہ سے بہت سے لوگ سلفی کہلائے پہلے جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول کے سوا کچھ نہ سنتے تھے، اب سلف کی پیروی میں فخر محسوس کرنے لگے، یہ ان لوگوں میں پہلی نظریاتی تبدیلی ہے جو عمل میں آئی ہے

ہمیں پورا احساس ہے کہ موضوع زیر بحث اہلِ حدیث (باصطلاحِ جدید فرقہ اہلحدیث) کا تعارف ہے، یہ چند باتیں ہم نے صرف تاریخی پہلو سے کہی ہیں، کسی فریق کے کسی موقف کا اثبات یا ابطال ہرگز پیشِ نظر نہیں، حدیث کے طلبہ کے لیئے حدیث

سے متعلق جملہ مباحث لائق مطالعہ ہوتے ہیں، ہم نے ضرورت کے مطابق یہ تاریخی نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، کسی عزیز نے کسی بات پر کوئی گرانی محسوس کی ہو تو ہم اس سے معذرت خواہ ہیں، تاریخی حقائق سے صرف نظر تو کی جاسکتی ہے؛ لیکن انہیں مٹایا نہیں جاسکتا، یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ جو درخت تقریباً ایک صدی پہلے ترکِ تقلید کے نام سے بویا گیا تھا اس کے نکیلے کانٹوں سے خود اس کے داعی بھی خون آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے، غزنوی حضرات اس لیے ان مفاسد سے بچے رہے کہ وہ سلوک واحسان کے قائل تھے، مولانا عبدالجبار غزنوی کی کتاب "اثبات الالهام و البيعة "، یہ کتاب مولوی غلام علی قصوری کی ایک کتاب کے جواب میں لکھی گئی تھی، مقلدین کے بارے میں آپ کا نظریہ تھا۔

"مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا، باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض وعداوت نہیں رکھتے اور باہم سب وشتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے، صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جزوِ ایمان ہے"۔ (اثبات الالهام و البيعة 6: طبع دوم)

مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

مولوی رشید احمد صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ خاکسار (مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب) کو جو سبیل الارشاد میں کئی جگہ فرقہ غیر مقلدین کہا گیا ہے یہ مجھے ناگوار گزرا ہے ہم لوگ جو اس گروہ سے علم کی طرف منسوب ہیں۔ منصوصات میں قرآن و حدیث کے پیرو ہیں اور جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً آئمہ مذہب حنفی کی جن کے اصول وفروغ کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ (اشاعۃ السنہ۔ ج23، ص(290)

خاکسار نے رسالہ نمبر 6 جلد نمبر 20 کے صفحہ 201 اپنے بعض اخوان اور احباب اہلحدیث کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر ان کو اجتہاد مطلق کا دعوٰی نہیں اور جہاں نص قرآنی اور حدیث نہ ملے وہاں تقلید مجتہدین سے انکار نہیں تو وہ مذہب حنفی یا شافعی (جس مذہب کے فقہ واصول پر بوقت نص نہ ملنے کے وہ چلتے ہوں) کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں۔

(اشاعۃ السنہ، ج23، ص(291)

جس مسئلہ میں مجھے صحیح حدیث نہیں ملتی اس مسئلہ میں میں اقوال مذہب امام سے کسی قول پر صرف اس حسن ظنی سے کہ اس مسئلہ کی دلیل ان کو پہنچی ہوگی تقلید کر لیتا ہوں۔ ایسا ہی ہمارے شیخ وشیخ الکل (میاں صاحب) کا مدت العمری عمل رہا۔

(اشاعۃ السنہ، ج22، ص(310)

محمد حسین بٹالوی مزید فرماتے ہیں۔ اگر آپ کو اجتہاد مطلق کا دعوٰی نہیں ہے اور جہاں نص نہ ملے وہاں تقلید مجتہدین سے انکار نہیں۔ حضرت شیخ وشیخ الکل سید محمد نزیر حسین دھلوی صاحب شمس العلماء بھی اسی طرح تھے وہ اہلحدیث کے سردار بھی تھے اور حنفی بھی کہلاتے تھے اور حنفی مذہب کی کتب متون وشرح اور فتاوٰی پر فتوٰی دیتے تھے۔ (اشاعۃ السنہ، ج23، ص(290)

مزید یہ کہ سیرت ثنائی کے محشی میاں صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔ فقہ حنفیہ پر حدیث سے زیادہ عبور تھا۔ (حاشیہ سیرت ثنائی

ص(120

مولانا بٹالوی صاحب کی مزید بات پڑھیں۔ یہ بلا قادیانی کے اتباع کی اکثر اسی فرقہ میں پھیلی ہے جو عامی وجاہل ہو کر مطلق تقلید کے تارک وغیر مقلد بن گئے ہیں یا ان لوگوں میں جو نیچری کہلاتے ہیں۔ جو درحقیقت اس قسم کے غیر مقلدوں کی برانچ (شاخ) ہیں۔(اشاعۃ السنۃ،ص 271،ج(15

جب نام نہاد اہلحدیث دھڑا دھڑ مرزائی عیسائی اور مرتد ہوتے دیکھے تو پھر اپنا پچیس سالہ تجربہ بیان کیا ان الفاظ میں۔ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعوی کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد وفسوق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم از کم ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر 2، جلد 11، مطبوعہ 1888ء)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ثانی نہیں ہے

علامہ محمد بن یوسف دمشقی لکھتے ہیں کہ حضرت شریک سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازہ کے ساتھ جارہے تھے۔ ہمارے ساتھ سفیان ثوری، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ابو الاحوص، مندل اور حبان بھی تھے۔ جنازہ ایک بوڑھے سید زادے کا تھا۔ جنازہ میں کوفہ کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ سب ساتھ چل رہے تھے کہ اچانک جنازہ رک گیا۔ لوگوں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اس لڑکے کی ماں بیتاب ہو کر نکل پڑی۔ جنازہ پر اپنا کپڑا ڈال دیا اور اپنا سر کھول دیا۔ عورت شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس میت کے باپ نے چلا کر کہا واپس جاؤ مگر اس نے واپس ہونے سے انکار کر دیا۔ باپ نے قسم کھالی کہ لوٹ جاؤ ورنہ تجھے طلاق۔ جب کہ ماں نے بھی قسم کھالی کہ اگر میں نماز جنازہ سے پہلے لوٹوں تو میرے سارے غلام آزاد۔

الغرض لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مشغول کلام ہو گئے اب کیا ہوگا؟ کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔ میت کے باپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ میری مدد کرو۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ آئے اور عورت سے معلوم کیا کہ قسم کس طرح کھائی؟ اس نے بتلا دیا۔ باپ سے پوچھا تم نے کس طرح قسم کھائی؟ اس نے بھی بتلا دیا۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میت کا سر یر رکھو۔ چنانچہ رکھ دیا گیا۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے باپ کو حکم دیا کہ نماز جنازہ پڑھاؤ جو لوگ آگے نکل گئے تھے، واپس ہوئے باپ کے پیچھے صف لگی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا قبر کی طرف لے جاؤ اور اس کی ماں سے کہا اب تم گھر چلی جاؤ۔ قسم پوری ہو گئی اور باپ سے کہا تمہاری بھی قسم پوری ہو گئی تم بھی گھر جاؤ۔ اس پر ابن شبرمہ کہنے لگے عورتیں آپ جیسا پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ علمی نکات بیان کرنے میں آپ کو نہ کوئی مشقت ہوتی ہے اور نہ پریشانی ہوتی ہے۔ (تذکرہ نعمان بن ثابت)

محمد لیاقت علی رضوی ،چک سنتیکا بھاولنگر

كِتَابُ السِّيَرِ

﴿یہ کتاب سیر کے بیان میں ہے﴾

کتاب سیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیر سیرت کی جمع ہے اور وہ امور میں طریقے کا نام ہے جبکہ اصطلاح شرع میں وہ طریقہ جو نبی کریم ﷺ کی سنن کے ساتھ مغازی میں خاص ہو۔

مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب سیر پر حدود کو مقدم کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حکم کے اعتبار سے حسن لغیرہ ہے اور یہی غیر مامور بہ کے فعل کی طرف لے جانے والا ہے البتہ حدود کا معاملہ اکثر مسلمانوں کے ساتھ پیش آتا ہے یا خاص طور پر جس طرح حد شراب ہے۔ جبکہ سیر کا معاملہ کفار کے ساتھ پیش آتا ہے۔ پس مسلمانوں کی تقدیم اولیٰ ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۴۳۴، بیروت)

سیر کے معنی کا فقہی بیان

(وَالسِّيَرُ جَمْعُ سِيرَةٍ) وَهِيَ فِعْلَةٌ مِنَ السَّيْرِ (وَهِيَ الطَّرِيقَةُ فِي الْأُمُورِ .وَفِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَغَازِيهِ)

ترجمہ

سیر سیرت کی جمع ہے اور وہ امور میں طریقے کا نام ہے جبکہ اصطلاح شرع میں وہ طریقہ جو نبی کریم ﷺ کی سنن کے ساتھ مغازی میں خاص ہو۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں مغرب میں ہے۔ کہ سیرت کی اصل حالت سیر ہے لیکن شریعت کی زبان میں غزوات کے معاملات کے غلبہ کے سبب اس کو سیرت سے متعلق کر دیا گیا ہے اور یہ اسی طرح متعلق ہے جس طرح مناسک امور حج سے متعلق ہیں اور مغازی مغزات کی جمع ہے۔ اور یہ دشمن سے غزوہ کرنا قتل کے ارادے سے ہے اور اسی کو غزوہ، غزات اور مغزات کہتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۴۳۴، بیروت)

جہاد کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان

امام راغب اصفہانی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جہد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا "(الجهاد استفراغ الوسع في مدافعة العدو) ۔جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔"

اصطلاح شریعت میں "جہاد کا مفہوم ہے۔" کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل وتدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہوکر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معانت وحمایت کی جائے۔(المفردات، بتصرف)

جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کردینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے، جو ہر وقت اپنے مقصد کی دُھن میں لگا ہو، دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچے، زبان وقلم سے اسی کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اسی کے لیے دوڑ دُھوپ اور محنت کرے، اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صَرف کر دے، اور ہر اس مزاحمت کا پُوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے، حتیٰ کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہوتو اس میں بھی دریغ نہ کرے۔ اس کا نام ہے جہاد۔ اور جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو اور اللہ کا کلمہ سارے کلموں پر غالب ہو جائے۔ اس کے سوا اور کوئی غرض مجاہد کے پیش نظر نہ ہو۔

جہاد کے مقصد کا بیان

جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کا بول بالا رہے، خدا کی اس سرزمین پر اس کا جھنڈا سر بلند اور اس کے باغی منکروں کا دعوی سرنگوں رہے۔

جہاد کے حکم کا بیان

جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر نفیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر نفیر عام ہو بایں طور کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر ٹوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کردیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کر دیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہوگا خواہ نفیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا عادل ہو یا فاسق، لہٰذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہوگا اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی واجب ہوگا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کی حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے

کے لئے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی ودفاعی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کسل وسستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح میت کا مسئلہ ہے کہ اس کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی اسی طرح جہاد کا بھی مسئلہ کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جنگی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا ناکام رہے ہوں تو اس وقت ان کے پڑوسی شہر وملک کے مسلمانوں بلکہ مابین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعوی سرنگوں کریں۔

جہاد کی فرضیت کا بیان

قَالَ (الْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنْ النَّاسِ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِينَ) أَمَّا الْفَرْضِيَّةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ) وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْجِهَادُ مَاضٍ إلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) وَأَرَادَ بِهِ فَرْضًا بَاقِيًا ، وَهُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ مَا فُرِضَ لِعَيْنِهِ إذْ هُوَ إفْسَادٌ فِي نَفْسِهِ ، وَإِنَّمَا فُرِضَ لِإِعْزَازِ دِينِ اللَّهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنْ الْعِبَادِ ، فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُودُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِينَ كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ (فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ) لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْكُلِّ ، وَلِأَنَّ فِي اشْتِغَالِ الْكُلِّ بِهِ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنْ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ (إلَّا أَنْ يَكُونَ النَّفِيرُ عَامًّا) فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ مِنْ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا) الْآيَةَ .

وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : الْجِهَادُ وَاجِبٌ إلَّا أَنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي سَعَةٍ حَتَّى يُحْتَاجَ إلَيْهِمْ ، فَأَوَّلُ هَذَا الْكَلَامِ إشَارَةٌ إلَى الْوُجُوبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَآخِرُهُ إلَى النَّفِيرِ الْعَامِّ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ عِنْدَ ذَلِكَ لَا يَتَحَصَّلُ إلَّا بِإِقَامَةِ الْكُلِّ فَيُفْتَرَضُ عَلَى الْكُلِّ (وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ) وَإِنْ لَمْ يَبْدَءُوا لِلْعُمُومَاتِ .

ترجمہ

فرمایا: کہ جہاد فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت اسے انجام دے گی تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ البتہ فرضیت جو ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے سبب سے ہے "تم سب لوگ مل کر مشرکین سے قتال کرو جس طرح وہ مل کر تم سے قتال کرتے ہیں" اور آپ ﷺ کے اس فرمانِ گرامی سے ثابت ہے "جہاد قیامت تک لیے جاری ہے اور اس فرمان سے آپ کی مراد

یہ ہے کہ جہاد باقی رہنے والا فرض ہے، اور جہاد فرض کفایہ اس لیے ہے کہ جہاد بہ بذات خود فرض نہیں ہوا، کیونکہ یہ خود بہ خود فساد پھیلانا ہے۔اور جہاد تو دینِ خداوندی کے اعزاز کی خاطر اور بندوں سے شر کو دفع کرنے کے لیے فرض ہوا ہے، لہٰذا جب کچھ لوگوں سے مقصود حاصل ہو جائے گا تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی جس طرح نماز جنازہ اور سلام کا جواب چنانچہ جب کسی نے بھی جہاد نہیں کیا تو ترکِ جہاد کی سبب سے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے۔ کیونکہ وجوب سب پر ہے، اور اس سبب سے کہ تمام لوگوں کے جہاد میں مشغول ہونے سے جہاد کے سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار کو ختم کرنا لازم آئے گا اس لیے جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، لیکن اگر نفیر عام ہو تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ جہاد واجب ہے تاہم مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے نزدیک تک کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔اس کلام کے پہلے حصے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور آخری حصے میں نفیر عام کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس وہ سے کہ نفیر عام کے وقت تمام لوگوں کے جہاد کیے بغیر مقصود حاصل نہیں ہوگا لہٰذا سب پر جہاد فرض ہوگا۔اور کفار سے جہاد کرنا واجب ہے اگر چہ وہ پیش قدمی نہ کریں، کیونکہ آیات واحادیث میں عموم ہے۔

قرآن کے مطابق فرضیت جہاد کا بیان

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔(البقرہ،۲۱۶)

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جہاد فرض ہے جب اس کے شرائط پائے جائیں اگر کافر مسلمانوں کے ملک پر چڑھائی کریں تو جہاد فرض عین ہوتا ہے ورنہ فرض کفایہ۔کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تو تم پر لازم ہے کہ حکم الٰہی کی اطاعت کرو اور اسی کو بہتر سمجھو چاہے وہ تمہارے نفس پر گراں ہو۔(تفسیر خزائن العرفان)

(۲)(اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۔(التوبہ:36)

جہاد اور حرمت والے مہینے، حرمت والے مہینوں سے مراد یہاں وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر میں ہے پس ان کے حق میں آخری حرمت والا مہینہ محرم الحرام کا ہے ابن عباس اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے لیکن اس میں ذرا تامل ہے بلکہ مراد اس سے

یہاں وہ چار مہینے ہیں جن میں مشرکین کو پناہ ملی تھی کہ ان کے بعد تم سے لڑائی ہے چنانچہ خود اسی سورت میں اس کا بیان اور آیت میں آ رہا ہے۔ فرماتا ہے ان چار ماہ کے بعد مشرکوں سے جنگ کرو انہیں قتل کرو، انہیں گرفتار کرو، جہاں بھی پاؤ پس یہ عام ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ خاص ہے حرم میں لڑائی نہیں ہو سکتی جس طرح فرمان ہے

(۳)(وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ(-2البقرة191:)

یعنی مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔ چاہو قتل کرو، چاہو قید کرلو، ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو ان کے لیے ہر گھاٹی میں بیٹھ کر تاک لگاؤ انہیں زد پر لا کر مارو۔ یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کرو اور انہیں مجبور کر دو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اس لیے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں پابند نماز ہو جائیں زکوۃ دینے کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجالائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔

احادیث کے مطابق فرضیت جہاد کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا اپنے والدین کی خدمت کرنا میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں پوچھا اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو آپ اور زیادہ مجھے بتا دیتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 51)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی ہاں جہاد اور نیک نیتی کا ثواب ملتا ہے اگر تم جہاد کیلئے طلب کیے جاؤ تو فوراً کمربستہ ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 52)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار رسول اللہ میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ سب لوگوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو، پھر صحابہ نے عرض کیا، اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو، اور وہیں خدا کی عبادت کرتا ہو، اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 55)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو اللہ اس شخص کو خوب پہچانتا ہے جو اسکی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس کی سی ہے جو روزانہ روزہ رکھتا ہو، اور تمام رات نماز پڑھتا ہو، اللہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کیلئے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اگر اس کو موت دے گا، تو اسے جنت میں داخل کر دے گا، یا غازی بنا کر اسے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ زندہ لوٹائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 56)

(۵) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام میں بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ ہم نے یہ کہا اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے تو ہم وہ عمل سرانجام دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "آسمان وزمین میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) غالب اور حکمت والا ہے "۔ (راوی کہتے ہیں) یہ مکمل سورت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی اور پوری سورت پڑھ کر سنائی۔ (راوی) ابوسلمہ بیان کرتے ہیں حضرت ابن سلام نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی۔

(راوی) حضرت یحیی کہتے ہیں ابوسلمہ نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ (راوی) یحیی نے ہمیں یہ پوری سورت پڑھ کر سنائی۔ (راوی کہتے ہیں) اوزاعی نامی راوی نے یہ پوری سورت ہمیں پڑھ کر سنائی (امام دارمی فرماتے ہیں) محمد جو اس حدیث کے روایت میں میرے استاد ہیں انہوں نے یہ پوری سورت ہمیں پڑھ کر سنائی۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 241)

فرضیت جہاد میں فقہی مذاہب کا بیان

جمہور فقہا کا نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ جہاد کا آغاز کرنے کے لیے کفار کی طرف سے کسی جارحیت یا اشتعال انگیز رویے کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہ رکھتی ہو، تب بھی اس کے ساتھ برسر جنگ ہونا مسلمانوں پر واجب ہے۔ (سرخسی، شرح السیر الکبیر، ۱/۱۸۸)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وقتال الكفار .....واجب وان لم يبدء ونا لان الادلة الموجبة له لم تقيد الوجوب ببداء تهم (فتح القدير ۱۲/۳۸۵)

" کفار کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ ہمارے خلاف اس کا آغاز نہ کریں، کیونکہ جہاد کو واجب کرنے والے دلائل میں اس کے وجوب کو اس سے مشروط نہیں کیا گیا کہ پہل کفار کی طرف سے کی گئی ہو۔"

اسی طرح کسی کافر قوم کے ساتھ صلح کا دائمی معاہدہ فلسفہ جہاد کے منافی ہے، لہٰذا کفار کے ساتھ 'مہادنہ' یعنی برابری کی سطح پر صلح کے تعلقات قائم نہیں ہو سکتے اور اگر کوئی غیر مسلم قوم اس کی خواہاں ہو تو اس کی پیش کش قبول نہیں کی جائے گی۔

(الشیبانی، کتاب السیر والخراج والعشر، ۱۵۴)

ہاں، اگر مسلمان ان کے ساتھ جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں یا کوئی دوسری سیاسی یا مذہبی مصلحت پیش نظر ہو تو دو شرطوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک یہ کہ معاہدہ محدود مدت کے لیے ہو، کیونکہ دائمی صلح کی صورت میں جہاد کا بالکلیہ ترک کردینا لازم آتا ہے۔ اس صورت میں بعض فقہا کے نزدیک چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے صلح نہیں کی جاسکتی، بعض کے نزدیک اس کی مدت زیادہ سے زیادہ دس سال ہے، جبکہ بعض کی رائے میں حالات ومصالح کے لحاظ سے کسی بھی مخصوص مدت کے لیے صلح کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے، البتہ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ کم سے کم مدت کے لیے معاہدہ صلح کی پابندی اختیار کی جائے۔

(ابن قدامہ، المغنی، ۹/۵۹۰، ۵۹۱)

دوسری یہ کہ صلح کا معاہدہ محض اس وقت تک برقرار رکھا جائے گا جب تک کہ وہ مصلحت جس کے پیش نظر صلح کی گئی ہے، باقی ہو یا مسلمانوں کی جنگی استعداد جہاد کی متحمل نہ ہو۔ صورت حال تبدیل ہونے پر معاہدہ صلح کو ختم کر کے کفار کے خلاف اقدام کرنا لازم ہے۔ (سرخسی، المبسوط، ۱۰/۸۶)

تاہم مذکورہ رائے کے برعکس فقہا کے ایک گروہ کی رائے یہ بھی رہی ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتدا نہ کریں، ان کے خلاف قتال فرض نہیں۔ مثال کے طور پر طبری نے 'کتب علیکم القتال '(البقرہ۲ :۲۱۶) کے تحت جلیل القدر تابعی مفسر عطاء رحمہ اللہ کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں اور مذکورہ قرآنی حکم صرف صحابہ کے ساتھ خاص تھا۔ اسی طرح عمرو بن دینار کی رائے بھی یہی تھی کہ کفار پر حملہ کرنا واجب نہیں۔

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عن ابن جریج قال قلت لعطاء اواجب الغزو علی الناس فقال ہو وعمرو بن دینار ما علمناہ

(جصاص، احکام القرآن ۳/۱۱۴)

"ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا کفار پر حملہ آور ہونا مسلمانوں پر واجب ہے؟ تو عطاء اور عمرو بن دینار دونوں نے کہا کہ ہماری رائے میں واجب نہیں ہے۔"

سفیان ثوری سے یہ رائے منقول ہے کہ کفار جب تک مسلمانوں کے خلاف قتال کی ابتدا نہ کریں، ان کے خلاف جنگ کرنا لازم نہیں۔

امام محمد علیہ الرحمہ 'السیر الکبیر' میں لکھتے ہیں۔

کان الثوری یقول القتال مع المشرکین لیس بفرض الا ان تکون البدایة منہم فحینئذ یجب قتالہم دفعا لظاہر قولہ فان قاتلوکم فاقتلوہم وقولہ وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة (سرخسی،

شرح السیر الکبیر، ۱/۱۸۷)

"سفیان ثوری کہتے تھے کہ جب تک کفار جنگ کا آغاز نہ کریں، ان کے ساتھ لڑنا فرض نہیں۔ہاں اگر وہ حملہ کریں تو پھر دفاع میں ان سے لڑنا فرض ہے۔ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ہے کہ "پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو "اور "تم بھی مل کر مشرکین سے لڑو جس طرح وہ مل کر تم سے لڑتے ہیں۔"

فرضیت جہاد میں اسلاف کے تاریخی شوق کا بیان

سورہ براۃ میں یہی آیت پہلے اتری ہے اس میں ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہادی ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکل کھڑے ہونا چاہئے اہل کتاب رومیوں سے جہاد کے لئے تمام مومنوں کو چلنا چاہئے خواہ دل مانے یا نہ مانے خواہ آسانی نظر آئے یا طبیعت پر گراں گزرے۔ذکر ہورہا تھا کہ کوئی بڑھاپے کا کوئی بیمار کا عذر کر دے گا تو یہ آیت اتری۔بوڑھے جوان سب کو پیغمبر کا ساتھ دینے کا عام حکم ہوا کسی کا کوئی عذر نہ چلا حضرت ابوطلحہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی اور اس حکم کی تعمیل میں سرزمین شام میں چلے گئے اور نصرانیوں سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ جان بخشنے والے اللہ کو اپنی جان سپرد کر دی۔رضی اللہ عنہ وارضاہ اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر آئے تو فرمانے لگے ہمارے رب نے تو میرے خیال سے بوڑھے جوان سب کو جہد کے لئے چلنے کی دعوت دی ہے میرے پیارے بچو میرا سامان تیار کرو۔میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا بچوں نے کہا اباجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک آپ نے حضور ﷺ کی ماتحتی میں جہاد کیا۔

خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے۔خلافت فاروقی کے آپ مجاہد مشہور ہیں۔اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی آپ گھر پر آرام کیجئے ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے جو سمندر کے عین درمیان روح پروردگار کو سونپ دی۔نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفنایا جاتا۔نو دن کے بعد خشکی پر اترے اور آپ کو سپرد لحد کیا اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ اور بھی بہت سے بزرگوں سے خفافاً وثقالاً کی تفسیر جوان اور بوڑھے مروی ہے۔

الغرض جوان ہوں یا بوڑھے ہوں، امیر ہوں، فقیر ہوں، فارغ ہوں، مشغول ہوں، خوش حال ہوں یا تنگ دل ہوں، بھاری ہوں یا ہلکے ہوں، حاجت مند ہوں، کاری گر ہوں، آسانی والے ہوں تختی والے ہوں پیشہ ور ہوں یا تجارتی ہوں، قوی ہوں یا کمزور جس حالت میں بھی ہوں بلا عذر کھڑے ہو جائیں اور راہ حق کے جہاد کے لئے چل پڑیں۔اس مسئلہ کی تفصیل کے طور پر ابو عمرو اور زاعی کا قول ہے کہ جب اندرون روم حملہ ہوا ہو تو مسلمان ہلکے پھلکے اور سوار چلیں۔اور جب ان بندرگاہوں کے کناروں پر حملہ ہو تو ہلکے بوجھل سوار پیدل ہر طرح نکل کھڑے ہو جائیں۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت فلولا نفر الخ، سے یہ حکم منسوخ ہے۔اس پر ہم پوری روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ تعالیٰ مروی ہے کہ ایک بھاری بدن کے بڑے شخص نے آپ سے اپنا حال ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور یہ آیت اتری۔لیکن یہ حکم صحابہ پر سخت گزرا پھر جناب باری نے اسے آیت لیس علی الضعفاء ،الخ، سے منسوخ کر دیا یعنی ضعیفوں بیماروں تنگ دست فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو اگر وہ اللہ کے دین اور شرع مصطفیٰ کے حامی اور طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔

حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول غزوے سے لے کر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف وثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوا نہیں ہوتی۔حضرت ابوراشد حرانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسود سوار سرکار رسالت مآب کو حمص میں دیکھا کہ ہڈی اتر گئی ہے پھر بھی ہود میں سوار ہو کر جہاد کو جارہے ہیں تو میں نے کہا اب تو شریعت آپ کو معذور سمجھتی ہے آپ یہ تکلیف کیوں اٹھار ہے ہیں ڈ آپ نے فرمایا سنو سورۃ البعوث یعنی سورہ برات ہمارے سامنے اتری ہے جس میں حکم ہے کہ ہلکے بھاری سب جہاد کو جاؤ۔

حضرت حیان بن زید شرعی کہتے ہیں کہ صفوان بن عمرو والی حمص کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کے لئے چلے، میں نے دمشق کے ایک عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھا کہ حملہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے انٹ پر سوار وہ بھی آرہے ہیں ان کی بھوئیں ان کی آنکھوں پر پڑ رہی ہیں شیخ فانی ہو چکے ہیں میں نے پاس جا کر کہا چچا صاحب آپ تو اب اللہ کے نزدیک بھی معذور ہیں یہ سن کر آپ نے اپنی آنکھوں پر سے بھوئیں ہٹائیں اور فرمایا بھتیجے سنو اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بھاری ہونے کی دونوں صورتوں میں ہم سے جہاد میں نکلنے کی طلب کی ہے۔سنو جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وہاں اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے پھر اس پر بعد از ثابت قدمی اللہ کی رحمت برستی ہے۔سنو اللہ کی آزمائش شکر وصبر وذکر اللہ اور توحید خالص سے ہوتی ہے۔جہاد کے حکم کے بعد مالک زمین وزماں اپنی راہ میں اپنے رسول کی مرضی میں مال وجان کے خرچ کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دنیا آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔دنیوی نفع تو یہ ہے کہ تھوڑا سا خرچ ہوگا اور بہت سی غنیمت ملے گی آخرت کے نفع سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے وہ مجاہد کو یا تو شہید کر کے جنت کا مالک بنا دیتا ہے یا اسے سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاتا ہے خود الہ العالمین کا فرمان عالی شان ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے باوجود یہ کہ تم اس سے کترا کھارہے ہو۔لیکن بہت ممکن ہے کہ تمہاری نہ چاہی ہوئی چیز ہی دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری چاہت کی چیز فی الواقع تمہارے حق میں بے حد مضر ہو سنو تم تو بالکل نادان ہو اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دانا بینا ہے۔حضور نے ایک شخص سے فرمایا مسلمان ہو جا اس نے کہا جی تو چاہتا نہیں آپ نے فرمایا گو نہ چاہے (مسند احمد بن حنبل)

کفار کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے: (اور جہاد فرض کفایہ ہے، جب قوم کے کچھ افراد جہاد کر رہے ہوں تو باقی افراد سے ساقط

ہو جاتا ہے۔(فرض کفایہ کا معنی یہ ہے کہ: وہ فرض چیز اگر اتنے لوگ اس کی ادائیگی نہ کریں جو کافی ہوں تو سب لوگ گنہگار ہونگے، اور اگر اتنے لوگ ادا کرلیں جو کافی ہوں تو باقی سب لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔

ابتدا میں خطاب سب کو شامل ہے، مثلا فرض کفایہ، اور پھر اس میں مختلف ہے کہ فرض کفایہ بعض کے ادا کرنے سے باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے، اور فرض عین کسی دوسرے کے کرنے سے کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتا، عام اہل علم کے قول کے مطابق جہاد فرض کفایہ میں شامل ہوتا ہے۔(المغنی ابن قدامہ (9 / . (163)

کفار کے خلاف جہاد چار حالتوں میں فرض ہو جاتا ہے:

1 جب مسلمان شخص جہاد میں حاضر ہو جائے.

2 جب دشمن آجائے اور علاقے اور ملک کا محاصرہ کرلے.

3 جب امام المسلمین اور حکمران رعایا کو جہاد کی طرف بلائے تو رعایا پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہو جاتا ہے.

4 جب اس شخص کی ضرورت ہو اور اس کے بغیر کوئی اور اس ضرورت کو پورا نہ کرسکتا ہو .

بچے پر جہاد کی عدم فرضیت کا بیان

(وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى صَبِيٍّ) ؛ لِأَنَّ الصِّبَا مَظِنَّةُ الْمَرْحَمَةِ (وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ) لِتَقَدُّمِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ (وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ لِعَجْزِهِمْ ، فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إذْنِ الْمَوْلَى) لِأَنَّهُ صَارَ فَرْضَ عَيْنٍ ، وَمِلْكُ الْيَمِينِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِي الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ النَّفِيرِ ؛ لِأَنَّ بِغَيْرِهِمَا مَقْنَعًا فَلَا ضَرُورَةَ إلَى إبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ

ترجمہ

اور بچے پر جہاد واجب نہیں ہے، کیونکہ بچہ محل شفقت ہے۔غلام اور عورت پر بھی جہاد نہیں ہے، اس لیے کہ آقا اور شوہر کا حق مقدم ہے۔اندھے، لنگڑے اور پاؤں کٹے ہوئے شخص پر بھی جہاد واجب نہیں ہے اس لیے کہ یہ لوگ عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔پھر اگر دشمن کسی ملک پر حملہ کردیں تو تمام لوگوں پر نکلنا واجب ہوگا چنانچہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے گا، کیونکہ اب جہاد فرض عین ہوگیا ہے اور فرض عین میں ملک یمین اور ملک نکاح کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔(قاعدہ فقہیہ) جس طرح روزے اور نماز میں ہے۔برخلاف نفیر سے پہلے کے، کیونکہ (اس صورت میں) ان کے بغیر بھی کفایت ہو جاتی ہے، لہذا آقا اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جہاد میں بعض لوگوں کی رخصت کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بچوں اور عورتوں پر اور غلام پر فرض نہیں۔اسی طرح بالغ کے ماں باپ اجازت نہ دیں تو نہ جائے۔اسی طرح اندھے اور اپاہج اور لنگڑے اور جس کے ہاتھ کٹے ہوں ان پر فرض نہیں اور مدیون کے پاس مال ہو تو دین ادا کرے اور جائے ورنہ بغیر قرض خواہ بلکہ بغیر کفیل کی اجازت کے نہیں جاسکتا۔اور اگر دین میعادی ہو اور جانتا ہے کہ میعاد پوری ہونے سے پہلے واپس آجائے گا تو جانا جائز ہے۔اور شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو وہ بھی نہ جائے۔اسی طرح اگر اس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں اور وہ لوگ موجود نہیں ہیں تو کسی دوسرے شخص سے کہہ دے کہ جن کی جن کی امانت ہے دیدینا تو اب جاسکتا ہے۔(بحرالرائق، کتاب سیر، ج ۵، ص ۱۲۱)

سب پر جہاد فرض ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کفار ہجوم کر آئیں تو اس وقت فرض عین ہے یہاں تک کہ عورت اور غلام پر بھی فرض ہے اور اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور غلام اپنے آقا سے اجازت لے بلکہ اجازت نہ دینے کی صورت میں بھی جائیں اور شوہر و آقا پر منع کرنے کا گناہ ہوا۔اسی طرح ماں باپ سے بھی اجازت لینے کی اور مدیون کو دائن سے اجازت کی حاجت نہیں ہے۔بلکہ مریض بھی جائے ہاں جب پرانا مریض ہے کہ جانے پر قادر نہ ہو تو اس کو رخصت ہے۔

(بحرالرائق، کتاب سیر، ج ۵، ص ۱۲۱)

جہاد کیلئے چندہ وصول کرنے کی کراہت کا بیان

(وَيُكْرَهُ الْجُعَلُ مَا دَامَ لِلْمُسْلِمِينَ فَيْءٌ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْأَجْرَ ، وَلَا ضَرُورَةَ إلَيْهِ ؛ لِأَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدٌّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ .

قَالَ (فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَوِّيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا) لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِإِلْحَاقِ الْأَدْنَى ، يُؤَيِّدُهُ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ) وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُغْزِي الْأَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيلَةِ ، وَيُعْطِي الشَّاخِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ .

ترجمہ

اور جب تک مسلمانوں کے پاس مال ہو اس وقت تک خاص جہاد کے لیے چندہ وغیرہ وصول کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ جہاد میں چندہ کرنا اجرت کے مشابہ ہے اور چندہ کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے کہ بیت المال کا مال مسلمانوں کی آفات دور کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے لیکن جب بیت المال میں مال نہ ہو تو اب چندہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایک دوسرے کو تقویت پہنچا

نے میں کوئی حرف نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں نقصان کم تر کو برداشت کر کے اعلیٰ نقصان کو دور کرنا ہے (قاعدہ فقہیہ) اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان سے کچھ زر ہیں لی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیر شادی شدہ لوگوں کو شادی شدہ لوگوں کی طرف سے بھیجتے تھے اور جہاد میں جانے والے کو نہ جانے والے کا گھوڑا دے دیا کرتے تھے۔

بیت المال سے جہاد کا سامان مقرر کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بیت المال میں مال موجود ہو تو لوگوں پر سامان جہاد گھوڑے اور اسلحہ کے لیے مال مقرر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور بیت المال میں مال نہ ہو تو حرج نہیں اور اگر کوئی شخص بطیب خاطر کچھ دینا چاہتا ہے تو اصلاً مکروہ نہیں بلکہ بہتر ہے خواہ بیت المال میں ہو یا نہ ہو۔ اور جس کے پاس مال ہو مگر خود نہ جاسکتا ہو تو مال دے کر کسی اور کو بھیج دے مگر غازی سے یہ نہ کہے کہ مال لے اور میری طرف سے جہاد کر کہ یہ تو نوکری اور مزدوری ہوگئی اور یوں کہا تو غازی کو لینا بھی جائز نہیں۔

(درمختار، کتاب الجہاد، ج ۶، ص ۲۰۳)

اجرت والے جہاد کا بیان

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم پر بڑے بڑے شہر فتح کیے جائیں گے اور لشکر اکٹھے کیے جائیں گے اور ان لشکروں میں سے ایک حصہ تمہارے لئے بھی بھیجنا ضروری قرار پائے گا۔ لیکن تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوگا جو جہاد میں بغیر کسی اجرت کے جانا پسند نہیں کرے گا۔ وہ اپنی قوم سے بھاگے گا اور قبائل کو ڈھونڈے گا اور یہ کہتے ہوئے اپنی خدمات پیش کرے گا کون ہے جو مجھے اپنی جگہ جہاد میں بھیجتا ہے کون ہے، جس کے بدلہ جہاد میں میں شرکت کروں تو جان لو یہ شخص (مجاہد نہیں) صرف مزدور ہے اپنے خون کے آخری قطرہ تک۔

(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 760)

حضرت یعلی بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جہاد میں نکلنے پر ابھارا۔ میں بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور میرے پاس کوئی خدمت گار بھی نہیں تھا پس میں نے ملازم کی تلاش شروع کی جو میرے کام آئے اور مال غنیمت کے اپنے حصے میں سے ایک حصہ اس کو بھی دوں پس مجھے خدمت کے لئے ایک شخص مل گیا۔ جب روانگی کا وقت آیا تو وہ میرے پاس آیا اور بولا مجھے نہیں معلوم کہ دو حصے کتنے ہوں گے اور میرا حصہ کتنا بیٹھے گا لہذا میری اجرت متعین کردو خواہ تمہیں غنیمت میں سے حصہ ملے یا نہ ملے پس میں نے تین دینار اس کی اجرت مقرر کردی۔ جب مجھے غنیمت کا مال ملا تو میں نے اس میں سے ایک حصہ اس کا بھی لگانا چاہا لیکن معاً مجھے دینا کا خیال گیا (یعنی یہ خیال گیا کہ اس کی مزدوری تین دینار طے ہو چکی تھی) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تو ان طے شدہ تین دیناروں کے علاوہ دنیا و آخرت میں اس کا جہاد میں کوئی حصہ نہیں پاتا۔

(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 762)

باب كيفية القتال

﴿یہ باب قتال کے طریقے کے بیان میں ہے﴾

باب کیفیت قتال کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے جہاد کی فرضیت کے بعد جہاد کرنے کے طریقے کو بیان کیا ہے اس کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ کسی بھی چیز یا حکم کی فرضیت کے بعد ضروری ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے اس کا طریقہ سمجھا جائے لہذا اسی طرح جہاد کی فرضیت سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ اس کا طریقہ سمجھا جائے۔ پس مصنف علیہ الرحمہ اس باب میں جہاد کرنے کا طریقہ بیان کریں گے۔

قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ إلَى الْإِسْلَامِ) لِمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا قَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إلَى الْإِسْلَامِ) قَالَ (فَإِنْ أَجَابُوا كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ ، وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أُمِرْت أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ) الْحَدِيثَ .

(وَإِنْ امْتَنَعُوا دَعَوْهُمْ إلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ) بِهِ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أُمَرَاءَ الْجُيُوشِ ، وَلِأَنَّهُ أَحَدُ مَا يَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ عَلَى مَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ ، وَهَذَا فِي حَقِّ مَنْ تُقْبَلُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ ، وَمَنْ لَا تُقْبَلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّينَ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ الْعَرَبِ لَا فَائِدَةَ فِي دُعَائِهِمْ إلَى قَبُولِ الْجِزْيَةِ لِأَنَّهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ إلَّا الْإِسْلَامُ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ) (فَإِنْ بَذَلُوهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ) لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :إنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا ، وَالْمُرَادُ بِالْبَذْلِ الْقَبُولُ وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْإِعْطَاءِ الْمَذْكُورِ فِيهِ فِي الْقُرْآنِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اور جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہو کر کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کرلیں تو کافروں کو اسلام کی دعوت دیں، کیونکہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بھی قوم کو اسلام کی دعوت دیئے بغیر ان سے جنگ نہیں کی، لہذا جب کفار اسلام لے آئیں تو مجاہدین انہیں مارنے سے باز آجائیں، کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے نزدیک تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کردیں تو انہیں جزیہ دینے کے لیے کہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے لشکروں کے سرداروں کو اسی کا حکم دیا تھا اور اس لیے کہ یہ ان اشیائے میں سے ایک ہے جن سے جنگ ختم ہو جاتا ہے اور یہ حکم ان کافروں کے متعلق ہے جن سے جزیہ قبول کیا جاتا ہے اور جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا جس طرح مرتد اور بت پرست لوگ تو اُنہیں جزئیہ دینے کے لیے کہنا بے سود ہے، کیونکہ ان سے اسلام کے علاوہ کچھ بھی مقبول نہیں ہے، ارشاد خداندی ہے تم ان سے اتنا جنگ کرو حتی کہ وہ اسلام لے آئیں۔

اس کے جب وہ کفار جزیہ دینا قبول کرلیں تو انھیں وہی ملے گا جو مسلمانوں کو ملتا ہے اور ان پر وہ سب کچھ لازم ہوگا جو مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی کا ارشاد گرامی ہے کہ کافروں نے اسی لیے جزیہ دینا قبول کیا ہے تاکہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہو جائیں۔ اور بذل سے قبول کرنا مراد ہے اور اس سلسلے میں قرآن میں جو اعطاء مذکور ہے اس سے بھی قبول کرنا مراد ہے۔

انکار اسلام اور انکار جزیہ پر جنگ کرنے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اگر وہ اسلام اور جزیہ قبول نہ کریں تو) تم ان سے اللہ کا نام لے کر لڑو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کو قتل کر ڈالو۔ لڑو لیکن وعدہ خلافی مت کرو۔ اور نہ مال غنیمت میں چوری کرو اور نہ مثلہ کرو (مثلہ قتل کے بعد ناک کان کاٹ لینا) اور نہ بچوں کو قتل کرو۔

(سنن ابوداود: جلد دوم: حدیث نمبر 848)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان و مال بچالے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کردیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔ (صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 127)

اسلام کی دعوت نہ پہنچنے والوں سے جہاد کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إلَى الْإِسْلَامِ إلَّا أَنْ يَدْعُوهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ (فَادْعُهُمْ إلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ) وَلِأَنَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكْفَى مُؤْنَةَ الْقِتَالِ ، وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ ، وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ أَوْ الْإِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ (وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ) مُبَالَغَةً فِي الْإِنْذَارِ ، وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ).

(وَعَهِدَ إلَى أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنْ يُغِيرَ عَلَى أُبْنَى صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقَ) وَالْغَارَةُ لَا تَكُونُ بِدَعْوَةٍ .

ترجمہ

اوران لوگوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے جنھیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ہاں البتہ جب مجاہدین انھیں دین کی دعوت دیں، کیونکہ لشکروں کے امراء کی وصیت میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے انھیں شہادتِ توحید کی دعوت دو، اور اس لیے کہ دعوت دینے کی صورت میں وہ یہ جان لیں گے کہ ہم دین کے لیے ان سے جنگ کررہے ہیں، مال چھیننے اوران کے اہل وعیال کو قید کرنے کے لیے نہیں لڑرہے ہیں، اور ممکن ہے کہ وہ اسے قبول کرلیں اور ہم بھی جنگ کی مشقت سے بچ جائیں اور اگر لشکر نے دعوت دینے سے پہلے ہی ان سے جنگ کرلیا تو سارے اہل لشکر گناہ گار ہوں گے۔ کیونکہ دعوت سے پہلے جنگ کرنا ممنوع ہے لیکن مسلمانوں پر ضمان نہیں ہوگا، اس لیے کہ (کفار کے حق میں) عاصم یعنی دین یا احراز بدارالاسلام معدوم ہے تو یہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی طرح ہوگیا۔

جس کو دعوت پہنچی ہو اسے دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تا کہ انذار میں مبالغہ ہوجائے لیکن دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خوں مارا تھا اور وہ لوگ غافل تھے اور آپ ﷺ نے حضرت اسامہ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ مقام اُبنی میں صبح کے وقت چھاپہ ماریں پھر اس جگہ کو جلادیں اور چھاپہ مارنے سے پہلے دعوت نہیں دی جاتی ہے۔

موجودہ دور میں جہاد سے پہلے دعوت اسلام میں فقہی مذاہب

عطاء بن سائب، ابوبختری کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی قیادت میں ایک لشکر نے فارس کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ ان پر دھاوا نہ بول دیں۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا مجھے ان کو اسلام کی دعوت دے لینے دو جس طرح میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام دیتے سنا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تم ہی میں سے ایک فارسی آدمی ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ پس اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہارے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو ہمارے لیے ہے اور تم پر بھی وہی بابت لازم ہوگی جو ہم پر لازم ہے اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہو گے تو ہم تمہیں اسی پر چھوڑیں گے لیکن تمہیں ذلت قبول کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں جزیہ دینا ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ سلمان نے یہ تقریر فارسی زبان میں کی اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ انکار کرو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہے ہم تم لوگوں کو آگاہ کرنے کے بعد جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو تمہیں جزیہ دے دیں بلکہ ہم جنگ کریں گے۔ لشکر والوں (یعنی مسلمانوں) نے کہا اے ابوعبداللہ۔ کیا ہم ان سے لڑائی نہ لڑیں۔ آپ نے فرمایا نہیں راوی کہتے ہیں آپ نے وہیں تین دن تک اسی طرح اسلام کی دعوت دی پھر فرمایا جہاد کے لئے بڑھو۔ پس ہم ان کی طرف بڑھے اور وہ قلعہ فتح کرلیا۔ اس باب میں حضرت بریدہ نعمان بن مقرن، ابن عمر اور ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ہم اس حدیث کو صرف عطاء بن سائب کی روایت سے جانتے ہیں۔ (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوالبختری نے حضرت سلمان کو نہیں پایا کیونکہ حضرت علی سے بھی ان کا سماع ثابت نہیں اور حضرت سلمان، حضرت علی سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ لڑائی سے پہلے اسلام کی طرف بلایا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر انہیں پہلے دعوت دی جائے تو یہ اچھا ہے اور رعب کا باعث ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ کہ اس دور میں دعوت اسلام کی ضرورت نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں مجھے علم نہیں کہ آج بھی کسی کو دعوت اسلام کی ضرورت ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے جب تک کہ وہ جلدی نہ کریں اور اگر انہیں دعوت نہ دی گئی تو انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1605)

حضرت ابن عون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نافع سے جنگ کے وقت مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق لکھ کر پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب میں لکھا کہ یہ طریقہ ابتدائے اسلام میں تھا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اس حال میں کہ وہ غافل تھے اور ان کے جانور پانی پی رہے تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ان لوگوں کو قتل کر ڈالا جو لڑنے کے قابل تھے اور باقی ماندہ لوگوں کو گرفتار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دن جویریہ بنت الحارث کو پایا (جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں) یہ حدیث مجھ سے عبداللہ بن عمرو نے بیان کی جو اس لشکر

میں شریک تھے۔(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 868)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز کے وقت حملہ کیا کرتے تھے اور اذان کی طرف کان لگائے رہتے تھے اگر وہاں سے اذان کی آواز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ سے رک جاتے نہیں تو حملہ کرتے۔(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 869)

انکار جزیہ پر جنگ کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ أَبَوْا ذَلِكَ اسْتَعَانُوا بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوهُمْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ (فَإِنْ أَبَوْا ذَلِكَ فَادْعُهُمْ إلَى إعْطَاءِ الْجِزْيَةِ ، إلَى أَنْ قَالَ :فَإِنْ أَبَوْهَا فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ) وَلِأَنَّهُ تَعَالَى هُوَ النَّاصِرُ لِأَوْلِيَائِهِ وَالْمُدَمِّرُ عَلَى أَعْدَائِهِ فَيُسْتَعَانُ بِهِ فِي كُلِّ الْأُمُورِ .

قَالَ (وَنَصَبُوا عَلَيْهِمْ الْمَجَانِيقَ) كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ (وَحَرَّقُوهُمْ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ .

ترجمہ

فرمایا: جب کافروں نے جزیہ دینے سے انکار کیا تو مجاہدین ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں اور ان سے جنگ کریں اس لیے کہ حضرت سلیمان بن بریدہ کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اگر کفار اسلام لانے سے انکار کردیں تو انھیں جزیہ دینے کے لیے کہو، حتیٰ کہ تک کہ آپ نے فرمایا اگر وہ جزیہ دینے کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کر اور ان سے جنگ کر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مددگار ہے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے والا ہے لہذا جملہ امور میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہیے۔

اور مجاہدین کو چاہیے کہ وہ کفار پر فلاخن نصب کردیں جس طرح آپ ﷺ نے طائف پر منجنیق قائم فرمادی تھی اور انھیں جلادیں کیونکہ آپ ﷺ نے مقام بویرہ کو جلادیا تھا۔

کفار کے درختوں کو کٹوانے میں فقہی مذاہب

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنونضیر کے کھجوروں کے درخت جلادے اور کٹوادیئے۔ جو بویرا کے مقام پر تھے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

"مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ "

69 . الحشر 5 :)

(جو کھجور کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا انہیں ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا تا کہ نافرمانوں کو اللہ ذلیل ورسوا کرے۔) اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء کی ایک جماعت قلعوں کو برباد کرنے اور درختوں کو کاٹنے کی اجازت دیتی ہے جب کہ بعض کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے۔

امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھل دار درخت کو کاٹنے اور گھروں کو برباد کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ان کے بعد مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں درخت و پھل کاٹنے اور آگ لگا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت ایسا کرنے کی اجازت ہے بلا ضرورت نہیں۔ اسحاق کہتے ہیں کہ اگر کافر اس سے ذلیل ہوں تو آگ لگانا سنت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1609)

یہ اشارہ ہے اس معاملہ کی طرف کہ مسلمانوں نے جب محاصرہ شروع کیا تو بنی نضیر کی بستی کے اطراف میں جو نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو انہوں نے کاٹ ڈالا یا جلا دیا تا کہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے، اور جو درخت فوجی نقل وحرکت میں حائل نہ تھے ان کو کھڑا رہنے دیا۔ اس پر مدینہ کے منافقین اور ابنی قریظہ اور خود بنی نضیر نے شور مچا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فساد فی الارض نہیں تو کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا، ان میں سے کوئی فعل بھی نا جائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کو اللہ اذن حاصل ہے۔

اس سے یہ شرعی مسئلہ نکلتا ہے کہ جنگی ضروریات کے لیے جو تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ فساد فی الارض یہ ہے کہ کسی فوج پر جنگ کا بھوت سوار ہو جائے اور وہ دشمن کے ملا میں گھس کر کھیت، مویشی، باغات، عمارات، ہر چیز کو خواہ مخواہ تباہ و برباد کرتی پھرے۔ اس معاملہ میں عام حکم تو وہی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوجوں کو شام کی طرف روانہ کرتے وقت دیا تھا کہ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا، اور بستیوں کو ویران نہ کرنا۔ یہ قرآن مجید کی اس تعلیم کے عین مطابق تھا کہ اس نے مفسد انسانوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کے اس فعل پر زجر و توبیخ کی ہے کہ جب وہ اقتدار پا لیتے ہیں تو فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرتے پھرتے ہیں۔ (البقرہ۔205)۔ لیکن جنگی ضروریات کے لیے خاص حکم یہ ہے کہ اگر دشمن کے خلاف لڑائی کو کامیاب کرنے کی خاطر کوئی تخریب ناگزیر ہو تو وہ کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ قطعو امنها ما کان موضعاً للجنگ، مسلمانوں نے بنی نضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے (تفسیر نیسابوری)۔ فقہائے اسلام میں سے بعض نے معاملہ کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بنی نضیر کے

درخت کاٹنے کا جواز صرف اسی واقعہ کی حد تک مخصوص تھا، اس سے یہ عام جواز نہیں نکلتا کہ جب کبھی جنگی ضروریات داعی ہوں، دشمن کے درختوں کو کاٹا اور جلایا جا سکے۔

امام اَوزاعی، لیث اور ابوثور اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہم جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، البتہ محض تخریب وغارت گری کے لیے یہ فعل جائز نہیں ہے۔

ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت مسلمانوں کو تو مطمئن کر سکتی تھی، لیکن جو لوگ قرآن کو کلام اللہ نہیں مانتے تھے انہیں اپنے اعتراض کے جواب میں یہ سن کر کیا اطمینان ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں فعل اللہ کے اِذن کی بنا پر جائز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی یہ آیت مسلمانوں ہی کو مطمئن کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، کفار کو مطمئن کرنا سے سے اس کا مقصود ہی نہیں ہے۔ چونکہ یہود اور منافقین کے اعتراض کی سبب سے، یا بطور خود، مسلمانوں کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہو گئی تھی کہ کہیں ہم فساد فی الارض کے مرتکب تو نہیں ہو گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ محاصرے کی ضرورت کے لیے کچھ درختوں کو کاٹنا، اور جو درخت محاصرے میں حائل نہ تھے ان کو نہ کاٹنا، یہ دونوں ہی فعل قانونِ الٰہی کے مطابق درست تھے۔

محدثین کی نقل کردہ روایات میں اس امر پر اختلاف ہے کہ آیا ان درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، یا مسلمانوں نے بطور خود یہ کام کیا اور بعد میں اس کا شرعی مسئلہ حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود اس کا حکم دیا تھا (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن جریر)

یہی یزید بن رومان کی روایت بھی ہے (ابن جریر)۔ بخلاف اس کے مجاہد اور قتادہ کی روایت یہ ہے کہ مسلمانوں نے بطور خود یہ درخت کاٹے تھے، پھر ان میں اس مسئلے پر اختلاف ہوا کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہوئے اور بعض نے اس سے منع کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر دونوں کے فعل کی تصویب کر دی (ابن جریر)

اسی کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس بات پر خلش پیدا ہوئی کہ ہم میں سے بعض نے درخت کاٹے ہیں اور بعض نے نہیں کاٹے، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہیے کہ ہم میں سے کس کا فعل اجر کا مستحق ہے اور کس کے فعل پر مواخذہ ہوگا (نسائی)

فقہاء میں سے جن لوگوں نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تھا جس کی توثیق بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی جلی سے فرمائی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود نہ ہوتا تھا۔ ان میں حضور ﷺ اجتہاد پر عمل فرماتے تھے۔ دوسری طرف جن فقہاء نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دو گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے دو مختلف رائیں اختیار کی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توثیق فرما دی، لہٰذا اگر نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کر کے اہل علم مختلف رائیں قائم کریں تو باوجود اس کے کہ ان کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی، مگر اللہ کی شریعت میں وہ سب حق پر ہوں گے۔

یعنی اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ ان درختوں کو کاٹنے سے بھی ان کی ذلت وخواری ہو اور نہ کاٹنے سے بھی۔ کاٹنے میں ان کی ذلت و خواری کا پہلو یہ تھا کہ جو باغ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے اور جن باغوں کے وہ مدت ہائے دراز سے مالک چلے آرہے تھے، ان کے درخت ان کی آنکھوں کے سامنے کاٹے جارہے تھے اور وہ کاٹنے والوں کو کسی طرح نہ روک سکتے تھے۔ ایک معمولی کسان اور باغبان بھی اپنے کھیت یا باغ میں کسی دوسرے کے تصرف کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر اس کے سامنے اس کا کھیت یا اس کا باغ کوئی برباد کر رہا ہو تو وہ اس پر کٹ مرے گا۔ اور اگر وہ اپنی جائیداد میں دوسرے کی دست درازی نہ روک سکے تو یہ اس کی انتہائی ذلت اور کمزوری کی علامت ہوگی۔ لیکن یہاں ایک پورا قبیلہ، جو صدیوں سے بڑے دھڑلے کے ساتھ اس جگہ آباد تھا، بے بسی کے ساتھ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے ہمسائے اس کے باغوں پر چڑھ آئے ہیں اور اس کے درختوں کو برباد کر رہے ہیں، مگر وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس کے بعد اگر وہ مدینے میں رہ بھی جاتے تو ان کی کوئی آبرو باقی نہ رہتی۔ رہا درختوں کو نہ کاٹنے میں ذلت کا پہلو تو وہ یہ تھا کہ جب وہ مدینہ سے نکلے تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ کل تک جو ہرے بھرے باغ ان کی ملکیت تھے وہ آج مسلمانوں کے قبضے میں جارہے ہیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ ان کو پوری طرح اجاڑ کر جاتے اور ایک سالم درخت بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہ جانے دیتے۔ مگر بے بسی کے ساتھ وہ سب کچھ جوں کا توں چھوڑ کر باحسرت ویاس نکل گئے۔

کفار کے کھیتوں کو برباد کرنے کا بیان

قَالَ (وَأَرْسِلُوا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَّعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ) لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ إلْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَةَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا ، (وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ ، وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ) لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ ، وَلِأَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُو حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ ، فَلَوْ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَانْسَدَّ بَابُهُ (وَإِنْ تَتَرَّسُوا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأُسَارَى لَمْ يَكُفُّوا عَنْ رَمْيِهِمْ) لِمَا بَيَّنَّاهُ (وَيَقْصِدُونَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ) لِأَنَّهُ إنْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ فِعْلًا فَلَقَدْ أَمْكَنَ قَصْدًا ، وَالطَّاعَةُ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ ، وَمَا أَصَابُوهُ مِنْهُمْ لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّ الْجِهَادَ فَرْضٌ وَالْغَرَامَاتُ لَا تُقْرَنُ بِالْفُرُوضِ .

بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ لِأَنَّهُ لَا يُمْتَنَعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَاءِ نَفْسِهِ . أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلَى إتْلَافِ النَّفْسِ فَيُمْتَنَعُ حِذَارَ الضَّمَانِ

ترجمہ امام قدوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ مجاہدین کافروں پر پانی چھوڑ دیں، ان کے درختوں کو کاٹ دیں اور ان کی کھیتیاں

ویران کردیں اس لیے کہ ان افعال سے کفار کو ذلت محسوس ہوگی، انہیں غصہ آئے گا، ان کی شان وشوکت تھوڑی ہو جائے گی اور اُن کا شیرازہ بکھر جائے گا لہٰذا یہ افعال مشروع ہوں گے۔ اور کفار پر پتھر برسانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر ہو، اس لیے کہ پتھر برسانے میں جمعیتِ اسلام سے نقصانعام کو دفع کرنا ہے جب کہ مسلم قیدی، یا مسلم تاجر کا قتل نقصانخاص ہے اور اس لیے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قلعہ مسلمانوں سے خالی ہو، لہٰذا اگر مسلمان کی سبب سے رمی کو روک دیا جائے تو جہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اگر کفار مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو ڈھال بنا کر آگے کر لیں تو بھی مجاہدین ان پر پتھر برسانے سے دست کشی نہ کریں اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور مجاہدین کفار کو مارنے کی نیت کریں، اس لیے کہ اگر چہ فعل کے اعتبار سے فرق ناممکن ہے تاہم قصد وارادے کے لحاظ سے امتیاز پیدا کرنا ممکن ہے اور بقدر وسعت ہی اطاعت واجب ہے۔ اور مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو جو زخم لگے گا مجاہدین پر اس کی دیت نہیں ہوگی اور نہ ہی (کسی کے قتل پر) کفارہ ہوگا، اس لیے کہ جہاد فرض ہے اور تاوان فرائض سے متعلق نہیں ہوتے۔ برخلاف حالت مخمصہ کے، کیونکہ ضمان کے خوف سے دوسرے کا مال کھانا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اس میں اپنے نفس کا احیاء ہے، رہا جہاد تو اس کا مدار اتلاف نفس پر ہے، لہٰذا ضمان سے بچتے ہوئے یہ ممنوع ہوگا۔

مقابلہ ہونے کی صورت میں کفار کے گھروں کو جلانے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کفار سے جب مقابلہ کی نوبت آئے تو ان کے گھروں کو آگ لگا دینا اور اموال اور درختوں اور کھیتوں کو جلا دینا اور تباہ کر دینا سب کچھ جائز ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ ایسا نہ کرینگے تو فتح کرنے میں بہت مشقت اوٹھانی پڑے گی اور اگر فتح کا غالب گمان ہو تو اموال وغیرہ ضائع نہ کریں کہ عنقریب مسلمانوں کو ملیں گے۔ بندوق، توپ اور بم کے گولے مارنا سب کچھ جائز ہے۔ اگر کافروں نے چند مسلمانوں کو اپنے آگے کر لیا کہ گولی وغیرہ ان پر پڑے ہم ان کے پیچھے محفوظ رہیں گے جب بھی ہمیں باز رہنا جائز نہیں گولی چلائیں اور قصد کافروں کے مارنے کا کریں اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی گولی سے مر جائے جب بھی کفارہ وغیرہ لازم نہیں جبکہ گولی چلانے والے نے کافر پر گولی چلانے کا ارادہ کیا ہو۔ کسی شہر کو بادشاہ اسلام نے فتح کیا اور اس شہر میں کوئی مسلمان یا ذمی ہے تو اہل شہر کو قتل کرنا جائز نہیں ہاں اگر اہلِ شہر میں سے کوئی نکل گیا تو اب باقیوں کو قتل کرنا جائز ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جانے والا مسلمان یا ذمی ہو۔ (درمختار، کتاب الجہاد، ج ۶، ص ۲۰۵)

بڑے لشکر کی صورت میں واجب التعظیم اشیاء کو جہاد میں ساتھ لے جانے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إذَا كَانُوا عَسْكَرًا عَظِيمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ (وَيُكْرَهُ إخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا) لِأَنَّ فِيهِ تَعْرِيضَهُنَّ عَلَى الضَّيَاعِ وَالْفَضِيحَةِ وَتَعْرِيضَ

الْمَصَاحِفِ عَلَى الِاسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخِفُّونَ بِهَا مُغَايَظَةً لِلْمُسْلِمِينَ ، وَهُوَ التَّأْوِيلُ الصَّحِيحُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ) وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ إذَا كَانُوا قَوْمًا يُوفُونَ بِالْعَهْدِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ ، وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمُدَاوَاةِ ، فَأَمَّا الشَّوَابُّ فَمَقَامُهُنَّ فِي الْبُيُوتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ ، وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى ضَعْفِ الْمُسْلِمِينَ إلَّا عِنْدَ ضَرُورَةٍ ، وَلَا يُسْتَحَبُّ إخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ ، فَإِنْ كَانُوا لَا بُدَّ مُخْرِجِينَ فَبِالْإِمَاءِ دُونَ الْحَرَائِرِ .

ترجمہ

فرمایا اور مجاہدین کے ساتھ قرآن پاک اور عورتوں کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ لشکر بڑا ہو اور اس کے شکست کا خطرہ نہ ہو اس لیے کہ (ان کی) سلامتی غالب ہے اور غالب ثابت اور یقین کی طرح ہوتا ہے، ہاں کسی سریہ میں جس پر شکست کا خطرہ ہو انہیں لے جانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کو ضیاع اور رسوائی پر پیش کرنا ہے اور قرآن پاک کو بے حرمتی کے دہانے پر لیجانا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے کفار ان کی بے حرمتی ضرور کریں گے اور آپ ﷺ کے اس فرمان کی یہی صحیح تاویل ہے کہ "دشمنوں کی زمین میں قرآن لے کر نہ چلو"

اور جب کوئی مسلمان امان لے کر کفار کے پاس جائے تو اسے اپنے ساتھ قرآن پاک لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ اور بوڑھی عورتیں بڑے لشکر میں اپنے حسب حال کام کرنے کے لیے نکل سکتی ہیں جس طرح کھانا پکانا، پانی پلانا اور علاج ومعالجہ کرنا، لیکن جوان عورتوں کا گھروں میں رہنا ہی فتنے کو ختم کرنے والا ہے اور یہ عورتیں لڑائی نہ کریں اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی مگر بوقت ضرورت جنگ کر سکتی ہیں۔ اور جماع اور خدمت کے لیے بھی اپنی بیویوں کو لے جانا بہتر نہیں ہے اور اگر لیجانا ضروری ہو تو باندیوں کو لیجائیں، آزاد عورتوں کو نہ لیجائیں۔

حرمت کے سبب واجب التعظیم اشیاء کو نہ لے جانے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو چیزیں واجب التعظیم ہیں ان کو جہاد میں لے کر جانا جائز نہیں جس طرح قرآن مجید، کتب فقہ وحدیث شریف کہ بے حرمتی کا اندیشہ ہے۔ یو ہیں عورتوں کو بھی نہ لے جانا چاہیے اگر چہ علاج وخدمت کی غرض سے ہو۔ ہاں اگر لشکر بڑا ہو کہ خوف نہ ہو تو عورتوں کو لے جانے میں حرج نہیں اور اس صورت میں بوڑھیوں اور باندیوں کو لے جانا اولیٰ ہے اور اگر مسلمان کافروں کے ملک میں امان لے کر گیا ہے تو قرآن مجید لے جانے میں حرج نہیں۔ (بحر الرائق، کتاب سیر)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کی بابت

اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا جہاد تو حج ہے، اور عبداللہ بن ولید نے کہا ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا پھر انہوں نے معاویہ سے اس کو بیان کیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 141)

دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم ساتھ لے جانے میں فقہی مذاہب

فقہاء کی ایک بڑی جماعت دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم ساتھ نہ لے جانے کی حامی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن عبدالبر نے کہا کہ: فقہاء متفق ہیں کہ مسلمان سرایا (چھوٹی جماعتیں) اور فوجیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قرآن کریم نہ لے جائیں اس طرح سے قرآن کی بے حرمتی کا خدشہ ہے، جبکہ بڑی جماعت کے ساتھ یہ محفوظ ہو تو اس میں مختلف آراء ہیں۔ امام مالک مکمل طور پر منع کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

امام شافعی نے خوف ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں میں مکروہ بتایا ہے۔ بعض نے وہی رائے اختیار کی جو مالکیوں کی ہے۔ اگر ہم آج بین الاقوامی تعلقات کے نئے امور اور صورتحال پر نگاہ ڈالتے ہیں تو منع کرنے کی علت نہیں پاتے خواہ یہ کراہیت کے لئے تھی یا حرام ہونے کے لئے۔ آج ان دونوں کی علت اور سبب نہیں پاتے۔ آج بہتر اور افضل یہی ہے کہ مغربی ممالک کے مسافر یا وہاں مقیم مسلمان، اپنے ساتھ قرآن شریف لے جائیں اہانت یا تحریف کا خوف دل سے نکال دیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان تمام مسائل میں اجتہاد، گہرے غور و فکر اور فقہ کی ضرورت ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری بتصرف)

بیوی کا جہاد کیلئے شوہر سے اجازت لینے کا بیان

(وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ إلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ) لِمَا بَيَّنَّا (إلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ لِلضَّرُورَةِ)

وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يَغْدِرُوا وَلَا يَغُلُّوا وَلَا يُمَثِّلُوا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَغُلُّو وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا) وَالْغُلُولُ :السَّرِقَةُ مِنْ الْمَغْنَمِ ، وَالْغَدْرُ :الْخِيَانَةُ وَنَقْضُ الْعَهْدِ ، وَالْمُثْلَةُ الْمَرْوِيَّةُ فِي قِصَّةِ الْعُرَنِيِّينَ مَنْسُوخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَأَخِّرِ هُوَ الْمَنْقُولُ .

ترجمہ

اور بیوی اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جنگ نہ کرے اس دلیل کے سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں الا یہ کہ دشمن کسی ملک پر حملہ کر دیں تو بر بنائے ضرورت یہ دونوں (عورت اور غلام) جنگ کر سکتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خیانت، چوری اور مثلہ نہ کریں اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے نہ چوری کرو، نہ بدعہدی کرو اور نہ مثلہ کرو، غلول، مال غنیمت سے چوری کرنا ہے، غدر کے معنی ہیں خیانت اور بدعہدی اور وہ مثلہ جو عرنیین کے واقعہ میں مروی ہے۔ اس نہی کے سبب سے منسوخ ہے جو اس واقعہ کے بعد نقل کیا گیا ہے۔

جنگ میں مثلہ کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 164)

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ غیر مسلم کا مال لوٹنا حرام نہیں ہے بلکہ مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مال کو ناحق طور پر اور زور زبردستی سے لوٹ مار لیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حقوق العباد کی پامالی ہی سے نہیں ہے بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے امن وسکون کی مکمل تباہی سے بھی ہے لہٰذا امن وسلامتی کے سرچشمہ اسلام کا تابعدار ہونے کے ناطے ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے نظام امن وامان کو درہم برہم ہونے اور لاقانونیت پھیلنے سے بچائے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ دوسرے کے مال دوسرے کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق کی پامالی اور لوٹ مار کو اسی طرح ناقابل برداشت سمجھا جائے جس طرح اپنے مال اپنی جائیداد اور اپنے حقوق پر کسی کی دست درازی قطعاً برداشت نہیں ہوسکتی۔

مثلہ جسم کے کسی عضو مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کو کہتے ہیں اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح خدا کی تخلیق میں بگاڑ اور بدنمائی پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

پاک جانوروں کے پیشاب کے نجس ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے اور اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی جس کی سبب سے وہ اس مرض میں مبتلا ہوگئے کہ ان کے پیٹ پھول گئے اور رنگ زرد ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر زکوۃ کے اونٹوں کے رہنے کی جگہ چلے جائیں اور وہاں ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہوگئے پھر وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہوئے کہ مرتد ہوگئے اور مستزاد یہ کہ ان اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے چند سواروں کو بھیجا جو ان سب کو پکڑ لائے۔ ان کے اس جرم کی سزاء کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو گرم تیل میں داغا نہیں گیا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں داغ دیا جاتا ہے تاکہ خون بند ہوجائے لیکن ان کے ساتھ یہ بھی نہیں کیا گیا) آخر کار وہ سب مرگئے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 698)

ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں اس ارشاد گرامی سے حضرت امام محمد نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے یہی قول امام مالک اور حضرت امام احمد کا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت

امام ابو یوسف کے نزدیک ان جانوروں کا پیشاب نجس (ناپاک) ہے ان کی طرف سے اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ان کے مرض کا علاج صرف اونٹ کا پیشاب ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص طور پر ان لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کا پیشاب پینا دوا کے علاوہ حلال نہیں ہے اسی طرح دوا کے طور پر پینا بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر کوئی متفق نہیں ہے کہ پیشاب میں کسی مرض کی شفا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک کسی مرض کے علاج کے لئے پینا حلال ہے۔

علامہ ابن مالک فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اس طرح کی سزا دی، اس کی سبب یا تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور قصاص ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا یا یہ سبب تھی کہ چونکہ ان مفسدوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا یعنی مرتد بھی ہوئے، چرواہوں کو قتل بھی کیا ہے اور قزاقی بھی کی کہ لوٹ مار کر کے سارے اونٹ لے گئے اور امام وقت کو حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کے جرم کی صورت میں بطور زجر و تنبیہ اور بمصلحت امن و انتظام مجرم کو مختلف طرح کی سزائیں دے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا۔

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی و منشاء کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں حدود شرعی سزاؤں اور قزاقوں کی سزا کے بارے میں صریح احکام بیان کئے گئے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی اس واقعہ کے بعد کا حکم ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن دوسرے بعض حضرات کا قول یہی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بلکہ اسی موقعہ پر وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قزاقوں کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور ان کا ایک اور پیر کاٹ دیا جائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو سزا دی وہ بطور قصاص تھی کہ انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ آخری وقت میں ان مفسدوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا، تو اس کے بارے میں بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ بھی قصاص کے طور پر تھا کہ ان مفسدوں نے بھی اونٹوں کے چرواہوں کو اسی طرح بغیر پانی کے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تھا چنانچہ ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہیں دیا گیا، لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کو پانی نہ دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے ان مفسدوں کے تئیں انتہائی نفرت اور غصہ کے اظہار کے طور پر از خود ان کو پانی نہیں دیا۔ اس بارے میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سزا موت کا مستوجب ہو چکا ہو اور اس کو قتل کرنا واجب ہو وہ اگر پانی مانگے تو پانی دینے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مُثلہ یعنی ناک کان یا ہاتھ پاؤں کاٹنا یا منہ کالا کر دینا منع ہے یعنی فتح ہونے کے بعد مُثلہ کی اجازت نہیں اور اثنائے جنگ میں اگر ایسا ہو مثلاً تلوار ماری اور ناک کٹ گئی یا کان کٹ گئے یا آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیے تو حرج نہیں۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب سیر)

مثلہ کی کراہت تحریمی ہونے میں اختلاف کا بیان

حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت انس سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 699)

جسم کے کسی عضو جس طرح ناک، کان، ستر یا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو مثلہ سے منع فرمانا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلی حدیث میں مذکورہ واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی جا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹا جانا قصاص کے طور پر تھا۔

عورتوں، بچوں کو جہاد میں قتل کرنے کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا مُقْعَدًا وَلَا أَعْمَى) لِأَنَّ الْمُبِيحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحِرَابُ وَلَا يَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ ، وَلِهَذَا لَا يُقْتَلُ يَابِسُ الشِّقِّ وَالْمَقْطُوعُ الْيُمْنَى وَالْمَقْطُوعُ يَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ .

وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِي الشَّيْخِ الْفَانِي وَالْمُقْعَدِ وَالْأَعْمَى لِأَنَّ الْمُبِيحَ عِنْدَهُ الْكُفْرُ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّا ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ الصِّبْيَانِ وَالذَّرَارِيِّ) " (وَحِينَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مَقْتُولَةً قَالَ :هَاهْ ، مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فَلِمَ قُتِلَتْ ؟) قَالَ (إلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً) لِتَعَدِّي ضَرَرِهَا إلَى الْعِبَادِ ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هَؤُلَاءِ دَفْعًا لِشَرِّهِ ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيحٌ حَقِيقَةً .

ترجمہ

اور مجاہدین عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاہج اور اندھے کو قتل نہ کریں، اس لیے کہ ہمارے نزدیک قتل کو مباح کرنے والی چیز لڑائی ہے اور ان سے لڑائی صادر نہیں ہو سکتی اسی لیے ایک پہلو خشک ہوئے شخص کو اور دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کٹے ہوئے شخص کو بھی قتل نہیں

کیا جائے گا۔ شیخ فانی، اپاہج اور اندھے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ ہمارے مخالف ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک کفر کے سبب قتل مباح ہے اور ان کے خلاف وہ دلیل حجت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور جب آپ ﷺ نے ایک مقتول عورت کو دیکھا تو فرمایا ہائے افسوس یہ عورت تو لڑنے کے قابل نہیں تھی پھر کیوں قتل کی گئی" فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی لڑائی کے متعلق کوئی رائے رکھتا ہو یا عورت سردار ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا نقصان بندوں کو لاحق ہوگا۔ نیز ان میں سے جو جنگ کرے گا اسے بھی قتل رکھتا ہو یا عورت سردار ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا نقصان بندوں کو لاحق ہوگا۔ نیز ان میں سے جو جنگ کرے گا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا تا کہ اس کا شر دور ہو جائے اور اس کے لیے جنگ حقیقتاً قتل کو مباح کرنے والا ہے۔

دوران جہاد بھلائی کرنے والے امور کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجاہدین کو بھیجتے وقت) فرمایا روانہ ہو جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید وتوفیق کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر۔ (دیکھو) قتل نہ کرنا بوڑھے آدمی کو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو اور تم مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا بلکہ مال غنیمت کو جمع کرنا اور اپنے احوال کی اصلاح کرنا اور بھلائی کرنا۔ بیشک اللہ نیکی اور بھلائی کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 849)

حضرت عبدالرحمن بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا ان لوگوں کو جنہوں نے قتل کیا ابن ابی حقیق کو عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے ؛ ابن کعب نے کہا کہ ایک شخص ان میں سے کہتا تھا کہ ابن ابی حقیق کی عورت نے چیخ کر ہمارا حال کھول دیا تھا ؛ تو میں تلوار اس پر اٹھاتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کو یاد کر کے رک جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 879)

یحیی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کو لشکر بھیجا تو یزید بن ابی سفیان کے ساتھ پیدل چلے اور وہ حاکم تھے ایک چوتھائی لشکر کے ؛ تو یزید نے ابوبکر سے کہا آپ سوار ہو جائیں نہیں تو میں اترتا ہوں، ابوبکر صدیق نے کہا نہ تم اترو اور نہ میں سوار ہوں گا، میں ان قدموں کو خدا کی راہ میں ثواب سمجھتا ہوں پھر کہا یزید سے کہ تم پاؤ گے کچھ لوگ ایسے جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں کو روک رکھا ہے اللہ کے واسطے سو چھوڑ دے ان کو اپنے کام میں اور کچھ لوگ ایسے پاؤ گے جو بیچ میں سے سر منڈاتے ہیں تو مار ان کے سر پر تلوار سے اور میں تجھ کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں عورت کو مت مار اور نہ بچوں کو نہ بڈھے پھونس کو اور نہ کاٹنا پھل دار درخت کو اور نہ اجاڑنا کسی بستی کو اور نہ کونچیں کاٹنا کسی بکری اور اونٹ کی مگر کھانے کے واسطے اور مت جلانا کھجور کے درخت کو اور مت ڈبانا اس کو اور غنیمت کے مال میں چوری نہ کرنا اور نامردی نہ کرنا۔

امام مالک نے روایت نقل کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عاملوں میں سے ایک عامل کو لکھا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت پہنچی ہے ؛ کہ جب فوج روانہ کرتے تھے تو کہتے تھے ان سے جہاد کرو اللہ کا نام لے کر، اللہ کی راہ میں تم لڑتے ہو ان

لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ، نہ چوری کرو نہ اقرار توڑو نہ ناک کان کاٹو نہ مارو بچوں اور عورتوں کو اور کہہ دے یہ امر اپنی فوجوں اور لشکروں سے، اگر خدا نے چاہا تو تم پر سلامتی ہوگی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 881)

اسود بن سریع بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنگ میں شریک ہوئے ہم نے کچھ مشرکین پکڑ لیے لوگوں نے تیزی سے قتل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے کچھ بچوں کو قتل کر دیا جب اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے یہ لوگوں کو قتل کرتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ بچوں کو بھی قتل کر دیا خبردار کوئی بھی شخص بچوں کو قتل نہ کرے۔ یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 312)

جہاد میں پاگل کے قتل کی ممانعت کا بیان

وَلَا يَقْتُلُ مَجْنُونًا) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُخَاطَبٍ إلَّا أَنْ يُقَاتِلَ فَيُقْتَلَ دَفْعًا لِشَرِّهِ ، غَيْرَ أَنَّ الصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونَ يُقْتَلَانِ مَا دَامَا يُقَاتِلَانِ ، وَغَيْرُهُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِهِ بَعْدَ الْأَسْرِ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْعُقُوبَةِ لِتَوَجُّهِ الْخِطَابِ نَحْوَهُ ، وَإِنْ كَانَ يُجَنُّ وَيُفِيقُ فَهُوَ فِي حَالِ إفَاقَتِهِ كَالصَّحِيحِ

ترجمہ

اور مجاہدین مجنون کو بھی قتل نہ کریں، کیونکہ وہ (احکام شرع کا) مخاطب نہیں ہے لیکن اگر وہ جنگ کرے گا تو اس کا شر دور کرنے کے لیے اسے قتل کیا جائے گا تاہم بچہ اور مجنون جب تک جنگ کرتے رہیں گے اس وقت تک انہیں قتل کیا جائے گا اور ان کے علاوہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ دوسروں کی طرف خطاب متسبب ہونے کی سبب سے وہ اہل عقاب میں سے ہیں۔ اور اگر کوئی مجنون ایسا ہو کہ کبھی اسے جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ ہو جاتا ہو تو افاقہ کی حالت میں وہ صحیح آدمی کی طرح ہوگا۔

حالت جنگ میں جن لوگوں کے قتل کی ممانعت

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت اور بچہ اور پاگل اور بہت بوڑھے اور اندھے اور اپاہج اور راہب اور پجاری جو لوگوں سے ملتے جلتے نہ ہوں یا جس کا داہنا ہاتھ کٹا ہو یا خشک ہو گیا ہو ان سب کو قتل کرنا منع ہے یعنی جبکہ لڑائی میں کسی قسم کی مدد نہ دیتے ہوں۔ اور اگر ان میں سے کوئی خود لڑتا ہو یا اپنے مال یا مشورہ سے مدد پہنچاتا ہو یا بادشاہ ہو تو اُسے قتل کر دیں گے۔ اور اگر مجنون کو کبھی جنون رہتا ہے اور کبھی ہوش تو اسے بھی قتل کر دیں۔ اور بچہ اور مجنون کو اثنائے جنگ میں قتل کریں گے جبکہ لڑتے ہوں اور باقیوں کو قید کرنے کے بعد بھی قتل کر دیں گے۔ اور جنھیں قتل کرنا منع ہے انھیں یہاں نہ چھوڑیں گے بلکہ قید کر کے دارالاسلام میں لائیں گے۔ (مجمع الانہر، کتاب السیر والجہاد، ج۵، ص۶۰۶)

جہاد کی ابتداء مشرک باپ سے کرنے کی ممانعت کا بیان

(وَيُكْرَهُ أَنْ يَبْتَدِءَ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَقْتُلَهُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا) وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِي إفْنَائِهِ (فَإِنْ أَدْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَأْثَمَ ، وَإِنْ قَصَدَ الْأَبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إلَّا بِقَتْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ شَهَرَ الْأَبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إلَّا بِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا بَيَّنَّا فَهَذَا أَوْلَى ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور ایسا کرنا مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مشرک باپ سے ابتداء کر کے اسے قتل کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "دنیا میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو" اور اس لیے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ دے کر اسے زندہ رکھنا واجب ہے لہذا اسے ختم کرنے کا اطلاق اس احیاء کے منافی ہوگا پھر اگر بیٹا اپنے باپ کو پالے تو رک جائے نزدیک تک کہ کوئی دوسرا اسے قتل کردے، کیونکہ اس کے گناہ کا ارتکاب کیے بغیر اس کے علاوہ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر باپ نے بیٹے کے قتل کا ارادہ کرلیا بایں طور کہ باپ کے قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے اسے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو باپ کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے اس کا مقصود دفع نقصان ہے۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ اگر مسلمان باپ اپنے بیٹے پر تلوار سونت لے اور باپ کو قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے مدافعت کرنا ممکن نہ ہو تو بیٹا باپ کو قتل کرسکتا ہے اس دلیل کے سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں پس اس حالت میں تو بدرجہ اولیٰ قتل کرنا جائز ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کافروں کے سر کاٹ کر لائیں یا ان کی قبریں کھود ڈالیں اس میں حرج نہیں۔ اپنے باپ دادا کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا ناجائز ہے مگر اسے چھوڑے بھی نہیں بلکہ اس سے لڑنے میں مشغول رہے کہ کوئی اور شخص آ کر اسے مار ڈالے۔ ہاں اگر باپ یا دادا خود اس کے قتل کا درپے ہو اور اسے بغیر قتل کیے چارہ نہ ہو تو مار ڈالے اور دیگر رشتہ داروں کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔ (ردمحتار، کتاب جہاد)

بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ

﴿ یہ باب مصالحت اور جواز امان والے کے بیان میں ہے ﴾

باب مصالحت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب جہاد کا طریقہ بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے مصالحت کا باب شروع کیا ہے کیونکہ جب کافر مسلمانوں سے مصالحت کر کے جنگ نہ کرنا چاہیں اور اس میں مسلمانوں کیلئے بہتری ہو تو مصالحت جائز ہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے مال و جان کی حفاظت بھی ہوگی اور مقاصد بھی حاصل ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کافر مسلمانوں کے قریب ہوں اور اسلام کی حقیقت سمجھ جائیں اور مسلمان ہو جائیں گے۔

باب موادعت کے شرعی ماخذ کا بیان

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

.(الانفال، ٦١)

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بیشک وہی ہے سنتا جانتا۔ (کنزالایمان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ فرمان ہے کہ جب کسی قوم کی خیانت کا خوف ہو تو برابری سے آگاہ کر کے عہد نامہ چاک کر ڈالو، لڑائی کی اطلاع کردو۔ اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کردو اور اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو تم پھر صلح وصفائی کرلو۔ اسی آیت کی تعمیل میں حدیبیہ والے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ سے نو سال کی مدت کے لیے صلح کر لی جو شرائط کے ساتھ طے ہوئی۔

حضرت علی سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب اختلاف ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ ہو سکے تو صلح ہی کر لینا (مسند امام احمد)

مجاہد کہتے ہیں یہ بنو قریظہ کے بارے میں اتری ہے لیکن یہ محل نظر میں ہے سارا قصہ بدر کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا خیال ہے کہ سورۃ براۃ کی آیت سے

(قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ 29)-9 التوبہ 29:)

سے منسوخ ہے کہ لیکن اس میں بھی نظر ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد کا حکم طاقت واستطاعت پر ہے لیکن دشمنوں کی زیادتی کے وقت ان سے صلح کر لینا بلاشک وشبہ جائز ہے جس طرح کہ اس آیت میں ہے اور جس طرح کہ حدیبیہ کی صلح اللہ کے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ والہ وسلم نے کی۔پس اس کے بارے میں کوئی نص اس کے خلاف یا خصوصیت یا منسوخیت کی نہیں آئی۔

پھر فرماتا ہے اللہ پر بھروسہ رکھو وہی تجھے کافی ہے وہی تیرا مددگار ہے۔اگر یہ دھوکہ بازی کر کے کوئی فریب دینا چاہتے ہیں اور اس درمیان میں اپنی شان وشوکت اور آلات جنگ بڑھانا چاہتے ہیں تو تو بے فکر رہ اللہ تیرا طرف دار ہے اور تجھے کافی ہے اس کے مقابلے کا کوئی نہیں پھر اپنی ایک اعلیٰ نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ مہاجرین وانصار سے صرف اپنے فضل سے تیری تائید کی۔انہیں تجھ پر ایمان لانے تیری اطاعت کرنے کی توفیق دی۔تیری مدد اور تیری نصرت پر انہیں آمادہ کیا۔اگر چہ آپ روئے زمین کے تمام خزانے خرچ کر ڈالتا لیکن ان میں وہ الفت وہ محبت پیدا نہ کرسکتا جو اللہ نے خود کر دی۔ان کی صدیوں پرانی عداوتیں دور کر دیں اور اوس و خزرج انصار کے دونوں قبیلوں میں جاہلیت میں آپس میں خوب تلوار چلا کرتی تھی۔نور ایمان نے اس عداوت کو محبت سے بدل دیا۔ جس طرح قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں اپنے دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل ملا دیئے اور اپنے فضل سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا تم جہنم کے کنارے تک پہنچ گئے تھے لیکن اس نے تمہیں بچالیا۔اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لیے اسی طرح اپنی باتیں بیان فرماتا ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اے انصاریو کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پا کر اللہ کی عنایت سے تمہیں راہ راست نہیں دکھائی؟ کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری سبب سے امیر کر دیا جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری سبب سے تمہارے دل ملا دیئے۔آپ کی ہر بات پر انصاف کہتے جاتے تھے کہ بیشک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے بھی زیادہ احسان ہم پر ہے۔الغرض اپنے اس انعام واکرام کو بیان فرما کر اپنی عزت وحکمت کا اظہار کیا کہ وہ بلند جناب ہے اس سے اُمید رکھنے والا نا اُمید نہیں رہتا اس پر توکل کرنے والا سرسبز رہتا ہے اور اپنے کاموں میں اپنے حکموں میں حکیم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے قرابت داری کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ تب ہوتا ہے جب نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے۔جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر روئے زمین کے خزانے بھی ختم کر دیتا تو تیرے بس میں نہ تھا کہ ان کے دل ملا دے۔شاعر کہتا ہے تجھ سے دھوکا کرنے والا تجھ سے بیپرواہی برتنے والا تیرا رشتے دار نہیں بلکہ تیرا حقیقی رشتے دار وہ ہے جو تیری آواز پر لبیک کہے اور تیرے دشمنوں کی سرکوبی میں تیرا ساتھ دے۔اور شاعر کہتا ہے میں نے تو خوب مل جل کر آزما کر دیکھ لیا کہ قرابت داری سے بھی بڑھ کر دلوں کا میل جول ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں میں نہ جان سکا کہ یہ سب قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے یا ان سے نیچے کے راویوں میں سے کسی کا ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی یہ محبت راہ حق میں تھی توحید وسنت کی بنا پر تھی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں احسان کی بھی ناشکری کر دی جاتی ہے لیکن جب اللہ کی جانب سے دل ملا دیئے جاتے ہیں انہیں کوئی جدا نہیں کرسکتا ہے پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت فرمائیں۔

عبدہ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں میری حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص اللہ کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے خندہ پیشانی سے ہاتھ ملاتے ہیں تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے خشک پتے میں نے کہا یہ کام تو بہت آسان ہے فرمایا یہ نہ کہو یہی الفت وہ ہے جس کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت ومحبت پیدا کر دے۔ ان کے اس فرمان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھ دار ہیں۔

ولید بن ابی مغیث کہتے ہیں میں نے حضرت مجاہد سے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں میں نے پوچھا صرف مصافحہ سے ہی؟ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت کی۔ تو حضرت ولید نے فرمایا تم مجھ سے بہت بڑے عالم ہو۔

عمیر بن اسحاق کہتے ہیں سب سے پہلے چیز جو لوگوں میں سے اُٹھ جائے گی و الفت ومحبت ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی سے مل کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے خشک پتے ہوا سے۔ ان کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں گو وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔
(تفسیر ابن کثیر، الانفال، ۶۱)

اہل حرب سے صلح کرنے کا بیان

(وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ مَصْلَحَةً لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ) (وَوَادَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ) ، وَلِأَنَّ الْمُوَادَعَةَ جِهَادٌ مَعْنًى إذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ ، وَلَا يَقْتَصِرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَرْوِيَّةِ لِتَعَدِّي الْمَعْنَى إلَى مَا زَادَ عَلَيْهَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَكُنْ خَيْرًا ؛ لِأَنَّهُ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى (وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إلَيْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ مَكَّةَ) ، وَلِأَنَّ الْمَصْلَحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبْذُ جِهَادًا وَإِيفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى ، وَلَا بُدَّ مِنْ النَّبْذِ تَحَرُّزًا عَنْ الْغَدْرِ ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فِي

الْعُهُودِ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ) وَلَا بُدَّ مِنَ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيهَا خَبَرُ النَّبْذِ إِلَى جَمِيعِهِمْ ، وَيَكْتَفِي فِي ذَلِكَ بِمُضِيِّ مُدَّةٍ يَتَمَكَّنُ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبْذِ مِنْ إِنْفَاذِ الْخَبَرِ إِلَى أَطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ ؛ لِأَنَّ بِذَلِكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ .

ترجمہ

اور جب امام حربیوں سے یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس صلح میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ پاک کا فرمان ہے "اگر کفار صلح کے لیے جھکیں تو اے نبی آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جایئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے" اور آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کی تھی کہ آپ کے اور ان کے درمیان دس سال تک لڑائی بند رہے گی۔ اور اس لیے کہ مصالحت کرنا معنی جہاد ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو، کیونکہ مصالحت سے بھی مقصود یعنی دفعِ شر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ مدت مروی ہے اسی پر حکم موقوف نہیں ہے، کیونکہ اس سے زائد مدت کی طرف بھی معنی متعدی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب مصالحت میں خیر نہ ہو، کیونکہ اب یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترکِ جہاد ہے۔

اور جب ایک مدت کے لیے امام نے کفار سے مصالحت کر لی پھر وہ صلح ختم کرنے کو زیادہ نفع بخش پائے تو امام کفار کو نقضِ مصالحت کی خبر دیدے پھر ان سے جنگ کرے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس مصالحت کو توڑ دیا تھا جو آپ کے اور کفار مکہ کے درمیان منعقد ہوئی تھی۔ اور اس سبب سے کہ جب مصلحت بدل گئی تو نقض ہی جہاد کہلائے گا اور ایفائے عہد صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترکِ جہاد ہوگا لہٰذا غداری سے بچتے ہوئے نقضِ مصالحت کی خبر دینا ضروری ہے، اور عہد و کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں پورا کیا جائے اور بدعہدی نہ کی جائے۔ اور اتنی مدت کا لحاظ کرنا ضروری ہے جس مدت میں نقضِ عہد کی خبر تمام کافروں کو پہنچ جائے اور اس سلسلے میں اتنی مدت گذرنے پر اکتفاء کیا جائے گا کہ کفار کا سردار نقضِ عہد کی خبر جاننے کے بعد اپنی مملکت کے اطراف میں وہ خبر نافذ کرنے پر قادر ہو جائے، کیوں کہ اس سے غداری ختم ہو جائے گا۔

اطلاع کے فوری بعد جنگ نہ کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے اگرچہ کچھ مال لے کر یا دے کر صلح کی جائے اور صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دیں مگر یہ ضرور ہے کہ پہلے انھیں اس کی اطلاع کر دیں اور اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ کافر بادشاہ اپنے تمام ممالک میں اس خبر کو پہنچا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی میعاد نہ ہو اور اگر میعاد ہو تو میعاد پوری ہونے پر اطلاع کی کچھ حاجت نہیں۔

مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا ایک شہر کے رہنے والوں کو پناہ دیدی تو امان صحیح ہے اب قتل

جائز نہیں اگر چہ امان دینے والا فاسق یا اندھا یا بہت بوڑھا ہو۔اور بچہ یا غلام کی امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ انھیں جنگ کی اجازت مل چکی ہو ورنہ صحیح نہیں ۔امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ کفار نے لفظ امان سنا ہو اگر چہ کسی زبان میں ہو اگر چہ اس لفظ کے معنی وہ نہ سمجھتے ہوں اور اگر اتنی دور پر ہوں کہ سن نہ سکیں تو امان صحیح نہیں۔(درمختار، کتاب سیر)

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

امان میں نقصان کا اندیشہ ہو تو بادشاہِ اسلام اس کو توڑ دے مگر توڑنے کی اطلاع کردے اور امان دینے والا اگر جانتا تھا کہ اس حالت میں امان دینا منع تھا اور پھر دیدی تو اس کو سزا دی جائے۔(مجمع الانہر، کتاب الجہاد)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذمی اور تاجر اور قیدی اور مجنون اور جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی ہجرت نہ کی ہو اور وہ بچہ اور غلام جنھیں جنگ کی اجازت نہ ہو یہ لوگ امان نہیں دے سکتے۔(درمختار، کتاب سیر)

معاہدہ کی پابندی کرنے کا بیان

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۔(الانفال 58)

اصول کی رو سے ہمارے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معاہدہ ہو اور ہمیں اس کے طرزِ عمل سے یہ شکایت لاحق ہو جائے کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے، یا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا، تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کرلیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یکایک اس کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرنا شروع کردیں جو معاہدہ نہ ہونے کہ صورت ہی میں کیا جاسکتا ہو۔اس کے برعکس ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کاروائی کرنے سے پہلے فریق ثانی کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا، تا کہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔

اسی فرمان الٰہی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدھا او ینبذ الیھم علی سواء۔جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اسے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے۔یا نہیں تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے۔پھر اسی قاعدے کو آپ نے اور زیادہ پھیلا کر تمام معاملات میں عام اصول یہ قائم کیا تھا کہ لا تخن من خانک جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔اور یہ اصول صرف وعظوں میں بیان کرنے اور کتابوں کی زینت بننے کے لیے نہ

تھا بلکہ عملی زندگی میں بھی اس کی پابندی کی جاتی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب امیر معاویہ نے اپنے عہد میں سرحد روم پر فوجوں کا اجتماع اس غرض سے کرنا شروع کیا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی یکا یک رومی علاقہ پر حملہ کر دیا جائے تو ان کی اس کاروائی پر عمرو بن عَنبَسہ صحابیؓ نے سخت احتجاج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث سنا کر کہا کہ معاہدہ کی مدت کے اندر یہ معاندانہ طرز عمل اختیار کرنا غداری ہے۔ آخر کار امیر معاویہ کو اس اصول کے آگے سر جھکا دینا پڑا اور سرحد پر اجتماع فوج روک دیا گیا۔

یک طرفہ معاہدہ ختم ہونے کا بیان

یک طرفہ فسخِ معاہدہ اور اعلان جنگ کے بغیر حملہ کر دینے کا طریقہ قدیم جاہلیت میں بھی تھا اور زمانہ حال کی مہذب جاہلیت میں بھی اس کا رواج موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تازہ ترین مثالیں جنگ عظیم نمبر میں روس پر جرمنی کے حملے اور ایران کے خلاف روس و برطانیہ کی فوجی کاروائی میں دیکھی گئی ہیں۔ عموماً اس کاروائی کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ حملہ سے پہلے مطلع کر دینے سے دوسرا فریق ہوشیار ہو جاتا اور سخت مقابلہ کرتا، یا اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو ہمارا دشمن فائدہ اٹھا لیتا لیکن اس قسم کے بہانے اگر اخلاقی ذمہ داریوں کو ساقط کر دینے کے لیے کافی ہوں تو پھر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی بہانے نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہر چور، ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر قاتل، ہر جعلساز اپنے جرائم کے لیے ایسی ہی کوئی مصلحت بیان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ بین الاقوامی سوسائٹی میں قوموں کے لیے اُن بہت سے افعال کو جائز سمجھتے ہیں جو خود ان کی نگاہ حرام ہیں جب کہ ان کا ارتکاب قومی سوسائٹی میں افراد کی جانب سے ہو۔

اس موقع پر جان لینا بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اطلاع حملہ کرنے کو جائز رکھتا ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ فریق ثانی علی العلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے صریح طور پر ہمارے خلاف معاندانہ کارروائی کی ہو۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آیت مذکورہ بالا کے مطابق فسخ معاہدہ کا نوٹس دیں، بلکہ ہمیں اس کے خلاف بلا اطلاع جنگی کاروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بنی خزاعہ کے معاملہ میں صلح حدیبیہ کو علانیہ توڑ دیا تو آپ نے پھر انہیں فسخ معاہدہ کا نوٹس دینے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بلا اطلاع مکہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اگر کسی موقع پر ہم اس قاعدہ استثناء سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو لازم ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیش نظر رہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کاروائی کی تھی، تا کہ پیروی ہو تو آپ کے پورے طرز عمل کی ہو نہ کہ اس کے کسی ایک مفید مطلب جزء کی۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ :

اولاً، قریش کی خلاف ورزی عہد ایسی صریح تھی کہ اس کے نقض عہد ہونے میں کسی کلام کا موقع نہ تھا۔ خود قریش کے لوگ بھی اس کے معترف تھے کہ واقعی معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے خود ابوسفیان کو تجدید عہد کے لیے مدینہ بھیجا تھا جس کے صاف معنی یہی تھے کہ اُن کے نزدیک بھی عہد باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ناقضِ عہد قوم کو خود بھی اپنے نقضِ عہد کا اعتراف ہو۔ البتہ

یہ یقیناً ضروری ہے کہ نقضِ عہد بالکل صریح اور غیر مشتبہ ہو۔

ثانیاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے عہد ٹوٹ جانے کے بعد پھر اپنی طرف سے صراحتہً یا اشارۃً وکنایۃً ایسی کوئی بات نہیں کی کہ جس سے یہ ایماء نکلتا ہو کہ اس بدعہدی کے باوجود آپ ابھی تک اُن کو ایک معاہد قوم سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کے معاہدانہ روابط اب بھی قائم ہیں۔ تمام روایات بالاتفاق یہ بتاتی ہیں کہ جب ابوسفیان نے مدینہ آکر تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔

ثالثاً، قریش کے خلاف جنگی کاروائی آپ نے خود کی اور کھلم کھلا کی۔ کسی ایسی فریب کاری کا شائبہ تک آپ کے طرزِ عمل نہیں پایا جاتا کہ آپ نے بظاہر صلح اور بباطن جنگ کا کوئی طریقہ استعمال فرمایا ہو۔

یہ اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے، لہٰذا آیت مذکورہ بالا کے حکم عام سے ہٹ کر اگر کوئی کاروائی کی جاسکتی ہے تو ایسے ہی مخصوص حالات میں کی جاسکتی ہے اور اسی سیدھے سیدھے شریفانہ طریقہ سے کی جاسکتی ہے جو حضور ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔

مزید براں اگر کسی معاہد قوم سے کسی معاملہ میں ہماری نزاع ہو جائے اور ہم دیکھیں کہ گفت وشنید یا بین الاقوامی ثالثی کے ذریعہ سے وہ نزاع طے نہیں ہوتی، یا یہ کہ فریق ثانی اس کو بزور طے کرنے پر تُلا ہوا ہے، تو ہمارے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ طاقت صاف صاف اعلان کے بعد ہونا چاہیے اور کھلم کھلا ہونا چاہیے۔ چوری چھپے ایسی جنگی کاروائیاں کرنا جن کا علانیہ اقرار کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، ایک بداخلاقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔

بدعہدی کرنے والوں سے جنگ کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ بَدَءُوا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ إلَيْهِمْ إذَا كَانَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ) لِأَنَّهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إلَى نَقْضِهِ بِخِلَافِ مَا إذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيقَ وَلَا مَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَا يَكُونُ هَذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ ، وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ عَلَانِيَةً يَكُونُ نَقْضًا لِلْعَهْدِ فِي حَقِّهِمْ دُونَ غَيْرِهِمْ ؛

لِأَنَّهُ بِغَيْرِ إذْنِ مَلِكِهِمْ فَفِعْلُهُمْ لَا يُلْزِمُ غَيْرَهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ بِإِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنًى .

ترجمہ

اور جب کفار نے بدعہدی کی ابتداء کی تو امام ان سے جنگ کرے اور انہیں معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع نہ دے مگر جب یہ کام کا فروں کے اتفاق سے ہوا ہو، کیونکہ وہ لوگ عہد توڑنے والے ہو گئے لہٰذا اب اسے توڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف اس

صورلت کیک جب کافروں کی کوئی جماعت دارالاسلام میں گھسی اوراس نے ڈکیتی کی حالانکہ انہیں کوئی مضبوط قوت حاصل نہ ہوتو یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔اوراگران کے پاس لاؤلشکر موجود ہواورانھوں نے علی الاعلان مسلمانوں سے جنگ کیا ہوتو یہ لڑنے والوں کے حق میں عہد شکنی ہوگی اوران کے علاوہ کے حق میں نقضِ عہد نہیں ہوگا،اس لیے کہ یہ کام ان کے سردار کی اجازت کے بغیر ہوا ہے لہٰذا ان کا فعل دوسروں پر لازم نہیں ہوگا،ہاں اگر یہ فعل ان کیلئے بادشاہ کی اجازت سے ہوتو وہ عہد شکنی کرنے والے ہوجائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے وہ اس پر متفق ہیں۔

عہد توڑنے والے کفار سے جنگ کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سعد کو غزوہ خندق کے دن قریش کے ایک آدمی کا تیر لگا جس کو ابن عرقہ کہا جاتا تھا اس کا وہ تیر بازو کی ایک رگ میں لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اس کے لئے ایک خیمہ نصب کروادیا تا کہ پاس ہی ان کی عیادت کرسکیں پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے واپس آئے اور ہتھیار اتارے غسل فرمایا تو جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار اتار دیے ہیں، اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہ اتاریئے بلکہ ان کی طرف نکلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہاں، جبرائیل نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اترنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فیصلہ کو سعد کی طرف بدل دیا تو انہوں نے کہا کہ میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے لڑائی کرنے والے کو قتل کردیں اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں اوران کے مال کو تقسیم کرلیں۔(صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 101)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخم اچھا ہونے کے بعد بھر چکا تھا انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ !تو جانتا ہے میرے نزدیک تیرے راستہ میں اس قوم سے جہاد کرنے سے جس نے تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اورانہیں نکال دیا اور کوئی چیز محبوب نہیں اے اللہ !اگر قریش کے خلاف لڑائی کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے تو تو مجھے باقی رکھ تا کہ میں ان کے ساتھ تیرے راستہ میں جہاد کروں اے اللہ !میرا گمان ہے کہ اگر تو نے ہمارے اوران کے درمیان جنگ ختم کردی ہے پس اگر تو نے ہمارے اوران کے درمیان جنگ ختم کردی ہے تو اس کو کھول دے اوراسی میں میری موت واقع کر دے پس وہ زخم ان کی ہنسلی سے بہنا شروع ہوگیا اور مسجد میں ان کے ساتھ بنی غفار کا خیمہ تھا تو وہ اس خون کو اپنے خیمے میں جانے سے روک نہ سکے تو انہوں نے کہا اے خیمہ والو یہ کیا چیز ہے جو تمہارے طرف سے ہمارے پاس آرہی ہے پس اچانک دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اوراسی سبب سے وہ فوت ہوگئے۔

(صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 103)

امام مسلم علیہ الرحمہ نے مذکورہ حدیث کو عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ کرنے کے بیان میں لکھا ہے۔

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صلح کے بعد اگر کسی کافر نے لڑنا شروع کیا اور یہ انکے بادشاہ کی اجازت سے ہے تو اب صلح نہ رہی اور اگر بادشاہ کی اجازت سے نہ ہو بلکہ شخص خاص یا کوئی جماعت بغیر اجازتِ بادشاہ برسرِ پیکار ہے۔ تو صرف انھیں قتل کیا جائے ان کے حق میں صلح نہ رہی باقیوں کے حق میں باقی ہے۔(مجمع الانہر، کتاب الجہاد)

اہل حرب سے مال کے بدلے صلح کرنے کا بیان

(وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذَلِكَ مَالًا فَلَا بَأْسَ بِهِ) لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتْ الْمُوَادَعَةُ بِغَيْرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ ، لَكِنْ هَذَا إذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ ، أَمَّا إذَا لَمْ تَكُنْ لَا يَجُوزُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ ، وَالْمَأْخُوذُ مِنْ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ ، هَذَا إذَا لَمْ يَنْزِلُوا بِسَاحَتِهِمْ بَلْ أَرْسَلُوا رَسُولًا ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِزْيَةِ ، أَمَّا إذَا أَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ أَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيمَةٌ يُخَمِّسُهَا وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ بَيْنَهُمْ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى (وَأَمَّا الْمُرْتَدُّونَ فَيُوَادِعُهُمْ الْإِمَامُ حَتَّى يَنْظُرَ فِي أَمْرِهِمْ) لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مَرْجُوٌّ مِنْهُمْ فَجَازَ تَأْخِيرُ قِتَالِهِمْ طَمَعًا فِي إسْلَامِهِمْ (وَلَا يَأْخُذُ عَلَيْهِ مَالًا) لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نُبَيِّنُ (وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهُ) لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُومٍ

ترجمہ

اور جب امام مال لے کر اہل حرب سے مصالحت کرنا مناسب سمجھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب بدون مال مصالحت جائز ہے تو مال کے عوض بھی جائز ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب مسلمانوں کو مال کے عوض صلح کرنے کی ضرورت ہو لیکن اگر یہ ضرورت نہ ہو تو مصالحت علی المال جائز نہیں ہے اس دلیل کی سبب سے جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور کفار سے لیا گیا مال جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مسلمان میدان میں نہ اترے ہوں بلکہ قاصد بھیجا ہو کیونکہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے لیکن اگر جیش اسلامی نے کفار کا احاطہ اور گھیراؤ کر کے ان سے مال لیا ہو تو وہ مال پانچویں حصے کے ساتھ مالِ غنیمت ہوگا اور باقی چار حصے ان میں تو تقسیم کر دیے جائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے یہ جبراً لیا گیا مال ہے۔ البتہ مرتد لوگ تو امام ان سے صلح کر سکتا ہے، نزدیک تک کہ مسلمان ان کے متعلق غور کر لیں، اس لیے کہ ان سے اسلام کی توقع ہے لہٰذا ان کے مسلمان ہونے کی لالچ میں ان سے جنگ کو موخر کرنا جائز ہے اور مجاہدین ان سے صلح کرنے کے عوض مال نہ لیں، کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کریں گے اور اگر امام نے مال لے لیا تو اسے واپس نہ کرے اس لیے کہ یہ غیر محفوظ مال ہے۔

صلح کے آفاقی مقاصد کا بیان

" صلح "اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد بمعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریہ توحید کے مطابق عالمگیر امن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے تبلیغ اسلام کی مطمع نظر کی خاطر انسانی سلامتی و آزادی کی حفاظت اور سیاسی و جنگی مصلح کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدہ صلح و امن کرلے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو "صلح حدیبیہ "کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ صلح کی مقدار دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیث و تاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کی بلکہ دنیا کو معلوم ہوگیا کہ اسلام، انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علم دار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنگ جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے باوجود اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدہ صلح کی مدت پر تین سال ہی گذرے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنو خزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنو بکر کی مدد کرکے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

کفار کے محاصرے پر عدم صلح کا بیان

وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوُّ الْمُسْلِمِينَ وَطَلَبُوا الْمُوَادَعَةَ عَلَى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِمْ لَا يَفْعَلُهُ الْإِمَامُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدَّنِيَّةِ وَإِلْحَاقِ الْمَذَلَّةِ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ ،لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَاكِ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيقٍ يُمْكِنُ .

(وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزُ إِلَيْهِمْ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمْلِهِ إِلَيْهِمْ ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى قِتَالِ الْمُسْلِمِينَ فَيُمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا ، وَكَذَلِكَ الْحَدِيدُ لِأَنَّهُ أَصْلُ السِّلَاحِ ، وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ ؛لِأَنَّهَا عَلَى شَرَفِ النَّقْضِ أَوْ الِانْقِضَاءِ فَكَانُوا حَرْبًا عَلَيْنَا ، وَهَذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثَّوْبِ ، إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ (فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَرَ ثُمَامَةَ أَنْ يَمِيرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ).

ترجمہ

اور جب دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا اور مسلمانوں سے مال لے کر مصالحت کا مطالبہ کیا تو امام یہ صلح نہ کرے، کیونکہ اس میں دیت دینا اور مسلمانوں کو ذلت میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے ہاں البتہ جب ہلاکت کا اندیشہ ہو، کیونکہ جس طرح بھی ہوسکے

مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔

اور حربیوں سے ہتھیار فروخت کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے اور ان کی طرف ہتھیار لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں سے لڑنے پر ان کو تقویت بہم پہنچانا لازم آتا ہے اس لیے یہ ممنوع ہوگا، نیز گھوڑوں کی فروختگی بھی ممنوع ہے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اور لوہے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ ہتھیار کی اصل ہے اور مصالحت کے بعد بھی یہی حکم ہوگا اس لیے کہ مصالحت ٹوٹنے یا مدت پوری ہونے کے بعد ختم ہونے کے قریب رہتی ہے، لہٰذا ان سب سے ہمارا ہی نقصان ہوگا، غلہ اور کپڑے کے متعلق بھی قیاس یہی ہے لیکن ہم نے اسے نص سے جانا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اہل مکہ کو غلہ بھیج دیں حالانکہ اہل مکہ آپ ﷺ کے کھلے ہوئے دشمن تھے۔

مسلمانوں کو غلبہ حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنے کا حکم

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ (جہاد میں) جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے (کہ مجاہدین کا جو لشکر تمہاری کمان میں جا رہا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اور ان کے حق میں حسن سلوک و احسان اور نرمی و ملاطفت کا رویہ اختیار کرنا) اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اور ان کے دین کا جھنڈا سر بلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا مثلہ نہ کرنا یعنی کسی کے اعضاء جسم جس طرح ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور (اے امیر لشکر) جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو یا حدیث کے راوی اپنے شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے (ثلث خصال) کے بجائے (ثلث خلال) فرمایا (خصال اور خلال دونوں کے ایک ہی معنی ہیں) ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز رہو۔

پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو، (پھر وہ اسلام قبول کریں تو) ان کو اپنے ملک یعنی (دار الحرب سے) مہاجرین کے ملک (یعنی دار السلام) کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کرنے کی) دعوت دو اور ان کو یہ بتا دو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دار الاسلام آ جائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترک سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتا دو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح

ہوں گے اور ان پر خدا کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز وزکوۃ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جس طرح احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت وفئی کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حصہ ملے گا جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوکر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں اور مسلمان ہونے سے انکار کریں تو دوسری چیز یہ ہے کہ ان سے جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تیسری چیز یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرکے ان سے جنگ شروع کردو۔ اور جب تم کسی قلعہ یا بستی کے لوگوں یعنی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ یا بستی والے تم سے اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد امان لینا چاہیں تو تم ان کو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان دینے کا عہد نہ کرنا البتہ اپنے اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دے دینا کیونکہ اگر تم اپنے اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دوگے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد وامان کو توڑنے سے زیادہ سہل ہوگا۔ اور جب تم کسی قلعہ کے لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ والے تم سے اللہ کے حکم پر اپنا محاصرہ اٹھا لینے کی درخواست کریں تو تم اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ اٹھانا بلکہ اپنے حکم پر ان کا محاصرہ اٹھانا کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اللہ کے حکم تک پہنچ گئے ہو یا نہیں (یعنی تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے ان کا محاصرہ اٹھا لینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ خدا کے نزدیک صحیح بھی ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں اور ہوسکتا ہے کہ تم سے چوک ہو جائے گا جیسا کہ مجتہد کی شان ہے کہ وہ صحیح حکم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور خطاء میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے)۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1037)

اس حدیث میں اس ضابطہ کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے نافذ کیا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جب دشمن (مخالفین اسلام) سامنے آئیں تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو ان سے یہ مطالبہ کرو کہ جزیہ ادا کرکے اسلامی مملکت کے وفادار شہری بن جاؤ اور اگر اس پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرو۔

(ثم ادعہم) (پھر ان کو اسلام کی دعوت دو) اس جملہ سے ان تین چیزوں کا اظہار شروع کیا گیا ہے جن کا تعلق مذکورہ بالا ضابطہ سے ہے اور لفظ ثم "(پھر) ذکر فرما کر گویا مخاطب امیر لشکر کو آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب تم نے ان تین چیزوں کو اجمالی طور پر جان لیا تو اب ان تینوں چیزوں کا تفصیلی حکم جان لو اور وہ یہ کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو پھر ان کے خلاف جہاد کرو۔

امام نووی فرماتے کہ تمام نسخوں میں (ثم ادعہم) ہی ہے لیکن قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ روایت کی زیادہ صحت اور موزونیت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ یہ یعنی ابتداء میں ادعہم بغیر لفظ ثم کے ہو چنانچہ کتاب ابوعبید اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ لفظ "ثم" کے بغیر ہے کیونکہ اس جملہ سے دراصل (ثلث خصال) (تین چیزوں) کی وضاحت بیان کی جارہی ہے نہ کہ ان تینوں چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کی وضاحت مقصود ہے، حضرت مازری یہ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ "ثم "معنی کے اعتبار سے تو زائد ہے لیکن جملہ میں اس کا استعمال آگے کی جانے والی بات کی ابتدائیہ کے طور پر ہے اور گویا یہ ان تین چیزوں میں سے پہلی چیز کی توضیح وبیان کے لئے

ہے اور لفظ "مع المسلمین" تک اسی کا تتمہ ہے اس کے بعد دوسری چیز یعنی جزیہ کا مطالبہ کرنا اور پھر تیسری چیز یعنی جہاد کرنا کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ حکم فرمایا کہ (اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کریں تو) ان کو ہجرت کرنے کی دعوت دو تو بعض حضرات کے نزدیک اس حکم کی بنیاد یہ ہے کہ فتح مکہ سے ہجرت کرنا اسلام کا ایک رکن تھا۔

ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے یعنی مدینہ کے مہاجرین کو جو ثواب وفضیلت اور مال فئی کا جو استحقاق حاصل ہے یہی سب کچھ تمہیں بھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین کو استحقاق حاصل ہے یہی سب کچھ تمہیں بھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین کو استحقاق بایں طور پر حاصل تھا کہ ان کو امام کی طرف سے جہاد کا حکم ہو جانے پر جہاد کے لئے نکلنے کے وقت ہی سے ان پر مال فئی خرچ کیا جاتا تھا اور دشمن کے مقابلہ پر لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد کافی ہونے کی صورت میں ان پر جہاد کے لئے نکلنا واجب نہیں تھا چنانچہ اس ارشاد گرامی۔

(وعلیہم ما علی المھاجرین (اوران پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی) کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ ذمہ داری سے مراد "جہاد" ہے۔

"دیہاتی مسلمانوں" سے مراد وہ مسلمان ہیں جو دار السلام کے دیہات وجنگلات میں رہتے ہوں نہ کہ دار الکفر میں بسنے والے دیہاتی مسلمان۔

"غنیمت اور فئی" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ مال جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ لیکن بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ "غنیمت" اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے ذریعہ اور محنت ومشقت کے ساتھ کفار سے حاصل ہو اور "فئی" اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ اور مشقت کے بغیر کفار سے ہاتھ لگے۔

اگر تم اپنے اور اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ کفار اس عہد امان کو کسی وقت توڑیں بایں طور کہ وہ ان شرائط کو پورا کرنے سے انکار کریں جن کی بنیاد پر ان کو وہ عہد امان ملا ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تئیں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا تا آنکہ تمہیں وحی یا دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے جو اس وقت ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم وحی یعنی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہو گے اس کے برخلاف اگر تم ان کو اپنی صورت میں تمہارے لئے ان کے تئیں فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ تم ان کا پھر محاصرہ کر کے چاہے تو ان کو قتل کر دو گے، چاہے جزیہ کا مطالبہ کرو گے، چاہے ان کو قیدی بنالو گے اور یا ان علاوہ ان کے خلاف از روئے مصلحت جو بھی اقدام کرنا چاہو گے اس میں تمہیں مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

غزوہ خندق کے محاصرے کا بیان

حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے ایک آدمی نے کہا اگر

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتا اور بہت کوشش کرتا حضرت حذیفہ رضی اللہ نے کہا تم ایسے کرتے تحقیق ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احزاب کی رات سخت ہوا اور سردی دیکھ چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں جو اس قوم کی خبر میرے پاس لائے اللہ اسے قیامت کے دن میرا ساتھ نصیب فرمائے گا ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دیا پھر فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں جو قوم کی ہمارے پاس خبر لائے اللہ اسے قیامت کے دن میرا ساتھ نصیب فرمائے گا ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان کافروں کی ہمارے پاس خبر لائے اللہ اسے قیامت کے دن میرا ساتھ نصیب فرمائے گا ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حذیفہ کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے پاس قوم کی خبر لے آؤ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر پکارا تو میرے لئے سوائے اٹھنے کے کوئی چارہ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور قوم کی میرے پاس خبر لے کر آؤ مگر انہیں میرے خلاف بھڑکانا نہیں جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پشت پھیر کر چلنے لگا تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا گویا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا میں نے ابوسفیان کو اپنی پیٹھ آگ سے سینکتے دیکھا پس میں نے فوراً کمان کے درمیان میں تیر رکھا اور اسے مارنے کا ارادہ کیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آ گیا کہ انہیں میرے خلاف بھڑکانا نہیں اگر میں تیر مار دیتا تو صحیح نشانہ پر ہی لگتا میں واپس لوٹا اور میں حمام ہی کی طرح میں چل رہا تھا جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کی خبر دے کر فارغ ہوا تو مجھے سردی محسوس ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی بقیہ چادر اوڑھادی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھ کر نماز ادا کر رہے تھے اور میں صبح تک نیند کرتا رہا۔ پس جب صبح ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بہت سونے والے اٹھ جا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 143)

کفار کا لشکر جب آگے بڑھا تو سامنے خندق دیکھ کر ٹھہر گیا اور شہر مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور تقریباً ایک مہینے تک کفار شہر مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے پڑے رہے۔ اور یہ محاصرہ اس سختی کے ساتھ قائم رہا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔

کفار نے ایک طرف تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف اس لئے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عورتیں اور بچے قلعوں میں پناہ گزیں تھے۔ مگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے جہاں خندق کے مختلف حصوں پر صحابہ کرام کو مقرر فرما دیا تھا کہ وہ کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہیں۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے بھی کچھ صحابہ کرام کو متعین کر دیا تھا۔

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کافروں کے ہاتھ ہتھیار اور گھوڑے اور غلام اور لوہا وغیرہ جس سے ہتھیار بنتے ہیں بیچنا حرام ہے اگرچہ صلح کے زمانہ میں ہو۔ یوہیں تاجروں پر حرام ہے کہ یہ چیزیں ان کے ملک میں تجارت کے لیے لے جائیں بلکہ اگر مسلمانوں کو حاجت ہو تو غلہ اور کپڑا بھی ان کے ہاتھ نہ بیچا جائے۔ (درمختار، کتاب سیر)

فَصْلٌ

﴿یہ فصل امان دینے کے بیان میں ہے﴾

فصل جنگ میں امان دینے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امان طلب کرنا یہ بھی موادعت کی ایک قسم ہے کیونکہ اس کے سبب بھی جنگ کو ترک کردیا جاتا ہے۔لہذا اس کی فقہی مطابقت باب سے موادعت سے واضح ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ۷،ص ۴۶۶،بیروت)

امان سے متعلق غیر مسلموں کی اقسام کا بیان

غیر مسلموں کو جو مسلمانوں کی طرف بعض حقوق دیئے جاتے ہیں اور جن کے پیش نظر دنیا میں نظام امن کا قیام ہوتا ہے وہ عموی طور پر چار اقسام میں بیان کیے جاتے ہیں اور وہ چار اقسام حسب ذیل ہیں۔(۱)حربی (۲)مستامن (۳)معاہد (۴) ذمی

حربی

وہ کافر جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔حربی کفار کا ہم پر کوئی حق نہیں کہ ان کی کوئی حمایت یا رعایت کی جائے۔

مستامن

وہ کافر جو مسلمانوں سے مال وجان کی امان کی درخواست کریں اور انہیں امان دے دی جائے۔کفار کا ہم پر یہ حق ہے کہ ان کو امن دینے کے وقت (مدت امان) اور اس جگہ کا لحاظ رکھا جائے جہاں انہیں امان دی گئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔

(سورۃ التوبہ،آیت(6)

معاہد

وہ کافر جن کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو،مثلا :اتنے سال ہم باہم جنگ وجدال نہیں کریں گے۔(معاہدین) کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان کا عہد اس مدت تک پورا کریں جو ہمارے اور ان کے درمیان اتفاق رائے سے طے ہوا ہے۔جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں،اس میں کچھ کمی کریں نہ ہمارے خلاف کسی کی مدد کریں،نہ ہمارے دین میں طعنہ زنی کریں،اُس وقت تک ہمیں عہد کا پاس کرنا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا

إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ .

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی قصور نہیں کیا اور تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد نہیں کی سو ان سے ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے (سورۃ التوبہ، آیت (4)

نیز فرمایا۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو کفر کے سرداروں سے لڑو ان کی قسموں کوئی اعتبار نہیں ت (سورۃ التوبہ، آیت (12)

ذمی

وہ غیر مسلم ہوتے ہیں جو جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے ملک میں رہنے والے ہوں جس کے عوض اسلامی حکومت ان کے مال و جان کے تحفظ کی ذمہ دار ہو۔ ذمیوں کے حقوق باقی تمام کافروں سے زیادہ ہیں۔ ان کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ ذمہ داریاں، کیونکہ وہ مسلمانون کے ملک میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی حمایت اور رعایت میں رہتے ہیں جس کے عوض وہ جزیہ ادا کرتے ہیں، لہذا مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ وہ ان کے خون، مال اور عزت کے مقدمات میں اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور جس چیز کی حرمت کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں اس میں ان پر حدود قائم کرے اور حاکم پر ان کی حمایت اور ان کی اذیت و پریشانی کو دور کرنا واجب ہے۔

یہ بھی ضرورہ ہے کہ ان کا لباس مسلمانوں کے لباس سے الگ ہو اور وہ کسی ایسی چیز کا اظہار نہ کریں جو اسلام میں ناپسندیدہ ہو یا ان کے دین کا شعار (شناختی علامت) ہو، جس طرح ناقوس اور صلیب۔ ذمیوں کے احکام فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

کسی کو جنگ سے امان دینے کا بیان

(إِذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ) أَيْ أَقَلُّهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُونَهُ إذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهِ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدَّى إلَى غَيْرِهِ ، وَلِأَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْإِيمَانُ ، وَكَذَا الْأَمَانُ لَا يَتَجَزَّأُ فَيَتَكَامَلُ

كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ .

ترجمہ

اور جب کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا کسی جماعت کو یا کسی قلعہ یا شہر والوں کو امان دیدیا تو یہ امان صحیح ہوگا اور مسلمانوں میں سے کسی کے لیے بھی ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اصل ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا ادنی یعنی ایک شخص بھی ان کی ذمے داری پوری کرنے کی سعی کرے گا۔ اور اس لیے کہ مسلمانوں کا ہر فرد اہل جنگ میں سے ہے، لہذا کفار اس سے ڈریں گے، کیونکہ وہ لاؤ لشکر والا ہے، لہذا اس کی طرف سے امان ثابت ہوگا اس لیے کہ امان اپنے محل سے متصل ہے پھر ان کے غیر کی طرف متعدی ہوگا اور اس لیے کہ امان کا سبب یعنی یمان متجزی نہیں ہوتا نیز امان میں بھی تجزی نہیں ہوتی لہذا ولایتِ انکاح کی طرح یہ بھی کامل ہوگا۔

امان دینے میں بعض فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر کے عزیزوں میں سے دو اشخاص کو پناہ دلوائی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے بھی اسے پناہ دی جس کو تم نے دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ انہوں نے عورت کا کسی کو پناہ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کہ عورت اور غلام کا پناہ دینا جائز رکھا ہے۔ ابو مرہ عقیل بن ابی طالب کے مولی ہیں۔ انہیں ام ہانی کا مولی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام یزید ہے۔

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے جس کے ساتھ ہر ادنی شخص بھی چلتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی نے بھی کسی شخص کو امان دیا تمام مسلمانوں کو اس شخص کو امان دینا ضروری ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1645)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1081)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ

کپڑے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا " کون ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میں ہوں "ام ہانی بنت ابوطالب !آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ام ہانی خوش آمدید "!پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑے لپیٹے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علی نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔ "حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ "یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے "!

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانی نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ "میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں!؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1080)

حضرت ام ہانی کا اصل نام "فاختہ "تھا اور بعض نے "عاتکہ "بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی کی حقیقی بہن ہیں، ہبیرہ ان کے خاوند کا نام ہے، جب ام ہانی نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہوگئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ جس شخص نے حضرت ام ہانی نے پناہ دی تھی وہ اس کے خاوند ہبیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ ام ہانی کے علاوہ ہبیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا حضرت علی نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذی نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام ہانی ہی کے مکان میں غسل فرما رہے تھے، لیکن یہاں بخاری ومسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہ کے گھر میں نہا رہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاری ومسلم کی روایت میں یہ عبارت مقدر مانی جائے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں غسل فرما رہے تھے "یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذی کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاری ومسلم کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

فساد کے سبب امان کو توڑنے کا بیان

قَالَ (إلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ مَفْسَدَةٌ .فَيَنْبِذُ إلَيْهِمْ) كَمَا إذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَأَى

الْمَصْلَحَةَ فِي النَّبْذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ .

وَلَوْ حَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمِنَ وَاحِدٌ مِنَ الْجَيْشِ وَفِيهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ لِمَا بَيَّنَّا ، وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِافْتِيَاتِهِ عَلَى رَأْيِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ رُبَّمَا تَفُوتُ الْمَصْلَحَةُ بِالتَّأْخِيرِ فَكَانَ مَعْذُورًا (وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ) لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ بِهِمْ ، وَكَذَا لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ .

قَالَ (وَلَا أَسِيرٍ وَلَا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ) لِأَنَّهُمَا مَقْهُورَانِ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ فَلَا يَخَافُونَهُمَا وَالْأَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ وَلِأَنَّهُمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ فِيهِ فَيَعْرَى الْأَمَانُ عَنِ الْمَصْلَحَةِ ، وَلِأَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُونَ أَسِيرًا أَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُونَ بِأَمَانِهِ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب اس میں کوئی خرابی ہوتو امام کفار کو اس کے توڑنے کی خبر دیدے جس طرح اگر بذاتِ خود امام نے امان دیا ہو پھر توڑنے میں اسے مصلحت نظر آئی اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سپاہیوں میں سے کسی نے (انہیں) امان دیدیا حالانکہ اس امان میں مسلمانوں کا نقصان ہوتو امام امان ختم کردے گا اس دلیل کے سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امان دینے والے سپاہی کے خلاف تادیبی کاروائی کرے گا، کیونکہ اس نے امام کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب اس امان میں مصلحت ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی تاخیر کی سبب سے مصلحت فوت ہوجاتی ہے، لہذا امان دینے والا معذور ہوگا۔

اور ذمی کا امان صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ذمی کفار کے ساتھ تہمت والا ہے نیز مسلمانوں پر اسے ولایت بھی حاصل نہیں ہے، فرمایا کہ اس قیدی اور تاجر کا امان دینا بھی صحیح نہیں ہے جو کفار کے پاس آتا جاتا ہو، کیونکہ یہ دونوں کافروں کی ماتحتی میں مغلوب ہے لہذا کفار ان سے نہیں ڈریں گے جب کہ امان محل خوف کے ساتھ خاص ہے اور اس لیے کہ ان دونوں کو امان دینے پر مجبور بھی کیا جاسکتا ہے اس لیے یہ امان مصلحت سے خالی ہوگا۔ اور اس سبب سے کہ جب بھی کفار پر معاملہ سخت ہوگا وہ کسی قیدی یا تاجر کو پائیں گے اس سے امان لے کر چھٹکارا پاجائیں گے اور ہمارے لیے فتح کا دروازہ نہیں کھلے گا۔

معاہدہ امن ختم کرنے کی خبر کفار کو دینے کا بیان

ایک کوفہ کے رہنے والے سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے لشکر کے ایک افسر کو لکھا؛ کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض

لوگ تم میں سے کافر عجمی کو بلاتے ہیں جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور لڑائی سے باز آتا ہے، تو ایک شخص اس سے کہتا ہے مت ڈر، پھر قابو پا کر اس کو مار ڈالاتا ہے؛ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں کسی کو ایسا کرتے جان لوں گا تو اس کی گردن ماروں گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 882)

حضرت سلیم ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کی درمیان (یہ) معاہدہ ہوا تھا کہ (اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اس معاہدہ کے زمانہ میں) رومیوں کے شہروں میں گشت (کر کے حالات کا اندازہ) لگایا کرتے تھے تا کہ جب معاہدہ کی مدت گذر جائے تو وہ ان (رومیوں) پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں (اور ان کے ٹھکانوں کو تخت و تاراج کر دیں جب کہ اگر وہ گشت کے ذریعہ ان کے حالات اور ٹھکانوں کا جائزہ لینے کی بجائے اطمینان کے ساتھ اپنے کیمپ میں پڑے رہتے اور پھر معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر حملہ کرتے تو ان رومیوں کے چوکنا ہونے کی سبب سے خاطر خواہ جنگی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا پھر (انہی دنوں میں جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے) ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفا کو ملحوظ رکھو نہ کہ بدعہدی کو! یعنی تم پر معدہ کو پورا کرنا لازم ہے نہ کہ تم معاہدہ کی خلاف ورزی کرو (گویا انہوں نے یہ واضح کیا کہ تم لوگ معاہدہ کے زمانے میں دشمنوں کے شہروں میں گشت لگاتے ہو تو یہ اپنے عہد کی پاسداری کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے حکم میں داخل ہے) جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص (ایک صحابی) حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت امیر معاویہ نے ان سے اس بات کو پوچھا (کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرنا، عہد شکنی کے مرادف کیسے ہے؟

تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، آنکہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے (یعنی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ توڑنا ضروری ہو گیا ہو اور فریق مخالف کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ہم اس کو توڑتے ہیں، اب ہم اور تم دونوں برابر ہیں کہ جس کی (جو مرضی ہو کرے) حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ! رضی اللہ عنہ حضرت ابن عبسہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن کر "اپنے لوگوں کے ساتھ (رومیوں کے شہر سے اپنے کیمپ میں) واپس چلے آئے۔" (ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1083)

دارالحرب میں اسلام لانے والے کے امان کے صحیح نہ ہونے کا بیان

وَمَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ إلَيْنَا لَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَيَّنَّا (وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ

الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِي رِوَايَةٍ ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي رِوَايَةٍ لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ) رَوَاهُ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ اعْتِبَارًا بِالْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ وَبِالْمُؤَيَّدِ مِنْ الْأَمَانِ ، فَالْإِيمَانُ لِكَوْنِهِ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ ، وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ ، وَالِامْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ إزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ ، وَالتَّأْثِيرُ إعْزَازُ الدِّينِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلَحَةِ فِي حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ ؛ إذْ الْكَلَامُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ ، وَإِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَايَفَةَ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْطِيلِ مَنَافِعِ الْمَوْلَى وَلَا تَعْطِيلَ فِي مُجَرَّدِ الْقَوْلِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَحْجُورٌ عَنْ الْقِتَالِ فَلَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُمْ لَا يَخَافُونَهُ فَلَمْ يُلَاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ لِأَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ ، وَلِأَنَّهُ إنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَايَفَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ الْمَوْلَى عَلَى وَجْهٍ لَا يَعْرَى عَنْ احْتِمَالِ الضَّرَرِ فِي حَقِّهِ ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ وَفِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يُخْطِئُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ ، وَفِيهِ سَدُّ بَابِ الِاسْتِغْنَامِ ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِهِ وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالَ ، وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنْ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إلَيْهِ ، وَلِأَنَّهُ مُقَابَلٌ بِالْجِزْيَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذَلِكَ ، وَإِسْقَاطُ الْفَرْضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا .

وَلَوْ أَمِنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لَا يَعْقِلُ لَا يَصِحُّ كَالْمَجْنُونِ وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مَحْجُورٌ عَنْ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ ، وَإِنْ كَانَ مَأْذُونًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالِاتِّفَاقِ .

ترجمہ

اور جو شخص دار الحرب میں اسلام لے آیا اور ہماری طرف ہجرت نہیں کی، اس کا امان صحیح نہیں ہوگا اس دلیل کے سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبد مجور کا امان جائز نہیں ہے البتہ جب اس کا آقا اسے جنگ کی اجازت دیدے۔ امام محمد فرمایا کہ صحیح ہے یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی قول ہے، امام ابو یوسف ایک روایت میں امام محمد کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے غلام کا امان بھی امان ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس لیے کہ وہ مومن ہے اور صاحب قوت ہے، لہٰذا اس کا مان صحیح ہوگا اس غلام کے امان پر قیاس کرتے ہوئے جس کو جنگ کی اجازت دی گئی ہو اور دائمی امان پر قیاس کرتے ہوئے، اور ایمان کی شرط اس سبب سے کہ ایمان عبادت کے لیے شرط ہے اور جہاد بھی ایک عبادت ہے اور امتناع کی شرط اس سبب سے ہے، کیونکہ اس کے ذریعے خوف کا دور ہونا ثابت ہوتا ہے اور قیاس کی علتِ جامعہ دین کا اعزاز اور جماعت المسلمین کے حق میں مصلحت کا قیام ہے، اس لیے کہ یہ اور عبد مجور اپنے اختیار سے اس لیے جہاد میں نہیں جاسکتا، کیونکہ اس میں آقا کے منافع کو معطل کرنا ہے اور صرف بات کہنے سے منافع معطل نہیں ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کو جنگ سے روکا گیا ہے لہٰذا اس کا مان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ کفار غلام سے نہیں ڈریں گے، لہٰذا امان اپنے محل سے متصل نہیں ہوا۔

برخلاف اس غلام کو جنگ سے روکا گیا ہے لہذا اس کا مان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ کفار غلام سے نہیں ڈریں گے، لہذا امان اپنے محل سے متصل نہیں ہوا۔ خلاف اس غلام کے جس کو جنگ کی اجازت دی گئی ہو، اس لیے کہ اس کی طرف سے خوف ثابت ہے اور وہ اس سبب سے پہل کرنے کا مالک نہیں ہے کہ یہ آقا کے حق میں تصرف ہے بایں طور کہ یہ تصرف آقا کے حق میں نقصان کے احتمال سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا مان دینا بھی ایک طرح کا جنگ ہے۔ اور اس میں وہی خرابی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ غلام کبھی غلطی کر دیتا ہے، بلکہ اس کا غلطی کرنا واضح ہے اور اس میں مال غنیمت کے حصول کا دروازہ بند کرنا لازم آتا ہے اور برخلاف موبد کے، اس لئے کہ وہ اسلام کے قائم مقام ہے، لہذا وہ اسے اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہوگا اور اس لیے کہ یہ امان جزیہ کے مقابل ہے اور اس لیے کہ کفار کے مطالبہ کے وقت یہ امان دینا فرض ہے اور جرض کا اسقاط نفع ہے، لہٰذا عبد مجور کے امان اور اس کے ذمی بنانے میں فرق ہوگیا۔ اور اگر غیر عاقل بچے نے امان دیدیا تو صحیح نہیں ہے، جس طرح مجنون کا امان صحیح نہیں ہے اور اگر بچہ سمجھ دار ہو، لیکن مجور عن الجنگ ہو تو اس کا امان بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور اگر اسے جنگ کرنے کی اجازت حاصل ہو تو اصح یہ ہے کہ اس کا امان بالاتفاق صحیح ہے۔

اہل اسلام کی ہجرت اور امان کا بیان

عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین (اسلام) سے مزین پایا اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام دونوں وقت ہمارے یہاں تشریف نہ لاتے ہوں جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارادہ ہجرت حبش (گھر سے) نکلے حتیٰ کہ جب (مقام) برک الغماد تک پہنچے تو ابن الدغنہ سے جو (قبیلہ) قارہ کا سردار تھا ملاقات ہوگئی اس نے پوچھا اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ سیاحی کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں ابن الدغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے تم فقیر

کی مدد کرتے ہو رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہو بے کسوں کی کفالت کرتے ہو مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہو میں تمہارا حامی ہوں چلو لوٹ چلو اور اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے پھر ابن الدغنہ نے شام کے وقت تمام اشراف قریش میں چکر لگایا اور ان سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو فقیر کی مدد کرتا ہے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا ہے بے کسوں کی کفالت کرتا ہے مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے اور حق کی (راہ میں پیش آنے والے مصائب) میں مدد کرتا ہے۔

پس قریش نے ابن الدغنہ کی امان سے انکار نہ کیا اور ابن الدغنہ سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں گھر میں نماز پڑھیں اور جو جی چاہے پڑھیں اور ہمیں اس سے تکلیف نہ دیں اور زور سے نہ پڑھیں کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے (اس نئے دین میں) پھنس جائیں گے ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر سے یہ بات کہہ دی کچھ عرصہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے نہ زور سے نماز پڑھتے تھے اور نہ گھر کے سوا پڑھتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں آیا تو انہوں نے ایک مسجد اپنے گھر کے سامنے بنالی اور (اب) وہ اس مسجد میں نماز اور قرآن پڑھتے اور مشرکین کی عورتیں اور بیٹے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان سے خوش ہوتے اور ان کی طرف دیکھتے تھے بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رقت قلبی کی سبب سے) بڑے رونے والے تھے جب وہ قرآن پڑھا کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر اختیار نہ رہتا اشراف قریش اس بات سے گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا جب وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہاری امان کی سبب سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے رب کی عبادت کریں مگر وہ اس حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنا ڈالی اور اس میں زور سے نماز و قرآن پڑھتے ہیں۔

اور ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے نہ پھنس جائیں لہٰذا انہیں روکو اگر وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرنے پر اکتفا کریں تو فبہا اور اگر وہ اعلان کئے بغیر نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ وہ تمہاری ذمہ داری کو واپس کر دیں کیونکہ ہمیں تمہاری بات نیچی کرنا بھی گوارا نہیں اور ہم ابوبکر کو اس اعلان پر چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا جس بات پر میں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا آپ کو معلوم ہے اب یا تو اس پر قائم رہو یا میری ذمہ داری مجھے سونپ دو کیونکہ یہ مجھے گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یہ بات سنیں کہ میں نے جس شخص سے معاہدہ کیا تھا اس کی بابت میری بات نیچی ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تمہاری امان تمہیں واپس کرتا ہوں اور اللہ عزوجل کی امان پر راضی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں مکہ میں تھے پھر نبی نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے (خواب) میں تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے

کہ وہ کھجور کے درخت ہیں اور وہ دوسنگستانوں کے درمیان واقع ہے پھر جس نے بھی ہجرت کی تو مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جولوگ حبشہ کو گئے تھے ان میں سے اکثر مدینہ لوٹ آئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ ٹھہرو کیونکہ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (فرط مسرت سے) عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ کو ایسی امید ہے پھر حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سبب سے رک گئے اور دو اونٹنیاں جو ان کے پاس تھیں انہیں چار مہینہ تک کیکر کے پتے کھلاتے رہے۔

ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ہم ایک دن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں ٹھیک دوپہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کہنے والے نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا (دیکھو) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر چادر ڈالے ہوئے تشریف لا رہے ہیں آپ کی تشریف آوری ایسے وقت تھی جس میں آپ کبھی تشریف نہ لاتے تھے حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان بخدا ضرور کوئی بات ہے جبھی تو آپ اس وقت تشریف لائے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی آپ کو اجازت مل گئی آپ اندر تشریف لائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اپنے پاس سے اوروں کو ہٹا دو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ! میرے (ماں) باپ آپ پر فدا ہوں جائیں یہاں تو صرف آپ کی گھر والی ہیں آپ نے فرمایا مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے بھی رفاقت کا شرف عطا ہو آپ نے فرمایا ہاں (رفیق سفر تم ہوگے) حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ ! میرے (ماں) باپ آپ پر قربان میری ایک اونٹنی آپ لے لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تو بقیمت لیں گے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے ان دونوں کے لئے جلدی میں جو کچھ تیار ہوسکا تیار کر دیا اور ہم نے ان کے لئے چمڑے کی ایک تھیلی میں تھوڑا سا کھانا رکھ دیا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ازار بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس تھیلی کا منہ اس سے باندھ دیا اسی سبب سے ان کا لقب (ذات النطاق) ازار بند والی ہو گیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر جبل ثور کے ایک غار میں پہنچ گئے اور اس میں تین دن تک چھپے رہے عبداللہ بن ابوبکر جو نوجوان ہشیار اور ذکی لڑکے تھے آپ حضرات کے پاس رات گزارتے اور علی الصبح اندھیرے منہ ان کے پاس سے جا کر مکہ میں قریش کے ساتھ اس طرح صبح کرتے جس طرح انہوں نے یہی رات گزاری ہے اور قریش کی ہر وہ بات جس میں ان دونوں حضرات کے متعلق کوئی مکر و تدبیر ہوتی یہ اسے یاد کر کے جب اندھیرا ہو جاتا تو ان دونوں حضرات کو آ کر بتا دیتے تھے۔

اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ ان کے پاس ہی دن کے وقت بکریاں چراتے اور تھوڑی رات گئے وہ ان دونوں کے پاس بکریاں لے جاتے اور یہ دونوں حضرت ان بکریوں کا دودھ پی کر اطمینان سے رات گزارتے حتیٰ کہ عامر

بن فہیرہ صبح اندھیرے منہ ان بکریوں کو ہانک لے جاتے اوران تین راتوں میں ایسا ہی کرتے رہے اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے (قبیلہ) بنودیل کے ایک آدمی کو جو بنی عبد بن عدی میں سے تھا مزدور رکھا وہ بڑا واقف کار رہبر تھا اورآل عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور قریش کے دین پر تھا ان دونوں نے اسے امین بنا کر اپنی دونوں سواریاں اس کے حوالہ کردیں اور تین راتوں کے بعد صبح کو ان دونوں سواریوں کو غار ثور پرلانے کا وعدہ لے لیا (چنانچہ وہ حسب وعدہ آگیا) اوران دونوں حضرات کے ساتھ عامر بن فہیرہ اور رہبران کو ساحل کے راستہ پرڈال کرلے چلا ابن شہاب نے فرمایا سراقہ بن جعشم کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی نے بواسطہ اپنے والد کے سراقہ بن جعشم سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آپڑے (جو اعلان کر رہے تھے) کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کردے یا پکڑ لائے تو اسے ہر ایک کے عوض سواونٹ ملیں گے اسی حال میں میں اپنی قوم بنومدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہوگیا ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے کہا اے سراقہ میں نے ابھی چند لوگوں کو ساحل پر دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں سراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ تو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں (مگر میں نے (اسے دھوکہ دینے کے لئے تاکہ وہ میرے حاصل کردہ انعام میں شریک نہ ہوسکے) اس سے کہا یہ وہ لوگ نہیں بلکہ تو نے فلاں فلاں آدمی کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں پھر میں تھوڑی دیر مجلس میں ٹھہر کر کھڑا ہوگیا اور گھر آکر اپنی باندی کو حکم دیا کہ وہ میرے گھوڑے کو لے جاکر (فلاں) ٹیلہ کے پیچھے میرے لئے پکڑ کر کھڑی رہے اور میں اپنا نیزہ لے کر اس کی نوک سے زمین پر خط کھینچتا ہوا اور اوپر کے حصہ کو جھکائے ہوئے گھر کے پیچھے سے نکل آیا حتیٰ کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس آگیا بس میں نے اپنے گھوڑے کو اڑادیا کہ وہاں جلد پہنچ سکوں جب میں ان حضرات کے قریب ہوا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا فوراً میں نے کھڑے ہوکر اپنے ترکش میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے تیر نکالے پھر میں نے ان تیروں سے یہ فال نکالی کہ آیا میں انہیں نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں تو وہ بات نکلی جو مجھے پسند نہیں تھی پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور میں نے ان تیروں کی فال کی پرواہ نہ کی اور گھوڑا مجھے ان کے قریب لے گیا حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت (کی آواز) سنی آپ ادھر ادھر نہیں دیکھ رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر ادھر بہت دیکھ رہے تھے کہ میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں اس کے اوپر سے گر پڑا میں نے اپنے گھوڑے کو للکارا جب وہ (بڑی مشکل سے) سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے اگلے پاؤں کی سبب سے ایک غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان تک چڑھنے لگا پھر میں نے تیروں سے فال نکالی تو اس میں میری ناپسندیدہ بات نکلی پھر میں نے ان حضرات کو امان طلب کرتے ہوئے پکارا تو یہ ٹھہر گئے میں سوار ہوکر ان کے پاس آیا تو ان تک پہنچنے میں مجھے جو موانع پیش آئے ان کے پیش نظر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب ہوجائے گا تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری یا قتل کے سلسلہ میں سواونٹ انعام کے مقرر کئے ہیں اور میں نے انہیں وہ تمام خبریں بتادیں جو لوگوں کا ان کے ساتھ ارادہ تھا اور میں نے ان کے سامنے کھانا اور سامان پیش کیا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ لیا اور نہ مجھ سے کچھ مانگا صرف یہ کہا کہ ہمارا حال

چھپاتا پھر میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے ایک امن کی تحریر لکھ دیں آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر تحریر لکھ دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زبیر سے ہوئی جو مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ میں شام سے آ رہے تھے تو زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہننے کے لئے سفید کپڑے دیئے ادھر مدینہ کے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے نکل آنے کی خبر سن لی تھی تو وہ روزانہ صبح کو مقام حرہ تک (آپ کے استقبال کے لئے) آتے اور آپ کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک دوپہر کی گرمی کی سبب سے واپس چلے جاتے ایک دن وہ طویل انتظار کے بعد واپس چلے گئے اور جب اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو اتفاق سے ایک یہودی اپنی کسی چیز کو دیکھنے کے لئے مدینہ کے کسی ٹیلہ پر چڑھا پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو سفید (کپڑوں میں ملبوس) دیکھا کہ سراب ان سے چھپ گیا تو وہ یہود بے اختیار بلند آواز سے پکارا کہ اے گروہ عرب! یہ ہے تمہارا نصیب و مقصود جس کا تم انتظار کرتے تھے یہ سنتے ہی مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر امنڈ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حرہ کے پیچھے استقبال کیا آپ نے ان سب کے ساتھ داہنی طرف کا راستہ اختیار کیا حتیٰ کہ آپ نے ماہ ربیع الاول پیر کے دن بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔

جن انصاریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تو وہ آتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آ گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنی چادر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیا اس وقت ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں دس دن سے کچھ اور مقیم رہے اور یہیں اس مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چلے لوگ آپ کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ وہ اونٹنی مدینہ میں (جہاں اب) مسجد نبوی (ہے اس) کے پاس بیٹھ گئی اور وہاں اس وقت کچھ مسلمان نماز پڑھتے تھے اور وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جو اسعد بن زرارہ کی تربیت میں تھے اور جن کا نام سہل و سہیل تھا اور ان کی کھجوروں کا کھلیان تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان شاء اللہ یہی ہمارا مقام ہو گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ مسجد بنانے کے لئے آپ نے اس کھلیان کی ان سے قیمت معلوم کی تو انہوں نے کہا (ہم قیمت) نہیں (لیں گے) بلکہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ زمین آپ کو ہبہ کرتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد کی بنیاد ڈالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کے ساتھ اس کی تعمیر میں اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے یہ بوجھ اٹھانا اے ہمارے رب بڑا نیک اور پاکیزہ کام ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے خدا ثواب تو صرف آخرت کا ہے انصار اور مہاجرین پر رحم فرما پھر آپ نے کسی مسلمان شاعر کا شعر پڑھا جس کا نام مجھے معلوم نہیں بتایا گیا ابن شہاب کہتے ہیں کہ احادیث میں ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کے سوا اور شعر کو پورا پڑھا ہو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1108)

اہل ذمہ کے حقوق کا بیان

حضرت خالدؓ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔

لایھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعة شاوا من لیل انھار الا فی اوقات الصلوٰة وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم (کتاب الخراج)

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجاسکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہ کثرت معاہدے ہوئے، ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

واشترط علیھم حین دخلھا عَلَی ان تترك کنائسھم وبیعھم عَلَی أن لا یحدثوا بناء بیعة ولا کنیسة ، وَعَلَی أن علیھم إرشاد الضال وبناء القناطر عَلَی الأنھار من أموالھم ، وأن یضیفوا من مر بھم من المسلمین ثلاثة أیام وَعَلَی أن لا یشتموا مسلما ولا یضربوه ، ولا یرفعوا فِی نادی أھل الإسلام صلیبا ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم إِلَی افنیة المسلمین ، وأن یوقدوا النیران للغزاة فِی سبیل الله ، ولا یدلوا للمسلمین عَلَی عورة ، ولا یضربوا نواقیسھم قبل أذان المسلمین ولا فِی أوقات أذانھم ولا یخرجوا الرایات فِی أیام عیدھم ، ولا یلبسوا السلاح یوم عیدھم ولا یتخذوه فِی بیوتھم (الخراج لابی یوسف، باب فصل فی الکنائس والبیع)

جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے جبکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گذریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں، نہ ماریں، نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سور نکالیں، مجاہدین کے لئے راستوں میں آگ جلائیں مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت

دی جائے ،حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابویوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو ؛چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کے لئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔(کتاب الخراج ،صفحہ ۸۱)

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے اس بناپر صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا ان کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے ۔"**وامنع المسلمین من ظلمهم والاضراربهم واکل اموالهم دوف لهم بشرطهم الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتهم**(کتاب الخراج،صفحه ،۸۰)

مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیے ہیں ان کو پورا کرو۔وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصیه بذمة الله وذمة رسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم وان لا یکلفوافوق طاقتهم(بخاری کتاب المناقب باقضیة البیعة والا فقاق علی عثمان)

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالایطاق نہ دے۔ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا حضرت غرفہ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے غرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے حضرت غرفہؓ نے کہا نعوذ باللہ کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیں، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے۔(اسد الغابہ تذکرہ، حضرت غرفہ بن حارثؓ الکندی)

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالبا مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے ہمزبان ہو کر کہا۔**ما نعلم الا وفاء وحسن ملكة**(طبری،صفحہ،۲۵۶)

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

باب الغنائم وقسمتها

﴿یہ باب غنائم اوران کی تقسیم کے بیان میں ہے﴾

باب غنائم کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب جہاد کی فرضیت اوراس کے طریقہ کار اور امن طلب کرنے والے سے متعلق احکام کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں غنائم جو غنیمت کی جمع ہے اس کے باب کو شروع کیا ہے اس کا سبب یہ ہے غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لہذا حصول تاخر کے سبب اس کے احکام کو بھی مؤخرذ کر کیا ہے۔ تا کہ وجود چیز کی مطابقت اس کی طبع کے مطابق ہوجائے۔

اس باب کو مؤخر کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ غنائم کا وجود منفعت سے ہے اور ہر چیز کا نفع اصل چیز کے وجود سے مؤخر ہوا کرتا ہے۔ لہذا اس باب کو مؤخرذ کر کرنا ہی مناسب سمجھا جائے گا۔

اس باب کو مؤخر کرنے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ جہاد کا مقصد اللہ کی رضا ہے غنیمت کو حاصل کرنا یہ جہاد کے مقاصد واغراض میں سے نہیں ہے بلکہ یہ عوارض میں سے ہے پس عوارض ہمیشہ موخر ہوا کرتے ہیں۔ (رضوی عفی عنہ)

مال غنیمت کی حلت کے اختصاص امت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں۔ پہلی مجھے جامع کلام عطا کی گئی۔ دوسری یہ کہ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ تیسری یہ کہ مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا چوتھی یہ کہ پوری زمین میرے لئے مسجد اور طہور (پاک کرنے والی) بنا دی گئی۔ پانچویں یہ کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور چھٹی یہ کہ مجھ پر انبیاء کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1611)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت بخشی یا فرمایا میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کیا۔ اس باب میں علی، ابوذر، عبداللہ بن عمر، ابوموسی، ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابوامامہ حسن صحیح ہے۔ یہ سیار بنو معاویہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سلیمان تیمی، عبداللہ بن بحیر اور کئی دوسرے حضرات ان سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1610)

سابقہ امتوں کی غنائم کو آگ کے کھا جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کسی انسان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی۔ سلیمان اعمش

کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ بات کون کہہ سکتا ہے۔ کیوں کہ غزوہ بدر کے موقع پر وہ لوگ مالِ غنیمت حلال ہونے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) 8 ۔الانفال 68 :) (اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس کے لئے میں بڑا عذاب۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1026)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انبیاء میں سے ایک نبی (یعنی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہوں) نے جہاد کا ارادہ کیا اور جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس عورت کو اپنے گھر لا کر اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور ابھی تک اسے مجامعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ نہ وہ شخص چلے جس نے گھر بنایا ہو لیکن (ابھی تک) اس کی چھت نہ ڈال سکا ہو نیز وہ شخص (بھی) میرے ساتھ نہ چلے جس نے گابھن بکریاں یا گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے کا منتظر ہو ۔اس کے بعد وہ نبی (اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ) جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور جب اس بستی کے قریب پہنچے کہ جہاں وہ جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا (یعنی وہ ایسے وقت اس بستی کے قریب پہنچے جب عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے) اس نبی نے آفتاب کو مخاطب کر کے کہا کہ تو بھی (چلنے پر) مامور ہے اور میں بھی (اس بستی کو فتح کرنے پر) مامور ہوں ۔اے اللہ ! تو اس آفتاب کو ٹھہرا دے۔ "چنانچہ آفتاب ٹھہرا دیا گیا (یعنی قدیم ماہرین فلکیات کے نظریہ کے مطابق آفتاب کی رفتار کو یا جدید نظریہ کے مطابق زمین کی گردش کو حکم الٰہی سے روک دیا گیا تا کہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے وہ نبی جہاد کر لیں) تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو فتح عطاء فرما دی۔ پھر جب مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا، (یہ دیکھ کر) اس نبی نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ (یقیناً تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت واقع ہوئی ہے یعنی تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے (جس کی سبب سے یہ آگ اپنا کام نہیں کر رہی ہے) لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو چاہئے کہ وہ بیعت کرے، چنانچہ (جب بیعت شروع ہوئی اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اپنا ہاتھ اس نبی کے ہاتھ میں دینے لگا) تو ایک شخص کا ہاتھ اس نبی کے ہاتھ کو چپک کر رہ گیا، نبی نے (اس شخص سے) فرمایا کہ "(اس ذریعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ) خیانت تمہارے قبیلے کی طرف سے ہوئی ہے۔ "پھر اس قبیلے کے لوگ سونے کا ایک سر لائے جو بیل کے سر کی مانند تھا اور اس کو رکھ دیا، اس کے بعد آگ آگئی اور اس نے اس کو جلا دیا۔ اور ایک روایت میں راوی سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ "(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ) چنانچہ ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) ضعیف و کمزور دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔ "(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1122)

حضرت یوشع علیہ السلام نے جہاد کے لئے روانگی کے وقت ان چند لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے سے اس لئے روک دیا تھا کہ

جب دل کسی اور چیز میں الکا ہوا ہوتا ہے تو اس چیز کے علاوہ کسی اور کام میں طبیعت نہیں لگتی لہٰذا اگر مذکورہ لوگوں کو جانے والے لشکر میں شریک کیا جاتا تو وہ پورے جوش وجذبہ اور چستی وتندہی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا جس کے لئے ان کو لے جایا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی مہمات وغیرہ کے موقع پر اپنے تمام ضروری امور ومعاملات سے فراغت ویکسوئی حاصل کرلینی چاہئے تا کہ جس مہم میں نکلا جائے اس کو بخوبی سرانجام دیا جاسکے۔

"آفتاب ٹھہرادیا گیا الخ :۔ "مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ (نظام شمسی کی پوری مدت عمر) میں حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو کبھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج کا ٹھہر جانا صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی سورج کا ٹھہرایا جانا ثابت ہے !اس طرح دونوں باتوں میں جو ظاہری تضاد ہے اس کو اس توجیہہ کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے (کہ یوشع کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا) ۔اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ پیغمبروں میں حضرت یوشع علیہ السلام کے سوا کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو سوائے میرے۔ نیز یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج ٹھہرایا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہو۔

موہب لدنیہ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج ٹھہرنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک بار تو شب معراج کے دوسرے دن اور دوسری بار غزوہ خندق کے دن جب کے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ میں الجھائے رکھ کر عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا یہاں تک کے سورج ڈوب گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو واپس کیا (یعنی عصر کا وقت لوٹایا) تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی کے لئے بھی سورج واپس ہوا ہے وہ یوں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوگیا، اس صورت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اپنے زانوں پر سے نہ اٹھا سکے یہاں تک کہ عصر کا وقت ختم ہوگیا اور وہ نماز نہیں پڑھ پائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس کیا، تب انہوں نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی، مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کو بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیا ہے۔

"اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی الخ : جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہوچکا ہے، یہ صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ پچھلی امتوں کو غنیمت کا مال اپنے مصرف میں لانے کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ حکم الٰہی کے مطابق یہ دستور تھا کہ جنگ کے بعد غنیمت کا سارا مال جمع کر کے جنگل میں رکھ دیا جاتا تھا، اس کے بعد آسمان سے آگ آتی اور اس

کو جلا دیتی، جو قبولیت کی علامت ہوتی۔

مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کو تقسیم کرنے کا بیان

(وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً) أَيْ قَهْرًا (فَهُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ قَسَّمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ) كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ (وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمْ الْجِزْيَةَ وَعَلَى أَرَاضِيهِمْ الْخَرَاجَ) كَذَلِكَ فَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوَافَقَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ ، وَفِي كُلٍّ مِنْ ذَلِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ .وَقِيلَ الْأَوْلَى هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ حَاجَةِ الْغَانِمِينَ ، وَالثَّانِي عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُونَ عِدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِي ، وَهَذَا فِي الْعَقَارِ .

أَمَّا فِي الْمَنْقُولِ الْمُجَرَّدِ لَا يَجُوزُ الْمَنُّ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ فِيهِ ، وَفِي الْعَقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِي الْمَنِّ إبْطَالَ حَقِّ الْغَانِمِينَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ ، وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقِلَّتِهِ ، بِخِلَافِ الرِّقَابِ لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ ، وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا ؛ لِأَنَّهُمْ كَالْأَكَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِينَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوهِ الزِّرَاعَةِ وَالْمُؤَنِ مُرْتَفِعَةٌ مَعَ مَا أَنَّهُ يَحْظَى بِهِ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدُ ، وَالْخَرَاجُ وَإِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَآلًا لِدَوَامِهِ ، وَإِنْ مَنَّ عَلَيْهِمْ بِالرِّقَابِ وَالْأَرَاضِي يَدْفَعُ إلَيْهِمْ مِنْ الْمَنْقُولَاتِ بِقَدْرِ مَا يَتَهَيَّأُ لَهُمْ الْعَمَلُ لِيَخْرُجَ عَنْ حَدِّ الْكَرَاهَةِ .

ترجمہ

اور جب امام کسی شہر کو طاقت وقوت کے سبب فتح کرلے تو اسے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو وہ شہر مسلمانوں میں تقسیم کردے جس طرح حضرت نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرمادیا تھا۔ اور اگر چاہے تو وہ اس شہر کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور ان پر جزیہ مقرر کردے اور ان کی زمینوں پر خراج متعین کردے۔ حضرت عمر نے صحابہ کرام کے اتفاق سے اہل عراق کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور جس نے اس کی مخالفت کی اسے اچھا نہیں کہا گیا اور ان میں سے ہر ایک میں نمونہ ہے لہٰذا امام کو اختیار ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ مجاہدین کی ضرورت کے وقت پہلی صورت بہتر ہے اور مالی ضرورت نہ ہونے کی صورت میں دوسری صورت بہتر ہے تاکہ آئندہ زمانے میں یہ ان کے کام آسکے۔ یہ حکم عقار اور غیر منقول سے متعلق ہے، رہا منقول کا حکم تو اسے ان لوگوں کو

واپس کر کے ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے متعلق شریعت نے کوئی حکم بیان نہیں کیا ہے۔ اور عقار کے سلسلے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے، اس لیے کہ احسان کرنے میں غازیوں کے حق یا ان کی ملکیت کا بطلان ہے، لہٰذا کسی مساوی بدلے کے بغیر یہ احسان جائز نہیں ہے اور خراج اس کے قتل کے مساوی نہیں ہے۔ برخلاف رقاب کے، کیونکہ امام کو یہ حق ہے کہ انہیں قتل کر کے غازیوں کا حق باطل کر دے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف حضرت عمر کا وہ عمل حجت ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے میں مصلحت ہے کیونکہ (جن کفار کو فتح کردہ زمین میں چھوڑا جائے گا) وہ کھیتی کے امور سے واقف ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں کے کاشت کار کہلائیں گے اور مسلمانوں سے کھیتی کرنے کی مشقت دور ہو جائے گی اور اس پر ہونے والا خرچ بھی ختم ہو جائے گا نیز بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اس سے حصہ بھی ملے گا۔

اور (ان سے لیا جانے والا) خراج اگرچہ فی الوقت بہت کم ہے لیکن ہمیشہ ملنے کی سبب سے مآل کے اعتبار سے وہ زیادہ ہے۔ اور اگر امام رقاب اور زمینوں کے حوالے سے ان پر احسان کر دے تو منقولہ سامان میں سے انہیں اتنا ہی دے جس سے ان کے لیے کاشت کاری کرنا آسان ہو جائے، اور یہ فعل کراہت سے خالی ہو جائے۔

مال غنیمت کی تقسیم میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ تمام اگلی امتوں پر مال غنیمت حرام ہے۔ لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے حلال کر دیا۔ اس کی تقسیم کی تفصیل یہاں بیان ہو رہی ہے۔ مال غنیمت وہ ہے جو مسلمانوں کو جہاد کے بعد کافروں سے ہاتھ لگے اور جو مال بغیر لڑے جنگ کے ہاتھ آئے مثلاً صلح ہو گئی اور مقررہ تاوان جنگ ان سے وصول کیا یا کوئی مر گیا اور لاوارث تھا یا جزیے اور خراج کی رقم وغیرہ وہ فے ہے۔

سلف وخلف کی ایک جماعت کا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ بعض لوگ غنیمت کا اطلاق فے پر اور فے کا اطلاق غنیمت پر بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت سورہ حشر کی (آیت ماافاء اللہ الخ،) کی ناسخ ہے۔ اب مال غنیمت میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فے کے بارے میں ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ان دونوں قسم کے مال کی تقسیم امام کی رائے پر ہے۔ پس مقررہ حشر کی آیت اور اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ امام کی مرضی ہو واللہ اعلم۔ آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہئے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ گو سوئی ہو یا دھاگہ ہو۔ پروردگار عالم فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہو گا اور ہر ایک کو اس عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ کے لئے مقرر شدہ حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت ابوالعالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ حصے کرتے تھے۔ چار مجاہدین میں تقسیم ہوتے پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کر دیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ کا

ایک قرابت داروں کا۔ ایک یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کا نام صرف بطور تبرک ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے بیان کا وہ شروع ہے۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ جب حضور کوئی لشکر بھیجتے اور مال غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس یہ فرمان کہ ان للہ خمسہ یہ صرف کلام کے شروع کیلئے ہے۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔

پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اسی کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی القریٰ میں آکر سوال کیا کہ یارسول اللہ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں حضرت۔

حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضا مند نہ ہو جاؤں؟ جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر کئے جاتے تھے چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے ایک چوتھائی اللہ کا اور اس کے رسول کا پھر یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ آپ اور آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو اس کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں اللہ کا حصہ اللہ کے نبی کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا وہ آپ کی بیویوں کا ہے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا جو حصہ ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اختیار ہے جس کام میں آپ چاہیں لگائیں۔

مقدام بن معدی کرب حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو درداء اور حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذکر ہونے لگا تو ابو داؤد نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور نے ایک جہاد میں خمس کے ایک انٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال چٹکی میں لے کر فرمایا کہ مال غنیمت کے انٹ کے یہ بال بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو، خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کیلئے دونوں جہان میں آگ ہے۔ قریب والوں سے دور والوں سے راہ حق میں جہاد جاری رکھو۔ شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں اللہ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو اللہ کے لئے جہاد کرتے رہو جہاد جنت کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی جہاد کی سبب سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے۔

(مسند امام احمد)

یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری روایت میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر مروی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث مروی ہے اس حصے میں سے آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرمالیا کرتے تھے لونڈی غلام تلوار گھوڑا وغیرہ۔ جس طرح محمد بن سیرین اور عامر شعبی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن کے مال غنیمت میں سے تھی جو حضور کے پاس تھی اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح آئیں تھیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے حضرت یزید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ کی وحدت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور خالص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ اور اس کے رسول کی امن میں ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پس ان صحیح احادیث کی دلالت اور ثبوت اس بات پر ہے اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضور کے خواص میں سے شمار کیا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کرسکتا ہے۔ جس طرح کہ مال فے میں اسے اختیار ہے۔

یہی قول حضرت امام مالک کا ہے اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس جو حضور کا حصہ تھا اسے اب آپ کے بعد کیا کیا جائے بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔

حضرت ابوبکر حضرت علی حضرت قتادہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہوگا ایک قول ہے کہ یہ بھی اہل حاجت کی بقایا قسموں پر خرچ ہوگا یعنی قرابت دار یتیم مسکین اور مسافر۔

امام ابن جریر کا مختار مذہب یہی ہے اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضور کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور کہا گیا ہے خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے پوچھا گیا کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی ذکر ہے تو امام علی نے فرمایا اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں۔

امام حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے ورنہ دنیا آخرت کا سب کچھ اللہ ہی کا ہے حضور کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں کیا ہوا اس میں اختلاف ہے۔ بعض

کہتے ہیں حضرت کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملے گے۔ بعض کہتے ہیں آپ کے قرابت داروں کو۔ بعض کہتے ہیں خلیفہ کے قرابت داروں کو ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے اسی طرح خلافت صدیقی و فاروقی میں ہوتا بھی رہا ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم حضور کے اس حصے کو جہاد کے کام میں خرچ کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت علی اس بارے میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ اس بارے میں ان سے سخت تھے۔ اکثر علماء رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ہاں ذوی القربی کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا ہے۔ کیونکہ اولاد عبد المطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستائے جانے کی سبب سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپ کی حمایت میں تھے، ان میں سے مسلمان تو اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کی سبب سے۔ کافر خاندانی طرف داری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کی سبب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کی سبب سے ستائے گئے ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل گو یہ بھی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے بلکہ ان کے خلاف تھے انہیں الگ کر چکے تھے اور ان سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے تمام قبائل ان کے مخالف ہیں اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قریبی قرابت دار تھے اس قصیدے میں انہوں نے کہا ہے کہ انہیں بہت جلد اللہ کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ ان بیوقوفوں نے اپنے ہو کر ایک خاندان اور ایک خون کے ہو کر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ۔

ایک موقعہ پر ابن جبیر بن معطم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبد الملطب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ آپ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں آپ نے فرمایا سنو بنو ہاشم ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابت دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی بن حسین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سب قریش ہیں۔ ابن عباس سے استغفار کیا گیا کہ ذوی القربی کون ہیں؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں (مسلم وغیرہ)

بعض روایتوں میں صرف پہلا جملہ ہی ہے۔ دوسرے جملے کی روایت کے راوی ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں۔ اس میں ضعف بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو میں نے منہ پھیر لیا خمس کا پانچواں حصہ تمہیں کافی ہے یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتاتے ہیں لیکن یحیی بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایات لاتے ہیں واللہ اعلم۔ آیت میں یتیموں کا

ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے وہ بچے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔ ابن السبیل وہ مسافر ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔

ہمارا اللہ پر بھروسہ ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارا اللہ پر اور اس کی اتاری ہوئی وحی پر ایمان ہے تو جو وہ فرما رہا ہے لاؤ یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ الگ کر دیا کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ وفد عبدالقیس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا زکوۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے پھر اس حدیث کو وارد فرمایا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح بھی کر دیا ہے واللہ الحمد والمنہ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان وانعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ اپنے دین کو غالب کیا اپنے نبی کی اور آپ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا۔ کلمہ ایمان کلمہ کفر پر چھا گیا پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے۔ جس میں حق و باطل کی تمیز ہو گی۔ بہت سے بزرگوں سے یہی تفسیر مروی ہے۔ یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی اصحاب رسول تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تھی۔ باوجود اس کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ستر سے زائد تو کافر مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو کیونکہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔ حسن بن علی فرماتے ہیں کہ لیلتہ الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی رمضان شریف کی سترہویں تھی یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔ غزوے اور سیرت کے مرتب کرنے والے کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ہاں یزید بن ابو جعد جو اپنے زمانے کے مصری علاقے کے امام تھے فرماتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قیدیوں میں امام کے اختیار کا بیان

قَالَ (وَهُوَ فِي الْأُسَارَى بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدْ قَتَلَ)

، وَلِأَنَّ فِيهِ حَسْمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ (وَإِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ) لِأَنَّ فِيهَا دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وُفُورِ الْمَنْفَعَةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ (وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ) لِمَا بَيَّنَّاهُ (إلَّا مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّينَ) عَلَى مَا نُبَيِّنُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَرُدَّهُمْ إلَى دَارِ الْحَرْبِ) لِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ، فَإِنْ أَسْلَمُوا لَا يَقْتُلُهُمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ بِدُونِهِ (وَلَهُ أَنْ يَسْتَرِقَّهُمْ) تَوْفِيرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِ الْمِلْكِ بِخِلَافِ إسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْأَخْذِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعَقِدْ السَّبَبُ بَعْدُ (وَلَا يُفَادَى بِالْأُسَارَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يُفَادَى بِهِمْ أُسَارَى الْمُسْلِمِينَ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالِانْتِفَاعِ بِهِ .

وَلَهُ أَنَّ فِيهِ مَعُونَةً لِلْكَفَرَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا ، وَدَفْعُ شَرِّ حَرْبِهِ خَيْرٌ مِنْ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ ؛ لِأَنَّهُ إذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إلَيْنَا ، وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إلَيْهِمْ مُضَافٌ إلَيْنَا .

أَمَّا الْمُفَادَاةُ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنْ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا . وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ اسْتِدْلَالًا بِأُسَارَى بَدْرٍ ، وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأَسِيرُ فِي أَيْدِينَا لَا يُفَادَى بِمُسْلِمٍ أَسِيرٍ فِي أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ إلَّا إذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إسْلَامِهِ .

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ) أَيْ عَلَى الْأُسَارَى خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ (مَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ الْأُسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ .

وَلَنَا قَوْله تَعَالَى (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ) وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ ثَبَتَ حَقُّ الِاسْتِرْقَاقِ فِيهِ فَلَا يَجُوزُ إسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ وَعِوَضٍ ، وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بِمَا تَلَوْنَا

ترجمہ

فرمایا اور قیدیوں کے متعلق امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو انہیں قتل کر دے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن قتل کیا تھا۔ اور اس لیے کہ قتل کرنے میں فساد کی جڑ کو ختم کرنا ہے۔ اور اگر چاہے تو انہیں غلام بنا لے، کیونکہ ایسا کرنے میں ان کا شر بھی ختم ہوگا اور

مسلمانوں کو نفع بھی زیادہ ہوگا۔ اور اگر چاہے تو انہیں مسلمانوں کا ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے، اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن مشرکین عرب اور مرتدین میں یہ تینوں اختیارات نہیں ہوں گے جس طرح ان شاء اللہ ہم اسے بیان اور انہیں دارالحرب واپس بھیجنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کے خلاف کفار کو مضبوط کرنا لازم آئے گا۔ پھر اگر وہ قیدی اسلام لے آئی تو امام انہیں قتل نہ کرے، کیونکہ بدون قتل ان کا شر ختم ہو چکا ہے اور امام کو یہ حق ہے کہ ان مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لے تا کہ سبب ملک منعقد ہونے کے بعد خوب فائدہ حاصل کر لے۔ برخلاف گرفتار ہونے سے پہلے ان کے مسلمان ہو جانے کے، کیونکہ ابھی سبب ملک منعقد نہیں ہوا ہے۔

اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک فدیہ لے کر قیدیوں کو نہیں چھوڑا جائے گا، حضرت صاحبین فرمایا کہ مسلمان قیدیوں کے عوض انہیں چھوڑا جا سکتا ہے یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی قول ہے۔ اس لیے کہ اس میں مسلم قیدی کو چھٹکارا دلانا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کافروں کی اعانت ہوگی، اس لیے کہ وہ قیدی دوبارہ ہم سے لڑائی کرے گا اور اس کی لڑائی کے شر کو دور کرنا مسلم قیدی کو چھڑانے سے بہتر ہے، کیونکہ اگر مسلمان قیدی کفار کے ہاتھ میں رہے گا تو یہ صرف اس کی ذات کا نقصان ہوگا اور تمام مسلمان قیدی کفار کے ہاتھ میں رہے گا تو یہ صرف اس کی ذات کا نقصان ہوگا اور تمام مسلمانوں کی طرف یہ نقصان مضاف نہیں ہوگا جب کہ کفار کو ان کا قیدی دے کر ان کا تعاون کرنے والا نقصان سارے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔

البتہ کفار سے مال کا فدیہ لے کر ان کے قیدی کو چھوڑنا تو مشہور مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں ہے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سیر کبیر میں ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو اسیران بدر کو دلیل بناتے ہوئے مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ کافر قیدی مسلمان ہو جائیں تو ان میں سے کسی کو اس مسلمان قیدی کے عوض فدیہ نہیں دیا جائے گا جو کفار کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر مسلمان ہونے والا قیدی بطیب خاطر اسے قبول کر لے اور وہ اپنے اسلام پر مطمئن ہو تو پھر تبادلہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے بدر کے دن کچھ قیدیوں پر احسان فرمایا تھا۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو" اور اس لیے کہ قید اور جبر کے ذریعے اس میں غلام بنانے کا حق ثابت ہو سکتا ہے، لہٰذا منفعت اور عوض کے بغیر اسے ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث ہماری تلاوت کردہ آیت سے منسوخ ہے۔

شرح

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ،وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .(الانفال ،٦٧)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرلے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو ،اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

قیدیوں کی رہائی وقتل میں فقہی مذاہب

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ مسند امام احمد میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر بن خطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں آپ نے ان سے منہ پھیرلیا پھر فرمایا اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر حضرت عمر نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دوہرایا آپ نے پھر منہ پھیرلیا اور پھر وہی فرمایا اب کی دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے میں تو آپ ان کی خطا سے درگزر فرمالیجئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے اب آپ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

اسی صورت کے شروع میں ابن عباس کی روایت گذر چکی ہے صحیح مسلم میں بھی اسی جیسی حدیث ہے کہ بدر کے دن آپ نے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے ہیں، آپ والے ہیں انہیں زندہ چھوڑا جائے ان سے توبہ کرالی جائے گی عجب کہ کل اللہ کی ان پر مہربانی ہو جائے لیکن حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دینے والے ہیں حکم دیجئے کہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میدان میں درخت بکثرت ہیں آگ لگوا دیجئے اور انہیں جلا دیجئے آپ خاموش ہو رہے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے لوگوں میں بھی ان تینوں بزرگوں کی رائے کا ساتھ دینے والے ہو گئے اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے۔

بعض دل نرم ہوتے ہوتے دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دل سخت ہوتے ہوتے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر تمہاری مثال آنحضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ میرے تابعدار تو میرے ہیں ہی لیکن مخالف بھی تیری معافی اور بخشش کے ماتحت ہیں اور تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جو کہیں گے یا اللہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو عزیز وحکیم ہے اور اے عمر تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم پر بددعا کی کہ یا اللہ زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا باقی نہ رکھ۔ سنو تمہیں اس وقت احتیاج ہے ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیئے کے رہانہ ہو ورنہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہیل بن بیضا کو اس سے مخصوص کر لیا جائے اس لیے وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش

ہو گئے واللہ میں سارا دن خوف زدہ رہا کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر سہیل بن بیضا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے یہ حدیث ترمذی مسند احمد وغیرہ میں ہے۔

ان قیدیوں میں عباس بھی تھے انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا انصار کا خیال تھا کہ اسے قتل کر دیں آپ کو بھی یہ حال معلوم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو مجھے اس خیال سے نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں انصار کے پاس جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی حضرت عمر انصار کے پاس آئے اور کہا عباس کو چھوڑ دو انہوں نے جواب دیا واللہ ہم اسے نہ چھوڑیں آپ نے فرمایا گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اسی میں ہو؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو آپ اب انہیں لے جائیں ہم نے بخوشی چھوڑا۔ اب حضرت عمر نے ان سے کہا کہ عباس اب مسلمان ہو جاؤ واللہ تمہارے اسلام لانے سے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی زیادہ خوشی ہوگی اس لیے کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اسلام لانے سے خوش ہو جائیں گے ان قیدیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے مشورہ لیا تو آپ نے تو فرمایا یہ سب ہمارے ہی کنبے قبیلے کے لوگ ہیں انہیں چھوڑ دیجئے حضرت عمر سے جب مشورہ لیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ آخر آپ نے فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا۔

حضرت علی فرماتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اپنے صحابہ کو اختیار دیجئے کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک کو پسند کر لیں اگر چاہیں تو فدیہ لے لیں اور اگر چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں لیکن یہ یاد رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں اگلے سال ان میں اتنے ہی شہید ہوں گے۔ صحابہ نے کہا ہمیں یہ منظور ہے اور ہم فدیہ لے کر چھوڑیں گے (ترمذی نسائی وغیرہ) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ ان بدری قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صحابیو اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر چاہو ان سے زر فدیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دو لیکن اس صورت میں اتنے ہی آدمی تمہارے شہید کئے جائیں گے۔ پس ان ستر شہیدوں میں سب سے آخر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ، یہ روایت حضرت عبیدہ سے مرسلا بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

اگر پہلے ہی سے اللہ کی کتاب میں تمہارے لیے مال غنیمت سے حلال نہ لکھا ہوا ہوتا اور جب تک ہم بیان نہ فرما دیں تب تک عذاب نہیں کیا کرتے ایسا دستور ہمارا نہ ہوتا تو جو مال فدیہ تم نے لیا اس پر تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا اسی طرح پہلے سے اللہ طے کر چکا ہے کہ کسی بدری صحابی کو وہ عذاب نہیں کرے گا۔ ان کے لیے مغفرت کی تحریر ہو چکی ہے۔ ام الکتاب میں تمہارے لیے مال غنیمت کی حلت لکھی جا چکی ہے۔ پس مال غنیمت تمہارے لیے حلال طیب ہے شوق سے کھاؤ پیو اور اپنے کام میں لاؤ۔ پہلے لکھا جا چکا تھا کہ اس امت کے لیے یہ حلال ہے۔

یہی قول امام ابن جریر کا پسندیدہ ہے اور اسی کی شہادت بخاری مسلم کی حدیث سے ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مہینے بھر کے فاصلے تک میری مدد رعب سے کی گئی۔ میرے لیے

پوری زمین مسجد پاکی اور نماز کی جگہ بنادی گئی مجھ پر غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں، مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہر نبی خاصۃ اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی سیاہ سر والے انسان کے لیے میرے سوا غنیمت حلال نہیں کی گئی۔پس صحابہ نے ان بدری قیدیوں سے فدیہ لیا اور ابوداؤد میں ہے ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور تاوان جنگ کے وصول کی گئی۔

پس جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ امام وقت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قیدی کفار کو قتل کر دے، جس طرح بنو قریضہ کے قدیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اگر چاہے بدلے کا مال لے کر انہیں چھوڑ دے جس طرح کہ بدری قیدیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑ دے جس طرح کہ حضور اللہ علیہ والہ وسلم نے قبیلہ سلمہ بن اکوع کی ایک عورت اس کی لڑکی مشرکوں کے پاس جو مسلمان قیدی تھے ان کے بدلے میں دیا اور اگر چاہے انہیں غلام بنا کر رکھے۔یہی مذہب امام شافعی کا اور علماء کرام کی ایک جماعت کا ہے۔گو اوروں نے اس کا خلاف بھی کیا ہے یہاں اسکی تفصیل کی جگہ نہیں۔(تفسیر ابن کثیر،۶۷)

غزوہ بدر کے قیدیوں کی آزادی کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ تم لوگوں کی ان کے متعلق کیا رائے ہے؟ پھر اس حدیث میں طویل قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی فدیہ دیئے بغیر یا گردن دیئے بغیر نہیں چھوٹ سکے گا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! سہیل بن بیضاء کے علاوہ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ وہ اسلام کو یاد کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو اس دن سے زیادہ کسی دن خوف میں مبتلا نہیں دیکھا کہ خواہ مجھ پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں۔یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سہیل بن بیضاء کے علاوہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوا (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ) 8 . لانفال 67 :) نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خونریزی نہ کرلے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت اور اللہ زورآور ہے حکمت والا یہ حدیث حسن ہے اور ابوعبیدہ بن عبداللہ کا ان کے والد سے سماع ثابت نہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1027)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض انصار نے اجازت طلب کی انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجا عباس کے لیے ان کا فدیہ چھوڑ دیں تو آپ نے فرمایا ان کو ایک درہم بھی نہ چھوڑ و اور ابراہیم عبدالعزیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں کہ کہ بحرین سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے پاس آ کر عرض کیا یا رسول

اللہ ﷺ مجھے کچھ دیجئے اس لیے کہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دے دیا ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے لو اور ان کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کپڑے ہی میں بحرین کا مال دیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 302)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیدی کو رہائی دو بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی عیادت (یعنی بیمار پرسی) کرو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 300)

جنگی قیدیوں سے متعلق فقہی تصریحات

جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، یہاں تک کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ختم ہو جائے۔ اس ہدف سے تسبب ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہیے۔ قیدی پکڑنے کی طرف تسبب اس وقت کرنی چاہیے جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے اور میدان جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔ اہل عرب کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لیے دے دی گئی کہ وہ کہیں فدیہ حاصل کرنے، یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے، خواہ ان پر احسان کرو، یا ان سے فدیہ کا معاملہ کرلو۔ اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطاء اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں، اور یہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل لڑائی کی حالت میں کیا جاسکتا ہے۔ جب لڑائی ختم ہوگئی اور قیدی ہمارے قبضے میں آگیا تو اسے قتل کرنا درست نہیں ہے۔

ابن جریر اور ابوبکر جصاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ انہوں نے انکار کر دیا اور یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

امام محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اسی بنا پر اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔

مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص سبب ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حکومت کا فرمانروا کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ قاعدہ عام میں ایک استثناء ہے جس کو بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے 70 قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو قتل کیا۔ جنگ احد کے قیدیوں میں سے صرف ابوعزہ شاعر کو قتل فرمایا۔

بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالے کیا تھا، اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لیے آپ نے ان کو قتل کرا دیا۔ جنگ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ ابن ابی الحقیق قتل کیا گیا کیونکہ اس نے بدعہدی کی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے تمام اہل مکہ میں سے صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ان مستثنیات کے سوا حضور کا عام طریقہ اسیران جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی تھا۔ ان کے زمانے میں بھی قتل اسیران جنگ کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں اور ہر مثال میں قتل کسی خاص سبب سے کیا گیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے پورے زمانہ خلافت میں صرف ایک جنگی قیدی کو قتل کیا اور اس کی سبب یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ اسی بنا پر جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی حکومت اگر ضرورت سمجھے تو اسیر کو قتل کر سکتی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے۔ ہر فوجی اس کا مجاز نہیں ہے کہ جس قیدی کو چاہے قتل کر دے۔ البتہ اگر قیدی کے فرار ہونے کا یا اس سے کسی خطرناک شرارت کا اندیشہ ہو جائے تو جس شخص کو بھی اس صورت حال سے سابقہ پیش آئے وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں فقہائے اسلام نے تین تصریحات اور بھی کی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قیدی صرف اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے جب تک وہ حکومت کی تحویل میں ہو۔ تقسیم یا بیع کے ذریعہ سے اگر وہ کسی شخص کی ملک میں جا چکا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ قیدی کو قتل کرنا ہو تو بس سیدھی طرح قتل کر دیا جائے، عذاب دے دے کر نہ مارا جائے۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں عام حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا ان پر احسان کرو، یا فدیے کا معاملہ کر لو۔ احسان میں چار چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افراد مسلمین کے حوالہ کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

فدیے کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خاص خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اپنے ان آدمیوں سے جو دشمن کے قبضے میں ہوں، ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔

ان سب مختلف صورتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔ خدا کی شریعت نے اسلامی حکومت کا کسی ایک ہی شکل کا پابند نہیں کر دیا ہے۔ حکومت جس وقت جس طریقے کو مناسب ترین پائے اس پر عمل کر سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب ایک حکومت کی قید میں رہے، اس کی غذا

اور لباس، اور اگر وہ بیمار یا زخمی ہو تو اس کا علاج، حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے، یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور عملاً بھی اسی کی نظیریں سنت میں ملتی ہیں۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی کہ استوصوابالا سارى خيراً، ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان میں سے ایک قیدی، ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک اور قیدی سہیل بن عمرو کے متعلق حضور سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مقرر ہے، آپ کے خلاف تقریریں کرتا رہا ہے، اس کے دانت تڑوا دیجیے۔ حضور نے جواب دیا اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگر چہ میں نبی ہوں (سیرت بن ہشام)۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کے لیے مہیا کیا جاتا رہا (سیرت ابن ہشام)

یہی طرز عمل صحابہ کرام کے دور میں بھی رہا۔ جنگی قیدیوں سے بُرے سلوک کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔

قیدیوں کے معاملے میں یہ شکل اسلام نے سرے سے اپنے ہاں رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اگر ان کے ساتھ یا ان کی قوم کے ساتھ تبادلہ اسیران جنگ یا فدیے کا کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے تو ان کے معاملے میں احسان کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ انہیں غلام بنا کر افراد کی ملکیت میں دے دیا جائے اور ان کے مالکوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اس طریقے پر عمل کیا گیا ہے، صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ جاری رہا ہے،

اور فقہائے اسلام بالاتفاق اس جواز کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے وہ تو آزاد کر دیا جائے گا، مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کسی شخص کی ملکیت میں دے دیے جانے کے بعد مسلمان ہو تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔

مسند احمد، مسلم اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ بنی عقیل کا اک شخص گرفتار ہو کر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ :لو قلتها وانت تملك امرك افلحت كل الفلاح ۔ اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتے جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔ یہی بت حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے کہ اذا اسلم الا سير فى ايدى المسلمين فقش امن من القتل وهو رقيق جب قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمان ہو تو وہ قتل سے تو محفوظ ہو جائے گا مگر غلام رہے گا۔ اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا

(السير الكبير، امام محمد)

اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرلے گا وہ آزاد کر دیا

جائے گا تو آخر وہ کونسا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت اسلام میں یہ رکھی گئی ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو دار الاسلام کی ذمی رعایا بنالیا جائے اور وہ اسلامی مملکت میں اسی طرح آزاد ہو کر رہیں جس طرح مسلمان رہتے ہیں۔

امام محمد السیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو غلام بنانا جائز ہے اس پر جزیہ لگا کر اسے ذمی بنالینا بھی جائز ہے۔ اور ایک دوسرے جگہ فرماتے ہیں مسلمانوں کے فرمانروا کو یہ حق ہے کہ ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج لگا کر انہیں اصلاً آزاد قرار دے دے۔ اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں حل کیا گیا ہے جبکہ قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں وہ مفتوح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا، اور پھر حضرت عمرؓ نے سواد عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عراق کی فتح کے بعد اس علاقے کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین، پہلے اہل ایران ہم پر مسلط تھے۔ انہیں نے ہم کو بہت ستایا، بڑا برا برتاؤ ہمارے ساتھ کیا اور طرح طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے آپ لوگوں کو بھیجا تو ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے اور آپ کے مقابلے میں نہ کوئی مدافعت ہم نے کی نہ جنگ میں کوئی حصہ لیا۔ اب ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمیں غلام بنالینا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا تم کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا جزیہ قبول کر کے آزاد رہو۔ ان لوگوں نے جزیہ قبول کر لیا اور وہ آزاد چھوڑ دیے گئے۔ ایک اور جگہ اسی کتاب میں ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں سے ہر کاشتکار اور کسان کو چھوڑ دو۔

احسان کی چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدی کو بلا کسی فدیے اور معاوضے کے یونہی رہا کر دیا جائے۔ یہ ایک خاص رعایت ہے جو اسلامی حکومت صرف اسی حالت میں کر سکتی ہے جبکہ کسی خاص قیدی کے حالات اس کے متقاضی ہوں، یا توقع ہو کہ یہ رعایت اس قیدی کو ہمیشہ کے لیے ممنون احسان کر دے گی اور وہ دشمن سے دوست یا کافر مومن بن جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمن قوم کے اسی شخص کو اس لیے چھوڑ دینا کہ وہ پھر ہم سے لڑنے آ جائے کسی طرح بھی تقاضائے مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے بالعموم اس کی مخالفت کی ہے اور اس کے جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر امام المسلمین قیدیوں کو، یا ان میں سے بعض کو بطور احسان چھوڑ دینے میں مصلحت پائے تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (السیر الکبیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں اور قریب قریب سب میں مصلحت کا پہلو نمایاں ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے فرمایا لو کان المطعم بن عدیؓ حیًا ثم کلمنی فی ھؤلاء النتنیٰ لترکتھم له (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں یونہی چھوڑ

دیتا۔ یہ بات حضورﷺ نے اس لیے فرمائی تھی کہ آپ جب طائف سے مکہ معظمہ واپس ہوئے تھے اس وقت مطعم ہی نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس کے لڑکے ہتھیار باندھ کر اپنی حفاظت میں آپ کو حرم میں لے گئے تھے۔ اس لیے آپ اس کے احسان کا بدلہ اس طرح اتارنا چاہتے تھے۔

بخاری، مسلم، اور مسند احمد کی روایت ہے کہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آئے تو حضورﷺ نے ان سے پوچھا ثمامہ، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے، اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر کریں گے جو احسان ماننے والا ہے، اور اگر آپ مال لینا چاہتے ہیں تو مانگیے، آپ کو دیا جائے گا۔ تین دن تک آپ ان سے یہی بات پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر کو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی پاتے ہی وہ قریب کے ایک نخلستان میں گئے، نہا دھو کر واپس آئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور عرض کیا کہ آج سے پہلے کوئی شخص میرے لیے آپ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا، مگر اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ سے اور آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔ پھر وہ عمرہ کے لیے مکے گئے اور وہاں قریش کے لوگوں کو نوٹس دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غلہ تمہیں یمامہ سے نہ پہنچے گا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسی ہی کیا اور مکہ والوں کو حضورﷺ سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے غلہ کی رسد بند نہ کرائیں۔

بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ نے زبیر بن باطا اور عمرو بن سعد (یا ابن سعدیٰ) کی جان بخشی کی۔ زبیر کو اس لیے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگ بعاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لیے آپ نے اس کے حضرت ثابت کے حوالہ کر دیا تا کہ ان کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں۔ اور عمرو بن سعد کو اس لیے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہی شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا (کتاب الاموال لابی عبید)

غزوہ بنی المصطلق کے بعد جب اس قبیلے کے قیدی لائے گئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے، اس وقت حضرت جویریہ جس شخص کے حصے میں آئی تھیں اس کو ان کا معاوضہ ادا کر کے آپ نے انہیں رہا کرایا اور پھر ان سے خود نکاح کر لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے یہ کہہ کر اپنے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو چکے ہیں۔ اس طرح سو 100 خاندانوں کے آدمی رہا ہو گئے (مسند احمد۔ طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے 80 آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ کے کیمپ پر اچانک شبخون مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب پکڑ لیے گئے اور حضورﷺ نے سب کو چھوڑ دیا تا کہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، مسند احمد)۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے تمام اہل مکہ کو بطور احسان معاف کر دیا، اور جنہیں مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اس بات کو جانتا تھا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر

کیسے کیسے ظلم کیے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضور ﷺ نے ان لوگوں معاف فرمایا اس سے اہل عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جبار سے نہیں بلکہ ایک نہایت رحیم وشفیق اور فیاض رہنما سے ہے۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب کو مسخر ہونے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے۔ حضور ﷺ نے سب مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا یہ لوگ تایب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے، اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے۔ چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا انہیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا، (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، طبقات ابن سعد)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی، بلکہ یہ کام ان لوگوں کی رضامندی سے، یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے جن کی ملکیت میں قیدی دیے جا چکے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے دور میں بھی بطور احسان قیدیوں کو رہا کرنے کی نظیریں مسلسل ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اشعث بن قیس کندی کو رہا کیا، اور حضرت عمرؓ نے ہُرمُزان کو اور مناذِر اور میسان کے قیدیوں کو آزادی عطا کی۔

(کتاب الاموال لابی عبید)

مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے جب کہ فی قیدی ایک ہزار سے چار ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا (طبقات ابن سعد۔ کتاب الاموال)

صحابہ کرام کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے بالعموم اس کا ناپسند کیا ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم روپیہ لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تا کہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے۔ لیکن چونکہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے، اس لیے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام محمد السیر الکبیر میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔

کوئی خدمت لے کر چھوڑنے کی مثال بھی جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ قریش کے قیدیوں میں سے جو لوگ مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے حضور ﷺ نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

(مسند احمد، طبقات ابن سعد، کتاب الاموال)

قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سلمہ بن اکوع کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار اس کو حضرت سلمہ سے مانگ لیا اور پھر اسے مکہ بھیج کر اس کے بدلے کئی

مسلمان قیدیوں کورہا کرایا (مسلم۔ابوداؤد۔طحاوی۔کتاب الاموال لابی عبید۔طبقات ابن سعد)

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کرلیا۔اس کچھ مدت بعد ثقیف کے حلیف قبیلے،بنی عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہوگیا۔حضور ﷺ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرالیا۔(مسلم،ترمذی،مسند احمد)

قیدیوں میں باہمی تبادلے میں مذاہب اربعہ

فقہاء میں سے امام ابویوسف،امام محمد،امام شافعی،امام مالک اور امام احمد تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے،مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہوجائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے اسیران جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجائش ہے۔جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو یا تو بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کردیا جائے،وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے،اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کرسکتا ہے۔

(سیر صغیر،از امام محمد علیہ الرحمہ،بتصرف،بیروت)

امام کیلئے مویشیوں کی نقل کے متعذر ہونے کا بیان

(وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعَوْدَ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَتْرُكُهَا ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (نَهَى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إلَّا لِمَأْكَلَةٍ).

وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوزُ لِغَرَضٍ صَحِيحٍ ، وَلَا غَرَضَ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ ، ثُمَّ يُحْرَقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطِعَ مَنْفَعَتُهُ عَنْ الْكُفَّارِ وَصَارَ كَتَخْرِيبِ الْبُنْيَانِ بِخِلَافِ التَّحْرِيقِ قَبْلَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ ، وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ لِأَنَّهُ مُثْلَةٌ ، وَتُحْرَقُ الْأَسْلِحَةُ أَيْضًا ، وَمَا لَا يَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِي مَوْضِعٍ لَا يَقِفُ عَلَيْهِ الْكُفَّارُ إبْطَالًا لِلْمَنْفَعَةِ عَلَيْهِمْ .

(وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا بَأْسَ بِذَلِكَ . وَأَصْلُهُ أَنَّ الْمِلْكَ لِلْغَانِمِينَ لَا يَثْبُتُ قَبْلَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ عِنْدَنَا

، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ وَيَبْتَنِي عَلَى هَذَا الْأَصْلِ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي الْكِفَايَةِ .

لَهُ أَنَّ سَبَبَ الْمِلْكِ الِاسْتِيلَاءُ إِذَا وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فِي الصُّيُودِ ، وَلَا مَعْنَى لِلِاسْتِيلَاءِ سِوَى إِثْبَاتِ الْيَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ .

وَلَنَا أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ) ، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيهِ ، وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنًى فَتَدْخُلُ تَحْتَهُ ، وَلِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ إِثْبَاتُ الْيَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ وَالثَّانِي مُنْعَدِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الِاسْتِنْقَاذِ وَوُجُودِهِ ظَاهِرًا .ثُمَّ قِيلَ :مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرَتُّبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إِذَا قَسَّمَ الْإِمَامُ لَا عَنْ اجْتِهَادٍ ،لِأَنَّ حُكْمَ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ بِدُونِهِ .

وَقِيلَ الْكَرَاهَةُ ، وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لَا تَجُوزُ الْقِسْمَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْأَفْضَلُ أَنْ يَقْسِمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ .

وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ ، إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَا يَتَقَاعَدُ عَنْ إِيرَاثِ الْكَرَاهَةِ .

ترجمہ

اور جب امام دارالاسلام واپس آنا چاہے اور اس کے ساتھ مویشی بھی ہوں، لیکن امام انہیں دارالاسلام لیجانے پر قادر نہ ہوتو امام ان مویشیوں کو ذبح کر کے انہیں جلا دے اور نہ تو انہیں زخمی کرے اور نہ ہی زندہ چھوڑے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ انہیں زندہ چھوڑ دے اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے کھانے کے علاوہ دوسرے مقصد سے بکری ذبح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح مقصد سے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان وشوکت ختم کرنے سے زیادہ صحیح کوئی مقصد نہیں ہوسکتا پھر اسے آگ سے جلا دیا جائے تا کہ کفار سے اس کی منفعت ختم ہوجائے جس طرح عمارتوں کو ویران کیا جاتا ہے۔ برخلاف ذبح سے پہلے تحریق کے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور برخلاف زخمی کرنے کیک، اس لیے کہ وہ مثلہ کرنا ہے۔ اور دشمن کے اسلحے بھی جلا دیئے جائیں اور جو اسلحے جلنے کے لائق نہ ہوں انہیں ایسی جگہ دفن کر دیا جائے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہوسکیں، تا کہ ان چیزوں کی منفعت وہ حاصل نہ کرسکیں۔

اور امام دارالحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہ کرے نزدیک تک کہ اسے دارالاسلام لے آئے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا

کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دارالاسلام میں احراز سے پہلے غانمین کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ثابت ہوجاتی ہے اور اس اصل پر بہت سے مسائل متفرع ہیں جنھیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کردیا ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مال مباح پر قبضہ واقع ہوتا ہے تو وہ ملکیت کا سبب ہوتا ہے جس طرح شکار میں ہوتا ہے اور اثبات قبضہ کے سوا استیلاء کا کوئی معنی نہیں ہے اور یہ استیلاء ثابت ہوچکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دارالحرب میں مال غنیمت کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس میں اختلاف ثابت ہے اور تقسیم کرنا بھی معنا بیع ہے لہٰذا تقسیم بیع کے تحت داخل ہوجائے گی، اور اس لیے کہ استیلاء حفاظت کرنے اور منتقل کرنے والے قبضے کو ثابت کرنا ہے۔ اور دوسری چیز (یعنی یدنا قلہ کا اثبات) معدوم ہے کیونکہ کفار کو مسلمانوں سے وہ اموال واپس لینے کی قدرت حاصل ہے اور اس کا ثبوت ظاہر ہے۔

اس کے بعد کہا گیا کہ اختلاف تقسیم پر احکام کے مرتب ہونے کی صورت میں ہے جب امام نے بدون اجتہاد مال کو تقسیم کردیا ہو، کیونکہ ملکیت کے بغیر ملکیت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک کراہت کراہتِ تنزیہی ہے چنانچہ سیر کبیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین کے قول پر دارالحرب میں تقسیم جائز نہیں ہے اور امام محمد کے نزدیک دارالاسلام میں تقسیم کرنا افضل ہے اور کراہت کی سبب یہ ہے کہ بطلان کی دلیل راجح ہے، لیکن یہ دلیل سلب جواز میں موثر نہیں ہے تاہم کراہت پیدا کرنے میں موثر ہوگی۔

دارالحرب کے جانور کے قبضہ کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دارالحرب کے جانور قبضہ میں کیے اور اُن کو دارالاسلام تک نہیں لاسکتا تو ذبح کر کے جلاڈالے۔ اسی طرح اور سامان جن کو نہیں لاسکتا ہے جلادے اور برتنوں کو توڑ ڈالے روغن وغیرہ بہادے اور ہتھیار وغیرہ لوہے کی چیزیں جو جلنے کے قابل نہیں اُنھیں پوشیدہ جگہ دفن کردے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

جنگ میں کم سے کم نقصان کا بیان

اسلام نے جلد از جلد کامیابی کے حصول کے لئے قتل کے دائرے کو وسیع کرنے کی منطق کو رد کردیا ہے یہی سبب ہے کہ اسلام جس قدر ہو سکے قتل وغارت کے دائرے کو تنگ کرتا ہے۔ اس طرح کہ جنگجوؤں کے علاوہ شہریوں میں سے خواہ وہ عورتیں، بچے، خادم اور بوڑھے ہوں، کوئی بھی شامل نہیں لیکن فوج کی قوت اور تاثیر کی حفاظت کیلئے ان شہریوں میں سے جب کوئی عملی طور پر یا رائے اور تدبیر سے جنگ میں شریک ہو تو اس کا قتل جائز ہے، اور قیدیوں کے ساتھ تعامل کرنے میں بھی یہی حکم ہے اور اسلام نے ان کے قتل کو فرض نہیں کیا بلکہ ان کے بارے میں (فیصلہ کرنے کے لئے) مسلم حکمرانوں کو متعدد طریقوں میں سے اختیار دیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ان پر احسان کرنا، ان سے فدیہ قبول کرنا یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرنا اسلام نے زخمی کو مار ڈالنے کو لازم

قرار نہیں دیا جب تک کہ وہ دوبارہ جنگ کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور یہ (عدم قتل کا) حکم صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں حیوانات بھی شامل ہیں، لہٰذا اس بارے میں اسلام نے ہمارے سامنے جو رحیمانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر پیش کیا اس سے آپ کو بھی تعجب و حیرانگی ہوگی۔

پس اسلام اپنے لشکر کو ضرورتاً، کھانے کے علاوہ جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور نہ ہی ایسے کھجوروں کو کاٹنے کی اجازت دیتا ہے۔ امام ابن قدامہ اس حکم کو اپنے ایک قول میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک کھجور کا کاٹنا اور جلانا جائز نہیں ہے انہی میں سے امام اوزاعی، امام لیث اور امام شافعی ہیں۔ امام مالک سے کہا گیا: کہ کیا ان کے کھجوروں کے باغوں کو جلایا جائے تو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ کھجور (کا حکم) کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جائز ہے کیونکہ اس میں ان کے لئے غیظ و غضب (کی علامت) ہے اور ان کو کمزور کرنا ہے اور انہوں نے اسے جنگ کے دوران ان کے جانوروں کے قتل کے مشابہ قرار دیا ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ 9/289:)

جبکہ اس سلسلے میں ہماری دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی یہ قول ہے کہ انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو جب امیر لشکر بنا کر شام بھیجا تو اسے وصیت کی کہ (کھجور کے درختوں کو نہ جلانا اور نہ ہی انہیں کاٹنا) (موطأ مالک 2/447:)

حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے ان کے بھائی کا بیٹا ایک غزوہ سے واپس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: شاید تم نے کھجور کا درخت کاٹا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کیا تم نے کسی بچے کو قتل کیا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: (اللہ کرے) یہ غزوہ تمہارے لئے راہ راست ثابت ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا درخت کاٹنے سے منع فرمایا۔ اور آپ نے جانوروں کو ہلاک کرنے سے بھی منع فرمایا، کیونکہ یہ فساد و بگاڑ پھیلانے کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس عمومی حکم میں داخل ہے جس فرمایا گیا: (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) (سورۃ البقرہ" :205: اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا")۔ اور اس لئے بھی کہ حیوان ذی روح ہے اور مشرکین سے غیظ و غضب کی سبب سے ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا بھی جائز نہیں، ہاں اگر حالت جنگ میں لشکر اسلام کے خلاف استعمال کرنے کا امکان ہو تو قوت و صلاحیت کی حفاظت کے لئے جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت ہے اور اگر وہ انہیں چھوڑ دیں تو ہلاک نہ کیا جائے۔

ممکنہ حد تک تباہی کے دائرے کی تنگی کا بیان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی طرف امیر لشکر بنا کر بھیجتے ہوئے انہیں جو وصیت فرمائی تھی اس میں اگر ہم غور کریں تو ہمیں تباہی کے دائرے کو محدود کرنے کی ان کی حرص کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اے یزید میں تمہیں وصیت کرتا ہوں: کسی بچے، عورت، بوڑھے، اور بیمار

کو ہرگز قتل نہ کرنا اور نہ ہی کوئی پھل دار درخت کاٹنا، اور نہ ہی کسی آباد گھر کو ویران کرنا اور نہ ہی کسی بھیڑ اور اونٹ کی کونچیں کاٹنا مگر کھانے کے لئے (حسب ضرورت ذبح کر لینا) .اور کھجوروں کے پودوں کو مت کاٹنا اور نہ ہی انہیں جلانا، اور نہ ہی مال غنیمت کو تقسیم کرنے میں دھوکہ کرنا اور نہ ہی بزدل ہونا) (موطأ مالک 2/447:)

لیکن فقہاء نے جنگی معرکوں میں کارکردگی اور سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے دشمنوں کے قلعوں کے قریب کھیتوں اور درختوں کو برباد کرنے کی اجازت دی ہے۔خواہ وہ ان میں چھپتے ہوں یالشکر کے راستے میں ہوں یا اسی طرح کسی اور مقصد کے لئے ہوں۔

بلاضرورت ظالمانہ طریقوں سے اجتناب کرنے میں بعض فقہی مذاہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ظالمانہ طریقے جس طرح جلانا، ڈبونا اور کاٹنا وغیرہ (استعمال ہوتے) ہیں، اگر ان وسائل اور طریقوں کو بروئے کار لانا بغیر فتح ونصرت کے ممکن ہو تو اسلام انہیں اختیار نہیں کرتا ہے اس بارے میں امام ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ :جب دشمن سے جنگ کی جائے تو اسے آگ سے نہ جلایا جائے، اور اگر دشمن پر غلبہ اور قدرت ہو تو بلا خلاف اسے جلانا جائز نہیں ہے (المغنی لابن قدامۃ 9/289:)

لیکن جنگ میں کارکردگی اور قوت کو ثابت کرنے کے حوالے سے ابن قدامہ فرماتے ہیں: انہیں جلانے سے پہلے ان پر تیر چلانے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کے بغیر انہیں گرفتار کرنا ممکن ہو تو تیر پھینکنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ مغلوب کے حکم میں ہیں، ہاں اس کے بغیر عاجز ہونے کی حالت میں اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، اور امام شافعی کا ہے (المغنی لابن قدامۃ 9/287:)

اسی طرح اگر مسلمان مجاہد کو اپنے قتل ہونے کا غالب گمان ہو تو بھی اسلام نے دشمن کی صفوں کو چیرنے کی اجازت دی ہے، لیکن اس کے لئے علماء نے دشمن کی صفوں پر غلبہ حاصل کرنے کی ضرورت کی شرط لگائی ہے تاکہ غلبے کے بغیر اس کے قتل کو دیکھ کر باقی لشکر کی کارکردگی متاثر نہ ہو۔

اگر قتل وتباہی کے بغیر مقصد پورا ہو تو اس طریقے کو اختیار نہ کیا جائے

اسلام کا مقصد جنگوں کی اصلاح اور ممکنہ حد تک قتل کو کم کرنا ہے جو مقصد قتل وغارت سے پورا ہونا ہے وہ اگر کسی دوسرے وسیلے سے حاصل ہوتا ہو تو فقہاء نے طریقہ قتل کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ہمیں بعض فقہاء کے ان اقوال میں غور وخوض کرنی چاہیے جو اس دقیق مفہوم کا تعین کرتے ہیں۔امام ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں یہی حکم انہیں نہر توڑ کر ڈبونے کے بارے میں ہے اگر اس کے بغیر ان پر غلبہ ممکن ہو تو یہ جائز نہیں ہے (المغنی لابن قدامۃ 9/287:)

امام ابن قدامہ، حاکم وقت کے خلاف بلاسبب بغاوت کرنے والوں کو قتل کرنے کے حوالے سے کہتے ہیں : کہ اگر قتل کے

بغیر ان کے فتنے کو کچلنا ممکن ہو تو انہیں قتل کرنا صحیح اور جائز نہیں کیونکہ انہیں ان کے متعلقین کی طرف دھکیلنا مقصود ہے اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو بلا ضرورت قتل کرنا جائز نہیں (المغنی لابن قدامہ 8/528:)

علامہ ابن عابدین حنفی نے کہا ہے جس طرح کتاب شرح السیر میں ہے کہ جلانے اور کاٹنے کا جواز اس سے مشروط ہے کہ اگر اس کے بغیر کامیابی کا حصول بہت ہی دشوار اور مشکل ہو، اور اگر اس کے بغیر وہ غلبہ حاصل کر سکیں تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں ان کی عورتوں، ان کے بچوں اور ان کے پاس بعض مسلمانوں کو ہلاک کرنا ہے (الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین 4/129:)

معاہدوں کا احترام کرنے کا بیان

جنگ میں ممنوع طریقوں اور وسائل کے بارے میں تعامل کے اصول پر ایک جیسا عمل کرنا جائز ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو دو طرفہ یا بین الاقوامی معاہدے کرنے کی اجازت دیتا ہے جو جنگوں میں اختیار کئے جانے والے غلط اور صحیح وسائل اور طریقوں کو متعین کرتے ہیں۔ اسلام مسلمانوں کو دشمن کے ساتھ برابری کے ساتھ تعامل کا اصول فراہم کرتا ہے جبکہ قطعی طور پر شرعی احکام میں کسی قسم کی خرابی اور خلل نہ آئے۔

اسی مفہوم کی تائید میں علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں: ان (دشمنوں) کے درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی ان کی کھیتیوں کو جلایا جائے۔ سوائے اسکے کہ وہ اگر ہمارے ملکوں میں ایسا کریں تو ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے تا کہ انہیں انتباہ ہو۔ اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، یا یہ کہ ہمارے اور دشمن کے درمیان کوئی باقاعدہ رسم اور عادت ہو سو اگر ہم نے ان کے ساتھ ایسا کیا تو وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں گے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے نقصان و نقصان ہے۔
(المغنی لابن قدامہ 9/291:)

لشکر میں جنگ و مدد کرنے والے کی برابری کا بیان

قال (وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ) لِاسْتِوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ أَوْ شُهُودُ الْوَقْعَةِ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَكَذَلِكَ إذَا لَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَا ذَكَرْنَا (وَإِذَا لَحِقَهُمْ الْمَدَدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيمَةَ إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنْ الْأَصْلِ ، وَإِنَّمَا يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ عِنْدَنَا بِالْإِحْرَازِ أَوْ بِقِسْمَةِ الْإِمَامِ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ بِبَيْعِهِ الْمَغَانِمَ فِيهَا ، لِأَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ شَرِكَةِ الْمَدَدِ .

ترجمہ

فرمایا اور لشکر میں جنگ کرنے والا اور مدد کرنے والا دونوں برابر ہیں اس لیے کہ سبب میں سب مساوی ہیں اور وہ جنگ کی

نیت سے جانا یا لڑائی میں شرکت کرنا ہے جس طرح معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اگر بیماری یا کسی دوسرے عارض کی سبب سے کوئی لشکری جنگ نہ کر سکے (تو اس کا بھی یہی حکم ہے) اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر مجاہدین کے مال غنیمت کو لے کر دارالاسلام تک پہنچنے سے پہلے دارالحرب میں انہیں کچھ معان مل گئے تو مالِ غنیمت میں یہ معان مجاہدین کے ساتھ شریک ہوں گے لیکن لڑائی ختم ہونے کے بعد (ملنے کی صورت میں) حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اس اصل پر مبنی ہے جس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یا تو دارالاسلام میں احراز سے مشارکت کا حق ختم ہوگا یا امام کے دارالحراب میں مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے یا وہاں اسے فروخت کرنے سے ختم ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر ایک سے ملکیت تام ہو جاتی ہے اس لیے اب معانین کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص فوج یا لڑنے کے ارادہ سے دارالحرب میں پہنچا اور جس وقت پہنچا لڑائی ختم ہو چکی ہے تو یہ بھی غنیمت میں حصہ دار ہے۔ اسی طرح جو شخص گیا مگر بیماری وغیرہ سے لڑائی میں شریک نہ ہو سکا تو غنیمت پائیگا اور اگر کوئی تجارت کے لیے گیا ہے تو جب تک لڑنے میں شریک نہ ہو غنیمت کا مستحق نہیں۔ (ردمختار، کتاب الجہاد)

لشکر کے بازار والوں کیلئے مالِ غنیمت سے حصہ نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا حَقَّ لِأَهْلِ سُوقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ : يُسْهِمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ) وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنًى بِتَكْثِيرِ السَّوَادِ .

وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ الْمُجَاوَزَةُ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيُفِيدُ الِاسْتِحْقَاقَ عَلَى حَسَبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ ، وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ تَأْوِيلَهُ أَنْ يُشْهِدَهَا عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ .

ترجمہ

فرمایا اور لشکر کے بازاریوں کا غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے البتہ جب کہ وہ جنگ کریں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنے دو قولوں میں ایک میں فرمایا ہے کہ ان کا بھی حصہ لگایا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو لڑائی میں موجود رہیں، اور اس لیے کہ لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے حوالے سے معنیٰ اہل سوق نے بھی جہاد کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ان کی طرف لڑائی کی نیت کے سبب نکلنا نہیں پایا گیا تو سبب ظاہری معدوم ہو گیا لہٰذا سبب حقیقی کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ جنگ ہے اس لیے بازاری اپنی حالت کے مطابق فارس یا پیادہ پا ہونے کے اعتبار سے مستحق غنیمت ہوگا اور حضرت

امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یا اس کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص جنگ کے ارادے سے شریک جنگ ہو اس کو بھی غنیمت ملے گی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام اور بچہ اور عورت اور مجنون کے لیے حصہ نہیں ہاں خمس نکالنے سے پہلے پوری غنیمت میں سے انھیں کچھ دیدیا جائے جو حصہ کے برابر نہ ہو مگر اس وقت کہ انھوں نے جنگ کیا ہو یا عورت نے مجاہدین کا کام کیا ہو مثلاً کھانا پکانا بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کرنا ان کو پانی پلانا وغیرہ ہے۔(درمختار، کتاب الجهاد، ج ٦، ص ٢٣٦)

غنائم کو بطور امانت تقسیم کرنے کا بیان

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُولَةٌ تُحْمَلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةَ إِيدَاعٍ لِيَحْمُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعَهَا مِنْهُمْ فَيَقْسِمَهَا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ :هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْمُخْتَصَرِ ، وَلَمْ يَشْتَرِطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السِّيَرِ الْكَبِيرِ .

وَالْجُمْلَةُ فِي هَذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِي الْمَغْنَمِ حَمُولَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْحَمُولَةَ وَالْمَحْمُولَ مَالُهُمْ .وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُولَةٍ لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِينَ ، وَلَوْ كَانَ لِلْغَانِمِينَ أَوْ لِبَعْضِهِمْ لَا يُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السِّيَرِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِجَارَةٍ وَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ دَابَّتُهُ فِي مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيقِهِ فَضْلُ حَمُولَةٍ ، وَيُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السِّيَرِ الْكَبِيرِ لِأَنَّهُ دَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِتَحْمِيلِ ضَرَرٍ خَاصٍّ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ) لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ قَبْلَهَا ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْأَصْلَ (وَمَنْ مَاتَ مِنْ الْغَانِمِينَ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيمَةِ ، وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لِوَرَثَتِهِ) لِأَنَّ الْإِرْثَ يَجْرِي فِي الْمِلْكِ ، وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ ، وَإِنَّمَا الْمِلْكُ بَعْدَهُ

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيمَةِ يُورَثُ نَصِيبُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اور جب امام کے پاس اتنی سواریاں نہ ہوں جن پر غنائم کو لادا جا سکے تو امام ان غنائم کو تقسیم امانت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم

کردے تا کہ وہ انہیں دار اسلام اٹھالیجائیں پھر ان سے واپس لے کر وہ غنائم ان کے درمیان تقسیم کردے۔ بدنہ ضعیف کہتا ہے کہ مختصر القدوری میں اسی طرح مذکور ہے اور غازیوں کی رضامندی کو مشروط نہیں کیا ہے اور یہ سیر کبیر کی روایت ہے۔ اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام غنیمت میں سواری پائے تو غنائم کو اس پر لاد دے، کیونکہ سواری اور اس پر لدا ہوا مال سب غازیوں کا ہے اسی طرح اگر بیت المال میں ذائد سواریاں ہو تو بھی انہیں منگوا کر ان پر لاد دے، اس لیے کہ بیت المال مسلمانوں کا مال ہے۔

اور جب مجاہدین کے پاس مشترکہ سواری ہو یا ان میں سے کسی ایک کے پاس سواری ہو تو سیر صغیر کی روایت کے مطابق امام ان پر جبر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ ابتداءً اجارہ ہے تو یہ ایسا ہو گیا جس طرح جنگل میں کسی کی سواری ہلاک ہو گئی اور اس کے ساتھی کے پاس زائد سواری ہو (تو گم کردہ شخص اپنے ساتھ اپنا سامان لادنے کے لیے جبر نہیں کرسکتا) اور سیر کبیر کی روایت کے مطابق امام جبر کرسکتا ہے اس لیے کہ یہ نقصان خاص کو برداشت کر کے نقصان عام کو دور کرنا ہے۔

تقسیم سے پہلے دار الحرب میں غنائم کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور ہم ضابطہ بیان کر چکے ہیں۔ غازیوں میں سے جو شخص دار الحرب میں مر جائے تو غنیمت میں اس کا حق نہیں ہوگا اور غازیوں میں سے جو شخص دار الاسلام تک غنائم پہنچانے کے بعد مرا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو ملے گا، اس لیے کہ ملکیت میں وارثت جاری ہے اور احراز سے پہلے ملکیت نہیں ہوتی، ملکیت تو احراز کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ جو غازی شکست ثابت ہونے کے بعد مرے اس کا حصہ میراث بطن جائے گا، کیونکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس میں غازی کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دار الحرب میں بغیر ضرورت غنیمت تقسیم نہ کریں اور اگر بار برداری کے جانور نہ ہوں تو تھوڑی مجاہدین کے حوالے کر دی جائے کہ دار الاسلام میں آ کر واپس دیں اور یہاں تقسیم کی جائے۔

(درمختار، کتاب الجہاد، ج ۶، ص ۲۳۷)

دار الحرب میں اشیاء خوردہ کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مَا وَجَدُوهُ مِنْ الطَّعَامِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَرْسَلَ وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِالْحَاجَةِ ، وَقَدْ شَرَطَهَا فِي رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطْهَا فِي أُخْرَى .

وَجْهُ الْأُولَى أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَلَا يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إلَّا لِحَاجَةٍ كَمَا فِي الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ .

وَجهُ الْأُخرَى قَولُهُ عَلَيهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ (فِي طَعَامِ خَيبَرَ كُلُوهَا وَاعْلِفُوهَا وَلَا تَحمِلُوهَا) وَلِأَنَّ الْحُكمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَونُهُ فِي دَارِ الْحَربِ، لِأَنَّ الْغَازِيَ لَا يَستَصحِبُ قُوتَ نَفسِهِ وَعَلَفَ ظَهرِهِ مُدَّةَ مُقَامِهِ فِيهَا وَالْمِيرَةُ مُنقَطِعَةٌ، فَبَقِيَ عَلَى أَصلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ بِخِلَافِ السِّلَاحِ لِأَنَّهُ يَستَصحِبُهُ فَانعَدَمَ دَلِيلُ الْحَاجَةِ، وَقَد تَمَسُّ إِلَيهِ الْحَاجَةُ فَتُعتَبَرُ حَقِيقَتُهَا فَيَستَعمِلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغنَمِ إِذَا استَغنَى عَنهُ، وَالدَّابَّةُ مِثلُ السِّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبزِ وَاللَّحمِ وَمَا يُستَعمَلُ فِيهِ كَالسَّمنِ وَالزَّيتِ.

ترجمہ

فرمایا اور دارالحرب میں اہل لشکر کے لیے جانوروں کو چارہ کھلانے اور وہاں کی پائی جانے والی کھانے کی اشیاء میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری نے اسے مطلق بیان کیا ہے اور ضرورت سے مقید نہیں کیا ہے جب کہ سیر صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ نے حاجت کو مشروط قرار دیا ہے، مگر سیر کبیر میں ضرورت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ وہ مال تمام غازیوں میں مشترک ہے، لہٰذا بغیر ضرورت اس سے انتفاع مباح نہیں ہوگا جس طرح کپڑوں اور سواریوں کا یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کی دلیل مطعومات خیبر کے متعلق حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے "اسے کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ مگر لاد کر نہ لیجاؤ" اور اس لیے کہ حکم کا مدار دلیل حاجت پر ہے اور وہ اس کا دارالحرب میں ہونا ہے، کیونکہ دارالحرب میں اپنی مدت اقامت کے دوران غازی نہ تو اپنی خوراک ساتھ لیجاسکتا ہے اور نہ ہی اپنی سواری کا چارہ لیجاسکتا ہے اور وہاں تک غلے کا پہنچنا بھی ناممکن ہے، لہٰذا بربنائے ضرورت یہ حکم اصل اباحت پر باقی رہا۔

برخلاف ہتھیار کے، اس لیے کہ غازی ہتھیار اپنے ساتھ رکھتا ہے لہٰذا حاجت کی دلیل معدوم ہوگئی اور کبھی ہتھیار کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لیے حقیقی ضرورت کا اعتبار ہوگا لہٰذا جب غازی اس سے مستغنی ہو جائے گا تو وہ اسے استعمال کر کے مغنم میں واپس کردے گا۔ اور سواری ہتھیار کی طرح ہے اور طعام سے روٹی اور گوشت اور اس کا مصالحہ یعنی گھی اور تیل مراد ہے۔

مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے تصرف کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مال غنیمت کو دارالحرب میں مجاہدین اپنی ضرورت میں قبل تقسیم صرف کرسکتے ہیں مثلاً جانوروں کا چارہ اپنے کھانے کی چیزیں کھانا پکانے کے لیے ایندھن، گھی، تیل، شکر، میوے خشک وتر اور تیل لگانے کی ضرورت ہو تو کھانے کا تیل لگا سکتا ہے اور خوشبودار تیل مثلاً روغنِ گل وغیرہ اُس وقت استعمال کرسکتا ہے جب کسی مرض میں اس کے استعمال کی حاجت ہو اور گوشت کھانے کے جانور ذبح کرسکتے ہیں مگر چمڑا مالِ غنیمت میں واپس کریں۔ اور مجاہدین اپنی باندی، غلام اور عورتوں بچوں کو بھی مالِ غنیمت سے کھلا سکتے ہیں۔ اور جو شخص تجارت کے لیے گیا ہے لڑنے کے لیے نہیں گیا وہ اور مجاہدین کے نوکر

مال غنیمت کو صرف نہیں کر سکتے ہاں پکا ہوا کھانا یہ بھی کھا سکتے ہیں۔اور پہلے سے اشیاء اپنے پاس رکھ لینا کہ ضرورت کے وقت صرف کرینگے نا جائز ہے۔اسی طرح جو چیز کام کے لیے لی تھی اور بچ گئی اسے بیچنا بھی نا جائز ہے اور بیچ ڈالی تو دام واپس کرے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مجاہدین کیلئے لکڑیوں کے استعمال کی اباحت کا بیان

قَالَ (وَيَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ) وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ :الطِّيبَ ، (وَيُدْهِنُوا بِالدُّهْنِ وَيُوقِحُوا بِهِ الدَّابَّةَ) لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إلَى جَمِيعِ ذَلِكَ (وَيُقَاتِلُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنْ السِّلَاحِ ، كُلُّ ذَلِكَ بِلَا قِسْمَةٍ) وَتَأْوِيلُهُ إذَا احْتَاجَ إلَيْهِ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ سِلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ (وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ) لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ ، وَإِنَّمَا هُوَ إبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامُ ، وَقَوْلُهُ وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُمْ لَا يَبِيعُونَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوضِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ إلَى ذَلِكَ ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رَدَّ الثَّمَنَ إلَى الْغَنِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ .

وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلِاشْتِرَاكِ ، إلَّا أَنَّهُ يُقَسِّمُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إذَا احْتَاجُوا إلَى الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ وَالْمَتَاعِ ، لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُورَةِ فَالْمَكْرُوهُ أَوْلَى ، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمَلٌ ، وَحَاجَةُ هَؤُلَاءِ مُتَيَقَّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرِّعَايَةِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ الْقِسْمَةَ فِي السِّلَاحِ ، وَلَا فَرْقَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّهُ إذَا احْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الِانْتِفَاعُ فِي الْفَصْلَيْنِ ، وَإِنْ احْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسَّمُ فِي الْفَصْلَيْنِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا احْتَاجُوا إلَى السَّبْيِ حَيْثُ لَا يُقَسَّمُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إلَيْهِ مِنْ فُضُولِ الْحَوَائِجِ .

ترجمہ

فرمایا کہ مجاہدین لکڑیاں استعمال کر سکتے ہیں اور بعض نسخوں میں ہے خوشبو استعمال کر سکتے ہیں اور تیل استعمال کر سکتے ہیں اور سواریوں کے پیروں میں لگا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان تمام چیزوں کی ضرورت درکار ہے اور جو بھی ہتھیار پائیں انہیں لے کر (کفار سے) جنگ بھی کر سکتے ہیں، یہ تمام چیزیں بلا تقسیم کے مباح ہیں اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جب ان اشیاء کی ضرورت ہو بایں طور کہ غازی کے پاس ہتھیار نہ ہو اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اوران کے لیے ان چیزوں میں کوئی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی انہیں جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ بیع ملکیت پر مرتب ہوتی ہے اور نزدیک ملکیت معدوم ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ تو اباحت ہے یہ ایسا ہو گیا جس طرح کسی کے لیے طعام مباح کیا گیا ہو۔

اور امام قدوری کا **ولا یتمو لونہ** کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ نہ تو سونے چاندی کے عوض اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ثمن کے عوض، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی غازی بیچ دے تو اس کا ثمن مال غنیمت میں واپس کر دے اس لیے کہ یہ ایسے عین کا بدل ہے جو تمام غازیوں کا ہے۔

اور کپڑے اور دوسرے سامانوں سے بلا ضرورت انتفاع مکروہ ہے، کیونکہ ان میں اشتراک ہے مگر اگر غازیوں کو کپڑے، سواریاں اور سامان کی ضرورت ہو تو امام دار الحرب میں یہ چیزیں ان کے درمیان تقسیم کر سکتا ہے اس لیے کہ ضرورت کے وقت جب حرام چیز مباح ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز تو بدرجۂ اولیٰ مباح ہو گی۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ ان چیزوں کی مدد کا حق محتمل ہے جب کہ ان کی ضرورت یقینی ہے لہٰذا ضرورت کی رعایت کرنا بہتر ہو گا۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے ہتھیار میں تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ثیاب اور سلاح میں ضرورت کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی کو دونوں چیزوں کی ضرورت ہو تو اس کے لیے دونوں سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اور اگر سب کو ان کی ضرورت ہو تو امام دونوں چیزیں ان کے درمیان تقسیم کر دے۔ مگر اگر غازیوں کو گرفتار کردہ عورتوں کی ضرورت ہو تو امام انہیں غازیوں میں تقسیم نہیں کرے گا کیونکہ ان کی ضرورت سے زائد ہے۔

ملکیت سے پہلے مال غنیمت کی خرید وفروخت کی ممانعت

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ "(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1109)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کا اعلان فرمایا کہ (مال غنیمت کے) حصے جب تک تقسیم نہ ہو جائیں ان کو فروخت نہ کیا جائے۔ (سنن دارمی)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے اپنے حصہ کو تقسیم سے پہلے بیچنے لگے تو یہ جائز نہیں ہو گا ایک تو اس سبب سے کہ جس حصہ کو وہ بیچنا چاہتا ہے ابھی وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے (جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ تقسیم سے پہلے کسی بھی حصہ کی ملکیت موقوف رہتی ہے) دوسرے اس سبب سے کہ (حصہ دار کو تقسیم سے پہلے مالک مان بھی لیا جائے تو خود اس (مالک) کو تقسیم سے پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حصے میں کیا چیز آئے گی اور وہ چیز کیسی ہو گی، اس صورت میں اس حصے کو بیچنا گویا ایک ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو غیر معلوم وغیر متعین ہے اور یہ ناجائز ہے۔

حضرت رویفع ابن ثابت سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

رکھتا ہواس کے لئے قطعاً روانہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی جانور پر (بلاضرورت شرعی) سوار ہو اور پھر جب وہ (جانور) دبلا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہواس کے لئے یہ قطعاً روانہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی کپڑے کو (بلاضرورت شرع "پہنے اور پھر جب وہ (کپڑا) پرانا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ " (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1112)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر اپنی سواری کے مصرف میں لانے کی سبب سے وہ جانور دبلا نہ ہو تو اس صورت میں اس پر سوار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں نہ یہ مفہوم مراد ہے اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ بات محض محاورۃ فرمائی گئی ہے کہ عام طور پر جانور سواری کے کام آنے سے دبلے ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا ابتدائی طور پر منافی استرقاق ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ) مَعْنَاهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ (أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ) لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يُنَافِي ابْتِدَاءَ الِاسْتِرْقَاقِ (وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ) لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا (وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَسْلَمَ عَلَى مَالٍ فَهُوَ لَهُ) وَلِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيقِيَّةُ إلَيْهِ يَدَ الظَّاهِرِينَ عَلَيْهِ (أَوْ وَدِيعَةً فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ) لِأَنَّهُ فِي يَدٍ صَحِيحَةٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ (فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى دَارِ الْحِرَابِ فَعَقَارُهُ فَيْءٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :هُوَ لَهُ لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ .

وَلَنَا أَنَّ الْعَقَارَ فِي يَدِ أَهْلِ الدَّارِ وَسُلْطَانُهَا إذَا هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ حَقِيقَةً ، وَقِيلَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ الْآخَرُ .

وَفِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلُ هُوَ كَغَيْرِهِ مِنْ الْأَمْوَالِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْيَدَ حَقِيقَةً لَا تَثْبُتُ عَلَى الْعَقَارِ عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَثْبُتُ (وَزَوْجَتُهُ فَيْءٌ) لِأَنَّهَا كَافِرَةٌ حَرْبِيَّةٌ لَا تَتْبَعُهُ فِي الْإِسْلَامِ (وَكَذَا حَمْلُهَا فَيْءٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ .هُوَ يَقُولُ إنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ .

وَلَنَا أَنَّهُ جُزْؤُهَا فَيَرِقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلتَّمَلُّكِ تَبَعًا لِغَيْرِهِ بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ لِأَنَّهُ حُرٌّ لِانْعِدَامِ الْجُزْئِيَّةِ عِنْدَ ذَلِكَ (وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ) لِأَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّونَ وَلَا تَبَعِيَّةَ (وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عَبِيدِهِ فَيْءٌ) لِأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلَى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا

لِأَهْلِ دَارِهِمْ (وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِي يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ) غَصْبًا كَانَ أَوْ وَدِيعَةً ؛ لِأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ (وَمَا كَانَ غَصْبًا فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا يَكُونُ فَيْئًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رَحِمَهُ اللَّهُ :كَذَا ذُكِرَ الِاخْتِلَافُ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ .وَذَكَرُوا فِي شُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ مَعَ مُحَمَّدٍ . لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ ، وَقَدْ صَارَتْ مَعْصُومَةً بِإِسْلَامِهِ فَيَتْبَعُهَا مَالُهُ فِيهَا .وَلَوْ أَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ فَيُمْلَكُ بِالِاسْتِيلَاءِ وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوَّمَةٍ إلَّا أَنَّهُ مُحَرَّمٌ التَّعَرُّضُ فِي الْأَصْلِ لِكَوْنِهِ مُكَلَّفًا وَإِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهِ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْإِسْلَامِ ، بِخِلَافِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ خُلِقَ عُرْضَةً لِلِامْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَلَيْسَتْ فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتْ الْعِصْمَةُ .

ترجمہ

فرمایا کہ کفار میں سے جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو گیا اس نے اپنے اسلام سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، کیونکہ اسلام ابتداء مملوک ہونے کے منافی ہے۔ اور اس نے اپنے چھوٹے بچوں کو محفوظ کر لیا کیونکہ وہ بچے اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہو کر مسلمان ہیں۔ اور اس نے ہر اس مال کو محفوظ کر لیا جو اس کے قبضے میں ہو، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اس حال میں مسلمان ہوا کہ اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اسی کا ہے۔ اور اس لیے کہ اس مال پر غازیوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس شخص کا ذاتی قبضہ برقرار ہے۔ اور اس مال کو بھی محفوظ کر لیا جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضے میں بطور امانت کے ہو، اس لیے کہ وہ مال بھی صحیح اور محترم قبضے میں ہے۔ اور مودع کا قبضہ صاحب مال کے قبضے کی طرح ہے۔ اور اگر ہم مسلمان دار الحرب پر غالب ہو گئے تو اس کا عقار فئے ہوگا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ وہ مال بھی اسی کا ہوگا، کیونکہ وہ اسی کے قبضے میں ہے تو یہ مال منقول کی طرح ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر منقول مال دار الحرب والوں کے اور ان کے بادشاہ کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ عقار بھی من جملہ دار الحرب کے ہے لہٰذا وہ حقیقتا اس کے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا اور امام ابو یوسف کا آخری قول ہے۔ امام محمد ﷺ اور امام ابو یوسف کے قول اول میں اس کا عقار بھی اس کے منقولہ اموال کی طرح ہے، اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ حضرات شیخین کے نزدیک عقار میں حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا اور امام محمد کے نزدیک قبضہ ثابت ہو جاتا ہے۔

اور اس شخص کی بیوی بھی فئے ہوگی اس لیے کہ وہ کافرہ حربیہ ہے اور اسلام کے سلسلے میں اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کر رہی ہے نیز اس عورت کا حمل بھی فئے ہوگا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے وہ فرمایا کہ حمل تابع ہو کر مسلم ہے جس طرح وہ بچہ

جو پیدا ہو چکا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل اپنی ماں کا جزء ہے لہٰذا ماں کے رقیق ہونے کی سبب سے وہ بھی رقیق ہوگا اور مسلمان دوسرے کے تابع ہو کر ملکیت کا محل ہو جاتا ہے۔ برخلاف منفصل کے، کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے، اس لیے کہ بوقتِ انفصال جزئیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی بالغ اولاد بھی فئی ہوگی، کیونکہ وہ سب حربی کافر ہیں اور تبعیت معدوم ہے۔ اور اس نومسلم کے غلاموں میں سے جو جنگ کرے گا وہ بھی فئے ہوگا، اس لیے کہ جب اس نے اپنے آقا پر سرکشی کر لی تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا، لہٰذا وہ دارالحرب کے تابع ہو گیا۔ اور اس شخص کا جو مال کسی حربی کے قبضے میں ہو وہ بھی فئے ہوگا خواہ غصب کیا ہوا ہو یا ودیعت کے طور پر ہو، اس لیے کہ اس کا قبضہ محترم نہیں ہے۔

اور اس نومسلم کا مال جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں غاصبانہ طور پر ہو تو وہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک فئے ہے امام محمد فرمایا کہ فئے نہیں ہوگا، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں اسی طرح اختلاف بیان کیا ہے اور جامع صغیر کے شراح نے امام ابو یوسف کا قول امام محمد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہوتا ہے اور اسلام کی سبب سے نفس معصوم ہو گیا ہے، لہٰذا معصوم ہونے میں مال اس کے نفس کے تابع ہوگا۔ حضرت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مباح ہے اور قبضہ کرنے سے وہ مملوک ہو جاتا ہے اور اسلام کی سبب سے نفس معصوم نہیں ہوا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ نفس متقوم نہیں ہے مگر اصلا اس سے تعرض حرام ہے کیونکہ وہ (آدمی) مکلف ہے اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا اس کے عارضی شر کی سبب سے مباح تھا اور اسلام کی سبب سے یہ ممتنع ہو گیا ہے۔ برخلاف مال کے کیونکہ وہ تو خرچ کرنے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے، لہٰذا وہ محل تملک ہوگا اور حکماً بھی یہ مال اس نومسلم کے قبضہ میں نہیں ہے لہٰذا عصمت ثابت نہیں ہوگی۔

مال فئے کی تحقیق کا بیان

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر ۶)

فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، جس طرح بنو نضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا انٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ انکے دل اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے، اسے "فے" کہتے ہیں اور یہ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا، آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، پس آپ نے نیکی اور اصلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری روایت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنو نضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا انٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر اک چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر

کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی، سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے، یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنونضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے (سنن و مسند وغیرہ) ابوداؤد میں حضرت مالک بن اس سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کر دو میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو میں نے کہا بہت بہتر، اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علی کا، تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے،

حضرت مالک فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھہرو، پھر ان چاروں کی طرف متسبب ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ان چاروں نے اس کا اقرار کیا، پھر آپ ان دونوں کی طرف متسبب ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا، پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا پھر آپ نے یہی آیت

(وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)-59 الحشر 6:)،

پڑھی اور فرمایا بنونضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے تھے اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ ہی خود ہی اس میں سے کچھ لے لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد ابوبکر والی بنے اور تم دونوں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اے عباس تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچا زاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علی اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہ کی طرف سے ان

کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر یقیناً راست گو، نیک کار، رشد وہدایت والے اور تابع حق تھے،

چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی، آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا، پھر آپ دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا، جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضہ میں کرو کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں، تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی، پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج تک ہوتا رہا۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے اموال آپ کے قبضہ میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کو دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کیے، حضرت انس کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا،

لیکن یہ سب حضرت ام ایمن کو اپنی طرف سے دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھے یہ نہیں دیں گے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ایمن تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں، آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں، آپ نے فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا، یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورہ انفال میں ان کی پوری تشریح وتوضیح کے ساتھ کامل تفسیر الحمد اللہ گذر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔

مال فیئے کے مصارف کا بیان

مال فے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے کہ یہ مالداروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ بن بن جائے اور اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو

میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے (یعنی چہرے پر یا ہاتھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بنا لیتی ہیں) اس سے اور بالوں میں بال ملا لینے سے (جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں) منع فرماتے ہیں تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں اس عورت نے کہا اللہ کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت

(وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا)-59 الحشر 7:)

نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ممانعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو، وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی، آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ اللہ کے نیک بندے (حضرت شعیب علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا۔

(وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ 88)-11 ھود 88:)

یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں، مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے، یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے، اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا، آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں کیا تم نے آیت

(وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا)-59 الحشر 7:)

نہیں پڑھی؟ اس نے کہاہاں یہ تو پڑھی ہے پھر آپ نے وہ حدیث سنائی، اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ،

سنن نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کے برتن میں، سبز ٹھلیا میں، کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یاد رہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کے احکام کی ممنوعات سے بچتے رہو، یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب دیتا ہے۔

دارالحرب سے خروج پر غنائم پر عدم تصرف کا بیان

(وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوا مِنْ الْغَنِيمَةِ وَلَا يَأْكُلُوا مِنْهَا) لِأَنَّ الضَّرُورَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ ، وَالْإِبَاحَةُ بِاعْتِبَارِهَا ، وَلِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتَّى يُورَثَ نَصِيبُهُ وَلَا كَذَلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ (وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إلَى الْغَنِيمَةِ) مَعْنَاهُ إذَا لَمْ تُقَسَّمْ .وَعَنْ الشَّافِعِيِّ مِثْلُ قَوْلِنَا .وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ اعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ .

وَلَنَا أَنَّ الِاخْتِصَاصَ ضَرُورَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ ، بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ ؛ لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقَّ بِهِ قَبْلَ الْإِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ ، وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوا بِهِ إنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ ، وَانْتَفَعُوا بِهِ إنْ كَانُوا مَحَاوِيجَ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ اللُّقَطَةِ لِتَعَذُّرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِينَ ، وَإِنْ كَانُوا انْتَفَعُوا بِهِ بَعْدَ الْإِحْرَازِ تُرَدُّ قِيمَتُهُ إلَى الْمَغْنَمِ إنْ كَانَ لَمْ يُقَسَّمْ ، وَإِنْ قُسِّمَتْ الْغَنِيمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيمَتِهِ وَالْفَقِيرُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ .

ترجمہ

اور جب مسلمان دارالحرب سے نکل گئے تو ان کے لیے مال غنیمت سے چارہ کھلانا اور اس سے کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ضرورت ختم ہو چکی ہے اور ضرورت ہی کی سبب سے اباحت ثابت تھی۔ اور اس لیے کہ غازیوں کا حق پختہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ (اگر کو

غازی مرتا ہے تو) اس کا حصہ وراثت بنتا ہے، اور دارالاسلام کے لیے نکلنے سے پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ اور جس شخص کے پاس زیادہ چارہ ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اسے غنیمت میں واپس کر دے اس کے معنی ہیں جب غنیمت تقسیم نہ ہوئی ہو۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے ہمارے قول کی طرح مروی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چور پر قیاس کرتے ہوئے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اختصاص حاجت کی ضرورت ہے اور ضرورت ختم ہو چکی ہے برخلاف متلصص کے، کیونکہ وہ احراز سے پہلے ہی اس کا مستحق تھا لہٰذا احراز کے بعد بھی وہی مستحق ہوگا۔ اور تقسیم کے بعد اگر غازی مالدار ہوں تو ان مال کا صدقہ کر دیں اور اگر محتاج ہوں تو اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ لقطہ کے حکم میں ہو گیا، اس لیے کہ غانمین پر واپس کرنا محال ہے۔ اور اگر دارالاسلام لانے کے بعد انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں واپس کر دی جائے اگر مال تقسیم نہ ہوا ہو۔ اور اگر غنیمت تقسیم ہو گئی ہو تو غنی غازی اس کی قیمت صدقہ کر دے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ قیمت اصل کے قائم مقام ہے لہٰذا اس نے اصل کا حکم لے لیا ہے۔

مجاہدین کی رضامندی سے مال غنیمت میں تصرف کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ دارالحرب سے نکلنے کے بعد اب تصرف جائز نہیں، ہاں اگر سب مجاہدین کی رضا سے ہو تو حرج نہیں اور جو چیزیں دارالحرب میں لی تھیں ان میں سے کچھ بچا ہے اور اب دارالاسلام میں آ گیا تو بقیہ واپس کر دے اور واپسی سے پہلے غنیمت تقسیم ہو چکی تو فقراء پر تصدق کر دے اور خود فقیر ہو تو اپنے کام میں لائے اور اگر دارالاسلام میں پہنچنے کے بعد بقیہ کو صرف کر ڈالا ہے تو قیمت واپس کرے اور غنیمت تقسیم ہو چکی ہے تو قیمت تصدق کر دے اور خود فقیر ہو تو کچھ حاجت نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان (جہاد کے بعد) دارالاسلام واپس آتے ہوئے دارالحرب کی سرحدوں سے پار ہو جائیں تو اس کے بعد ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے گھاس دانہ کھلائیں یا مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں میں سے خود کچھ کھائیں کیونکہ اس صورت میں وہ ضرورت اپنی باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی بناء پر دارالحرب میں مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے مصرف میں لانا مجاہدین کے لئے مباح تھا۔ نیز جس شخص کے پاس دارالحرب میں غیر تقسیم شدہ مال غنیمت کا گھاس دانہ یا کھانے پینے کی چیزیں اس کی ضرورت وحاجت سے زائد ہوں وہ ان کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

حضرت محمد ابن ابوالمجالد، حضرت عبداللہ بن اوفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت عبداللہ) سے پوچھا کہ " کیا آپ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانے کی چیزوں میں سے بھی خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "غزوہ خیبر کے دن کھانے کی چیزیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں، چنانچہ ہر کوئی شخص آتا اور ان میں سے بقدر کفایت لے کر واپس چلا جاتا۔ " (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1113)

سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا ان چیزوں میں سے بھی خمس نکالا جاتا تھا یا جو چیزیں کھانے کی قسم سے ہوتیں، ان کو تقسیم سے مستثنیٰ

رکھا جاتا تھا کہ جو شخص چاہتا ان کو اپنے مصرف میں لے آتا؟ جواب کا حاصل یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے خمس نہیں نکالنا چاہئے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی چیزوں میں سے جو کچھ بھی لیا جائے وہ بس اتنی ہی مقدار میں ہو کہ ضرورت و حاجت پوری ہو جائے

اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (مسلمانوں کا) لشکر (جب جہاد سے واپس آیا تو) مال غنیمت میں کھانے کی چیزیں اور شہد لے کر آیا۔ چنانچہ (ان لشکر والوں نے ان چیزوں میں سے جو کچھ کھا پی لیا تھا یا وہ جو کچھ بچا کر لے لئے تھے اس میں سے) ان سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔ "(ابوداؤد)

اور حضرت قاسم (تابعی) جو عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان بعض صحابہ نے بیان کیا کہ "ہم غزووں میں انٹ کا گوشت کھاتے اور اس کو تقسیم نہ کرتے (یعنی ہم محاذ جنگ پر ضرورت کے وقت مال غنیمت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور انکا گوشت تقسیم کئے بغیر اپنی اپنی حاجت کے بقدر لے لیتے) یہاں تک کہ جب ہم (سفر کے دوران) اپنے ڈیروں، خیموں میں واپس آتے تو ہمارے تھیلے گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے۔ " (ابوداؤد)

فَصْلٌ فِی کَیْفِیَّةِ الْقِسْمَةِ

﴿یہ فصل مال غنیمت کے طریقہ تقسیم کے بیان میں ہے﴾

فصل کیفیت قسمت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب مال غنیمت کی تعریف واحکام کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے طریقے کو شروع کیا ہے۔اور کسی بھی مال کی تقسیم اس کے وجود وثبوت کے بعد ہی ہوا کرتا ہے پس اس کی فقہی مطابقت واضح ہے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

طائف سے واپس ہوتے ہوئے حضور اکرم ﷺ مقام جعرانہ میں رکے جہاں حنین کی لڑائی کا مال غنیمت محفوظ کردیا گیا تھا، وہاں آپ ﷺ کئی روز تک مال غنیمت تقسیم کئے بغیر ٹھہرے رہے جس کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان کا مال اور قیدی واپس کیے جائیں؛لیکن تاخیر کے باوجود آپ ﷺ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم شروع کردی جس میں چوبیس ہزار انٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی تھے، حضور اکرم ﷺ نے اسلامی قانون کے مطابق کل مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا، چار حصے لڑنے والوں میں بانٹ دیئے اور ایک حصہ بیت المال کے لئے روک لیا،اس پانچویں حصہ میں سے آپ ﷺ نے مکہ اور دوسرے مقامات کے نومسلموں کو دل کھول کر حصے دیئے،

ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو انٹ عطا کیے، اس نے کہا ! میرا بیٹا یزید؟ آپ ﷺ نے اتنا ہی یزید کو بھی دیا، اس نے کہا !اور میرا بیٹا معاویہ؟ آپ ﷺ نے اتنا ہی معاویہ کو بھی دیا (یعنی تنہا ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تین سو انٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ملی)

جلیم بن حزام کو ایک سو انٹ دیئے گئے، اس نے مزید سو اونٹوں کا سوال کیا تو اسے پھر ایک سو انٹ دیئے گئے، اسی طرح صفوان بن اُمیہ کو سو انٹ، پھر سو انٹ اور پھر سو انٹ (یعنی تین سو انٹ) دیئے گئے (الرحیق المختوم)

حارث بن کلدہ کو بھی سو انٹ دیئے گئے اور کچھ مزید قرشی اور غیر قرشی روساء کو سو سو انٹ دیئے گئے، کچھ دوسروں کو پچاس پچاس اور چالیس چالیس انٹ دیئے گئے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ محمد ﷺ اسی طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں، چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کردیا، اتفاق سے آپ ﷺ کی چادر درخت میں پھنس گئی، آپ ﷺ نے فرمایا " الوگو میری چادر دے دو، اس ذات کی

قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کردوں گا، پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹا "۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے انٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوہان سے کچھ بال لئے اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا " ! لوگو ! واللہ میرے لئے تمہارے مال فی میں سے کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ اتنا بال بھی نہیں، صرف خمس ہے اور خمس بھی تم پر ہی پلٹا دیا جاتا ہے،

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں پر مال غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں، انھوں نے ایسا کیا تو ایک فوجی کے حصے میں چار چار انٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں، جو شہسوار تھا اسے بارہ انٹ اور ایک سوبیس بکریاں ملیں (علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ سواروں کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لئے ہر سوار کے حصے میں بارہ انٹ اور ایک سوبیس بکریاں آئیں)

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ اسی طرح جو اپنی عقل کے راستہ سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں، اس قسم کے انسانوں کے لئے مختلف ڈھنگ کے اسباب کشش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لئے پرجوش بن جائیں (الرحیق المختوم)

مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت پانچواں حصہ نکالنے کا بیان

قَالَ (وَيُقَسِّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ) اسْتَثْنَى الْخُمُسَ (وَيُقَسِّمُ الْأَرْبَعَةَ الْأَخْمَاسِ بَيْنَ الْغَانِمِينَ) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ) (ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى (وَقَالَا : لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ، لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَسْهَمَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا) وَلِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِالْغَنَاءِ وَغَنَاؤُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ ؛ لِأَنَّهُ لِلْكَرِّ وَالْفَرِّ وَالثَّبَاتِ ، وَالرَّاجِلُ لِلثَّبَاتِ لَا غَيْرُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا) فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ ، فَيُرْجَعُ إلَى قَوْلِهِ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ) كَيْفَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَّمَ

لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ) وَإِذَا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ تُرَجَّحُ رِوَايَةُ غَيْرِهِ ، وَلِأَنَّ الْكَرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُونُ غَنَاؤُهُ مِثْلَيْ غَنَاءِ الرَّاجِلِ فَيُفَضَّلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ وَلِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَذُّرِ مَعْرِفَتِهِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ فَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضِعْفِهِ .

ترجمہ

فرمایا اور امام غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے اس کا پانچواں حصہ نکال لے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ الایة ۔ "اللہ پاک نے خمس کو مستثنی قرار دیا ہے" اور بقیہ چار خمس غازیوں میں تقسیم کردے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اسے غازیوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گھوڑ سوار کو دو حصے ملیں گے اور پیادہ پا کو ایک حصہ ملے گا۔ حضرات صاحبین فرمایا کہ فارس کو تین حصے ملیں گے اور یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے اور حدث کی سبب سے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو تین حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ غنیمت کا استحقاق بقدر کفایت ہوتا ہے اور فارس تین پیدلوں کے بقدر کفایت کرتا ہے، اس لیے کہ وہ حملہ کرتا ہے، جان بچا کر بھاگ لیتا ہے اور جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور پیادہ پا صرف جم کر لڑ سکتا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، لہذا آپ ﷺ کے دونوں فعل متعارض ہو گئے، اس لیے آپ کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یقیناً آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ فارس کے لیے دو حصے ہیں اور پیادہ پا کے لیے ایک حصہ ہے۔ اور حضرات صاحبین حضرت ابن عمر کی حدیث سے کیوں کر استدلال کر سکتے ہیں جب کہ انھی سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے اور راجل کو ایک حصہ تقسیم فرمایا ہے اور جب ان کی دونوں روایات متعارض ہیں تو ان کے علاوہ کی روایت راجح ہوگی۔

اور اس لیے کہ کر اور فر ایک ہی جنس ہیں، لہذا فارس کی کفایت راجل کی کفایت کی دوگنی ہوگئی اور فارس راجل سے ایک حصہ زائد کا مستحق ہوگا۔ اور اس لیے کہ زیادتی کی مقدار کا اعتبار کرنا ناممکن ہے، کیونکہ اسے شمار کرنا ناممکن ہے لہذا حکم کا مدار ظاہری سبب پر ہوگا اور فارس کے حق میں ظاہری سبب دو ہیں (۱) اس کا نفس (۲) اور اس کا گھوڑا۔ راجل کا ایک سبب ہے لہذا فارس راجل سے دو گنے مال کا مستحق ہوگا۔

مال غنیمت کے حصوں کا بیان

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ

اَلتَقَى الۡجَمۡعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ .(الانفال، ۴۱)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

خواہ قلیل یا کثیر۔غنیمت وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کُفّار سے جنگ میں بطریق قہر وغلبہ حاصل ہو۔مسئلہ :مال غنیمت پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے اس میں سے چار حصے غانمین کے۔

غنیمت کا پانچواں حصہ پھر پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا ان میں سے ایک حصہ جو کُل مال کا پچیسواں حصہ ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے اور ایک حصہ آپ کے اہل قرابت کے لئے اور تین حصے یتیموں اور مسکینوں، مسافروں کے لئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضور اور آپ کے اہل قرابت کے حصے بھی یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو ملیں گے اور پانچواں حصہ انہیں تین پر تقسیم ہو جائے گا۔یہی قول ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا۔

اس دن سے روز بدر مراد ہے اور دونوں فوجوں سے مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں اور یہ واقعہ سترہ یا انیس رمضان کو پیش آیا۔

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی اور مشرکین ہزار کے قریب تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ہزیمت دی ان میں سے ستر سے زیادہ مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔(خزائن العرفان،الانفال ۴۱)

جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جس کو خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔اپنی ذات پر اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت وامداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی سبب سے آپ کا ساتھ دیا اور مدزکوۃ وغیرہ سے لینا ان کے لیے حرام ہوا۔یتیموں پر،حاجت مند مسلمانوں پر،مسافروں پر۔پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے،وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ "کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔بعض علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لیے خمس الخمس ملنا چاہیے۔واللہ اعلم۔بعض روایات میں ہے کہ جب "غنیمت "میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اس کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لیے نکال لیتے تھے۔بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لیے نکالنا چاہیے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں ایک حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیے جائیں اور سوار بہ نسبت پیدل کے دوگنا پائے گا یعنی ایک اس کا حصہ اور ایک گھوڑے کا اور گھوڑا عربی ہو یا اور قسم کا سب کا ایک

حکم ہے۔ سردار لشکر اور سپاہی دونوں برابر ہیں یعنی جتنا سپاہی کو ملے گا اتنا ہی سردار کو بھی ملے گا۔ اونٹ اور گدھے اور خچر کسی کے پاس ہوں تو ان کی سبب سے کچھ زیادہ نہ ملے گا یعنی اسے بھی پیدل والے کے برابر ملے گا اور اگر کسی کے پاس چند گھوڑے ہوں جب بھی اتنا ہی ملے گا جتنا ایک گھوڑے کے لیے ملتا تھا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مال غنیمت میں گھوڑے کا ایک حصہ ہونے کا بیان

(وَلَا يُسْهِمُ إلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :يُسْهِمُ لِفَرَسَيْنِ ، لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ) وَلِأَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ يَعْيَا فَيَحْتَاجُ إلَى الْآخَرِ ، وَلَهُمَا (أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ فَلَمْ يُسْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ) وَلِأَنَّ الْقِتَالَ لَا يَتَحَقَّقُ بِفَرَسَيْنِ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلَا يَكُونُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِيًا إلَى الْقِتَالِ عَلَيْهِمَا فَيُسْهِمُ لِوَاحِدٍ ، وَلِهَذَا لَا يُسْهِمُ لِثَلَاثَةِ أَفْرَاسٍ ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى التَّنْفِيلِ كَمَا أَعْطَى سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ سَهْمَيْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ (وَالْبَرَاذِينُ وَالْعَتَاقُ سَوَاءٌ) لِأَنَّ الْإِرْهَابَ مُضَافٌ إلَى جِنْسِ الْخَيْلِ فِي الْكِتَابِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ) وَاسْمُ الْخَيْلِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْبَرَاذِينِ وَالْعِرَابِ وَالْهَجِينِ وَالْمَقْرِفِ إطْلَاقًا وَاحِدًا ، وَلِأَنَّ الْعَرَبِيَّ إنْ كَانَ فِي الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ أَقْوَى فَالْبِرْذَوْنُ أَصْبَرُ وَأَلْيَنُ عَطْفًا ، فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنْفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوَيَا .

ترجمہ

اور صرف گھوڑے کو ایک ہی حصہ دیا جائے گا، امام ابو یوسف فرمایا کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا جائے گا اس لیے کہ آپ ﷺ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے دو گھوڑوں کو حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ ایک گھوڑا کبھی تھک جاتا ہے لہٰذا دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت براء بن اوس دو گھوڑے لے گئے تھے مگر آپ ﷺ نے انہیں صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔ اور اس لیے کہ ان واحد میں دو گھوڑوں سے جنگ ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا ان دونوں پر جنگ کرنا استحقاق غنیمت کا ظاہری سبب نہیں ہوگا، اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، اسی لیے تین گھوڑوں کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور حضرت امام ابو یوسف کی روایت کردہ حدیث وہ زائد (بطور نفل) انعام دینے پر محمول ہے جس طرح حضرت سلمہ بن الاکوع کو آپ ﷺ نے دو حصے دیے تھے حالانکہ وہ راجل تھے۔

اور عجمی اور خالص عربی دونوں گھوڑے برابر ہیں، کیونکہ کتاب اللہ میں خوف زدہ کرنا جنسِ خیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے ارشادِ ربانی ہے اور گھوڑوں کو تیار رکھو جس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کیا کرو اور لفظ خیل یکساں طور پر عجمی، عربی، ہجین اور مقرف پر بولا جاتا ہے اور اس لیے کہ عربی گھوڑا اگر دشمن کا پیچھا کرنے یا خود پچھڑنے میں اقویٰ ہوتا ہے تو عجمی گھوڑا بہت زیادہ صابر ہوتا ہے اور اسے گھمانا آسان ہوتا ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک میں معتبر منفعت ہے اس لیے دونوں گھوڑے حکم میں برابر ہوں گے۔

سامانِ حرب زیادہ ہونے کے سبب حصہ میں زیادتی کا بیان

مال غنیمت میں سے گھڑ سوار کو پیادہ کے مقابلہ میں کتنا حصہ ملے گا؟ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یضرب للفارس منهم ثلاث اسهم: سهمان للفرس، وسهم له، وللرجل سهم على ما جافي الاحاديث والآثار.

گھڑ سوار کو تین حصے ملیں گے: دو اس کے گھوڑے کے لیے اور ایک اس کے لیے، جبکہ پیادہ کو ایک حصہ ملے گا، اس لیے کہ احادیث و آثار میں اسی طرح مذکور ہے۔ پھر آپ نے ان احادیث و آثار کو ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے:

قال ابو يوسف: حدثنا الحسن بن علي بن عمار عن الحكم بن عتيب عن مقسم عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قسم غنائم بدر للفارس سهمان وللرجل سهم.

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے: آدمی کے لیے ایک حصہ ہے اور گھوڑے کے لیے بھی ایک حصہ۔ نیز وہ کہتے تھے کہ میں ایک جانور کو ایک مسلمان آدمی سے افضل قرار نہیں دے سکتا۔ اپنی دلیل کے طور پر وہ یہ حدیث بیان کرتے تھے جو بروایت زکریا بن حارث، بروایت منذر بن ابوخمیصہ ہمدانی ہم سے بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے شام کے کسی علاقہ میں سوار کو ایک حصہ اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اسے جائز قرار دیا۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اسی روایت کی بنیاد پر گھوڑے کے لیے ایک حصہ اور آدمی کے لئے بھی ایک حصہ دینے کے قائل تھے لیکن جن احادیث و آثار میں گھوڑے کے لیے دو حصے اور آدمی کے لیے ایک حصہ مذکور ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ اس حدیث سے زیادہ مستند ہیں اور عام طور پر اسی مسلک کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی سبب یہ نہیں کہ جانور کو آدمی پر فضیلت دی جائے، اگر فضیلت کا لحاظ ہوتا تو یہ بھی نامناسب ہوتا کہ گھوڑے کے لیے بھی ایک حصہ ہو اور آدمی کے لیے بھی ایک، کیونکہ یہ شکل بھی ایک جانور اور ایک

مسلمان آدمی کو برابری کا درجہ دیتی ہے۔

دراصل اس مسلک کی بناء اس بات پر ہے کہ ایک آدمی کے پاس سامانِ حرب دوسرے پیدل آدمی سے زیادہ ہوتا ہے تقسیم میں اس تفریق کا۔منشاء یہ ہے کہ لوگوں کو راہ خدا کے لیے گھوڑے تیار رکھنے کی طرف رغبت ہو۔ظاہر ہے کہ گھوڑے کا حصہ بھی اس کے مالک ہی کو ملتا ہے نہ کہ گھوڑے کو۔اپنے شیخ سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود آپ اس مسئلہ میں توسع سمجھتے ہیں، اسی لیے آپ نے یہ مسئلہ ذکر کرنے کے بعد خلیفہ وقت کو لکھا ہے کہ امیر المومنین ! آپ ان دونوں میں سے جس رائے کو مناسب سمجھیں، اختیار کریں۔ جو پالیسی آپ کو مسلمانوں کے حق میں بہتر اور مفید نظر آئے، اسے اختیار کیجیے کیونکہ اس میں آپ کے لیے کافی گنجائش ہے، ان شاء اللہ۔

لیکن آپ کا اپنا رجحان یہی ہے کہ گھڑ سوار کو کل تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ ملے گا۔اسی رائے کو آپ نے اس کتاب میں مشرکوں اور باغیوں سے لڑائی کے ضمن میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔

گھڑ سوار کے حصوں میں فقہی مذاہب

حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کرتے وقت گھوڑے کو دو اور آدمی کو ایک حصہ دیا۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1612)

ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ، ہم سے روایت ہے کہ محمد بن بشار نے انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے انہوں نے سلیم بن اخضر سے اسی طرح کی حدیث نقل کی۔اس باب میں مجمع بن جاریہ، ابن عباس اور ابن ابی عمرہ (سے ان کے والد) سے بھی احادیث منقول ہیں۔ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے۔اکثر صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ گھڑ سوار کو تین حصے دیے جائیں ایک اس کا اور دو گھوڑے کے۔جب کہ پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1613)

دارالحرب میں داخل ہونے کے بعد گھوڑے کے ہلاک ہونے کا بیان

(وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ) وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ عَلَى عَكْسِهِ فِي الْفَصْلَيْنِ ، وَهَكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ .وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَنَا حَالَةُ الْمُجَاوَزَةِ ، وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمُجَاوَزَةُ وَسِيلَةٌ إلَى السَّبَبِ

كَالْخُرُوجِ مِنَ الْبَيْتِ ، وَتَعْلِيقِ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلَى إِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَيْهِ ، وَلَوْ تَعَذَّرَ أَوْ تَعَسَّرَ تَعَلَّقَ بِشُهُودِ الْوَقْعَةِ ؛ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ .

وَلَنَا أَنَّ الْمُجَاوَزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمْ الْخَوْفُ بِهَا وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِهَا ؛ وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ ؛ وَكَذَا عَلَى شُهُودِ الْوَقْعَةِ لِأَنَّ حَالَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ فَتُقَامُ الْمُجَاوَزَةُ مَقَامَهُ إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمُفْضِي إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ بِحَالَةِ الْمُجَاوَزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا .

ترجمہ

جو شخص سوار ہو کر دارالحرب میں داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو وہ گھوڑ سواروں کے حصے کا مستحق ہوگا اور جو شخص پیدل داخل ہوا پھر اس نے کوئی گھوڑ خریدا تو وہ راجل کے حصے کا مستحق ہوگا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حکم اس کے برعکس ہے اور دوسری صورت میں ابن المبارک نے بھی امام ابوحنیفہ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک جنگ ختم ہونے کی حالت معتبر ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ استحقاقِ غنیمت کا سبب قہر اور جنگ ہے، لہٰذا ہر شخص کے حق میں وقت جنگ کی حالت معتبر ہوگی۔ اور اسر حد پار کرنا سبب استحقاق کا ذریعہ ہے جس طرح گھر سے نکلنا۔ اور جنگ پر احکام کو معلق کرنا جنگ پر واقف ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر جنگ پر واقفیت ناممکن ہو تو (اس صورت میں) جنگ میں شریک ہونے پر احکام متعلق ہوں گے، کیونکہ جنگ میں شریک ہونا جنگ کے قریب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا ہی جنگ ہے، کیونکہ مجاوزت سے دشمن خائف ہو جاتا ہے اور مجاوزت کے بعد والی حالت حالتِ دوام ہے اور اس حالت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ جنگ کی حقیقت پر واقف ہونا دشوار ہے نیز میدانِ جنگ میں شرکت کرنے والوں پر مطلع ہونا بھی ناممکن ہے اس لیے کہ وہ مڈ بھیڑ کرنے کی حالت ہے لہٰذا مجاوزت کو جنگ کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، کیونکہ مجاوزت ہی جنگ کا ظاہری سبب ہے جبکہ سرحد پار کرنے والا جنگ کے ارادے سے گیا ہو اس لیے ہر مجاہد کے حق میں حالت مجاوت ہی کا اعتبار ہوگا خواہ وہ فارس ہو کر داخل ہوا ہے۔

دارالحرب میں گھوڑا خرید کر جہاد کرنے والے کا حصہ

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سوار دو چند غنیمت کا اس وقت مستحق ہوگا جب دارالاسلام سے جدا ہونے کے وقت اس کے پاس گھوڑا ہو لہٰذا جو شخص دارالحرب میں بغیر گھوڑے کے آیا اور وہاں گھوڑا خرید لیا تو پیدل کا حصہ پائے گا اور اگر گھوڑا تھا مگر وہاں پہنچ کر مر گیا تو سوار کا حصہ پائے گا اور سوار کے دوچند حصہ پانے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس کا گھوڑا مریض نہ ہو اور بڑا ہو

یعنی لڑائی کے قابل ہو اور اگر گھوڑا بیمار تھا اور غنیمت سے قبل اچھا ہو گیا تو سوار کا حصہ پائے گا ورنہ نہیں اور اگر بچھیرا تھا اور غنیمت کے قبل جوان ہو گیا تو نہیں اور اگر گھوڑا لیکر چلا مگر سرحد پر پہنچنے سے پہلے کسی نے غصب کرلیا یا کوئی دوسرا شخص اس پر سواری لینے لگا یا گھوڑا بھاگ گیا اور یہ شخص دارالحرب میں پیدل داخل ہوا تو اگر ان صورتوں میں لڑائی سے پہلے اسے وہ گھوڑا مل گیا تو سوار کا حصہ پائے گا ورنہ پیدل کا اور اگر لڑائی سے پہلے یا جنگ کے وقت گھوڑا بیچ ڈالا تو پیدل کا حصہ پائے گا۔(درمختار، کتاب الجہاد)

جب سوار ہوکر آنے والے نے پیدل جہاد کیا

وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِضِيقِ الْمَكَانِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالِاتِّفَاقِ ، وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ أَجَّرَ أَوْ رَهَنَ فَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اعْتِبَارًا لِلْمُجَاوَزَةِ .وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرَّجَّالَةِ لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ بِالْمُجَاوَزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا .

وَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ ، وَكَذَا إذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ .وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَرَضَهُ التِّجَارَةُ فِيهِ إلَّا أَنَّهُ يَنْتَظِرُ عِزَّتَهُ

ترجمہ

اور جب کوئی مجاہد سوار ہوکر داخل ہوا، اور جگہ تنگ ہونے کی سبب سے اس نے پیدل جہاد کیا تو وہ (بالاتفاق) گھوڑسواروں کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کوئی سوار ہوکر داخل ہوا پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کردیا یا ہبہ کردیا یا اجرت پر دیدیا یا رہن رکھ دیا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن کی روایت میں وہ شخص فرسان کے حصے کا مستحق ہوگا یہ حکم مجاوزت کا اعتبار کرنے پر مبنی ہے، اور ظاہر الروایہ میں وہ راجل کے حصے کا حق دار ہوگا، کیونکہ ان تصرفات پر اس کا اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سرحد پار کرنے سے سوار ہوکر جنگ کرنا اس کا مقصد نہیں تھا۔ اور اگر جنگ کے بعد اس نے گھوڑا فروخت کیا تو (اس کے حق میں) فرسان کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب اس نے جنگ کی حالت میں گھوڑا فروخت کیا تو بھی بعض حضرات کے نزدیک یہی حکم ہے، مگر اصح یہ ہے کہ اس کے لیے سہم الفرسان نہیں ہوگا، کیونکہ فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقصد گھوڑے کی تجارت کرنا تھا مگر وہ اس کی قیمت بڑھنے کا منتظر تھا۔

مجاہد کے گھوڑے کا غصب ہو جانے کا بیان

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص گھوڑا لیکر چلا مگر سرحد پر پہنچنے سے پہلے کسی نے غصب کرلیا یا کوئی دوسرا شخص اس پر سواری لینے لگا یا گھوڑا بھاگ گیا اور یہ شخص دارالحرب میں پیدل داخل ہوا تو اگر ان صورتوں میں لڑائی سے پہلے اسے وہ گھوڑا مل گیا تو سوار کا حصہ پائے گا ورنہ پیدل کا اور اگر لڑائی سے پہلے یا جنگ کے وقت گھوڑا بیچ ڈالا تو پیدل کا حصہ پائے گا۔(ردمحتار، کتاب الجہاد)

مال غنیمت میں عورتوں، بچوں کے حصے کا بیان

(وَلَا يُسْهِمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يَرْضَخُ لَهُمْ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى الْإِمَامُ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيدِ وَكَانَ يَرْضَخُ لَهُمْ) وَلَمَّا اسْتَعَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالْيَهُودِ عَلَى الْيَهُودِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنْ الْغَنِيمَةِ :يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ ، وَلِأَنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ ، وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ ، وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرْضُهُ ، وَالْعَبْدُ لَا يُمْكِنُهُ الْمَوْلَى وَلَهُ مَنْعُهُ ، إلَّا أَنَّهُ يَرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيضًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتْبَتِهِمْ ، وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمَوْلَى عَنْ الْخُرُوجِ إلَى الْقِتَالِ ثُمَّ الْعَبْدُ إنَّمَا يَرْضَخُ لَهُ إذَا قَاتَلَ لِأَنَّهُ دَخَلَ لِخِدْمَةِ الْمَوْلَى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ ، وَالْمَرْأَةُ يَرْضَخُ لَهَا إذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجَرْحَى ، وَتَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى لِأَنَّهَا عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْقِتَالِ فَيُقَامُ هَذَا النَّوْعُ مِنْ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ ، وَالذِّمِّيُّ إنَّمَا يَرْضَخُ لَهُ إذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيقِ ، وَلَمْ يُقَاتِلْ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ ، إلَّا أَنَّهُ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إذَا كَانَتْ فِيهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيمَةٌ ، وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمَ إذَا قَاتَلَ ؛ لِأَنَّهُ جِهَادٌ ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَا يُسَوَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِي حُكْمِ الْجِهَادِ .

ترجمہ

اور مال غنیمت سے غلام، عورت، بچہ اور ذمی کو حصہ نہیں دیا جائے گا مگر امام اپنی صواب دید کے مطابق انھیں کچھ دیدے گا اس

دلیل سے جومروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے حصہ نہیں لگاتے تھے تاہم انھیں تھوڑا مال عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ نے یہود خیبر کے خلاف مدینہ منورہ کے کچھ یہودیوں سے مدد لی تھی تو آپ نے ان لوگوں کو مال غنیمت سے کچھ نہیں دیا تھا یعنی ان کا حصہ نہیں لگایا تھا، اور اس لیے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے اور بچہ اور عورت جہاد سے عاجز ہوتے ہیں، اسی لیے ان پر جہاد فرض نہیں ہے اور غلام کو اس کا آقا جہاد کی اجازت وقدرت نہیں دے گا اور (اجازت کے بعد) اسے منع کرنے کا بھی حق ہے مگر انھیں جنگ پر آمادہ رنے کے لیے اور ان کا مقام گھٹاتے ہوئے انھیں کچھ دیدیا جائے گا۔ اور مکاتب غلام کے درجے میں ہے کیونکہ اس میں بھی رقیت موجود ہے اور اس کے عاجز ہونے کا وہم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس کا آقا اسے جنگ کے لیے جانے سے منع کردے۔

پھر غلام کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ جنگ کرے گا، کیونکہ وہ آقا کی خدمت کے لیے دارالحرب گیا ہے تو وہ تاجر کی طرح ہوگیا۔ اور عورت کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ زخمیوں کو دوا دیتی ہو اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی ہو اس لیے کہ وہ حقیقی جنگ سے بے بس ہوتی ہے، لہٰذا اس نوع کی امداد ہی اس کے حق میں جنگ کے قائم مقام ہوگی۔ برخلاف غلام کے، کیونکہ غلام حقیقتِ جنگ پر قادر ہوتا ہے۔ اور ذمی کو بھی اسی صورت میں رضخ دیا جائے گا جب اس نے جنگ کیا ہو یا اس نے جنگ کا راستہ بتلایا ہو، اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کی منفعت ہے اور جب اس رہنمائی میں کوئی بڑا فائدہ ہو تو اس ذمی کو غازی کے حصے سے بھی زیادہ مال دیا جائے گا۔ اور جب اس نے صرف جنگ کیا ہو تو اسے دیا جانے والا مال غازی کے حصے سے کم ہونا چاہئے، اس لیے کہ یہ جہاد ہے اور اول (یعنی رہنمائی کرنا) جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی کے درمیان برابری نہیں کی جائے گی۔

عورتوں، بچوں کے حصہ غنیمت میں فقہی مذاہب

یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے عورتوں کو ساتھ لے کر جایا کرتے اور انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ تو ابن عباس نے انہیں لکھا کہ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں شریک فرماتے تھے یا نہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جہاد میں شریک کرتے تھے اور یہ بیماروں کی مرہم پٹی اور علاج وغیرہ کیا کرتی تھی اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے کوئی خاص حصہ مقرر نہیں کیا گیا۔

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ سفیان ثوری اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ عورت اور بچے کا بھی حصہ مقرر کیا جائے۔ اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں بچوں کا بھی حصہ مقرر کیا۔ پس مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس پر عمل کیا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1615)

ابولحم کے مولی عمیر سے روایت ہے کہ میں خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ شریک تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے میرے متعلق بات کی اور بتایا کہ میں غلام ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے لڑائی میں شریک ہونے کا) حکم دیا اور میرے بدن پر ایک تلوار لٹکا دی تھی) ۔ میں کوتاہ قامت ہونے کی سبب سے اسے کھینچتا ہوا چلتا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے مال غنیمت میں سے کچھ گھریلو اشیاء دینے کا حکم دیا۔ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دم بیان کیا جو میں پاگل لوگوں پڑھ کر پھونکا کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس میں سے کچھ الفاظ چھوڑ دینے اور کچھ یاد رکھنے کا حکم دیا۔ اس باب میں ابن عباس سے بھی حدیث منقول ہیں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غلام کو بطور انعام کچھ دے دیا جائے۔ سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1617)

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے، امام ابوحنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ھدایہ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی دوا دارو کرے۔

مال غنیمت سے ذمی کے حصے کا بیان

زہری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی ایک جماعت کو حصہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک تھی۔ یہ حدیث قتیبہ، عبدالوارث بن سعید سے وہ عروہ سے اور وہ زہری سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1619)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں خیبر کے اشعریوں کی جماعت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بھی خیبر فتح کرنے والوں کے ساتھ حصہ مقرر کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جو مسلمانوں سے غنائم کی تقسیم سے پہلے ملے اسے بھی حصہ دیا جائے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1620)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کیلئے نکلے اور حرۃ الوبر (پتھریلی زمین) کے مقام پر پہنچے تو ایک مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو دلیری میں مشہور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا۔ اس حدیث میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مشرک اگر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک بھی ہو تب بھی اس کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک اسے حصہ دیا جائے گا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1618)

خمس کوتین حصوں میں تقسیم کرنے کا بیان

(وَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ : سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُونَ ، وَلَا يُدْفَعُ إلَى أَغْنِيَائِهِمْ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوِي فِيهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيرُهُمْ ، وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ، وَيَكُونُ لِبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلِذِي الْقُرْبَى) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ .

وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِينَ قَسَّمُوهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ عَلَى نَحْوِ مَا قُلْنَاهُ وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً .وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ) وَالْعِوَضُ إنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمُعَوَّضُ وَهُمْ الْفُقَرَاءُ .

وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَّلَ فَقَالَ :(إنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مَعِي هَكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ ، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ) دَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ النَّصْرِ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَا قُرْبُ الْقَرَابَةِ .

ترجمہ

اور جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو اسے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے خاص کیا جائے اور اس میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے محتاج قرابت دار داخل ہوں گے اور انھی کو سب سے مقدم کیا جائے گا مگر ان کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اہل قرابت کو خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا اور اس میں امیر وغریب سب برابر ہوں گے اور وہ خمس ان کے مابین للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی کے لیے ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ پاک نے ولذی القربیٰ کو بغیر تفصیل کے بیان کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے اس خمس کو اسی طرح تین حصوں پر تقسیم کیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور ہمارے لیے ان کا پیشوا ہونا کافی ہے نیز حضرت رسول اکرم ﷺ ن یار ارشاد فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے میل کچیل کو ناپسند کر دیا ہے اور اس کے بدلے تمہیں غنیمت کا پانچواں حصہ دیدیا ہے" اور عوض اسی کے حق میں ثابت ہوتا ہے جو معوض کا مستحق ہوتا ہے اور مستحقین فقراء ہیں اور آپ ﷺ نے بنو مطلب کو نصرت کی سبب سے دیا تھا، کیا دِکھتا نہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں

دیئے کی علت بھی بیان فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی طرح میرے ساتھ رہے جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملالیا۔ آپ ﷺ کا یہ رمان گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ قرب سے مراد قرب نصرت ہے نہ کہ قرب قرابت ہے۔

خمس کی تقسیم کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غنیمت کا پانچواں حصہ جو نکالا گیا ہے اس کے تین حصے کیے جائیں ایک حصہ یتیموں کے لیے اور ایک مسکینوں اور ایک مسافروں کے لیے اور اگر یہ تینوں حصے ایک ہی قسم مثلاً یتیموں یا مساکین پر صرف کردیے، جب بھی جائز ہے اور مجاہدین کو حاجت ہو تو ان پر صرف کرنا بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیئے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1089)

اکثر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے، جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ اسی باب کی دوسری فصل میں منقول روایت سے واضح ہوگا، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ صاحب ھدایہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے۔

خمس میں اللہ تعالی کا نام ذکر کرنے کا بیان

قَالَ (فَأَمَّا ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْخُمُسِ فَإِنَّهُ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرِسَالَتِهِ وَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ وَالصَّفِيُّ شَيْءٌ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَصْطَفِيهِ لِنَفْسِهِ مِنْ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ دِرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُولِ إلَى الْخَلِيفَةِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمْنَاهُ (وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنُّصْرَةِ) لِمَا رَوَيْنَا . قَالَ (وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ : هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ

.وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ :سَهْمُ الْفَقِيرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا مِنْ الْإِجْمَاعِ ، وَلِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظَرًا إلَى الْمَصْرِفِ فَيُحَرِّمُهُ كَمَا حَرَّمَ الْعِمَالَةَ .وَجْهُ الْأَوَّلِ وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ ، وَالْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلَى سُقُوطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ ، أَمَّا فُقَرَاؤُهُمْ فَيَدْخُلُونَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ خمس میں اللہ کے نام کا ذکر اس نام سے برکت حاصل کرنے کے مقصد سے افتتاح کے لیے ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی رحلت سے آپ کا حصہ ساقط ہوگیا جس طرح صفی ساقط ہوگیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ اپنی رسالت کی سبب سے اس سہم کے مستحق تھے اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے۔اور صفی وہ شی ہے جس کو آپ ﷺ غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرماتے تھے جس طرح زرہ، تلوار اور باندی، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو دیا جائے گا مگر ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

نبی کریم ﷺ کے قرابت دار آپ کے زمانے میں نصرت کی سبب سے حصہ پاتے تھے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کرچکے ہیں اور آپ کے بعد فقر کی سبب سے حصہ پائیں گے، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری نے جو یہ بیان کیا ہے وہ امام کرخی کا قول ہے، امام طحاوی فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کے محتاج قرابت داروں کا حصہ بھی ساقط ہے اس اجماع کی سبب سے جو ہم روایت کرچکے ہیں۔اور اس لیے کہ مصرف کی طرف نظر کرتے ہوئے اس میں صدقہ کے معنی موجود ہیں لہٰذا عمالہ کی طرح یہ بھی حرام ہوگا۔

پہلے قول کی دلیل کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضور اکرم ﷺ کے محتاج قرابت داروں کو خمس سے حصہ دیا ہے اور اجماع مالداروں کا حق ساقط ہونے پر منعقد ہوا ہے۔رہے فقراء تو وہ ان تینوں اصناف می داخل ہوں گے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بنو ہاشم و بنو مطلب کے یتامیٰ اور مساکین اور مسافر اگر فقیر ہوں تو یہ لوگ بہ نسبت دوسروں کے خمس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اور فقراء تو زکاۃ بھی لے سکتے ہیں اور یہ نہیں لے سکتے اور یہ لوگ غنی ہوں تو خمس میں ان کا کچھ حق نہیں۔(درمختار، کتاب الجہاد)

دارالحرب میں لوٹنے والوں کے داخل ہونے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الِاثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرَيْنِ بِغَيْرِ إذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ) لِأَنَّ الْغَنِيمَةَ هُوَ الْمَأْخُوذُ قَهْرًا وَغَلَبَةً لَا اخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً ، وَالْخُمُسُ وَظِيفَتُهَا ، وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الِاثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ

يُخَمَّسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَذِنَ لَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدْ الْتَزَمَ نُصْرَتَهُمْ بِالْإِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنَعَةِ (فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَا مَنَعَةٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خُمِّسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ) لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ قَهْرًا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيمَةً، وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْصُرَهُمْ إِذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِينَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نُصْرَتُهُمْ.

ترجمہ

جب ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرنے کے لیے دارالحرب میں داخل ہوئے اور انھوں نے کچھ لے لیا تو اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ غنیمت والا مال ہے جو قہر اور غلبہ سے لیا جائے۔ اچک کر اور چوری سے نہ لیا جائے اور خمس مال غنیمت سے ہی لیا جاتا ہے۔ اور جب ایک یا دو آدمی امام کی اجازت سے داخل ہوئے تو اس میں دو روایات ہیں، مشہور یہ ہے کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا، کیونکہ جب امام نے انھیں اجازت دیدی تو اس نے امداد کے ذریعے ان کی نصرت کو لازم کرلیا تو یہ لاؤ لشکر کی طرح ہوگیا۔ پھر جب کوئی ایسی جماعت جس کو قوت حاصل ہو دارالحرب میں داخل ہوئی اور ان لوگوں نے کچھ مال لوٹ لیا تو اس میں سے خمس طرح ہوگیا۔ پھر جب کوئی ایسی جماعت جس کو قوت حاصل ہو دارالحرب میں داخل ہوئی اور ان لوگوں نے کچھ مال لوٹ لیا تو اس میں سے خمس نکالا جائے گا جب چہ امام نے انھیں اجازت نہ دی ہو، کیونکہ یہ مال زور اور غلبہ سے لیا گیا ہے لہٰذا غنیمت ہوگا۔ اور اس لیے کہ امام پر ان کی نصرت کرنا واجب ہے، کیونکہ جب امام نے ان کو رسوا کردیا تو اس میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی۔ برخلاف ایک اور دو کے کیونکہ امام پر ان کی نصرت واجب نہیں ہے۔

بادشاہ کی اجازت حملہ میں حاصل شدہ مال غنیمت ہوگا

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو جماعت بادشاہ سے اجازت لیکر دارالحرب میں گئی یا باقوت جماعت بغیر اجازت گئی اور شب خون مار کر وہاں سے مال لائی تو یہ غنیمت ہے خمس لیکر باقی تقسیم ہوگا اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی نہ اجازت لی نہ باقوت جماعت ہے تو جو کچھ حاصل کیا سب انھیں کا ہے خمس نہ لیا جائے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ اگر کچھ لوگ اجازت سے گئے تھے اور کچھ بغیر اجازت اور یہ لوگ باقوت بھی نہ تھے تو اجازت والے جو کچھ مال پائیں گے اس میں سے خمس لیکر باقی ان پر تقسیم ہوجائیگا اور دوسرے فریق نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں نہ خمس ہے نہ تقسیم بلکہ جس نے جتنا پایا وہ اسی کا ہے اس کا ساتھ والا بھی اس میں شریک نہیں۔ اور اگر اجازت والے اور بے اجازت دونوں مل گئے اور ان کے اجتماع سے قوت پیدا ہوگئی تو اب خمس لیکر غنیمت کی مثل تقسیم ہوگی یعنی ایک نے بھی جو کچھ پایا ہے وہ سب پر تقسیم ہوجائیگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

فصل فی التنفیل

﴿یہ فصل زائد انعام دینے کے بیان میں ہے﴾

فصل تنفیل کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے مال غنیمت کے احکام اوراس کی تقسیم کے احکام کے بعد مجاہدین اسلام کوامام کی جانب سے زائد مال دینے سے متعلق احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہےاوراس کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ حالت جنگ میں حاصل ہونے والے مال سے بھی ایک مال ہے لہذا غنیمت کی طرح ہوا ہےاور مجاہدین میں شوق شہادت یا غلبہ اسلام میں زیادہ جذبات ابھارنے کے سبب جب امام مجاہدین کوزیادہ مال دینے کا اعلان کردے تو یہ جائز ہے۔اور یہ چونکہ غنیمت کے سواایک زائد حکم ہے جوامام کی صوابدید پر ہے اس لئے اس کوغنیمت وتقسیم غنیمت کے بعد ذکر کیا ہے۔کیونکہ زائد ہمیشہ اصل اور مقصود کے بعد ہوا کرتا ہے۔

نفل (زائد مال) کا فقہی مفہوم

نفل،انفال کی واحد ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں،یہ مال واسباب کو کہا جاتا ہے،جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے، جس کوغنیمت بھی کہا جاتا ہے اس کو(نفل) (زیادہ) کیونکہ اجاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔یہ گویاامت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے کیونکہ یہ جہاد کے اجر سے(جو آخرت میں ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

نفل اس اضافے اور زیادتی کو کہا جاتا ہے جو کسی کو اسکے حقِ واجب سے زیادہ دی جائے اس طرح جو چیز حق واجب سے زیادہ اداء کی جائے اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے۔اسی لئے فرائض وواجبات اور سنن رواتب سے زائد ادا کی جانے والی عبادت کو بھی نفل کہا جاتا ہے۔

اموال زائدہ یا انفال سے مراد وہ اموال ہیں جو کسی کی محنت کا صلہ نہ ہوں بلکہ اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا کیے ہوں اوران کی کئی اقسام ہیں مثلاً (۱) اموال غنیمت جو اگرچہ مجاہدین کی محنت کا صلہ معلوم ہوتا ہے۔تاہم اسے اس لیے انفال میں شمار کیا گیا کہ پہلی امتوں پر غنیمت کے اموال حرام تھے۔ایسے سب اموال ایک میدان میں اکٹھے کردیے جاتے پھر رات کو آگ اتر کران کو بھسم کردیتی تھی۔مگراس امت پر حلال کی گئی ہے(۲) اموال فے یعنی ایسے اموال جو لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں(۳) اموال سلب یعنی وہ مال جو ایک مجاہد مقتول دشمن کے جسم سے اتارتا ہے(۴) دیگر اموال جس طرح جزیہ،صدقات اورعطیات وغیرہ۔یہ سب انفال کے ضمن میں آتے ہیں۔

مال نفل کے شرعی ماخذ کا بیان

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الانفال، ۶۵)

اے غیب کی خبریں بتانے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے دوسو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے کیونکہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صابر رہے تو بمدد الٰہی دس گنے کافروں پر غالب رہے گی کیونکہ کفار جاہل ہیں اور ان کی غرض جنگ سے نہ حصولِ ثواب ہے، نہ خوفِ عذاب، جانوروں کی طرح لڑتے بھڑتے ہیں تو وہ لِلّٰہیت کے ساتھ لڑنے والوں کے مقابل کیا ٹھہر سکیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازِل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا ایک، دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے پھر آیت "اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ" نازِل ہوئی تو یہ لازم کیا گیا کہ ایک سو، دوسو ۲۰۰ کے مقابل قائم رہیں یعنی دس گنے سے مقابلہ کی فرضیت منسوخ ہوئی اور دو گنے کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع رکھا گیا۔ (خزائن العرفان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلا رہا ہے اور انہیں اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ انہیں دشمنوں پر غالب کرے گا چاہے وہ ساز وسامان اور افرادی قوت میں زیادہ ہوں، ٹڈی دل ہوں اور گو مسلمان بیسر وسامان اور مٹھی بھر ہوں۔ فرماتا ہے اللہ کافی ہے اور جتنے مسلمان تیرے ساتھ ہوں گے وہی کافی ہیں۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی کے وقت مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے بدر کے دن فرمایا اٹھو اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی ہے۔

حضرت عمیر بن حمام کہتے ہیں اتنی چوڑی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی اس نے کہا واہ واہ آپ نے فرمایا یہ کس ارادے سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ نے فرمایا میری پیشگوئی ہے کہ تو جنتی ہے وہ اٹھتے ہیں دشمن کی طرف بڑھتے ہیں اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں جتنی دیر میں انہیں کھاؤں اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جوہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہیں اور حملہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں رضی اللہ عنہ ورجاء۔

ابن المسیب اور سعد بن جبیر فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عمر کے اسلام کے وقت اتری جب کہ مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس کی ہوئی۔ لیکن اس میں ذرا نظر ہے اس لیے کہ یہ آیت مدنی ہے حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ مکہ شریف کا ہے۔ حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ کی ہجرت سے پہلے کا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ تم میں سے بیس ان کافروں میں سے دوسو پر غالب آئیں گے۔ایک سوایک ہزار پر غالب رہیں گے غرض ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے کا ہے۔پھر حکم منسوخ ہو گیا لیکن بشارت باقی ہے جب یہ حکم مسلمانوں پر گراں گذرا۔ایک دس کے مقابلے سے ذرا جھجکا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور فرمایا۔اب اللہ نے بوجھ ہلکا کر دیا۔لیکن جتنی تعداد کم ہوئی اتنا ہی صبر ناقص ہو گیا پہلے حکم تھا کہ بیس مسلمان دوسو کافروں سے پیچھے نہ ہٹیں اب یہ ہوا کہ اپنے سے دگنی تعداد یعنی سو دوسو سے نہ بھاگیں۔پس گرانی گذرنے پر ضعیفی اور ناتوانی کو قبول فرما کر اللہ نے تخفیف کر دی۔پس دگنی تعداد کے کافروں سے تو لڑائی میں پیچھے ہٹنا لائق نہیں ہاں اس سے زیادتی کے وقت طرح دے جانا جرم نہیں۔

ابن عمر فرماتے ہیں یہ آیت ہم صحابیوں کے بارے میں اتری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھ کر فرمایا پہلا حکم اٹھ گیا۔
(مستدرک حاکم)

امام کا حالت جہاد میں زائد مال دینے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنَفِّلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِهِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُولَ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" وَيَقُولَ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ) مَعْنَاهُ بَعْدَمَا رَفَعَ الْخُمُسَ لِأَنَّ التَّحْرِيضَ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) وَهَذَا نَوْعُ تَحْرِيضٍ ، ثُمَّ قَدْ يَكُونُ التَّنْفِيلُ بِمَا ذَكَرَ وَقَدْ يَكُونُ بِغَيْرِهِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ بِكُلِّ الْمَأْخُوذِ لِأَنَّ فِيهِ إبْطَالَ حَقِّ الْكُلِّ ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ ؛ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إلَيْهِ وَقَدْ يَكُونُ الْمَصْلَحَةُ فِيهِ (وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ إحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ) لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيهِ بِالْإِحْرَازِ .

ترجمہ

فرمایا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جنگ کی حالت میں امام زائد مال کرے اور غازیوں کو جنگ پر آمادہ کرتے ہوئے یوں کہے جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کو ملے گا اور سریہ والوں سے یوں کہے میں نے خمس کے بعد غنیمت کا چوتھائی مال تمہارے لیے خاص کر دیا یعنی خمس نکالنے کے بعد۔کیونکہ تحریض علی الجنگ مستحب ہے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " اے نبی ﷺ مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کیجئے" اور یہ بھی ایک قسم کی تحریض ہے پھر کبھی زائد مال اس طرح ہوتی ہے جو بیان کی گئی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے،مگر امام کو پورے مال کی زائد مال نہیں کرنی چاہئے،کیونکہ اس میں سب کے حق کا ابطال ہے مگر جب سریہ کے ساتھ ایسا کیا تو جائز ہے،کیونکہ امام ہی کو تصرف کا حق ہے اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے۔اور مال غنیمت کو دارالاسلام میں لے آنے کے بعد امام زائد مال نہیں کر سکتا،کیونکہ احراز کی سبب سے اس مال میں دوسرے کا حق پختہ ہو جاتا ہے۔

غنیمت سے زائد مال دینے میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک تو یہاں نفل سے مراد پانچویں حصے کے علاوہ وہ انعامی چیزیں ہیں جو امام اپنے سپاہیوں کو عطا فرمائے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانچویں حصے کا مسئلہ پوچھا جو چار ایسے ہی حصوں کے بعد رہ جائے۔ پس یہ آیت اتری۔

حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ فرماتے ہیں لڑائی والے دن اس سے زیادہ امام نہیں دے سکتا بلکہ لڑائی کے شروع سے پہلے اگر چاہے دے دے۔ عطا فرماتے ہیں کہ یہاں مراد مشرکوں کا وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے مل جائے خواہ جانور ہو خواہ لونڈی غلام یا اسباب ہو پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی تھا آپ کو اختیار تھا کہ جس کام میں چاہیں لگائیں تو گویا ان کے نزدیک مال فے انفال ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی رسالے کو بعوض ان کی کارکردگی یا حوصلہ افزائی کے امام انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے اسے انفال کہا جاتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ بدر والے دن جب میرے بھائی عمیر قتل کئے گئے میں نے سعید بن عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی جس کو ذوالکتیعہ کہا جاتا تھا سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے باقی مال کے ساتھ رکھ آؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس وقت میرے دل پر کیا گذری۔ ایک طرف بھائی کی قتل کا صدمہ دوسری طرف اپنا حاصل کردہ سامان واپس ہونے کا صدمہ۔ ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا جو سورہ انفال نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور وہ تلوار جو تم ڈال آئے ہو لے جاؤ۔

مسند میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکوں سے بچالیا اب آپ یہ تلوار مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا سنو نہ یہ تمہاری ہے نہ میری ہے۔ اسے بیت المال میں داخل کر دو میں نے رکھ دی اور میرے دل میں خیال آیا کہ آج جس نے مجھ جیسی محنت نہیں کی اسے یہ انعام مل جائے گا یہ کہتا ہوا جا ہی رہا تھا جو آواز آئی کہ کوئی میرا نام لے کر میرے پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے لوٹا اور پوچھا کہ حضور کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری؟ آپ نے فرمایا ہاں تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی اس وقت وہ میری نہ تھی اب وہ مجھے دے دی گئی اور میں تمہیں دے رہا ہوں، پس آیت

(يَسْــــــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)-8 الانفال 1:)

اس بارے میں اتری ہے جو ابوداؤد طیالسی میں انہی سے مروی ہے کہ میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ مجھے بدر

والے دن ایک تلوار ملی میں اسے لے کر سرکار رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمایئے آپ نے فرمایا جاؤ جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو۔ میں نے پھر طلب کی آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ میں نے پھر مانگی آپ نے پھر یہی فرمایا اسی وقت یہ آیت اتری۔ یہ پوری حدیث ہم نے آیت

(وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ)-29 العنكبوت8:)

کی تفسیر میں وارد کی ہے۔ پس ایک تو یہ آیت دوسری آیت

(وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ 14)-31 لقمان14:) تیسری آیت (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ 90)-5 المآئده90:)، چوتھی آیت وصیت (صحیح مسلم شریف)

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت ابوسعید مالک بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مجھے سیف بن عائد کی تلوار ملی جس کو مرزبان کہا جاتا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو وہ جمع کرادے، میں بھی گیا اور وہ تلوار رکھ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی آپ سے کچھ مانگتا تو آپ انکار نہ کرتے۔

حضرت ارقم بن ارقم خزاعی رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کو دیکھ کر آپ سے اسی کا سوال کیا آپ نے انہیں عطا فرمادی۔ اس آیت کے نزول کا سبب مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ابوامامہ نے حضرت عبادہ سے انفال کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم بدریوں کے بارے میں ہے جبکہ ہم مال کفار کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جھگڑے بڑھ گئے تو یہ آیت اتری اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوگئی اور حضور نے اس مال کو برابری سے تقسیم فرمایا۔

مسند احمد میں ہے کہ ہم غزوہ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ہماری ایک جماعت نے تو ان کا تعاقب کیا کہ پوری ہزیمت دے دے دوسری جماعت نے مال غنیمت میدان جنگ سے سمیٹنا شروع کیا اور ایک جماعت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد کھڑی ہوگئی کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچائے۔ رات کو سب لوگ جمع ہوئے اور ہر جماعت اپنا حق اس مال پر جتانے لگی۔ پہلی جماعت نے کہا دشمنوں کو ہم نے ہی ہرایا ہے۔ دوسری جماعت نے کہا مال غنیمت ہمارا ہی سمیٹا ہوا ہے۔

تیسری جماعت نے کہا ہم نے حضور کی چوکیداری کی ہے پس یہ آیت اتری اور حضور نے خود اس مال کو ہم میں تقسیم فرمایا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ حملے کی موجودگی میں چوتھائی بانٹتے اور لوٹتے وقت تہائی آپ انفال کو مکروہ سمجھتے۔ ابن مردویہ میں ہے

کہ بدر والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ایسا کرے اسے یہ انعام اور جو ایسا کرے اسے یہ انعام۔ اب نوجوان تو دوڑ پڑے اور کارنمایاں انجام دیئے۔ بوڑھوں نے مورچے تھامے اور جھنڈوں تلے رہے۔ اب جوانوں کا مطالبہ تھا کہ کل مال ہمیں ملنا چاہئے بوڑھے کہتے تھے کہ لشکر گاہ کو ہم نے محفوظ رکھا تم اگر شکست اٹھاتے تو یہیں آتے۔ اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ حضور کا اعلان ہو گیا تھا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے اسے اتنا ملے گا اور جو کسی کافر کو قید کرے اسے اتنا ملے گا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی پکڑ لائے اور حضرت کو وعدہ یاد دلایا اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے کہا کہ پھر تو ہم سب یونہی رہ جائیں گے۔ بزدلی یا بیطاقتی کی سبب سے ہم آگے نہ بڑھے ہوں یہ بات نہیں بلکہ کیونکہ پچھلی جانب سے کفار نہ آ پڑیں، حضور کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اس لئے ہم آپ کے اردگرد رہے، اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری اور آیت

(وَاعْلَمُوْٓا اَنَّـمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 41)-8 الانفال 41:) بھی اتری،

امام ابو عبید اللہ قاسم بن سلام نے اپنی کتاب احوال الشرعیہ میں لکھا ہے کہ انفال غنیمت ہے اور حربی کافروں کے جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئیں وہ سب ہیں پس انفال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں تھے بدر والے دن بغیر پانچواں حصہ نکالے جس طرح اللہ نے آپ کو سمجھایا آپ نے مجاہدین میں تقسیم کیا اس کے بعد پانچواں حصہ نکالنے کے حکم کی آیت اتری اور یہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ابن زید وغیرہ اسے منسوخ نہیں بتلاتے بلکہ محکم کہتے ہیں۔ انفال غنیمت کی جمع ہے مگر اس میں سے پانچواں حصہ مخصوص ہے۔ اس کی اہل کیلئے جس طرح کہ کتاب اللہ میں حکم ہے اور جس طرح کہ سنت رسول اللہ جاری ہوئی ہے۔

انفال کے معنی کلام عرب میں ہر اس احسان کے ہیں جس کو کوئی بغیر کسی پابندی یا سبب کے دوسرے کے ساتھ کرے۔ پہلے کی تمام امتوں پر یہ مال حرام تھے اس امت پر اللہ نے رحم فرمایا اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کیا۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے حضور فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں پھر ان کے ذکر میں ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہ تھیں۔

امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ امام جن لشکریوں کو کوئی انعام دے جو اس کے مقررہ حصہ کے علاوہ ہو اسے نفل کہتے ہیں غنیمت کے اندازاور اس کے کارنامے کے صلے کے برابر یہ ملتا ہے۔

مال نفل کی چار صورتوں کا فقہی بیان

اس نفل کی چار صورتیں ہیں ایک تو مقتول کا مال اسباب وغیرہ جس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسرے وہ نفل جو پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر کسی دشمن پر بھیج دیا وہ غنیمت یا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے دسنے چوتھائی یا تہائی بانٹ دے تیسرے صورت یہ کہ جو پانچواں حصہ نکال کر باقی کا تقسیم ہو چکا ہے، اب امام بقدر خزانہ اور

بقدر شخصی جرات کے اس میں سے جس کو جتنا چاہے دے۔ چوتھی صورت یہ کہ امام پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہی کسی کو کچھ دے مثلاً چرواہوں کو، سائیسوں کو، بہشتیوں کو وغیرہ۔ پھر ہر صورت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے جو سامان اسباب مقتولین کا مجاہدین کو دیا جائے وہ انفال میں داخل ہے، دوسری سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حصہ پانچویں حصے میں سے پانچواں جو تھا اس میں سے آپ جس کو جاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں یہ نفل ہے۔ پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت مسلمانوں کی قلت اور ایسے ہی ضروری وقتوں میں اس سنت کی تابعیداری کرے۔ ہاں جب ایسا موقع نہ ہو تو نفل ضروری نہیں۔ تیسری سبب یہ ہے کہ امام ایک چھوٹی سی جماعت کہیں بھیجتا ہے اور ان سے کہدیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے پانچواں حصہ نکال کر باقی سب اسی کا ہے تو وہ سب انہی کا ہے کیونکہ انہوں نے اسی شرط پر غزوہ کیا ہے اور یہ رضامندی سے طے ہو چکی ہے۔ لیکن ان کے اس بیان میں جو کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ اس میں ذرا کلام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصے میں ملی تھیں میں نے اس کا پورا بیان کتاب السیرہ میں کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔ تم اپنے کاموں میں اللہ کا ڈر رکھو، آپس میں صلح وصفائی رکھو، ظلم، جھگڑے اور مخالفت سے باز آجاؤ۔ جو ہدایت وعلم اللہ کی طرف سے تمہیں ملا ہے اس کی قدر کرو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے رہو، عدل وانصاف سے ان مالوں کو تقسیم کرو۔ پرہیزگاری اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کرو۔

مسند ابویعلی میں ہے کہ حضور بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ مسکرائے اور پھر ہنس دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، کیسے ہنس دیئے؟ آپ نے فرمایا میری امت کے دو شخص اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے ایک نے کہا اللہ میرے بھائی سے میرے ظلم کا بدلہ لے اللہ نے اس سے فرمایا ٹھیک ہے اسے بدلہ دے اس نے کہا اللہ میرے پاس تو نیکیاں اب باقی نہیں رہیں اس نے کہا پھر اللہ میری برائیاں اس پر لادھ دے۔ اس وقت حضور ﷺ کے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے وہ دن بڑا ہی سخت ہے لوگ چاہتے ہوں گے تلاش میں ہوں گے کہ کسی پر ان کا بوجھ لادھ دیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے طالب اپنی نگاہ اٹھا اور ان جنتیوں کو دیکھ وہ دیکھے گا اور کہے گا چاندی کے قلعے اور سونے کے محل میں دیکھ رہا ہوں جو لؤ لؤ اور موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہیں پروردگار مجھے بتایا جائے کہ یہ مکانات اور یہ درجے کسی نبی کے ہیں یا کسی صدیق کے یا کسی شہید کے؟ اللہ فرمائے گا یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت ادا کر دے۔ وہ کہے گا اللہ کس سے ان کی قیمت ادا ہو سکے گی؟ فرمائے گا تیرے پاس تو اس کی قیمت ہے وہ خوش ہو کر پوچھے گا کہ پروردگار کیا؟ اللہ فرمائے گا یہی کہ تیرا جو حق اس مسلمان پر ہے تو اسے معاف کر دے، بہت جلد کہے گا کہ اللہ میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اب اس کا ہاتھ تھام لے اور تم دونوں جنت میں چلے جاؤ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کا آخری حصہ تلاوت فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور آپس کی اصلاح کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، الانفال)

انعام میں زیادہ مال دینے کی اباحت کا بیان

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے بعد حدیبیہ سے واپسی کے دوران راستہ میں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی، سواری کے اونٹ رباح کے ساتھ، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، آگے روانہ کر دیئے میں بھی رباح کے ساتھ ہو لیا، (ہم دونوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور) جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن فزاری نے (جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہنکا کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدین کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یا صباحاہ (یعنی خبردار ! دشمن آ پہنچا) کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکتا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر (یعنی ان کے پیچھے) چل پڑا اس وقت میری زبان پر (بلند آواز میں) رجز یعنی رزمیہ شعر تھے،

میں نے کہا تھا (انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع) یعنی (اے دین کے دشمنو ! کان کھول کر سن لو) میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کا دن برے لوگوں (یعنی تم دشمنان دین) کے ہلاک ہونے کا دن ہے ! میں اسی طرح برابر تیر مارتا اور ان کی سواریوں کی کونچیں کاٹتا (آگے بڑھتا) رہا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو، میں تیر برساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہلکا ہو جانے کے خیال سے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے (یعنی وہ بھاگتے ہوئے اپنی چادریں اور کپڑے بھی پھینکتے جا رہے تھے تاکہ جسم ہلکا ہو جانے کی سبب سے بھاگنے میں آسانی ہو) اور وہ جس چیز کو بھی پھینکتے تھے میں اس پر نشان کے طور پر پتھر رکھ دیتا تھا تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء (اگر پیچھے سے آئیں تو) اس کو پہچان لیں یہاں تک میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو (آتے دیکھا اور پھر (یہ دیکھا کہ) حضرت ابوقتادہ نے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار کہا جاتا تھا، عبدالرحمٰن کو جالیا (جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو ہنکا لے جانا چاہا تھا) اور اس کو قتل کر دیا۔

پھر (اس ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابوقتادہ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر پیادہ سلمہ ابن اکوع ہیں۔" اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو) مجھ کو دو حصے دیئے (ایک حصہ سوار کا (کہ وہ بحسب اختلاف مسلک دو حصے ہیں یا تین حصے) اور ایک حصہ پیادہ کا، دونوں حصے اکٹھا کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی عضباء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1091)

" رضع " دراصل راضع کی جمع ہے جس طرح ارکع کی جمع رکع ہے ! راضع پاجی اور کمینہ شخص کو کہتے ہیں آرام (پہلے الف کے

مد کے ساتھ) ارم کی جمع ہے جس طرح عنب کی جمع اعناب ہے ۔ ارم اس پتھر کو کہتے ہیں جو جنگل و میدان میں راستہ یا کسی دفینہ کے نشان و علامت کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ راستہ میں کوئی چیز پاتے اور اس کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکتے تو اس پر بطور نشان کو یا پتھر رکھ دیتے یا پتھروں کا ڈھیر کر کے اس کے نیچے اس کو چھپا دیتے اور پھر آ کر اسی نشان سے وہ چیز نکال کر لے جاتے۔

حضرت سلمہ اگرچہ پیادہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیادہ کا حصہ دینے کے ساتھ سوار کا حصہ بھی دیا کیونکہ یہ سارا معرکہ ایک طرح سے انہی کی جدوجہد سے سر ہوا گویا وہ اس غزوے کے ایک بڑے منتظم بھی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی ایسے مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ دے دے۔ جس نے جہاد میں بہت زیادہ محنت وجدسبد کی ہوتا کہ لوگ جہاد میں زیادہ سے زیادہ محنت وجدسبد کرنے کی طرف راغب ہوں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے ان میں سے بعض لوگوں کے لئے عام لشکر والوں کی بہ نسبت مخصوص طور پر کچھ زیادہ حصہ لگا دیا کرتے تھے۔ "(بخاری ومسلم)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض مجاہدوں کو ان کے مقررہ حصوں سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے تا کہ انہیں دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کی ترغیب ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو خمس مال میں سے ہمارے مقررہ حصوں کے علاوہ بھی کچھ زیادہ مرحمت فرمایا، چنانچہ میرے حصے میں ایک شارف آئی اور شارف اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوڑھی اور بڑی ہو۔ "(بخاری ومسلم)

خمس سے زائد مال دینے کا بیان

قَالَ (إِلَّا مِنْ الْخُمُسِ) لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْغَانِمِينَ فِي الْخُمُسِ (وَإِذَا لَمْ يَجْعَلْ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ ، وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ إذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسْهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ) وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصْبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَهُ لَهُ ، وَلِأَنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرُ غِنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلَبِهِ إظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ .

وَلَنَا أَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُونُ غَنِيمَةً فَيُقَسَّمُ الْغَنَائِمَ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ . وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِحَبِيبِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ (لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلَبِ قَتِيلِك إلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ إمَامِك) وَمَا رَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصْبَ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّنْفِيلَ فَنَحْمِلُهُ

عَلَى الثَّانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ . وَزِيَادَةُ الْغِنَاءِ لَا تُعْتَبَرُ فِي جِنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

فرمایا اور البتہ خمس سے زائد مال کر سکتا ہے، کیونکہ خمس میں غازیوں کا حق نہیں ہوتا۔ اور جب امام نے قاتل کے لیے مقتول کا سامان مقرر نہ کیا ہو تو وہ سامان من جملہ غنیمت کے ہوگا اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہوں گے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ جب قاتل اس قابل ہو کہ اسے غنیمت سے حصہ دیا جا سکے اور اس نے سامنے سے وار کرنے والے مقتول کو قتل کیا ہو تو وہی مقتول کے سامان کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس نے کسی کو قتل کیا تو قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا اور ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی سے ایک ضابطہ مقرر فرمادیا کیونکہ آپ اسی لیے مبعوث کئے گئے تھے اور اس لیے کہ قاتل نے سامنے سے وار کرنے والے کو قتل کر کے زیادہ نفع پہنچایا ہے لہٰذا اس قاتل کے اور اس کے علاوہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے وہ قاتل اپنے مقتول کے سامان کے ساتھ خاص ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ سامان لشکر کی طاقت کے بل پر حاصل کیا گیا ہے لہٰذا وہ مال غنیمت ہوگا اور غنائم کی طرح اس کی تقسیم ہوگی جس طرح نص قرآنی نے اسے بیان کیا ہے اور آپ ﷺ نے حضرت حبیب بن ابی سلمہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اپنے مقتول کا وہی سامان لے سکتے ہو جو تمہارا امام تمہیں دیدے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث میں قانون بنانے کا بھی احتمال ہے اور بطور نفل دینے کا بھی احتمال ہے لہٰذا ہم حضرت حبیب کی حدیث سے اس روایت کو دوسرے معنی پر محمول کریں گے۔ اور نفع کی زیادتی جنس واحد میں معتبر نہیں ہے، جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔

کافر کے قتل پر انعام دینے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ یا سپہ سالار اگر لڑائی کے پہلے یا جنگ کے وقت کچھ سپاہیوں سے یہ کہدے کہ تم جو کچھ پاؤ گے وہ تمھارا ہے یا یوں کہ تم میں جو جس کافر کو قتل کرے اس کا سامان اس کے لیے ہے تو یہ جائز بلکہ بہتر ہے کہ اس کی سبب سے ان سپاہیوں کو ترغیب ہوگی۔ اور اس کو نفل کہتے ہیں اور اس میں نہ خمس ہے نہ تقسیم بلکہ وہ سب اسی پانے والے کا ہے۔ اگر یہ لفظ کہے تھے کہ جو جس کافر کو قتل کریگا اس مقتول کا سامان وہ لے اور خود بادشاہ یا سپہ سالار نے کسی کافر کو قتل کیا تو یہ سامان لے سکتا ہے اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ یہ سو روپے لو اور فلاں کافر کو مار ڈالو یا یوں کہ اگر تم نے فلاں کافر کو مار ڈالا تو تمھیں ہزار روپے دونگا۔ لڑائی ختم ہونے اور غنیمت جمع کرنے کے بعد نفل دینا جائز نہیں ہاں اگر مناسب سمجھے تو خمس میں سے دے سکتا ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

جن لوگوں کو نفل (انعام) دینا کہا ہے انھوں نے نہیں سنا اوروں نے سن لیا جب بھی اس انعام کے مستحق ہیں۔ (درمختار)

دار الحرب میں لشکر ہے اس میں سے کچھ لوگ کہیں بھیجے گئے اور ان سے یہ کہدیا کہ جو کچھ تم پاؤ گے وہ سب تمھارا ہے تو جائز

ہے اور اگر دار الاسلام سے یہ کہہ کر بھیجا تو نا جائز۔ (فتاویٰ ہندیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز یعنی غزوہ حنین کے دن فرمایا جو شخص کسی کافر (دشمن) کو قتل کرے گا اس (مقتول) کا مال واسباب اسی (قاتل) کو ملے گا۔" چنانچہ ابوطلحہ نے اس دن (دشمن کے) بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سب مال اور اسباب حاصل کیا!۔" (دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1099)

حضرت عوف ابن مالک اشجعی اور حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے مال واسباب کے بارے میں حکم فرمایا کہ وہ قتل کرنے والے کا حق ہے، نیز اس مال واسباب میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نہیں نکالا (جیسا کہ مال غنیمت میں سے نکالتے تھے)۔" (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن مجھ کو ابسیبل کی تلوار (میرے حصہ سے) زائد دی۔ واضح ہو کہ ابسیبل کو عبداللہ بن مسعود ہی نے قتل کیا تھا۔" (ابوداؤد)

جنگ بدر میں ابسیبل کو اصل میں تو انصار مدینہ کے دونوں عمروں نے قتل کیا تھا لیکن حضرت ابن مسعود اس کے قتل کرنے میں ان کے شریک تھے بایں طور کہ اس کا سرتن سے انہوں نے ہی جدا کیا تھا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار حضرت عبداللہ ابن مسعود کو عطا فرمائی۔

مال غنیمت میں چوتھائی حصہ زائد کرنے کا بیان

حضرت حبیب ابن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (کسی غزوے کے موقع پر) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی ابتداء میں (لڑنے والوں کو) مال غنیمت چوتھائی حصہ زائد عطا کیا اور واپسی کے وقت (لڑنے والوں کو) تہائی حصہ زائد عطا کیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1102)

اس حدیث میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ایک مخصوص نوعیت کے معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں جہاد کے شروع ہونے کے وقت اسلامی لشکر کا کوئی دستہ اپنے لشکر سے آگے نکل کر دشمن کے مقابلہ پر پہنچ جاتا اور اپنے پورے لشکر کے پہنچنے سے پہلے دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا چوتھائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی تین چوتھائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے، اسی طرح میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے اسلامی لشکر کے واپس آنے کے بعد اگر مجاہدین کا کوئی دستہ بدستور جنگ میں مشغول رہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی دو تہائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے۔ اور اس دستہ کو تہائی حصہ اس لئے عطا فرماتے کہ پورے لشکر کی واپسی کے بعد صرف چند مجاہدین کا دشمن کے مقابلہ پر جمے رہنا اور لڑائی جاری رکھنا ایک انتہائی سخت مرحلہ اور نہایت خطرناک اقدام اور غیر معمولی حوصلے کا کام ہوتا تھا جب کہ ابتداء میں اتنا سخت مرحلہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس وقت تو

پورا لشکر آ جاتا تھا اوران مجاہدین کی مدد کرتا تھا،اس کے برخلاف لشکر کی واپسی کی صورت میں جب کہ سارے مجاہدین واپس آ جاتے تھے تو اس وقت جنگ کرنا اور دشمن کا مقابلہ کرنا سخت مشکل اوزانتہائی سخت ہوتا تھا

بہرحال ان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصے سے زیادہ عطا کرنا جنگ میں ان کی بہادری، غیر معمولی حوصلہ اور سخت ترین جدسبد کے امتیازی کارنامے کی بنا پر تھا.

"اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جنگ کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے لڑنے والے مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور (لشکر کے) واپس آ جانے کی صورت میں (لڑنے والے مجاہدین کو) خمس نکلنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے۔ "(ابوداؤد)

اوپر کی حدیث میں یہ تو بیان کیا گیا تھا کہ ابتدائے جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کو چوتھائی حصہ اور لشکر کے واپس آ جانے کے بعد لڑنے والے مجاہدین کو تہائی حصہ دیا جاتا تھا لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ یہ چوتھائی یا تہائی حصہ خمس نکالنے کے بعد دیا جاتا تھا اس سے پہلے؟ چنانچہ اس حدیث میں اسی کو واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے مال غنیمت میں سے پہلے خمس نکالتے ،اس کے بعد چوتھائی یا تہائی حصہ اور پھراس کو پورے لشکر کے درمیان تقسیم فرماتے۔

سلب کافقہی مفہوم

(وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسِلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ ، وَكَذَا مَا كَانَ عَلَى مَرْكَبِهِ مِنْ السَّرْجِ وَالْآلَةِ ، وَكَذَا مَا مَعَهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهِ فِي حَقِيبَتِهِ أَوْ عَلَى وَسَطِهِ وَمَا عَدَا ذَلِكَ فَلَيْسَ بِسَلَبٍ) وَمَا كَانَ مَعَ غُلَامِهِ عَلَى دَابَّةٍ أُخْرَى فَلَيْسَ بِسَلَبِهِ ، ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيلِ قَطْعُ حَقِّ الْبَاقِينَ ، فَأَمَّا الْمِلْكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ ، حَتَّى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهُ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ وَطْؤُهَا ، وَكَذَا لَا يَبِيعُهَا .وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَهُ أَنْ يَطَأَهَا وَيَبِيعَهَا ،لِأَنَّ التَّنْفِيلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَهُ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشِّرَاءِ مِنْ الْحَرْبِيِّ ، وَوُجُوبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيلَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور سلب وہ سامان ہے جو مقتول کے جسم پر ہوتا ہے یعنی اس کے کپڑے،اس کے ہتھیار اور اس کی سواری نیز وہ سامان جو اس

کی سواری پر ہو جس کو زین اور لگام اور وہ مال جو اس کے ساتھ کسی تھیلے میں رکھ کر اس کی سواری پر لدا ہو وہ بھی سلب ہے۔ اس کے علاوہ سلب نہیں ہے۔ اور جو سامان اس کے غلام کے ساتھ دوسری سواری پر ہو وہ بھی اس کا سلب نہیں ہے۔

پھر زائد مال کا حکم یہ ہے کہ اس مال سے دیگر غازیوں کا حق منقطع ہو جاتا ہے مگر منفل لہ کے لیے دارالاسلام میں احراز کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے اس دلیل کے سبب سے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے۔ حتی کہ جب امام نے یہ کہا کہ جو غازی کوئی لونڈی پائے وہ اسی کی ہے پھر کسی غازی نے ایک لونڈی پائی اور اس نے استبراء کرالیا تو اس غازی کے لیے یہ تو اس باندی سے وطی کرنا درست ہے اور نہ ہی اسے بیچنا جائز ہے یہ حکم حضرات شیخین کے نزدیک ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ان کے لیے وطی کرنا بھی حلال ہے اور اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ امام محمد کے نزدیک زائد مال سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح دارالحرب میں تقسیم کرنے اور حربی سے خریدنے کی صورت میں ثابت ہو جاتی ہے اور اتلاف کی سبب سے ضمان کا وجوب بھی اسی اختلاف پر ہے۔

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کو دینے کا بیان

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) غزوہ حنین کے سال ہم (جہاد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے، جب کافروں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو (کچھ دیر کے لئے) مسلمانوں کو شکست کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آ گیا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار کا (بھرپور) وار کر کے اس کی زرہ کاٹ ڈالی، مجھ پر جھپٹ پڑا اور اس نے اتنے زور سے مجھے دبوچا کہ اس کی سبب سے موت کا مزہ آ گیا (یعنی میں مرنے کے قریب ہو گیا، پھر (میرے ایک اور وار سے) موت نے اسے دبا لیا اور میں اس سے چھوٹ گیا، اس کے بعد میں حضرت عمر ابن خطاب سے ملا اور کہا کہ "لوگوں کو کیا ہو گیا (کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے !؟) انہوں نے کہا" اللہ کا حکم یہی ہے یعنی یہ جو کچھ ہو رہا ہے قضا وقدر الہی کے مطابق ہو رہا ہے۔ "پھر لوگ (اس عارضی پسپائی کے بعد دوبارہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں) واپس آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک جگہ) بیٹھ گئے اور فرمایا کہ "جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو (اور خواہ ایک ہی گواہ ہو) تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی (قتل کرنے والے) شخص کا ہوگا۔" (یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقعہ بیان کروں، لیکن (دل میں) میں نے کہا کہ "میری گواہی کون شخص دے گا (کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے۔") آخر میں بیٹھ گیا،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پھر فرمایا (کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی کا ہوگا) میں نے پھر (کھڑے ہو کر اپنے واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن میں نے دل میں) کہا کہ "میری گواہی کون شخص دے گا !؟ اور میں پھر بیٹھ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح (تیسری مرتبہ) فرمایا، میں (جب اس مرتبہ بھی) کھڑا ہوا (لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابوقتادہ ! کیا بات ہے (تم کسی غرض مند اور

طالب حاجت کی طرح بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتے؟ "(تب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا(کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے) " ایک شخص نے (میری بات سن کر) کہا کہ "ابوقتادہ سچ کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے (کہ یا اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے یا ان کو اس بات پر رضامند کر دیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں) ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر اس شخص سے) کہا کہ "نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں ان (ابوقتادہ) کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے ابوقتادہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے (دشمن سے) لڑتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ان (ابوقتادہ) کا حق ہے وہ تمہیں دے دیں!؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ "ابوبکر ٹھیک کہتے ہیں، تم ابوقتادہ کو اس مشرک (مقتول) کا مال دے دو۔ "چنانچہ اس شخص نے اس کا مال مجھ کو دے دیا اور میں نے (بعد میں) اس مال کے ذریعہ ایک باغ خریدا جو قبیلہ بنو سلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1088)

اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کو کچھ دیر کے لئے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر پسپائی اختیار کی جس سے دشمن کے لشکر کو بظاہر حاوی ہونے کا موقع مل گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں اپنی جگہ پر قائم رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خچر پر سوار تھے جس کی باگ حضرت عباس ابن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ اس عارضی پسپائی کے موقع پر جب کہ اسلامی لشکر میں تقریبا افراتفری کا عالم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بڑی بہادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن کے لشکر پر تن تنہا حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب ، انا ابن عبد المطلب "یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اور جھوٹ نہیں کہتا سچا نبی ہوں۔ "لیکن یہ دونوں حضرات جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی باگ تھام رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیتے تھے، آخر کار حق تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ثابت قدمی بخشی اور اس نے دوبارہ دشمن پر حملہ کر کے اس کے لشکر کو تہس نہس کر دیا اور آخر فتح حاصل کی۔

بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ

﴿یہ باب استیلائے کفار کے بیان میں ہے﴾

باب استیلائے کفار کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب کفار پر ہمارے استیلاء یعنی غلبہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے کفار کے غلبہ سے متعلق احکام کو شروع کیا ہے۔اور اس باب کو سابقہ باب کے ساتھ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اسی کا عکس ہے۔تاکہ مختلف احکام خلقت کے اعتبار سے ابواب کی مطابقت میں شامل ہو جائیں۔پس انہوں نے بعض کفار کا بعض پر استیلاء سے شروع کیا ہے کیونکہ انہوں نے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ کو پسند نہیں کیا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج۸،ص۲۰،بیروت)

اہل ترک کا روم پر غلبہ پانے کا بیان

(وَ إِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّومِ فَسَبَوْهُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوهَا) ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِي مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبَبُ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذَلِكَ) اعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِمْ .

(وَإِذَا غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَأَحْرَزُوهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَمْلِكُونَهَا ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ مَحْظُورٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُورُ لَا يَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ .

وَلَنَا أَنَّ الِاسْتِيلَاءَ وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِيلَائِنَا عَلَى أَمْوَالِهِمْ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلَى مُنَافَاةِ الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ تَمَكُّنِ الْمَالِكِ مِنَ الِانْتِفَاعِ ، فَإِذَا زَالَتِ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ ، غَيْرَ أَنَّ الِاسْتِيلَاءَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ ؛ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الِاقْتِدَارِ عَلَى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَآلًا ، وَالْمَحْظُورُ لِغَيْرِهِ إِذَا صَلَحَ سَبَبًا لِكَرَامَةٍ تَفُوقُ الْمِلْكَ وَهُوَ الثَّوَابُ الْآجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ ؟ .

ترجمہ

اور جب تاریوں نے روم پر غلبہ حاصل کر کے ان کو قید کر دیا ہے اور ان کے اموال لوٹ لیے تو وہ ان اموال کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ مال مباح میں غلبہ ثابت ہو گیا ہے اور غلبہ ہی سبب ملک ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے اور جب ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لیے وہ سب حلال ہوگا جو ہم ان سے حاصل کریں گے جیسا کہ ان کے جملہ املاک کا یہی حکم ہے۔ اور جب نعوذ باللہ وہ ہمارے اموال پر غالب ہو گئے اور انھیں اپنے ملک لے کر چلے گئے تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ (ہمارے اموال پر) کفار کا استیلاء ممنوع ہے ابتداء بھی اور انتہاء بھی اور ممنوع ملک کا سبب نہیں بن سکتا جس طرح علم الاصول میں معلوم ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مال مباح پر قبضہ ہوا ہے لہٰذا مکلف کی دفع حاجت کے پیش نظر وہ استیلاء سبب ملک بن جائے گا جس طرح ان کے اموال پر ہمارا قبضہ ہوتا ہے تو ہم ان اموال کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حکم اس سبب سے ہے کہ اموال کی عصمت اس لیے ثابت ہوتی ہے تا کہ ملک نفع حاصل کرنے پر قادر ہو جائے مگر جب انتفاع کی قدرت ختم ہو گئی تو وہ مال حسب سابق مباح ہو جائے گا، تاہم احراز بالدار کے بغیر مکمل استیلاء ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ استیلاء حال اور مال دونوں میں مقبوضہ چیز میں تصرف قدرت کا نام ہے۔ اور ممنوع لغیرہ جب کسی ایسی کرامت کا سبب ہو جو ملکیت سے بھی بڑھ کر ہو یعنی اخروی ثواب تو ملک عاجل (دنیا منفعت) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

شرح: علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان یا ذمی کا مسلمان غلام بھاگ کر دارالحرب پہنچ جائے اور وہاں کے کافر اس کو پکڑ لیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک نہیں قرار پائیں گے جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک ہو جائیں گے، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا بھی یہی قول ہے لیکن اگر وہ غلام مرتد ہو کر بھاگا ہو اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا ہو تو اس صورت میں تمام آئمہ کے نزدیک وہ اس کے مالک قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان یا ذمی کا کوئی انٹ بھاگ کر چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔ (فتح القدیر، کتاب سیر)

دارالحرب میں ایک کافر نے دوسرے کافر کو قید کر لیا یعنی جنگ میں پکڑ لیا وہ اس کا مالک ہو گیا لہٰذا اگر ہم ان سے خرید لیں یا ان قید کرنیوالوں پر مسلمانوں نے چڑھائی کی اور اس کافر کو ان سے لے لیا تو مسلمان مالک ہو گئے یہی حکم اموال کا بھی ہے۔

(درمختار، کتاب الجہاد)

اگر حربی کافر ذمی کو دارالاسلام سے پکڑ لے گئے تو اس کے مالک نہ ہوں گے، حربی کافر اگر مسلمان کے اموال پر قبضہ کر کے دارالحرب میں لے گئے تو مالک ہو جائیں گے مگر جب تک دارالحرب کو پہنچ نہ جائیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کا پیچھا کریں اور ان سے چھین لیں۔ پھر جب کہ دارالحرب میں لے جانے کے بعد اگر وہ حربی جن کے پاس وہ اموال ہیں مسلمان ہو گئے تو اب بالکل

ان کی ملک ثابت ہوگئی کہ اب ان سے نہیں لیں گے اور اگر مسلمان اُن حربیوں پر دارالحرب میں پہنچنے سے قبل غالب آ گئے تو جس کی چیز ہے اسے دیدیں گے اور کچھ معاوضہ نہ لیں گے اور دارالحرب میں پہنچنے کے بعد غلبہ ہوا اور غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے آ کر کہا کہ یہ چیز میری ہے تو اسے بلا معاوضہ دیدینگے اور غنیمت تقسیم ہونے کے بعد کہا تو اب بقیمت دینگے اور جس دن غنیمت میں وہ چیز ملی اس دن جو قیمت تھی وہ لی جائیگی۔ (درمختار)

مراعات کے سبب اہل ذمہ پر ہونے والے اثر کا بیان

ذمیوں پر ان تمام لطف ومراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست وبازو بن گئے، قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فلما رای اهل الذمته وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صار واالشداء على عدوالمسلمين على اعدائهم

جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اوران کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اوران کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی ومددگار بن گئے۔

رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے؛ لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہرجگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اوراس جنگی تیاری کی خبر دی، حضرت ابوعبیدہؓ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کردیا جائے؛ کیونکہ معاہدے کے رو سے ہم پر ان کی حفاظت واجب ہوگی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے، ان حکام نے جب یہ رقمیں واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے کہ خدا تم کو واپس لائے، اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو واپس نہ دیتے؛ بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے، مسلمانوں کی فتح ہوگئی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابوعبیدہؓ کے پاوں پر ڈالدی، (کتاب الخراج، صفحہ ۸۰) کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آجائیں۔

اس موقعہ کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اوروفادارانہ رہا، حضرت عمرؓ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لئے نکلے، حضرت عمرؓ نے روکنا چاہا، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا (فتوح البلدان، صفحہ) شام کے ایک اورعیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ اگر حضور چند اکابر صحابہ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔
(ادب المفرد باب دعوۃ الذمی)

غلبہ کے سبب مسلمانوں کا اموال کے مالک ہونے کا بیان

(فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُونَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ ، وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيمَةِ إنْ أَحَبُّوا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ (إنْ وَجَدْته قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَك بِغَيْرِ شَيْءٍ ، وَإِنْ وَجَدْته بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَك بِالْقِيمَةِ) وَلِأَنَّ الْمَالِكَ الْقَدِيمَ زَالَ مِلْكُهُ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْأَخْذِ نَظَرًا لَهُ ، إلَّا أَنَّ فِي الْأَخْذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَأْخُوذِ مِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيمَةِ ؛ لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ ، وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيمَةٍ .

ترجمہ

پھر جب مسلمان ان اموال پر غالب آجائیں اور تقسیم سے پہلے ان کے مالک ان اموال کو پالیں تو وہ اموال بغیر عوض ان کے ہوں گے، اور جب تقسیم کے بعد مالکان وہ اموال پائیں تو انھیں قیمت کے عوض لیں گے جب چاہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جب تقسیم سے پہلے تم نے اسے پالیا تو وہ بغیر قیمت تمہارا ہے اور جب تقسیم کے بعد تم نے اسے پایا تو وہ قیمت کے عوض تمہارا ہے۔ اور اس لیے کہ مالکِ قدیم کی ملکیت اس کی مرضی کے بغیر ختم ہوگئی ہے لہٰذا اس پر شفقت کے پیش نظر اسی کو لینے کا حق ہوگا تاہم تقسیم کے بعد لینے میں ماخوذ منہ کا نقصان ہے، کیونکہ اس میں اس کی ملکیت خاص کو زائل کرنا ہے لہٰذا مالکِ قدیم اسے قیمت کے عوض لے گا تا کہ دونوں طرف شفقت ثابت ہو جائے۔ اور تقسیم سے پہلے اس مال میں تمام غازیوں کی شرکت ہے، لہٰذا اس صورت میں نقصان کم ہوگا اس لیے مالک بغیر قیمت کے اسے وصول کرلیا جائے گا۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا گھوڑا بھاگ گیا جس کو دشمنوں (یعنی کافروں) نے پکڑلیا، پھر جب مسلمانوں کو ان دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی اور ان کے مال غنیمت میں وہ گھوڑا بھی آیا) تو ابن عمر کو ان کا گھوڑا واپس کردیا گیا (اور اس کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا گیا) یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "ابن عمر کا غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا، پھر جب مسلمانوں رومیوں پر فتح حاصل ہوئی تو خالد بن ولید نے ابن عمر کو (ان کا غلام) واپس کردیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1092)

ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا اگر کافر مسلمانوں کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہیں

ہوتے، چنانچہ ان کافروں پر مسلمانوں کے غلبہ حاصل کر لینے کی صورت میں اگر وہ غلام مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے تو یہ واجب ہے کہ وہ غلام اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے خواہ یہ واپسی مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے عمل میں آ جائے یا تقسیم کے بعد واپس کرنا پڑے۔

معرکہ روم وفارس کی تاریخی تفصیلات کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔

مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہوگئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی آپ نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے حضرت عبداللہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکی ہیں دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئی۔ اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضور کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیق نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کردو۔اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی)

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔اب تم مشورہ کرلو کہ کسے سردار بناؤ؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔اب تم جسے چاہو سرداری دو۔بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آ گیا۔ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز وشاداب ملک کو ویران وغارت کر دیا۔اوراذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تم ہم بتلادیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔اس بات کا یقین کرلو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہے۔یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں۔اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دونگا ورنہ تم مجھے دینا۔حضرت صدیق اکبر نے یہ شرط قبول کر لی۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔

حضرت ابو بکر چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرو۔چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اسکا سر میرے پاس بھیج

دو۔شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤگے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فورا تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہوگیا اس نے اعلان کردیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کردیا۔اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر بزار کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آجائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کرلی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔اس نے منظور کرلیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فورا تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔بلکہ میں خود ہی آمنے سامنے پیش کرونگا۔پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آجائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔

لیکن احتیاطا اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تا کہ کوئی مکر یا فریب ہو تو کھل جائے۔ جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے۔وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیے گئے دونوں وہاں بےہتھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کرلیا ہے۔لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کرلیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں

آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔ اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں ان کی بحث تو ہم کر چکے ہیں سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غندقانیہ تھی حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔

عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبرا کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغریٰ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی۔ ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یا زیادتی اصلی دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب عید قدس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔ کلیسا اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے

دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر سطوریہ۔ یہ سب سطوز کے مقلد تھے۔ پھران کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ انکے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیرکی دوراندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطیہ میں گھر گیا۔

نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چال چلی اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر راضی ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی۔

قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوٹے تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور ریکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کیا۔ جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباری عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں اسکے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔

جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا

تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کچھ چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔

اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا رومی غالب آگئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔

یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آگئے۔ اذرعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آگئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آگئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ تمہیں احتیاطا دس سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آجائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔ ابن عباس سدی ثوری اور ابوسعید یہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا۔

عکرمہ زہری اور قتادۃ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا ہرقل نے نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا

ہے۔ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھالیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کرونگا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کردیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کیے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کہ نسبت آپ کے اوصاف وعادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔ لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہوچکی تھی ویرانی غیرآبادی وتنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کرکے نذر کو پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لئے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب۔ اور ان کے مقابلے مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رد دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کرلے۔ پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہونگے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔

حضرت زبیر کلامی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھا لیا آخر آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگذر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آجائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے پرودگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے ٹل جائے یا خلاف ہوجائے۔ جو حق کے قریب ہوا سے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتے ہیں ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے نقصان کو پہچان لیتے ہیں بہ ٹھیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور دین میں اخروی

کاموں میں محض جاہل غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور وفکر کی عادت۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتادیا کرتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے۔ لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، روم ۲)

مسلمان تاجر کا دارالحرب میں مال خریدنے کا بیان

(وَإِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذَلِكَ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِهِ ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ) ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْأَخْذِ مَجَّانًا ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعِوَضَ بِمُقَابَلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيمَا قُلْنَاهُ ، وَلَوْ اشْتَرَاهُ بِعَرَضٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَةِ الْعَرَضِ ، وَلَوْ وَهَبُوهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَا يُزَالُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ ، وَلَوْ كَانَ مَغْنُومًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ يَأْخُذُهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَأْخُذُهُ بَعْدَهَا ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيدٍ ، وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوبًا لَا يَأْخُذُهُ لِمَا بَيَّنَّا . وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرًى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا .

ترجمہ

اور جب کسی مسلمان تاجر نے دارالحرب جا کر وہ مال خرید لیا اور اسے دارالاسلام لے آیا تو اس کے مالک اول کو اختیار ہے جب چاہے تو اس ثمن کے عوض لے لے جس کے بدلے مشتری نے اسے خریدا ہے اور جب چاہے تو اسے چھوڑ دے، کیونکہ مفت لینے سے اس تاجر کو نقصان ہوگا کیا دیکھتا نہیں کہ اس تاجر نے اس مال کے بدلے میں عوض دیا ہے لہٰذا شفقت اسی صورت میں ثابت ہوگی جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور جب اس تاجر نے وہ مال کسی سامان کے عوض لیا ہو تو مالک سامان کی قیمت دے کر وہ مال لے گا۔ اور جب کفار نے کسی مسلمانوں کو وہ مال ہبہ کر دیا ہو تو مالک اسکی قیمت دے کر اسے لے گا، کیونکہ موہوب لہ کو خاص ملکیت حاصل ہوئی ہے لہذا قیمت کے بغیر وہ زائل نہیں ہوگی۔

اور جب وہ غنیمت میں حاصل کیا گیا ہو اور وہ مثلی ہو تو تقسیم سے پہلے مالک اول اسے لے سکتا ہے مگر تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا، کیونکہ مثلی چیز لینا مفید نہیں ہے اسی طرح جب وہ چیز ہبہ کی گئی ہو تو بھی مالک اسے نہ لے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اسی طرح جب اس مالک کی چیز قدر اور وصف میں اس چیز کے برابر ہو جس کو تاجر نے خریدا ہے۔

مشرکین مکہ سے وصول کردہ اونٹوں کو صدقہ کرنے کا بیان

سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے۔ کیونکہ لغت میں اور حدیث میں "بضع " کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان

آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشنگوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا گیا، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کردی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔

اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئندہ توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے) خسرو پرویز (کی خسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کردیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہوگئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہوگیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہوگئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے اس پیشنگوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو اونٹ تم کو دوں گا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے "بضع" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کرلیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔

قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق نو سال کے اندر یعنی ہجرت کا ایک سال گزرنے پر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح ونصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منارہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوگئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایرانی مجوسیوں پر غالب فرمایا، اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان وخسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کرکے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر نے سو اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کیے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کردیے جائیں۔ پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو الٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول ومردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

مسلمان کے قیدی غلام کو خرید کر دار الاسلام میں لانے کا بیان

قَالَ: (فَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفُقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْشَهَا فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي أُخِذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ) أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا (وَلَا يَأْخُذُ الْأَرْشَ) ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ صَحِيحٌ ، فَلَوْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لَا يُفِيدُ وَلَا يُحَطُّ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ ، بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ ؛ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إِلَى الشَّفِيعِ صَارَ الْمُشْتَرِي فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا ، وَالْأَوْصَافُ تُضْمَنُ فِيهِ كَمَا فِي الْغَصْبِ ، أَمَّا هَاهُنَا الْمِلْكُ صَحِيحٌ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کفار نے کسی مسلمان کا غلام قید کرلیا پھر اسے کوئی شخص خرید کر دار الاسلام لے آیا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی اور مشتری نے اس کا تاوان لے لیا تو آقا اس غلام کو اسی ثمن پر لے گا جس ثمن پر مشتری نے دشمن سے وہ غلام خریدا تھا، رہا ثمن کے عوض لینا تو اسی دلیل کی سبب سے ہے جس کو ہم بیان کرچکے ہیں اور آقا ارش نہیں لے گا کیونکہ (بوقت فقا) اس غلام میں مشتری کی ملکیت صحیح تھی، اب جب آقا مشتری سے وہ تاوان لے گا تو اس کا مثل دے کر لیگا۔ اور مثل دے کر لینا بے کار ہے۔ اور ثمن میں سے کچھ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔ برخلاف شفعہ کے، کیونکہ جب صفقہ بدل کر شفیع کی طرف چلا گیا تو خریدی ہوئی چیز مشتری کے قبضے میں شرائے فاسد کے درجے میں ہوگئی اور شرائے فاسد میں اوصاف کا بھی ضمان واجب ہوتا ہے جس طرح غصب میں ہوتا ہے، رہا زیر بحث مسئلہ تو نزدیک ملک صحیح ہے اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہوگیا۔

اہل حرب کے پکڑنے سے عدم ملکیت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر مسلمان غلام بھاگ کر دار الحرب کو چلا گیا اور حربیوں نے اس کو پکڑ لیا تو مالک نہ

ہونگے ،لہٰذا اگر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور وہ غلام غنیمت میں ملا تو مالک کو بلا معاوضہ دیا جائے اگر چہ غنیمت تقسیم ہو چکی ہو ہاں تقسیم کے بعد اگر دلایا گیا تو جس کے حصہ میں غلام پڑا تھا اس کو بیت المال سے قیمت دیں۔(فتح القدیر شرح الہدایہ، استیلائے کفار)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلمان غلام بھاگ کر گیا اور اوس کے ساتھ گھوڑا اور مال و اسباب بھی تھا اور سب پر کافروں نے قبضہ کرلیا پھر اون سے سب چیزیں اور غلام کوئی شخص خرید لایا تو غلام بلا معاوضہ مالک کو دلایا جائے اور باقی چیزیں بقیمت اور اگر غلام مرتد ہو کر دارالحرب کو بھاگ گیا تو حربی پکڑنے کے بعد مالک ہو گئے۔ جو کافر امان لیکر دارالاسلام میں آیا اوس کے ہاتھ مسلمان غلام نہ بیچا جائے اور بیچ دیا تو واپس لینا واجب ہے اور اگر واپس بھی نہ لیا یہاں تک کہ غلام کو لے کر دارالحرب کو چلا گیا تو اب وہ آزاد ہے یعنی وہ غلام اگر وہاں سے بھاگ کر آیا یا مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور اُس غلام کو وہاں سے حاصل کیا تو نہ کسی کو دیا جائے نہ غنیمت کی طرح تقسیم ہو بلکہ وہ آزاد ہے۔اسی طرح اگر حربی غلام مسلمان ہو گیا اور وہاں سے بھاگ کر دارالاسلام میں آ گیا یا ہمارا لشکر دارالحرب میں تھا اُس لشکر میں آ گیا یا اُس کو کسی مسلمان یا ذمی یا حربی نے دارالحرب میں خرید لیا یا اُس کے مالک نے بیچنا چاہا یا مسلمانوں کا ان پر غلبہ ہوا بہرحال آزاد ہو گیا۔(درمختار، کتاب الجہاد)

کافر سے قیدی غلام کو خریدنے کا بیان

(وَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَسَرُوهُ ثَانِيًا وَأَدْخَلُوهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ آخَرُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ) ؛ لِأَنَّ الْأَسْرَ مَا وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ (وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ) ؛ لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ (ثُمَّ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِأَلْفَيْنِ إنْ شَاءَ) ؛ لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنَيْنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا ، وَكَذَا إذَا كَانَ الْمَأْسُورُ مِنْهُ الثَّانِي غَائِبًا لَيْسَ لِلْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ اعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهِ (وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِينَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِينَا وَأَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ) ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ إنَّمَا يُفِيدُ الْمِلْكَ فِي مَحَلِّهِ ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ ، وَالْحُرُّ مَعْصُومٌ بِنَفْسِهِ ، وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ ؛ لِأَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرِّيَّةُ فِيهِ مِنْ وَجْهٍ ، بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلَى جِنَايَتِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرِقَّاءَ وَلَا جِنَايَةَ مِنْ هَؤُلَاءِ .

ترجمہ

اور جب کفار نے کسی غلام کو قیدی بنالیا پھر اس کو کسی مسلمان نے ایک ہزار درہم میں خریدا اس کے بعد کفار نے اسے دوبارہ قید

کرلیا اور اسے دارالحرب لے کر چلے گئے پھر دوسرے شخص نے ایک ہزار درہم کے عوض اسے خرید لیا تو آقا اول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے شخص سے ثمن کے عوض لے لے، کیونکہ اس کی ملکیت پر گرفتاری واقع ہوئی ہے، پھر مالک اول جب چاہے تو اسے دو ہزار کے عوض لے لے، کیونکہ مشتری اول کو دو ہزار میں وہ غلام پڑا ہے لہذا مالک دو ہزار کے عوض اسے لے گا۔ اسی طرح جب مشتری اول غائب ہو تو مالک قدیم کو یہ حق نہیں ہوگا کہ مشتری ثانی سے اسے لے لے اس کی موجودگی پر قیاس کرتے ہوئے۔

کفار ہم پر غالب ہو کر ہمارے مدبر، مکاتب، امہات اولاد اور ہمارے آزاد لوگوں کے مالک نہیں ہو سکتے جب کہ ہم ان پر غالب ہو کر ان سب کے مالک بن سکتے ہیں، کیونکہ سبب ملک اپنے محل میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور محل مال مباح ہے اور آزاد بذات خود معصوم ہوتا ہے نیز مکاتب وغیرہ بھی معصوم ہیں کیونکہ ان میں من سبب حریت ثابت ہوتی ہے۔ برخلاف کفار کے کیونکہ شریعت نے ان کی جنایت کا بدلہ دیتے ہوئے ان کی عصمت ساقط کر دی ہے اور انہیں رقیق بنا دیا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی جنایت نہیں ہے۔

شرح

صاحب ہدایہ نے یہاں عمومی معاملات وفوائد کے پیش نظر غلام کیلئے آقا اول کیلئے اشتراء کو مقید کیا ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حربی کافر اگر مسلمان کے اموال پر قبضہ کر کے دارالحرب میں لے گئے تو مالک ہو جائیں گے مگر جب تک دارالحرب کو پہنچ نہ جائیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ اون کا پیچھا کریں اور ان سے چھین لیں۔ پھر جب کہ دارالحرب میں لے جانے کے بعد اگر وہ حربی جن کے پاس وہ اموال ہیں مسلمان ہو گئے تو اب بالکل ان کی ملک ثابت ہوگئی کہ اب ان سے نہیں لیں گے اور اگر مسلمان اُن حربیوں پر دارالحرب میں پہنچنے سے قبل غالب آ گئے تو جس کی چیز ہے اسے دیدیں گے اور کچھ معاوضہ نہ لیں گے اور دارالحرب میں پہنچنے کے بعد غلبہ ہوا اور غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے آ کر کہا کہ یہ چیز میری ہے تو اس کو بلا معاوضہ دیدینگے اور غنیمت تقسیم ہونے کے بعد کہا تو اب بہ قیمت دینگے اور جس دن غنیمت میں وہ چیز ملی اوس دن جو قیمت تھی وہ لی جائیگی۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

بھاگے ہوئے مسلم غلام میں کفار اہل حرب کی ملکیت نہ ہونے کا بیان

(وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا يَمْلِكُونَهُ) ؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ ، وَلِهَذَا لَوْ أَخَذُوهُ مِنْ دَارِ الْإِسْلَامِ مَلَكُوهُ .

وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا ؛ لِأَنَّ سُقُوطَ اعْتِبَارِهِ لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ تَمْكِينًا لَهُ مِنْ الِانْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلَى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ

وَصَارَ مَعْصُومًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ مَحِلًّا لِلْمِلْكِ ، بِخِلَافِ الْمُتَرَدِّدِ ؛ لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلَى بَاقِيَةٌ عَلَيْهِ لِقِيَامِ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ فَمَنَعَ ظُهُورَ يَدِهِ .

وَإِذَا لَمْ يَثْبُتْ الْمِلْكُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِغَيْرِ شَيْءٍ مَوْهُوبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرًى أَوْ مَغْنُومًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُؤَدَّى عِوَضُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِينَ وَتَعَذُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْآبِقِ ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ إذْ فِي زَعْمِهِ أَنَّهُ مِلْكُهُ .

ترجمہ

اور جب کسی مسلمان کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو حضرت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ لوگ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ حضرت صاحبین فرمایا کہ مالک ہو جائیں گے، کیونکہ غلام پر اس کے مالک کا قبضہ ہوتا ہے اور حق مالک کی سبب سے وہ معصوم ہوتو ہے حالانکہ اس کے مالک کا قبضہ ختم ہو چکا ہے، اسی لیے جب کفار دارالاسلام سے اسے پکڑ کر لے جائیں تب بھی اس کے مالک ہو جائیں گے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام سے اس غلام کے نکلنے کی سبب سے اس کی ذات پر اسے اختیار حاصل ہو گیا ہے، کیونکہ اس کے اختیارات کا سقوط اس پر آقا کا قبضہ ثابت ہونے کی سبب سے تھا، تا کہ آقا اس سے نفع حاصل کر سکے اور (پکڑے جانے سے) آقا کا قبضہ ختم ہو چکا ہے لہذا اس کے نفس پر اس غلام کا اپنا اختیار ظاہر ہوگا اور وہ بذات خود معصوم ہوگا اور محل ملک نہیں رہے گا۔

بہ خلاف متردد کے، کیونکہ اس پر آقا کا قبضہ باقی ہے، اس لیے کہ اس پر دارالاسلام والوں کا قبضہ موجود ہے اور یہ قبضہ اس غلام کے اکتیار کے ظہار ہونے سے مانع ہے۔ اور جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کفار کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو اس کا مالک اسے مفت نہیں لے گا خواہ موہوب ہو یا خریدا ہوا ہو یا مال غنیمت کا ہو اور تقسیم سے پہلے ہو اور تقسیم کے بعد بیت المال سے اس کا عوض دیا جائے گا، کیونکہ غانمین کے متفرق ہونے اور ان کا اجتماع دشوار ہونے کی سبب سے تقسیم کا اعادہ ممکن نہیں ہے، اور اس غلام کو لانے والے کے لیے اس کے مالک سے محنتانہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے کام کرنے والا ہے، اس لیے کہ اپنے گمان میں یہ شخص اس کا مالک ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر مسلمان غلام بھاگ کر دارالحرب کو چلا گیا اور حربیوں نے اسے پکڑ لیا تو مالک نہ ہونگے، لہذا اگر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور وہ غلام غنیمت میں ملا تو مالک کو بلا معاوضہ دیا جائے اگر چہ غنیمت تقسیم ہو چکی ہو ہاں تقسیم کے

بعد اگر دلایا گیا تو جس کے حصہ میں غلام پڑا تھا اسے بیت المال سے قیمت دیں۔ (فتح القدیر، کتاب سیر)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان غلام بھاگ کر گیا اور اس کے ساتھ گھوڑا اور مال واسباب بھی تھا اور سب پر کافروں نے قبضہ کرلیا پھر ان سے سب چیزیں اور غلام کوئی شخص خرید لایا تو غلام بلا معاوضہ مالک کو دلایا جائے اور باقی چیزیں بقیمت اور اگر غلام مرتد ہو کر دارالحرب کو بھاگ گیا تو حربی پکڑنے کے بعد مالک ہو گئے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

بھاگنے والے اونٹ میں دارالحرب کفار کی ملکیت کا بیان

(وَإِنْ نَدَّ بَعِيرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ) لِتَحَقُّقِ الِاسْتِيلَاءِ إِذْ لَا يَدَ لِلْعَجْمَاءِ لِتَظْهَرَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا .(وَإِنْ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ) لِمَا بَيَّنَّا

(فَإِنْ أَبَقَ عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِكُونَ ذَلِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرَى رَجُلٌ ذَلِكَ كُلَّهُ ، وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالثَّمَنِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَا مَعَهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ) اعْتِبَارًا لِحَالَةِ الِاجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الِانْفِرَادِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْحُكْمَ فِي كُلِّ فَرْدٍ

ترجمہ

اور جب کوئی اونٹ بدک کر کفاروں کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ قبضہ ثابت ہو چکا ہے اور ان جانوروں کے ذاتی اختیارات بھی نہیں ہوتے کہ دارالاسلام سے نکلتے وقت ان کا ظہور ہو۔ برخلاف غلام کے فیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جب اسے کسی شخص نے کریدا اور دارالاسالم لے آیا تو جب اس کا مالک چاہے تو ثمن کے عوض اسے لے لے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

جب ہمارا کوئی غلام باگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان بھی لے گیا اور مشرکین نے ان سب کو پکڑ لیا اور ان سے کسی آدمی نے یہ ساری چیزیں خرید لیں اور انہیں دارالاسلام لے آیا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک آقا غلام کو بلاعوض لے گا اور گھوڑے اور سامان کو ثمن دے کر لے گا۔ حضرت صاحبین فرمایا کہ آقا غلام اور اس کے ساتھ موجود سامان کو ثمن کے عوج لے گا حالت اجتماع کو حالت انفراد پر قیاس کرتے ہوئے اور ہم نے ہر ہر فرد کا حکم بیان کر دیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب حربی کافر اگر مسلمان کے اموال پر قبضہ کر کے دارالحرب میں لے گئے تو مالک ہو جائیں گے مگر جب تک دارالحرب کو پہنچ نہ جائیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کا پیچھا کریں اور ان سے چھین لیں۔ پھر جب

کہ دارالحرب میں لے جانے کے بعد اگر وہ حربی جن کے پاس وہ اموال ہیں مسلمان ہو گئے تو اب بالکل ان کی مِلک ثابت ہو گئی کہ اب ان سے نہیں لیں گے اور اگر مسلمان اُن حربیوں پر دارالحرب میں پہنچنے سے قبل غالب آ گئے تو جس کی چیز ہے اسے دیدیں گے اور کچھ معاوضہ نہ لیں گے اور دارالحرب میں پہنچنے کے بعد غلبہ ہوا اور غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے آ کر کہا کہ یہ چیز میری ہے تو اسے بلا معاوضہ دیدینگے اور غنیمت تقسیم ہونے کے بعد کہا تو اب بقیمت دینگے اور جس دن غنیمت میں وہ چیز ملی اس دن جو قیمت تھی وہ لی جائیگی۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

امن والے حربی کا مسلم غلام خریدنے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا :لَا يُعْتَقُ) ؛ لِأَنَّ الْإِزَالَةَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيقٍ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدْ انْقَطَعَتْ وِلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِي يَدِهِ عَبْدًا .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ ، فَيُقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِيصًا لَهُ ، كَمَا يُقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حِيَضٍ مَقَامَ التَّفْرِيقِ فِيمَا إذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ .

ترجمہ

جب کوئی حربی دارالاسلام میں امان لے کر داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان غلام کو خریدا اور اسے دارالحرب لے گیا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور حضرات صاحبین کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ حربی کی ملکیت کو زائل کرنا ایک معین طریقہ یعنی بذریعہ بیع ممکن تھا حالانکہ اس پر جبر کی ولایت منقطع ہو چکی ہے لہٰذا وہ غلام اس کے قبضے میں بھی غلام ہی رہا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے لہٰذا شرط یعنی تباین دارین کو علت یعنی اعتاق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا تا کہ اس کو چھڑایا جاسکے جس طرح جب زوجین میں سے کوئی دارالحرب میں اسلام لے آئے تو تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔

دارالامان آنے والے کافر کو غلام نہ بیچنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو کافر امان لیکر دارالاسلام میں آیا اس کے ہاتھ مسلمان غلام نہ بیچا جائے اور بیچ دیا تو واپس لینا واجب ہے اور اگر واپس بھی نہ لیا یہاں تک کہ غلام کو لے کر دارالحرب کو چلا گیا تو اب وہ آزاد ہے یعنی وہ غلام اگر وہاں

سے بھاگ کر آ یا یا مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور اُس غلام کو وہاں سے حاصل کیا تو نہ کسی کو دیا جائے نہ غنیمت کی طرح تقسیم ہو بلکہ وہ آزاد ہے۔اسی طرح اگر حربی غلام مسلمان ہو گیا اور وہاں سے بھاگ کر دارالاسلام میں آ گیا یا ہمارا لشکر دارالحرب میں تھا اُس لشکر میں آ گیا یا اُس کو کسی مسلمان یا ذمی یا حربی نے دارالحرب میں خرید لیا یا اُس کے مالک نے بیچنا چاہا یا مسلمانوں کا ان پر غلبہ ہوا بہر حال آزاد ہو گیا۔(درمختار، کتاب الجہاد)

حربی کے غلام کا مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آنے کا بیان

(وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِحَرْبِيٍّ ثُمَّ خَرَجَ إلَيْنَا أَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ ، وَكَذَلِكَ إذَا خَرَجَ عَبِيدُهُمْ إلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ عَبِيدًا مِنْ عَبِيدِ الطَّائِفِ أَسْلَمُوا وَخَرَجُوا إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ: هُمْ عُتَقَاءُ اللَّهِ) وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوجِ إلَيْنَا مُرَاغِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالِالْتِحَاقِ بِمَنَعَةِ الْمُسْلِمِينَ ، إذَا ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ ، وَاعْتِبَارُ يَدِهِ أَوْلَى مِنْ اعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوتًا عَلَى نَفْسِهِ ، فَالْحَاجَةُ فِي حَقِّهِ إلَى زِيَادَةِ تَوْكِيدٍ وَفِي حَقِّهِمْ إلَى إثْبَاتِ الْيَدِ ابْتِدَاءً فَلِهَذَا كَانَ أَوْلَى ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جب کسی حربی کا غلام مسلمان ہو کر دارالاسلام آ گیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا (اور وہ وہیں تھا) تو وہ آزاد ہے نیز جب ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر سے آ ملے تو وہ سب آزاد ہوں گے۔اس روایت کی سبب سے جو مروی ہے کہ غلامان طائف میں سے چند غلام اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کا فیصلہ فرما دیا اور یوں فرمایا یہ سب اللہ پاک کے آزادہ کردہ ہیں۔اور اس لیے بھی کہ اس غلام نے اپنے آقا کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے وہ محفوظ ہو گیا اور اس کے قبضے کو معتبر ماننا اس پر مسلمانوں کے قبضے کو معتبر ماننے سے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کی ذات پر اس کا قبضہ مقدم ہے،اس لیے اس کے قبضے کو مضبوط کرنے کی مزید ضرورت ہے اور مسلمانوں کا قبضہ ثابت کرنے کے حق میں تو کید کی ابتداء ہے لہٰذا اسی کا قبضہ بہتر ہو گا۔اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اہل طائف کا محاصرہ وغلاموں کی آزادی کا بیان

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرما دیا۔(مسند احمد، باب عبداللہ بن عباس،

مصنف ابن ابی شیبۃ، حدیث (34283)

آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجا جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے سچے اور بہادر پیروثابت ہوئے۔

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو غلام لئے گئے ان میں سے میں بھی تھا۔ جب سب غلام ان کے سامنے پیش کئے گئے تو وہ ان سے ہٹ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ سب غلام بھی ان کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد ابوبکر ان کی طرف مڑے اور پوچھا، "تم نے کس کے لئے نماز پڑھی ہے؟ " وہ بولے، "اللہ کے لئے۔ "آپ نے فرمایا، "پھر تم اسی کے لئے آزاد ہو۔ "یہ کہہ کر آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا (ابن کثیر، سیرۃ النبویۃ)۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کا مشرکین سے معاملہ دوطرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب "تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد "تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہوکر) ہجرت کرتیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہوکر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔ اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا، اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا بلکہ ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔ (بخاری، کتاب نکاح، رقم الحدیث، ۵۲۸۶)

﴿یہ باب امن طلب کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب مستامن کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امن طلب کرنے والے باب کو باب استیلائے کفار کے بعد ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ استیلاء میں قہر اور غلبہ ہوتا ہے جبکہ امن بغیر کسی قہر وغلبہ کے ہوتا ہے۔لہذا اسی سبب کے پیش نظر قہر کے بعد امن کے باب کو بیان کیا ہے۔اور مسلمان امن طلب کرنے والے کے باب کو مستامن حربی کا مقدم کرنے کا سبب مسلمانوں کا شرف وبزرگی ہے۔
(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۶۲۲، حقانیہ ملتان)

باب مستامن کے شرعی ماخذ کا بیان

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَه ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔(توبہ، ۶)

مشرک کو امان مانگنے پر امان دینا اور اسلام سمجھانا چاہیے:۔یعنی اگر کوئی مشرک اس چار ماہ کی معینہ مدت کے اندر یا بعد میں پکڑ دھکڑ کے دوران یہ درخواست کرے کہ مجھے اسلام کی تعلیم پوری طرح سمجھا دو۔تو اس کی اس درخواست کو رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے اپنے ہاں پناہ دو تا کہ دوسرا کوئی مسلمان بھی اس سے تعرض نہ کرے۔پھر اسے اسلام کے اصول وارکان اور اس کے حقائق پوری طرح سمجھا دو۔پھر بھی اگر وہ اسلام نہیں لاتا اور معاندانہ روش اختیار کرتا ہے تو وہیں اسے قتل نہ کر دو بلکہ اسے اس کی حفاظت کے مقام پر پہنچا دو۔پھر اس کے بعد تم اس سے وہی سلوک کر سکتے ہو جو دوسرے مشرکوں سے کرنا چاہیے۔یہ رعایت اس لیے دی گئی کہ کسی مشرک کے لیے اتمام حجت کا عذر باقی نہ رہے۔

پناہ یا امان بھی دراصل ایفائے عہد ہی کی ایک قسم ہے جس میں پناہ لینے والے کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ پناہ دینے والا اس کی جان ومال کی دشمنوں سے حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔اور وہ خود بھی اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا۔مسلمانوں کا اس قسم کا ایفائے عہد یا امان کی پاسداری اس قدر زبان زد تھی کہ دشمن نے بعض دفعہ مسلمانوں کی کسی واقعہ سے لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر امان حاصل کی اور عظیم فائدے حاصل کیے اور مسلمان جو پناہ دے چکے تھے۔یہ جاننے کے باوجود کہ یہ امان مکر وفریب سے حاصل کی گئی ہے اپنا نقصان اٹھا کر بھی اس عہد کو پورا کیا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر صرف ایک مسلمان خواہ وہ آزاد ہو یا غلام یا عورت ہو کسی کو پناہ دے دے تو وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے امان سمجھی جائے گی۔چنانچہ خوزستان (ایران) کی فتوحات کے سلسلہ میں ایک مقام شابور کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا

ہوا تھا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان سے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ مسلمانوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ سبب پوچھا تو شہر والوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امان دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا (واضح رہے کہ جزیہ کی شرط پر امان کا اصل وقت جنگ شروع ہونے سے پہلے ہے۔ دوران جنگ یا فتح کے بعد نہیں) سب کو حیرت تھی کہ امان کس نے دی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابوموسیٰ اسلامی سپہ سالار نے کہا کہ ایک غلام کی امان حجت نہیں ہوسکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا گیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ "مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی تمام مسلمان امان دے چکے۔ "

(الفاروق ص ۲۳۱)

اور عورت کی امان کے سلسلہ میں درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمایئے:۔ فتح مکہ کے موقعہ پر ام ہانی رسول اللہ کے پاس گئیں۔ اس وقت آپ پس پردہ غسل فرمارہے تھے۔ آپ نے پوچھا" کون ہے؟ "ام ہانی کہنے لگیں" میں ام ہانی ہوں "پھر ام ہانی نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول ! میری ماں کے لڑکے (علیؓ) یہ کہتے ہیں کہ وہ ہبیرہ (ام ہانی کے خاوند کا نام) کے لڑکے کو قتل کر دیں گے جبکہ میں اسے پناہ دے چکی ہوں۔ " آپ نے فرمایا" ام ہانی ! جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔

(بخاري كتاب الغسل ۔ باب التستر في الغسل)

مسلمانوں کی اس راستبازی اور ایفائے عہد کی بنا پر دشمن دھوکا دے کر بھی امان حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ عراق وایران کی جنگوں میں خارق کے مقام پر سیدنا ابوعبیدہؓ بن الجراح اور ایرانیوں کے سپہ سالار جاپان کی افواج کا مقابلہ ہوا۔ جاپان شکست کھا کر گرفتار ہوگیا۔ مگر جس مجاہد نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جاپان نے اس کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے عوض دو نوجوان غلام دینے کا وعدہ کر کے امان لے لی۔ اتنے میں کسی دوسرے نے اسے پہچان لیا اور پکڑ کر ابوعبیدہ کے پاس لے گئے۔ سیدنا ابوعبیدہ نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا" اگر چہ ایسے دشمن کو چھوڑ دینا ہمارے حق میں بہت مضر ثابت ہوگا مگر ایک مسلمان اسے پناہ دے چکا ہے اس لیے بدعہدی جائز نہیں چنانچہ اس امان کی بنا پر اسے چھوڑ دیا گیا۔ (تاریخ اسلام۔ حمیدالدین ص ۱۳۲)

اب اس کے مقابلہ میں عیسائی دنیا کی صلیبی جنگوں میں امان، کا قصہ بھی سن لیجئے۔ پہلی صلیبی جنگ کے بعد طرابلس کے مسلمان بادشاہ نے کاؤنٹ بوہیمانڈ کو پیغام بھیجا کہ وہ معاہدہ کرنے کو تیار ہے اور ساتھ ہی دس گھوڑے اور سونا بھی خیر سگالی کے طور پر بھیجا اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب کاؤنٹ امان دے چکنے کے بعد پورے شہر کے زن و مرد کو موت کی گھاٹ اتار رہا تھا۔ بوہیمانڈ نے ترجمان کے ذریعہ مسلمان امیروں کو بتایا کہ اگر وہ صدر دروازے کے اوپر والے محل میں پناہ لے لیں تو ان کو، ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کو پناہ دے دی جائے گی اور ان کا مال واپس کر دیا جائے گا۔ شہر کا ایک کونہ بھی مسلمانوں کی لاشوں سے خالی نہ تھا اور چلنا پھرنا دشوار ہوگیا تھا بوہیمانڈ نے جن کو پناہ دی تھی ان کا سونا چاندی اور زیورات ان سے لے لیے اور ان میں سے بعض کو تو مروا دیا اور باقی ماندہ کو انطاکیہ میں غلام بنا کر بیچ ڈالا گیا۔ (پہلی صلیبی جنگ ص ۴۵ بحوالہ جہاد از بریگیڈیئر گلزار احمد ص ۲۶۷)

مسلمان تاجر کیلئے دارالحرب میں عدم تعرض کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ) ؛ لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ لَا يَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالِاسْتِئْمَانِ ، فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذَلِكَ يَكُونُ غَدْرًا وَالْغَدْرُ حَرَامٌ ، إِلَّا إِذَا غَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْ حَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرُهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ ؛ لِأَنَّهُمْ هُمْ الَّذِينَ نَقَضُوا الْعَهْدَ بِخِلَافِ الْأَسِيرِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمَنٍ فَيُبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ ، وَإِنْ أَطْلَقُوهُ طَوْعًا (فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ) أَعْنِي التَّاجِرُ (فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ) (مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُورًا) لِوُرُودِ الِاسْتِيلَاءِ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ ، إِلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذَلِكَ خُبْثًا فِيهِ (فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ) وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْحَظْرَ لِغَيْرِهِ لَا يَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اور جب مسلمان تاجر بن کر دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کے لیے کفار کے اموال اور دماء سے چھیڑ خانی کرنا حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ امان طلب کر کے اس بات کا ضامن ہوا ہے کہ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا لہٰذا اس کے بعد تعرض غدر ہوگا اور غدر حرام ہے، مگر جب کفار کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ غداری کر کے ان کے اموال لوٹ لے یا انہیں قید کر لے یا بادشاہ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی یہ کام کرے اور بادشاہ کو معلوم ہو، مگر اس نے منع نہ کیا ہو، کیونکہ کفار ہی نے عہد توڑا ہے۔ برخلاف قیدی کے، کیونکہ وہ مستامن نہیں ہے لہٰذا اس کے لیے تعرض کرنا مباح ہوگا جب چہ کافروں نے اسے بخوشی رہا کر دیا ہو۔ اور جب مسلم تاجر نے کفار کے ساتھ غداری کی اور کچھ لوٹ لیا اور اسے لے کر دارالاسلام آ گیا تو وہ ملک ممنوع کے طور پر اس کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ مال مباح پر قبضہ ہوا ہے، مگر چوں کہ یہ غدر کی سبب سے حاصل ہوا ہے اس لیے اس نے اس میں خبث پیدا کر دیا لہٰذا اسے وہ مال صدرقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ ممانعت لغیرہ انعقادِ سبب سے مانع نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دارالحرب میں امان والوں کے مال و جان سے تعرض نہ کرنے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دارالحرب میں مسلمان امان لیکر گیا تو وہاں والوں کی جان و مال سے تعرض کرنا اس پر حرام ہے کہ جب امان لی تو اُس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اُن کافروں کی عورتیں بھی اس پر حرام ہیں اور اگر مسلمان قید ہو کر گیا ہے تو کافروں کی جان و مال اس پر حرام نہیں اگرچہ کافروں نے خود ہی اُسے چھوڑ دیا ہو یعنی یہ اگر وہاں سے کوئی چیز لے آیا یا کسی کو مار ڈالا تو گنہگار نہیں کہ اس نے اُن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے جس کا خلاف کرنا جائز نہ ہو۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب السیر، ج ۲، ص ۳۲۵)

امن مانگنے والوں کو امن دو منافقوں کی گردن مار دو

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَه ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔(توبه ، ٦)

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے اگر کوئی آپ سے امن طلب کرے تو آپ اس کی خواہش پوری کردیں اسے امن دیں یہاں تک کہ وہ قرآن کریم سن لے آپ کی باتیں سن لے دین کی تعلیم معلوم کرلے حجت ربانی پوری ہو جائے۔ پھر اپنے امن میں ہی اسے اس کے وطن پہنچا دو بیخوفی کے ساتھ پا اپنے امن کی جگہ پہنچ جائے ممکن ہے کہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کرلے۔ یہ اس لئے ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں انہیں دینی معلومات بہم پہنچاؤ اللہ کی دعوت اس کے بندوں کے کانوں تک پہنچا دو۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ جو تیرے پاس دینی باتیں سننے سمجھنے کے لئے آئے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو وہ امن میں ہے یہاں تک کہ کلام اللہ سنے پھر جہاں سے آیا ہے وہاں باامن پہنچ جائے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو جو دین سمجھنے اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے پیغام کو سننے کے لئے آتے انہیں امن دے دیا کرتے تھے حدیبیہ والے سال بھی قریش کے جتنے قاصد آئے یہاں انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔

عروہ بن مسعود، مکرز بن حفص، سہیل بن عمرو وغیرہ یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ یہاں آکر انہیں وہ شان نظر آئی جو قیصرو کسریٰ کے دربار میں بھی نہ تھی یہی انہوں نے اپنی قوم سے کہا پس یہ رویہ بھی بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا۔ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم مسیلمہ کی رسالت کے قائل ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعود کوفی کی امارت کے زمانے میں قتل کر دیا گیا اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا آپ کو جب معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے تو آپ نے بلوایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے سے کوئی امر مانع نہیں چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا اللہ کی لعنت اس پر ہو۔ الغرض دار الحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کا طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادے سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہوا امام یا نائب امام نے اسے امن و امان دے دیا ہو تو جب تک وہ دار الاسلام میں رہے یا اپنے وطن نہ پہنچ جائے اسے قتل کرنا حرام ہے۔

علماء کہتے ہیں ایسے شخص کو دار الاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک وہ یہاں ٹھہر سکتا ہے پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال بھر کے اندر دو قول ہیں امام شافعی وغیرہ علماء کے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

امان سے دار الحرب میں جانے والے مسلمان کے قرض لینے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَصَبَ

أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يُقْضَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ) أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتَ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا وَقْتَ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ ؛ لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَفْعَالِهِ وَإِنَّمَا الْتَزَمَ ذَلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ .

وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِلْكًا لِلَّذِي غَصَبَهُ وَاسْتَوْلَى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهِ مَالًا غَيْرَ مَعْصُومٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمَنَيْنِ لِمَا قُلْنَا (وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَصْبِ) أَمَّا الْمُدَايَنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيحَةً لِوُقُوعِهَا بِالتَّرَاضِي ، وَالْوِلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِالْتِزَامِهِمَا الْأَحْكَامَ بِالْإِسْلَامِ .وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ وَلَا خُبْثَ فِي مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتَّى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ .

ترجمہ

اور جب کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا اور کسی حربی نے اسے قرض دیدیا یا اس نے کسی حربی کو قرضہ دیدیا یا مسلمان یا حربی نے دوسرے کا مال غصب کرلیا پھر دارالاسلام آگیا اور حربی نے بھی امان طلب کرلیا تو ان میں سے کسی کے لیے بھی کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔رہی ادھار کی صورت تو اس سبب سے کہ قضائے قاضی کا مدار ولایت پر ہے اور قرض کا لین دین کرتے وقت ولایت بالکل معدوم ہے اور نہ ہی بوقت قضاء مستامن پر قاضی کو ولایت حاصل ہے، کیونکہ مستامن حربی نے اپنے پرانے افعال میں احکام اسلام کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے یہ التزام تو آئندہ کے افعال میں کیا ہے۔اور جہاں تک غصب کا سوال ہے تو اس سبب سے کہ شئی مغصوب کو غصب کر کے اس پر قبضہ کرلینے سے وہ چیز غاصب کی ملکیت ہو جاتی ہے، کیونکہ قبضہ اور غلبہ غیر معصوم (مباح) مال سے متصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اسی طرح جب دو حربیوں نے ایسے کیا پھر امان لے کر ہمارے پاس آئے اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔اور جب وہ دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام آئے تو ان کے مابین قرض کا فیصلہ کیا جائے گا اور غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا۔رہا قرض کا معاملہ تو اس سبب سے اس کا فیصلہ ہوگا کہ قرض کا لین دین صحیح ہوا ہے۔کیونکہ یہ باہمی رضامندی سے انجام پذیر ہوا ہے اور بوقت قضاء قاضی کو ولایت حاصل تھی کیونکہ ان دونوں نے احکام اسلام کا التزام کیا تھا۔رہا غصب کا مسئلہ تو اس دلیل کی سبب سے غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی غاصب شئی مغصوب کا مالک ہو چکا ہے اور حربی کی ملکیت میں کوئی خباثت نہیں ہوتی کہ اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے۔

دارالحرب میں حربی کافر کی رضامندی سے مال حاصل کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی مسلمان نے دارالحرب میں کافر حربی کی رضامندی سے کوئی مال حاصل کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں مثلاً ایک روپیہ دو روپے کے بدلے میں بیچا۔ اسی طرح اگر اُس کو قرض دیا اور یہ ٹھہرا لیا کہ مہینہ بھر میں سو کے سوا سولوں گا یہ جائز ہے کہ کافر حربی کا مال جس طرح ملے لے سکتا ہے مگر معاہدہ کے خلاف کرنا حرام ہے۔ مسلمان دارالحرب میں امان لیکر گیا ہے اس نے کسی حربی کو قرض دیا یا کوئی چیز اس کے ہاتھ اُدھار بیچی یا حربی نے اس مسلمان کو قرض دیا یا اس کے ہاتھ کوئی چیز اُدھار بیچی یا ایک نے دوسرے کی کوئی چیز غصب کی پھر یہ دونوں دارالاسلام میں آئے تو قاضی شرع ان میں باہم کوئی فیصلہ نہ کریگا ہاں اب یہاں آنے کے بعد اگر اس قسم کی بات ہوگی تو فیصلہ کیا جائیگا۔ اسی طرح اگر دو حربی امان لیکر آئے اور دارالحرب میں ان کے درمیان اس قسم کا معاملہ ہوا تھا تو ان میں بھی فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ (درمختار، کتاب سیر)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب مسلمان تاجر کو یہ اجازت نہیں کہ لونڈی غلام بیچنے کے لیے دارالحرب جائے ہاں اگر خدمت کے لیے لے جانا چاہتا ہو تو اجازت ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان امان لے کر گیا اور وہاں سے کوئی چیز لے کر دارالاسلام میں چلا آیا تو اس شے کا اب مالک ہو گیا مگر یہ ملکِ حرام وخبیث ہے کہ اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا لہٰذا حکم ہے کہ فقرا پر تصدق کر دے اور اگر تصدق نہ کیا اور اس شے کو بیچ ڈالا تو بیع صحیح ہے اور اگر اس نے وہاں نکاح کیا تھا اور عورت کو جبراً لایا تو دارالاسلام میں پہنچ کر نکاح جاتا رہا اور عورت کنیز ہوگئی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب سیر)

مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آنے پر مال واپس کرنے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أُمِرَ بِرَدِّ الْغَصْبِ وَلَمْ يُقْضَ عَلَيْهِ) أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوَى بِهِ فَلِأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لِمَا يُقَارِنُهُ مِنْ الْمُحَرَّمِ وَهُوَ نَقْضُ الْعَهْدِ .

ترجمہ

اور جب مسلمان امان لے کر دارالحرب گیا اور وہاں اس نے کسی حربی کا مال غصب کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو کر دارالاسلام آگئے تو غاصب کو مال مغصوب واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، مگر قاضی اس کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ فیصلہ نہ کرنا تو اس دلیل کی سبب سے ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ غاصب مالِ مغصوب کا مالک ہو چکا ہے مگر اس سے واپس کرنے کے لیے اس سبب سے کہا جائے گا کہ اس کی ملکیت فاسد ہوگئی ہے، کیونکہ وہ حرام سے ملنے والی ہے اور وہ حرام بدعہدی کرنا ہے۔

شرح: علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب کو گیا اور وہاں کے

بادشاہ نے بدعہدی کی مثلاً اس کا مال لے لیا یا قید کرلیا یا دوسرے نے اس قسم کا کوئی معاملہ کیا اور بادشاہ کو اس کا علم ہوا اور تدارک نہ کیا تو اب ان کے جان و مال سے تعرض کرے تو گنہگار نہیں کہ بدعہدی اُن کی جانب سے ہے اِنکی جانب سے نہیں اور اِس صورت میں جو مال وغیرہ وہاں سے لائے گا حلال ہے۔(مجمع الانھر شرح ملتقی،ج۲،ص۲۲۹)

دو امان والے مسلمانوں کے آپس میں قتل پر دیت کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَإِ) أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِإِطْلَاقِ الْكِتَابِ ، وَأَمَّا الدِّيَةُ فَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُولِ بِالْأَمَانِ ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ إلَّا بِمَنَعَةٍ ، وَلَا مَنَعَةَ دُونَ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي الْعَمْدِ ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ ؛ وَفِي الْخَطَإِ لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوبُ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا .

(وَإِنْ كَانَا أَسِيرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ أَسِيرًا) فَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ إلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَإِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : (فِي الْأَسِيرَيْنِ الدِّيَةُ فِي الْخَطَإِ وَالْعَمْدِ) ؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْأَسْرِ كَمَا لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الِاسْتِئْمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَامْتِنَاعُ الْقِصَاصِ ؛ لِعَدَمِ الْمَنَعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ لِمَا قُلْنَا .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ بِالْأَسْرِ صَارَ تَبَعًا لَهُمْ ؛ لِصَيْرُورَتِهِ مَقْهُورًا فِي أَيْدِيهِمْ ؛ وَلِهَذَا يَصِيرُ مُقِيمًا بِإِقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْإِحْرَازُ أَصْلًا وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِي لَمْ يُهَاجِرْ إلَيْنَا ، وَخَصَّ الْخَطَأَ بِالْكَفَّارَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمْدِ عِنْدَنَا .

ترجمہ

اور جب دو مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک نے عمداً یا خطاً اپنے ساتھی کو قتل کردیا تو قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور قتلِ خطا میں اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ رہا کفارہ کا وجوب تو وہ کتاب اللہ کے اطلاق کی سبب سے ہے، اور دیت اس لیے واجب ہے کہ احراز بدارالاسلام سے ثابت ہونے والی عصمت امان لے کر عارضی دخول سے باطل نہیں ہوتی۔ اور قصاص اس لیے نہیں واجب ہے کہ طاقت وقوت کے بغیر قصاص کی وصولیابی ممکن نہیں ہے اور امام اور جماعت

مسلمین کے بغیر طاقت وقوت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ چیز دارالحرب میں موجود نہیں ہے۔ اور عمد کی صورت میں قاتل پر اس کے مال میں اس لیے دیت واجب ہے کہ عاقلہ قتل عمد کی دیت نہیں دیتے۔ اور خطا کی صورت میں قاتل پر دیت کا وجوب اس لیے ہے کہ تباین دارین کے ہوتے ہوئے انہیں حفاظت پر قدرت نہیں ہوتی اور ان (عاقلہ) پر ترکِ صیانت ہی کی سبب سے دیت واجب ہوتی ہے۔

اور جب دارالحرب میں داخل ہونے والے دونوں مسلمان قیدی تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یا کسی مسلمان تاجر نے کسی مسلم قیدی کو قتل کر دیا تو قاتل پر کچھ نہیں واجب ہے، مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطا میں کفارہ واجب ہے؛ حضرت صاحبین فرمایا کہ دونوں قیدیوں میں دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمد ہو یا خطا ہو، کیونکہ قید کے عارض سے عصمت ختم نہیں ہوتی جیسا کہ استیمان کے عارض سے ختم نہیں ہوتی۔ اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور قصاص کا ممتنع ہونا طاقت نہ ہونے کی سبب سے ہے اور قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قیدی گرفتار ہونے کی سبب سے حربیوں کے تابع ہو گیا ہے کیونکہ وہ ان کے قبضے میں مقہور ہے اسی لیے ان کی اقامت سے وہ مقیم ہوگا اور ان کی مسافرت سے مسافر ہوگا اور اس سبب سے بالکل احراز باطل ہو جائے گا اور یہ اس مسلم کی طرح ہو گیا جس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی ہو۔ اور امام قدوری نے خطا کو کفارہ کے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک عمد میں کفار نہیں ہے۔

کافر کی دیت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس (میں حمد ثناء) کے بعد فرمایا کہ "لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد وقسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا، اس کو اسلام مضبوطی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو) تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو پھیلاتے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنی ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے، اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار) کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعی کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص سن لیں کہ) زکوۃ کے مویشوں کو نہ کھنچوا منگایا جائے اور (زکوۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) مویشوں کو کہیں دور لے کر نہ چلیں جائیں، (زکوۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ) زکوۃ ان کے گھروں پر ہی لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے"۔ "(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 657)

(لاحلف فی الاسلام) اصل میں "حلف" کے معنی ہیں "عقد باندھنا" زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ لیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے لڑائی جھگڑے کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی، اور اگر کسی معاملہ میں ایک پر کوئی تاوان واجب ہوگا تو دوسرا تاوان کو ادا کرے گا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی (لاحلف فی الاسلام) کے ذریعہ اس قسم کی عہد و پیمان سے منع کیا کہ یہ ایک خالص غیر منصفانہ اور غیر معقول رواج ہے جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن زمانہ جاہلیت ہی میں عہد و پیمان کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ لوگ آپس میں اس بات کا عہد کرتے تھے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں گے، قرابتداروں سے حسن سلوک کریں اور انسانی حقوق کی حفاظت و تائید کریں گے۔ یہ عہد و پیمان چونکہ سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے باہمی محبت و موانست اور انسانی بہبود و بھلائی کے لئے ایک بہترین صورت تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ما کان من حلف) الخ کے ذریعہ اس کو اسلام میں بھی جائز رکھا۔

(یرد سرایاھم علی قعیدھم) یہ دراصل پہلے جملہ (ویرد علیھم واقصاھم) کا بیان اور وضاحت ہے، اس عبارت کی تشریح کتاب القصاص کی دوسری فصل میں حضرت علی کی روایت کے تحت کی جا چکی ہے اسی طرح (لا یقتل مؤمن بکافر) کی وضاحت بھی اسی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

" کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے " یہ حضرت امام مالک کے مسلک کی دلیل ہے، حضرت امام شافعی اور ایک قول کے مطابق حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث (یعنی تہائی) ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی طرح پوری دیت ہے، ملحوظ رہے کہ یہ ساری بحث ذمی و کافر کے بارے میں ہے حربی کافر کی کوئی دیت نہیں ہے۔ ہدایہ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہر ذمی کی جس سے اسلامی مملکت کا معاہدہ ہو، جب تک کہ وہ معاہدہ باقی رہے اس کی دیت ایک ہزار دینار ہیں۔ "اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان، کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق رہا ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہ کا زمانہ آیا تو اس کو نصف کر دیا گیا۔ ہدایہ نے حضرت علی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذمی اسی لئے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ و مامون ہے " گویا صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اصل یہی ہے کہ ذمی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہو۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ان مشہور و مستند ترین آثار و اقوال کے معارض نہیں ہوسکتا۔

غیر مسلم شہری کا مال چرانے والے پر بھی اسلامی حد کا نفاذ ہوگا

اسلام نے مال کی چوری کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر نہایت سخت سزا مقرر کی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قریش کی ایک مخزومی عورت نے چوری کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری

کرتی تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی۔

1۔امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:فان مال الذمی والمعاهد والمرتد فی هذا کمال المسلم.
(شرح صحیح مسلم،7 : 12)

یقیناً غیر مسلم شہری، معاہد اور مرتد کا مال بھی اس اعتبار سے مسلمان کے مال ہی کی طرح ہے۔

2۔امام ابن قدامہ حنبلی نے کہا ہے کہ غیر مسلم شہری کا مال چوری کرنے والے پر اُسی طرح حد عائد ہوگی جس طرح مسلمان کا مال چوری کرنے والے پر ہوتی ہے۔(ابن قدامہ، المغنی، 112 : 9)

3۔علامہ ابن حزم بیان کرتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیر مسلم شہری کا مال چوری کرنے پر بھی مسلمان پر حد جاری کی جائے گی۔(ابن حزم، المحلی، 351 : 10)

4۔علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم شہری کا مال چرائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔(ابن رشد، بدایۃ المجتہد، 299 : 2)

مال کے حکمِ حفاظت میں بھی مسلم اور غیر مسلم شہری برابر ہیں۔اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم شہری کا مال چوری کیا تو اس پر حد نافذ ہوگی اور اگر کسی نے غیر مسلم شہری کا مال غصب کیا تو اس پر تعزیر نافذ ہوگی۔اسلام میں غیر مسلم شہریوں کے اَموال کی حفاظت کا اس قدر لحاظ رکھا گیا ہے کہ غیر مسلم شہریوں کی ہر اس چیز کی حفاظت کی جائے گی جس کو وہ مال میں شمار کرتے ہوں اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک وہ مال کے زمرے میں نہ آتی ہو۔جیسا کہ شراب اور خنزیر مسلمانوں کے لیے قابلِ حیثیت مال نہیں۔لہٰذا اگر کوئی شخص مسلمان کی شراب ضائع کر دے تو اس پر کوئی سزا اور تعزیر نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم کی شراب اور خنزیر کو نقصان پہنچایا تو اس سے ان کی قیمت تاوان کے طور پر لی جائے گی کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس غیر مسلم کے نزدیک مال متصور ہوتی ہیں۔

فصل

﴿یہ فصل حربی مستأمن کے بیان میں ہے﴾

فصل حربی مستأمن کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف مسائل کے سبب الگ ذکر کی گئی ہے اور اس کی فقہی مطابقت واضح ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے مسلم مستامن اور اب حربی مستامن کے احکام کو بیان کیا جائے گا۔ اور یہ عام اصول ہے کہ اختلاف نوعیت کے سبب کسی بھی باب یا کتاب کے مسائل کو الگ ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ اس کو مذکورہ باب یا مذکورہ فصل کے ساتھ ہی ذکر کرتے ہیں تا کہ مطابقت فقہی بھی باقی رہے اور مسائل کا امتیاز بھی واضح ہو جائے۔

(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۸، ص ۵۸، بیروت)

حربی مستأمن کے شرعی ماخذ کا بیان

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔(توبہ،۷)

صلح حدیبیہ اور حلیف قبائل:۔ ان سے مراد وہ تین مشرک قبائل ہیں بنوخزاعہ، بنو کنانہ اور بنوضمرہ۔ جو صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کے حلیف بنے تھے۔ اور جب اعلان برأت ہوا تو ان سے معاہدہ کی میعاد میں ابھی نو مہینے باقی تھے۔ اس سورہ کی آیت نمبر ۴ کے مطابق اس مدت میں ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔ نیز اس آیت کی رو سے اس بات کی بھی اجازت دے دی گئی کہ کوئی مشرک جب تک اپنے معاہدہ پر قائم رہتا ہے اس وقت تو تمہیں بہر حال قائم رہنا چاہیے اور اگر وہ اپنا عہد توڑتا ہے تو اس وقت تمہیں بھی مخالفانہ کارروائی کرنے کی اجازت ہے۔ بالفاظ دیگر معاہدہ کی خلاف ورزی کی ابتداء تمہاری طرف سے بہر صورت نہیں ہونی چاہیے اور اس کی مثال معاہدہ یا صلح حدیبیہ ہے جس کی رو سے طے پایا تھا کہ آئندہ مسلمان اور قریش مکہ آپس میں دس سال تک جنگ نہیں کریں گے اور جو قبائل مسلمانوں کے حلیف ہیں قریش ان پر بھی کوئی زیادتی نہ کریں گے اور جو قریش کے حلیف ہیں ان پر مسلمان کوئی زیادتی نہ کریں گے۔ اسی معاہدہ کی رو سے بنوخزاعہ تو مسلمانوں کے حلیف بنے اور بنوبکر قریش کے۔ اور بنوخزاعہ اور بنو بکر کی آپس میں لگتی تھی۔ صلح حدیبیہ کو ابھی سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ بنوخزاعہ اور بنوبکر کی آپس میں لڑائی ہوگئی اور قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوبکر کو ہتھیار بھی مہیا کیے اور کھل کر ان کا ساتھ بھی دیا۔ اور بنوخزاعہ کی خوب پٹائی کی۔ بنو خزاعہ کا ایک وفد عمرو بن سالم کی سرکردگی میں مدینہ گیا۔ آپ سے فریاد کی اور کہا کہ قریش نے عہد توڑ ڈالا۔ آپ نے فرمایا: اچھا میں اب تمہاری مدد کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔ قریش کی عہد شکنی دراصل مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ تاہم آپ نے

قریش کے سامنے تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک قبول کرلی جائے۔

۱۔بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہاادا کیا جائے۔

۲۔قریش بنوبکر کی حمائت سے دستبردار ہو جائیں۔

۳۔اعلان کیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہو گیا۔

قاصد نے جب یہ شرائط قریش کے سامنے پیش کیں تو ان کا نوجوان طبقہ فوراً بھڑک اٹھا اور ان میں سے ایک شخص قرط بن عامر نے قریش کی طرف سے اعلان کر دیا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔جب قاصد واپس چلا گیا تو ان لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا گیا۔ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر تجدید معاہدہ کی درخواست کی جس کا آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔پھر علی الترتیب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تک سفارش کے لیے التجا کی۔ لیکن جب سب نے جواب دے دیا تو مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اس نے یک طرفہ ہی اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔لیکن اس نے آپ کی پیش کردہ شرائط میں سے کسی کا جواب نہیں دیا تھا۔لہذا اب اصلاح کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی اور قریش کی یہی بدعہدی بالآخر مکہ پر چڑھائی کا سبب بن گئی۔

قریش اور بنوبکر کی بدعہدی ' مکہ پر مسلمانوں کی چڑھائی :۔ایفائے عہد اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہے اور بدعہدی ایک کبیرہ گناہ ہے جس کو احادیث میں منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔یہ عہد خواہ اللہ سے ہو یا کسی بندے سے،لین دین سے تعلق رکھتا ہو یا نکاح وطلاق سے یا صلح وجنگ سے۔ایک شخص کا دوسرے سے ہو یا کسی قوم سے ہو یا کسی قوم کا دوسری قوم سے ہو بہر حال اسے پورا کرنا واجب ہے خواہ اس سے کتنا ہی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہو۔اس سورہ میں چونکہ صلح وجنگ سے متعلق ہی قوانین بیان کیے جارہے ہیں لہذا اہم یہی پہلو سامنے رکھتے ہیں۔رسول اللہ سے دشمن زندگی بھر بدعہدی اور غداری کرتے رہے لیکن آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کبھی بھی نقض عہد کو برداشت نہیں کیا۔

یہود کی بدعہدی تو زبان زد ہے انہوں نے میثاق مدینہ کی ہر ہر بار خلاف ورزی کی اور ان کی غداریوں اور بدعہدیوں کا کئی مقام پر ذکر ہو چکا ہے۔

دوسرے قبائل نے بھی بدعہدی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔صلح حدیبیہ کے بعد قریش مکہ نے بنوبکر کی حمایت کر کے معاہدہ حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی کی۔بنوثعلبہ نے تبلیغ اسلام کی خاطر آپ سے دس آدمی طلب کیے تو آپ نے چوٹی کے دس عالمان دین ان کے ساتھ روانہ کر دیئے اور انہوں نے غداری سے انہیں شہید کر دیا۔یہی کام بنوعکل وقارہ نے کیا انہوں نے تبلیغ اسلام کے نام پر دس عالمان دین کو غداری سے شہید کر دیا اور بئر معونہ کا واقعہ تو بڑا ہی دردناک ہے جس میں ستر ممتاز قاری اور عالمان دین کے مقابلہ میں قبیلہ رعل وذکوان کی جمعیت لا کر انہیں شہید کر دیا۔جس کا رسول اللہ ﷺ کو انتہائی صدمہ ہوا۔علاوہ ازیں اس واقعہ کے بعد دشمن قبائل کے مسلمانوں کے خلاف حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور تھوڑی مدت تک اسلام دشمن قومیں اور قبائل جنگ احزاب کی شکل میں

ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔

اب ان کے مقابلہ میں آپ کے ایفائے عہد کے واقعات بھی سن لیجئے کہ کیسے نازک موقعوں پر آپ نے محض ایفائے عہد کی خاطر اپنے ہر طرح کے مفادات کو قربان کر دیا:۔

ایفائے عہد کی لاجواب مثالوں کا بیان

۱۔سیدنا حذیفہ بن یمان اور ان کے والد یمان، جن کی کنیت ابو حُسَیل تھی۔غزوہ بدر میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے مگر راستہ میں کفار قریش کے ہتھے چڑھ گئے انہوں نے ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ جنگ میں عدم شرکت کا وعدہ نہ لے لیا۔پھر یہ دونوں غزوہ بدر میں رسول اللہ سے ملے اور یہ واقعہ بیان کیا۔آپ نے انہیں فرمایا کہ "مدینے چلے جاؤ اور جنگ کی اجازت نہیں دی اور فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ہم کو اللہ کی مدد درکار ہے۔ "(مسلم۔کتاب الجہاد۔والسیر ۔باب الوفاء بالعہد) حالانکہ اس موقعہ پر آپ کو ایک ایک آدمی کی شدید ضرورت تھی۔

۲۔بئر معونہ کے حادثہ میں ۷۰ میں سے ایک شخص عمرو بن امیہ بچ نکلے لیکن بعد میں گرفتار ہو گئے۔عامر بن طفیل جس نے ان قاریوں کو شہید کروایا تھا۔نے عمرو بن امیہ کو دیکھ کر کہا "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی لہذا میں یہ منت پوری کرنے کی خاطر عمرو بن امیہ کو آزاد کرتا ہوں۔ "عمرو بن امیہ وہاں سے چلے تو راستہ میں اسی قاتل قبیلہ کے دو افراد مل گئے جنہیں آپ نے قتل کر دیا۔اتفاق کی بات ہے کہ رسول اللہ ان دو آدمیوں کو امان دے چکے تھے جس کا عمرو بن امیہ کو علم نہ تھا۔اب حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بنو عامر کی غداری کی بنا پر ان سے جتنی بھی سختی برتی جا سکے برتی جائے مگر آپ نے اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا خون بہا ادا کر دیا (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۷۳)

۳۔صلح حدیبیہ کی شرائط لکھی جا چکی تھیں مگر ابھی اس تحریری معاہدہ پر دستخط ہونا باقی تھے کہ قریش کے نمائندہ صلح سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل، جو اسلام لانے کی سبب سے قید میں ڈال دیئے گئے تھے،قید سے فرار ہو کر پابہ زنجیر مسلمانوں کے پاس پہنچے اور اپنے زخم دکھا دکھا کر رسول اللہ سے التجا کر رہے تھے کہ اب مجھے واپس نہ کیجئے۔سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل بھر آئے۔آپ خود بھی رحمتہ للعالمین تھے۔لیکن آپ نے محض ایفائے عہد کی خاطر اسے واپس کر دیا اور کہا :ابو جندل صبر کرو۔اللہ تمہارے لیے کوئی راہ پیدا کر دے گا۔اب صلح کی شرط ہو چکی اور ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔(بخاری۔کتاب الشروط۔باب الشروط علی الجہاد والمصالحۃ)

۴۔ایسے ہی مظلوم مسلمانوں میں سے ایک عتبہ بن اسید (ابو بصیر) تھے جو قریش کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے فرار ہو کر مدینہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔شرائط صلح حدیبیہ کے مطابق قریش کے دو آدمی بھی ابو بصیر کو لینے مدینہ پہنچ گئے۔آپ نے ایفائے عہد کی خاطر ابو بصیر کو کافروں کے حوالہ کر دیا اسے بھی آپ نے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا جلد ہی اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکال دے گا (اس واقعہ کی تفصیل سورہ فتح کے ابتدائی حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔آپ کے ایفائے عہد کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ دشمن بھی آپ کی اس خوبی کا برملا اعتراف کرتے تھے۔جنگ

احزاب کے موقعہ پر جب یہود کے قبیلہ بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد اس کو عہد شکنی پر مجبور کیا تو کعب نے اسے کہا اِنِّیْ لَمْ اَرَمِنْ مُحَمَّدٍ اِلَّا صِدْقًا وَّ وَفَاءً (میں نے ہمیشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا اور عہد کو پورا کرنے والا دیکھا ہے) (طبری ج ا۔غزوہ خندق)

پھر یہ خوبی آپ کی ذات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ کے جانشینوں نے بھی عہد کی پوری پوری پابندی کر کے مثال قائم کر دی۔

۶۔دور فاروقی میں شام کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔سیدنا ابوعبیدہ نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا سیدنا خالد بن ولید نے چند جانبازوں کے ہمراہ فصیل پر کمند لگائی اور اوپر چڑھ کر قلعہ کے دروازے کھول دیے۔سیدنا خالد کی فوج فاتحانہ انداز میں قلعہ میں داخل ہوگئی۔اہل دمشق نے دوسری جانب سیدنا ابوعبیدہ سے مصالحت کی درخواست کردی۔جوانہوں نے نئی صورت حال سے لاعلمی کی بنا پر قبول کر لی۔جب انہیں اصل صورت حال کا علم ہوا تو انہیں بہت محسوس ہوا مگر ایفائے عہد کی خاطر ابوعبیدہ نے مفتوحہ علاقہ اہل دمشق کو واپس دے دیا۔(تاریخ اسلام حمید الدین ص ۱۳۸)

۷۔شام کی فتوحات کے دوران عیسائیوں نے صلح کے لیے اپنے قاصد جارج کو سیدنا ابوعبیدہ کے پاس بھیجا۔وہ شام کے وقت پہنچا اور نماز باجماعت کا پرکیف منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔بعد میں سیدنا عیسیٰ کے متعلق چند سوال کیے جن کا سیدنا ابوعبیدہ نے شافی جواب دیا نتیجتاً جارج مسلمان ہوگیا اور چاہا کہ اب وہ عیسائیوں کے پاس واپس نہ جائے۔لیکن ابوعبیدہ نے محض اس خیال سے کہ رومیوں کو مسلمانوں کی طرف سے بدعہدی کا گمان پیدا نہ ہو۔جارج کو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا ایک دفعہ ضرور اس کے ہمراہ وہاں جاؤ اور اصل صورت حال سے انہیں خود مطلع کرنے کے بعد واپس آجانا۔(الفاروق ص ۱۹۶)

اب ذرا موجودہ دور کی مہذب اور متمدن اقوام اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کے معاہدات پر بھی نظر ڈال لیجئے۔جو ظاہری معاہدات کے علاوہ زیر زمین خفیہ معاہدات کا بھی ایک جال بچھا رکھتے ہیں اور ایسی منافقت اور بدعہدی کا ایک خوبصورت نام ڈپلومیسی (DIPLOMACY) تجویز کر رکھا ہے اس منافقت کا جو منظر جنگ عظیم اول میں سامنے آیا وہ کچھ اس طرح ہے:۔

اس جنگ میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ہنگری تھے جنہیں جارح یا ظالم کا لقب دیا گیا۔دوسری طرف برطانیہ، فرانس، روس اور اٹلی تھے جو اپنے آپ کو حق پرست، انسانی حقوق کے علمبردار اور مظلوموں کے مددگار کہتے تھے۔ان حق پرستوں نے عربوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انہیں یقین دلایا کہ وہ عربوں کو ترکی کے تسلط سے آزاد کرائیں گے اور جنگ کے بعد انہیں آزاد اور خودمختار حکومت بنانے کا موقعہ دیں گے تاکہ وہ اپنے شعائر اسلام آزادی سے بجالاسکیں۔اس طرح یہ حق پرست دراصل ملت اسلامیہ کے مرکز ترکی کی خلافت کا گلا گھونٹنا چاہتے تھے۔چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۹۱۷ء میں جنرل ماؤ نے برسرعام اعلان کر کے عربوں سے کیے ہوئے معاہدہ کی تصدیق بھی کردی کہ وہ اس ملک میں فاتحانہ حیثیت سے نہیں بلکہ آزادی دینے کے لیے آئے ہیں۔

لیکن اصل حقیقت اس کے علاوہ کچھ اور تھی۔ فرانس اور برطانیہ نے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء میں آپس میں خفیہ معاہدات کیے ۱۹۱۶ء کے خفیہ معاہدہ، جو سائیکس پیکو کے نام سے مشہور ہے، کی رو سے یہ طے ہوا تھا کہ جنگ کے بعد:۔

i عراق کلیتہً برطانیہ کے قبضہ میں رہے گا۔

ii شام پورے کا پورا فرانسیسی سلطنت کے دائرہ میں رکھا جائے گا۔

iii فلسطین ایک بین الملی علاقہ ہوگا اور حیفہ اپنی بندرگاہ سمیت برطانیہ کے زیر اثر ہوگا۔

iv باقی رہے وہ ممالک جو عراق اور سواحل شام کے درمیان واقع ہیں تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک حصہ برطانیہ کے زیر اثر رہے گا اور دوسرا فرانس کے۔

برطانیہ اور فرانس چونکہ اپنے دوسرے حق پرست ساتھیوں سے بھی زیادہ حق پرست تھے۔ اس لیے انہوں نے اس معاہدہ کو اپنے ساتھیوں سے بھی چھپائے رکھا اور ظاہری طور پر یہی اعلان کرتے رہے کہ ہم عربوں کو پوری آزادی دلانے آئے ہیں۔ پھر جب عربوں نے دیکھا کہ شام کے سواحل پر فرانسیسی فوجیں مسلط ہیں اور عراق اور فلسطین میں انگریزی فوجیں پہنچ گئی ہیں تب جا کر انہیں معلوم ہوا کہ انکے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے اور یہ چال محض ترکوں اور عربوں میں نفاق ڈال کر ملک چھیننے کے لیے چلی گئی تھی۔ عربوں کو جب ہوش آیا تو انہوں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اور فیصل بن حسین کے تحت ایک وطنی حکومت بھی قائم کر لی مگر اب پانی سر سے اوپر ہو چکا تھا۔ برطانیہ نے نہایت عیاری سے عربوں میں سے ہی اپنی مرضی کے چند آدمی منتخب کر کے ان کی حکومت بنا دی جو کلیتہً برطانیہ کے زیر اثر تھی۔ اس طرح انگریز بہادر نے اپنے سب مفادات بھی حاصل کر لیے اور یہ کہنے کے قابل بھی ہو گیا کہ اس نے عربوں سے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

پھر ان خفیہ معاہدات کا حلقہ صرف عربوں تک ہی محدود نہ تھا۔ اتحادی آپس میں بھی ہوا کا رخ دیکھ کر ایسے معاہدات کر لیتے تھے جنہیں دوسرے حق پرستوں سے بھی صیغہ راز میں رکھا جاتا تھا۔ بین الاقوامی ڈاکہ زنی کی یہ سکیم صیغہ راز میں ہی رہ جاتی۔ اگر دوران جنگ روس انقلاب کا شکار نہ ہو جاتا۔ اپریل ۱۹۱۷ء میں جب ان کی حکومت کا تختہ الٹا اور بالشویکوں کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے سرمایہ دار حکومتوں کے گھناؤنے کردار کو بے نقاب کرنے کے لیے وہ تمام خفیہ معاہدات شائع کر دیئے جو انہیں زار کی حکومت کے نہاں خانوں سے دستیاب ہوئے تھے۔ ان معاہدات کی کوئی دفعہ ایسی نہیں تھی جس میں مخالف سلطنتوں کے کسی نہ کسی علاقہ یا ان کی اقتصادی ثروت کے کسی نہ کسی وسیلے کو ان حق پرستوں نے آپس میں بانٹنے کا فیصلہ نہ کر رکھا ہو۔

حربی مستامن کو دارالاسلام میں سال بھر نہ ٹھہرنے دیا جائے

قَالَ: (وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمَنًا لَمْ يُمَكَّنْ أَنْ يُقِيمَ فِي دَارِنَا سَنَةً وَيَقُولُ لَهُ الْإِمَامُ: إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ) وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكَّنُ

مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِي دَارِنَا إِلَّا بِالِاسْتِرْقَاقِ أَوِ الْجِزْيَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَتَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِينَ ، وَيُمَكَّنُ مِنَ الْإِقَامَةِ الْيَسِيرَةِ ؛ لِأَنَّ فِي مَنْعِهَا قَطْعَ الْمِيرَةِ وَالْجَلَبِ وَسَدَّ بَابِ التِّجَارَةِ ، فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ ؛ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيهَا الْجِزْيَةُ فَتَكُونُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ ، ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلَى وَطَنِهِ فَلَا سَبِيلَ عَلَيْهِ ، وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا الْجِزْيَةَ فَيَصِيرُ ذِمِّيًّا ، وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُوَقِّتَ فِي ذَلِكَ مَا دُونَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ (وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ يَصِيرُ ذِمِّيًّا) لِمَا قُلْنَا (ثُمَّ لَا يُتْرَكُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ) ؛ لِأَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لَا يُنْقَضُ ، كَيْفَ وَأَنَّ فِيهِ قَطْعَ الْجِزْيَةِ وَجَعْلَ وَلَدِهِ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِينَ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کوئی حربی امان لے کر دار الاسلام آئے تو دار الاسلام میں اسے ایک سال تک ٹھہرنے کا موقع نہ دیا جائے اور امام اس سے یہ کہہ دے جب تم سال بھر نزدیک رہوگے تو میں تم پر جزیہ مقرر کردوں گا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ غلام بنائے یا جزیہ مقرر کیے بغیر حربی کو دار الاسلام میں دائمی اقامت کا موقع نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ حربیوں کا جاسوس ہوجائے گا اور ہمارے خلاف ان کی اعانت کرے گا اور مسلمانوں کو اس سے نقصان ہوگا۔ ہاں اسے مختصری مدت کے لیے رہنے کا موقع دیا جائے گا، کیونکہ اس سے بھی منع کرنے میں غلہ کی آمد ورفت ختم ہوجائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہوجائے گا، لہٰذا ہم نے قلیل وکثیر کے درمیان ایک سال سے فاصلہ کردیا ہے، کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے لہٰذا اس کی اقامت جزیہ کی مصلحت کے لیے ہوگی۔

اس کے بعد امام کی بات کے بعد جب ایک سال پورا ہونے سے پہلے وہ دار الحرب چلا جائے تو اس پر (وجوب جزیہ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور جب وہ ایک سال ٹھہر گیا تو ذمی ہوگا، کیونکہ جب امام کے اس کو پہلے بتادینے کے بعد وہ ایک سال ٹھہر گیا تو وہ خود ہی جزیہ لازم کرنے والا ہوگیا، اس لیے ذمی ہوجائے گا اور امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک سال سے کم مثلاً مہینہ دو مہینہ کی مدت متعین کردے اور جب امام کی بات کے بعد وہ سال بھر رہ گیا تو بھی ذمی ہوجائے گا اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کرچکے ہیں پھر اسے دار الحرب واپس جانے کے لیے نہیں چھوڑا جائے گا، کیونکہ عقد ذمی کو توڑا نہیں جاتا اور کیوں کر اسے توڑا جاسکتا ہے جب کہ اس میں جزیہ کو ختم کرنے اور اس کی اولاد کو اپنے خلاف حربی بنانا لازم آتا ہے اور اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

حربی کے سال بھر رہنے میں تقرر جزیہ کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب حربی امان لیکر دارالاسلام میں آیا تو پورے سال بھر یہاں رہنے نہ دینگے اور اُس سے کہہ دیا جائیگا کہ اگر تو یہاں سال بھر رہیگا تو جزیہ مقرر ہوگا اب اگر سال بھر رہ گیا تو جزیہ لیا جائیگا اور وہ ذمی ہوجائیگا اور اب دارالحرب جانے نہ دینگے، اگر چہ تجارت یا کسی اور کام کے لیے جانا چاہتا ہو اور چلا گیا تو بدستور حربی ہوگیا اس کا خون مباح ہے۔
(جوہرہ نیرہ، کتاب سیر ج ۲، ص ۳۲۶)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ کہ حربی کیلئے سال سے کم جتنی چاہے بادشاہ اسلام اس کے لیے مدت مقرر کردے اور یہ کہہ دے کہ اگر تو اس مدت سے زیادہ ٹھہرا تو تجھ سے جزیہ لیا جائے گا اور اُس وقت وہ ذمی ہوجائیگا۔ حربی امان لے کر آیا اور یہاں خراجی یا عُشری زمین خریدی اور خراج اُس پر مقرر ہوگیا تو اب ذمی ہوگیا اور جس وقت خراج مقرر ہوا اُسی وقت سال آئندہ کا جزیہ بھی وصول کیا جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

دارالاسلام میں آنے والے حربی کی خراجی زمین پر خراج کا بیان

(فَإِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى أَرْضَ خَرَاجٍ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ) ؛ لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ ، فَإِذَا الْتَزَمَهُ صَارَ مُلْتَزِمًا الْمَقَامَ فِي دَارِنَا ، أَمَّا بِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَا يَصِيرُ ذِمِّيًّا ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَشْتَرِيهَا لِلتِّجَارَةِ ، وَإِذَا لَزِمَهُ خَرَاجُ الْأَرْضِ فَبَعْدَ ذَلِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذِمِّيًّا بِلُزُومِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوبِهِ .

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ أَحْكَامٌ جَمَّةٌ فَلَا تَغْفُلْ عَنْهُ .

ترجمہ

پس جب کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کوئی خراجی زمین خریدی تو جب اس پر خراج لازم کیا جائے گا تب وہ ذمی ہوگا، کیونکہ زمین کا خراج خراج فرد کے درجے میں ہے اور جب اس نے خراج لازم کرلیا تو گویا اس نے دارالاسلام رہنے کو لازم کرلیا۔ اور محض زمین خریدنے سے وہ ذمی نہیں ہوگا، اس لیے کہ کبھی تجارت کے لیے بھی زمین خریدی جاتی ہے اور جب اس پر زمین کا خراج لازم ہوگیا تو اس کے بعد آئندہ سال کے لیے اس پر جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ خراج لازم ہونے کے ساتھ وہ ذمی ہوگا لہٰذا اسی وقت سے اس کے ذمی ہونے کی مدت معتبر ہوگی اور جامع صغیر میں امام محمد کا یہ قول وضع خراج کے شرط ہونے کی

صراحت ہے اور اس شرط پر اس کے بہت سے مسائل کی تخریج ہوگی لہٰذا اسے نہیں بھولنا چاہیے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب حربی امان لے کر آیا اور یہاں خراجی یا عُشری زمین خریدی اور خراج اُس پر مقرر ہوگیا تو اب ذمی ہوگیا اور جس وقت خراج مقرر ہوا اُسی وقت سال آئندہ کا جزیہ بھی وصول کیا جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب سیر)

حربیہ کا دارالاسلام میں آکر ذمیہ بننے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً) ؛ لِأَنَّهَا الْتَزَمَتْ الْمُقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ (وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا) ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَيَرْجِعُ إِلَى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ .

ترجمہ

اور جب کوئی حربیہ امان لے کر دارالاسلام آئی اور اس نے کسی ذمی سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ ہوجائے گی، کیونکہ اپنے شوہر کے تابع ہو کر اس نے بھی دارالاسلام میں رہنے کا التزام کر لیا ہے اور جب کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی ذمیہ سے نکاح کر لیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس حربی کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے ملک واپس جانا ممکن ہے تو وہ دارالاسلام میں رہنے کو لازم کرنے والا نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کتابیہ عورت امان لیکر دارالاسلام میں آئی اور اس نے کسی مسلمان یا ذمی نے نکاح کر لیا تو اب ذمیہ ہوگئی اب دارالحرب کو نہیں جاسکتی۔ اسی طرح اگر میاں بی بی دونوں آئے اور شوہر یہاں مسلمان ہوگیا تو عورت اب نہیں جاسکتی اور اگر مرد حربی نے کسی ذمی عورت سے نکاح کیا تو اس کی سبب سے ذمی نہ ہوا ہوسکتا ہے کہ طلاق دیکر چلا جائے۔ (درمختار، کتاب الجہاد، ج ۶، ص ۲۷۰)

حربی کا امن کے بعد دارالحرب لوٹنے سے اباحت خون کا بیان

(وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ) ؛ لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ (وَمَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ ، فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُونُهُ وَصَارَتْ الْوَدِيعَةُ فَيْئًا) أَمَّا الْوَدِيعَةُ فَلِأَنَّهَا فِي يَدِهِ تَقْدِيرًا ؛ لِأَنَّ يَدَ الْمُودَعِ كَيَدِهِ فَيَصِيرُ فَيْئًا تَبَعًا

لِنَفْسِهِ ، وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِأَنَّ إِثْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ ، وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ أَسْبَقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ فَيَسْقُطُ (وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ الْوَدِيعَةُ لِوَرَثَتِهِ) وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ ؛ لِأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُومَةً فَكَذَلِكَ مَالُهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِي مَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

ترجمہ

اور جب کوئی حربی ہمارے ہاں امان لے کر آیا پھر دارالحرب کی جانب واپس چلا گیا اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کوئی امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمے کوئی قرض چھوڑ گیا تو واپس ہونے کی سبب سے اس کا خون مباح ہو گیا، کیونکہ اس نے اپنا مال باطل کر دیا اور اذارلاسلا میں اس کا جو کچھ مال ہے وہ متردد ہے چنانچہ جب وہ قید کر لیا گیا یا دارالحرب پر قبضہ ہو گیا پھر وہ شخص قتل کر دیا گیا تو اس کے دیون ساقط ہو جائیں گے اور اس کی امانت فئے ہو جائے گی، کیونکہ ودیعت تو تقدیراً اس کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ مودع کا قبضہ اس کے قبضہ کی طرح ہے لہٰذا اس کے نفس کے تابع ہو کر ودیعت فئے ہو جائے گی۔ اور دین اس لیے ساقط ہو گا کہ اس پر حربی کا قبضہ مطالبہ کے ذریعے ثابت ہو گا حالانکہ حربی کے لیے حق مطالبہ ساقط ہو گیا ہے اور جو شخص اس پر قابض ہے اس کا قبضہ عوام کے قبضہ سے مقدم ہے اس لیے وہی شخص اس مال کے ساتھ مختص ہو گا۔

اور جب حربی قتل کر دیا گیا مگر دارالحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو قرض اور ودیعت اس کے ورثاء کی میراث ہو گی اسی طرح جب وہ مر گیا تو بھی یہ چیزیں میراث ہوں گی، کیونکہ جب اس حربی کا نفس مال غنیمت نہیں ہوا تو اس کا مال بھی مغنوم نہیں ہو گا، یہ حکم اس سبب سے ہے کہ اس حربی کے مال میں امان کا حکم باقی ہے لہٰذا وہ مال اس پر لوٹایا جائے گا یا اس کے بعد اس کے ورثاء کو واپس کیا جائے گا۔

مستأمن کے قرض وامانت کا ورثاء کی طرف منتقل ہونے کا بیان

مستامن جب دارالحرب کو چلا گیا تو اب پھر حربی ہو گیا اور اگر اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ مال رکھا تھا یا اُن پر اُس کا دَین تھا اور اُس کافر کو کسی نے قید کر لیا یا اُس ملک کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اُس کو مار ڈالا تو دَین ساقط ہو گیا اور وہ امانت فے ہے اور اگر بغیر غلبہ وہ مارا گیا یا مر گیا تو دَین اور امانت اُس کے وارثوں کے لیے ہے۔ (ملتقی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حربی یا مرتد یا وہ شخص جس پر قصاص لازم آیا بھاگ کر حرم شریف میں چلا جائے تو وہاں قتل نہ کریں گے بلکہ اُسے وہاں کھانا پانی کچھ نہ دیں کہ نکلنے پر مجبور ہو اور وہاں سے نکلنے کے بعد قتل کر ڈالیں اور اگر حرم میں کسی نے خون کیا تو اُسے وہیں قتل کر سکتے ہیں اس کی ضرورت نہیں کہ نکلے تو قتل کریں۔ (ردمحتار، کتاب الجہاد)

بغیر جنگ حاصل کردہ مال کے مصرف کا بیان

قَالَ : (وَمَا أَوْجَفَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي

مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ) قَالُوا :هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِي الَّتِي أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجِزْيَةِ وَلَا خُمُسَ فِي ذَلِكَ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :فِيهِمَا الْخُمُسُ اعْتِبَارًا بِالْغَنِيمَةِ .وَلَنَا مَا رُوِيَ "أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ "وَكَذَا عُمَرُ وَمُعَاذٌ ، وَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ ، بِخِلَافِ الْغَنِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِينَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمُسَ بِمَعْنًى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُونَ بِمَعْنًى ، وَفِي هَذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ ، وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْخُمُسِ .

ترجمہ

فرمایا اور کفار کے وہ اموال جو جنگ کے بغیر محض پیش قدمی کر کے مسلمانوں نے حاصل کیا ہو انہیں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا جس طرح خراج صرف کیا جاتا ہے۔ حضرت مشائخ نے فرمایا کہ یہ اموال ان زمینوں کی طرح ہیں جہاں سے مجاہدین نے ان کے اہل کو نکال دیا ہو اور جزیہ کی طرح ہیں اور ان میں خمس نہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جزیہ لیا ہے نیز حضرت عمر اور حضرت معاذ نے بھی جزیہ لیا ہے اور اسے بیت المال میں رکھا گیا تھا اور خمس نہیں لیا گیا تھا۔ اور اس سبب سے کہ یہ ایسا مال ہے جو جنگ کے بغیر مسلمانوں کی قوت کے بل پر حاصل کیا گیا ہے۔ برخلاف غنیمت کے، اس لیے کہ وہ غازیوں کی محنت اور مسلمانوں کی طاقت سے حاصل کیا جاتا ہے لہٰذا ایک معنی کی سبب سے بیت المال خمس کا مستحق ہے اور ایک دوسرے معنی کی سبب سے غانمین خمس کے مستحق ہیں۔ جب کہ اس مال میں سبب ایک ہے لہٰذا خمس واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

مال غنیمت وفئے کے فرق کا بیان

بعض فقہاء نے یہی فرق رکھا ہے "غنیمت "میں اور "فئے "میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گزر چکی ہے) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (ان کی مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو۔"

(تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کرلیں۔ اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہوں گے وہ بھی حکم "فئے "میں داخل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال "فئے "خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو جو صرف آپ کے لیے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیت حاضرہ میں "علی رسولہ "کے لفظ سے متبادر ہوتا

ہے۔اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی آیت میں ہدایت فرما دی کہ وجوباً یا ندباً فلاں فلاں مصارف میں صرف کیے جائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں۔لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا، محض حاکمانہ ہوتا ہے۔وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالح میں خرچ کرے گا۔باقی اموالِ غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کما یدل علی قولہ تعالیٰ۔(وَاعْلَمُوْٓا اَنَّـمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ)8 ۔الانفال41:) لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی۔

البتہ شیخ ابوبکر رازی حنفی نے "احکام القرآن "میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لیے رہنے دے۔جیسا کہ سوادِ عراق میں حضرت عمر نے بعض جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔اسی مسلک کے موافق شیخ ابوبکر رازی نے (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّـمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ)8 ۔الانفال41:) کو اموال منقولہ پر اور سورہ"حشر " کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔اس طرح کی پہلی آیت (وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ)59 ۔الحشر6:) حکم "فئے "پر اور دوسری آیت (مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی)59 ۔الحشر7:) حکم "غنیمت "پر محمول ہے۔اور لغۃً"غنیمت " کو لفظ "فئے "سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

حربی کے مال کے مال فئی ہونے کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَأَوْلَادٌ صِغَارٌ وَكِبَارٌ وَمَالٌ أَوْدَعَ بَعْضَهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضَهُ حَرْبِيًّا وَبَعْضَهُ مُسْلِمًا فَأَسْلَمَ هَاهُنَا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ فَيْءٌ) أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ ؛ لِأَنَّهُمْ حَرْبِيُّونَ كِبَارٌ وَلَيْسُوا بِأَتْبَاعٍ ، وَكَذَلِكَ مَا فِي بَطْنِهَا لَوْ كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ .

وَأَمَّا أَوْلَادُهُ الصِّغَارُ فَلِأَنَّ الصَّغِيرَ إنَّمَا يَصِيرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيهِ إذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَتَحْتَ وِلَايَتِهِ ، وَمَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ لَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ ، وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَا تَصِيرُ مُحْرَزَةً بِإِحْرَازِهِ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَبَقِيَ الْكُلُّ فَيْئًا وَغَنِيمَةً (وَإِنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُهُ الصِّغَارُ أَحْرَارٌ مُسْلِمُونَ) تَبَعًا لِأَبِيهِمْ ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا تَحْتَ وِلَايَتِهِ حِينَ أَسْلَمَ إذْ الدَّارُ وَاحِدَةٌ (وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ أَوْدَعَهُ مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ) ؛ لِأَنَّهُ فِي يَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ (وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَيْءٌ) أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ

الْكِبَارُ فَلِمَا قُلْنَا .

وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِي فِي يَدِ الْحَرْبِي ؛ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُومًا ؛ لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً .

ترجمہ

اور جب کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور دارالحرب میں اس کی بیوی ہے، اس کی چھوٹی بڑی اولاد ہے اور مال ہے جس میں سے کچھ اس نے کسی ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے، کچھ مال کسی حربی کے پاس ہے اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس ودیعت رکھا ہے اور وہ حربی دارالاسلام آ کر مسلمان ہو گیا پھر دارالحرب پر قبضہ ہو گیا تو یہ ساری چیزیں فئے ہوں گے۔ رہا اس کی بیوی اور بڑی اولاد کا فئی ہونا تو ظاہر و باہر ہے، کیونکہ یہ سب بالغ حربی ہیں اور تابع نہیں ہیں نیز جب بیوی حاملہ ہے تو جو بیوی کے پیٹ میں حمل ہے وہ بھی فئی ہے اس دلیل کی سبب سے جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اس کی چھوٹی اولاد اس سبب سے فئے ہوگی کہ صغیر اسی وقت اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہو کر مسلمان ہوتا ہے جب وہ باپ کے قبضے اور اس کی ولایت میں ہو اور تباین دارین کے ہوتے ہوئے وہ صغیر باپ کے تابع نہیں ہو سکتا نیز اس کے اموال بھی اس کے اپنی ذات کو محرز کرنے سے محرز نہیں ہو سکتے، کیونکہ اختلاف دارین ہے لہٰذا سب کے سب فئے اور غنیمت ہو جائیں گے۔

اور جب حربی دارالحرب میں مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا پھر دارالحرب پر اہل اسلام کا غلبہ ہوا تو اس کی چھوٹی اولاد اپنے باپ کے تابع ہو کر آزاد اور مسلمان ہوگی، کیونکہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت وہ سب اسی کی ولایت میں ہیں اس لیے کہ دار ایک ہے اور وہ مال جس کو اس نے مسلمان یا ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے وہ بھی اسی کا ہوگا کیونکہ وہ مال قابل احترام قبضے میں ہے اور مسلمان یا ذمی کا قبضہ اس کے اپنے قبضے کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فئے ہوگا۔ رہی بیوی اور بالغ اولاد تو اس دلیل کی سبب سے فئے ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں اور وہاں وہ مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو اس سبب سے وہ فئے ہے کہ وہ مال محترم نہیں ہے، کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مستامن جب دارالحرب کو چلا گیا تو اب پھر حربی ہو گیا اور اگر اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ مال رکھا تھا یا اُن پر اُس کا دَین تھا اور اُس کافر کو کسی نے قید کر لیا یا اُس ملک کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اُس کو مار ڈالا تو دَین ساقط ہو گیا اور وہ امانت فے ہے اور اگر بغیر غلبہ وہ مارا گیا یا مر گیا تو دَین اور امانت اُس کے وارثوں کے لیے ہے۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانہر، ج ۲، ص ۴۵۳)

دارالحرب میں اسلام لانے والے کے قتل کا بیان

(وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا أَوْ خَطَأً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُونَ هُنَاكَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَإِ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمْدِ ؛ لِأَنَّهُ أَرَاقَ دَمًا مَعْصُومًا (لِوُجُودِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ) لِكَوْنِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤْثِمَةُ ؛ لِحُصُولِ أَصْلِ الزَّجْرِ بِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إِجْمَاعًا ، وَالْمُقَوِّمَةُ كَمَالٌ فِيهِ لِكَمَالِ الِامْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُونُ وَصْفًا فِيهِ فَتَتَعَلَّقُ بِمَا عُلِّقَ بِهِ الْأَصْلُ .

وَلَنَا قَوْله تَعَالَى (فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ) الْآيَةَ .

جَعَلَ التَّحْرِيرَ كُلَّ الْمُوجِبِ رُجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلَى كَوْنِهِ كُلَّ الْمَذْكُورِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ ، وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْثِمَةَ بِالْآدَمِيَّةِ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيفِ ، وَالْقِيَامَ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا .

أَمَّا الْمُقَوِّمَةُ فَالْأَصْلُ فِيهَا الْأَمْوَالُ ؛ لِأَنَّ التَّقَوُّمَ يُؤْذِنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُونَ النُّفُوسِ ؛ لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلَ ، وَهُوَ فِي الْمَالِ دُونَ النَّفْسِ فَكَانَتْ النُّفُوسُ تَابِعَةً ، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوِّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ ؛ لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنَعَةِ فَكَذَلِكَ فِي النُّفُوسِ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ مَنَعَةِ الْكَفَرَةِ ؛ لِمَا أَنَّهُ أَوْجَبَ إِبْطَالَهَا . وَالْمُرْتَدُّ وَالْمُسْتَأْمَنُ فِي دَارِنَا مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِهِمَا الِانْتِقَالَ إِلَيْهَا .

ترجمہ

اور جب کوئی دارالحرب میں اسلام لایا اور کسی مسلمان نے اسے عمداً یا خطاً قتل کردیا اور دارالحرب میں اس کے مسلم ورثاء موجود ہوں تو قاتل پر قتل خطا میں کفارہ کے سوا کچھ نہیں واجب ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ قتل خطا میں دیت واجب ہے اور عمد میں قصاص، اس لیے کہ قاتل نے ایسا خون بہایا ہے جو عاصم یعنی اسلام کی سبب سے معصوم ہے کیونکہ اسلام کرامت وشرافت لے آتا ہے۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ عصمت درحقیقت (قاتل کو) گنہ گار بنا دیتی ہے، اس لیے کہ عصمت سے زجر حاصل ہوجاتا ہے اور (مذکورہ نومسلم میں) یہ عصمت بالاتفاق ثابت ہے اور عصمت کا مقومہ ہونا زجر کا کمال ہے، کیونکہ اس کی سبب سے کمال

امتناع حاصل ہوگا لہٰذا یہ کمال اس اصل میں وصف ہوگا لہٰذا جس چیز سے اصل متعلق ہے اسی سے وصف بھی متعلق ہوگا (یعنی اسلام سے دونوں متعلق ہوں گے)۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے کو پوری جزاء اور سزاء قرار دیا ہے حرف فاء کی طرف نظر کرتے ہوئے، یا اس لیے کہ جو مذکور ہے وہی پوری سزاء ہے، لہٰذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ عصمت آدمی ہونے کی سبب سے گنہگار کرتی ہے، کیونکہ آدمی شریعت کے احکام بجالانے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے اور چھیڑ خانی کا حرام ہونا بھی احکام بجالانے میں شامل ہے۔ رہے اموال تو وہ آدمیت کے تابع ہیں۔ اور عصمت اس لیے مقوم ہوتی ہے کہ اس میں اموال اصل ہوتے ہیں، کیونکہ متقوم ہونا فوت شدہ چیز کی تلافی کی خبر دیتا ہے اور یہ چیز اموال ہی میں ہوسکتی ہے، نفوس میں نہیں، اس لیے کہ جبر کے لیے تماثل شرط ہے اور یہ تماثل مال میں ہوسکتا ہے، نفوس میں نہیں ہوسکتا اس لیے (دیت میں) مال اصل ہے اور نفوس اموال کے تابع ہیں۔

پھر اموال کی عصمت مقومہ احراز بدارالاسلام سے ثابت ہوگی، کیونکہ عزت قوت سے حاصل ہوتی ہے اور نفوس کا بھی یہی حکم ہوگا، مگر شریعت نے کفار کی طاقت کا اعتبار ختم کردیا ہے کیونکہ شریعت نے قوت کفار کا ابطال واجب کیا ہے۔ اور دارالاسلام کے مرتد اور مستامن حربیوں کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ وہ دارالاسلام واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مسلمان کو مستامن کے بدلے قتل نہ کرنے کا بیان

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلمان یا ذمی کو مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ مستامن کو مستامن کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ مرد کو عورت کے بدلے چھوٹے کو بڑے۔ صحیح کو اندھے اور دائمی بیمار اور ناقص الاعضاء اور پاگل کے عوض قتل کیا جائے گا۔ باپ کو بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بیٹے کو باپ کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ (ہدایہ 4، 478)

جس نے کسی عمداً زخمی کیا کچھ عرصہ بعد زخمی مر گیا، زخم لگانے والے کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا۔ پوری جماعت نے دانستہ ایک آدمی کو قتل کیا۔ سب کو بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ اگر ایک شخص نے دانستہ پوری جماعت کو قتل کیا، مقتولوں کے والی وارث حاضر تھے سب کی طرف سے اسے قتل کردیا جائے گا۔ اور بس جس پر قصاص تھا وہ مر گیا تو قصاص ختم۔ (مختصر ہدایہ 4، 487)

بیمار، تندرست، بے کار، بیروزگار، صاحب روزگار، معذور سبھی شامل ہیں۔ سب انسانوں۔ مسلمانوں اور ذمیوں (غیر مسلم لوگ جو دارالاسلام میں رہتے ہیں) مردوں۔ عورتوں کے خون کے برابر قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ اور سب کی دیت شرعاً برابر ہے۔ واجب نہیں۔ یونہی حربی قیدی جو ہمارے قبضہ میں ہیں، امام کو اختیار ہے کہ انہیں قتل کرے یا چھوڑ دے، یونہی جو مسلمان دارالحرب میں چلا جائے اسے وہاں دشمن کو قتل کرنا یا قیدی بنانا جائز ہے۔ جس میں قصاص واجب ہے۔ یہ ہے مسلمان کو دارالاسلام میں، بلا شبہ قصداً عمداً قتل کرنا، اس کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے۔

ایک وہ قتل ہے جس میں قصاص نہیں دیت ہے، یہ قتل شبہ عمد میں ہے، یونہی باپ کا بیٹے کو قتل کرنا، اور حربی مستامن اور معاہد کو قتل کرنا، جہاں شبہ پیدا ہو جائے وہاں قصاص نہیں دیت ہے۔

دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کو دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے قتل کرنا یونہی دارالحرب میں قیدی مسلمان کو قتل کرنا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر، قاتل کے لئے کوئی حد نہیں، ہاں تعزیر کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ دی جا سکتی ہے۔

قتل خطاء میں وجوب دیت کا بیان

(وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَأً لَا وَلِيَّ لَهُ أَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ إلَيْنَا بِأَمَانٍ فَأَسْلَمَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ) ؛ لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً خَطَأً فَتُعْتَبَرُ بِسَائِرِ النُّفُوسِ الْمَعْصُومَةِ ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ لِلْإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ (وَإِنْ كَانَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْإِمَامُ قَتَلَهُ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ) ؛ لِأَنَّ النَّفْسَ مَعْصُومَةٌ ، وَالْقَتْلَ عَمْدٌ ، وَالْوَلِيَّ مَعْلُومٌ وَهُوَ الْعَامَّةُ أَوْ السُّلْطَانُ .

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ) وَقَوْلُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيقِ الصُّلْحِ ؛ لِأَنَّ مُوجَبَ الْعَمْدِ وَهُوَ الْقَوَدُ عَيْنًا ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الدِّيَةَ أَنْفَعُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنْ الْقَوَدِ فَلِهَذَا كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ (وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْفُوَ) ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَّةِ وَوِلَايَتُهُ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنْ النَّظَرِ إسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ .

ترجمہ

جب کسی نے ایسے مسلمان کو خطا قتل کیا جس کا کوئی ولی نہ ہو یا ایسے حربی کو قتل کیا جو امان لے کر دارالاسلام آیا ہو اور پھر مسلمان ہو گیا تو قاتل کے عاقلہ پر واجب ہے کہ امام کو مقتول کی دیت ادا کریں اور قاتل پر کفارہ ہوگا، کیونکہ اس نے نفس معصومہ کو خطا قتل کیا ہے، لہٰذا اسے تمام نفوسِ معصومہ پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ماتن کے قول للامام کا مطلب یہ ہے کہ دیت لینے کا حق اسی کو ہے، کیونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اور جب قتل عمد ہو تو جب امام چاہے تو قاتل کو قتل کر دے اور جب چاہے تو اس سے دیت لے، کیونکہ نفس معصوم ہے، قتل عمد ہے اور ولی متعین ہے اور وہ عوام ہیں یا امام ہے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جس کا کوئی ولی نہ ہو، بادشاہ اس کا ولی ہے، اور ماتن کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام مصلحت کے طریقے پر دیت لے سکتا ہے، کیونکہ قتل عمد کا موجب قصاص ہی ہے، مگر اس مسئلے میں دیت مسلمانوں کے لیے قصاص سے زیادہ نفع بخش ہے، اسی لیے امام کو مال کے عوض صلح کرنے کی ولایت حاصل ہوگی، مگر اسے معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اصل حق تو عوام کا ہے اور امام کی ولایت مبنی بر شفقت ہوتی ہے حالانکہ بغیر عوض کے عوام کا حق ساقط کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

قتل خطاء کی دیت میں فقہی مذاہب

حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاننا چاہئے کہ قتل خطاء جس سے مراد شبہ عمد ہے اور جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں بھی ہونی چاہئیں جن کی پیٹ میں بچے ہوں "(نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 654)

ابوداؤد نے اس روایت کو ابن عمرو اور ابن عمر دونوں سے نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت ابن عمر سے بالفاظ مصابیح نقل کی گئی ہے۔ "یہ روایت بالفاظ مصابیح یوں ہے (الا ان فی قتل العمد الخطاء بالسوط و العصاء مائۃ من الابل مغلظۃ منہا اربعون خلقۃ فی بطونہا اولادھا) یعنی جاننا چاہئے کہ قتل عمد خطاء جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سو اونٹ دیت مغلظہ ہے جن میں چالیس اونٹنیاں ایسی بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں، گویا اس روایت میں قتل عمد خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمد ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہوا۔

اس بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطاء محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کی جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلا ہتھیار یا دھار دار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کر دے، یا پھاڑ ڈالے اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھار دار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہو، یا ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو، اور قتل خطاء یہ ہے کہ کسی کو خطاء (یعنی بلا قصد قتل یا نشانہ کی خطاء سے) ہلاک کر دیا جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ "لاٹھی" کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری، جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جا سکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لئے وہ "لاٹھی" کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو۔ بعض روایتوں میں "دیت" کے ساتھ مغلظہ کا لفظ بھی منقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصابیح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے، چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعود، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت ابو یوسف، اور حضرت امام احمد، کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سو اونٹ واجب ہوں جن کی ابتداء باب میں گزر چکی ہے اور حضرت امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح کے سو اونٹ واجب ہوں۔

لیکن قتل خطاء میں بالاتفاق دیت مغلظہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سو اونٹ واجب ہوتے ہیں یعنی بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون بیس حقہ اور بیس جذعہ۔ دیت مغلظہ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے مسلک کی دلیل ہے، لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعود اور حضرت سائب ابن یزید سے مروی ہے لہٰذا ہم نے متعین پر عمل کیا ہے۔

بَابُ العُشْرِ وَالخَرَاجِ

﴿یہ باب عشر وخراج کے بیان میں ہے﴾

باب عشر وخراج کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے قبل حربی مستامن کے ذمی ہونے سے متعلق مسائل کو بیان کیا ہے اور یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ اس پر لازم ہونے والا خراج اور اس کے احکام کو بیان کریں گے۔ البتہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کو اس کو خراج سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ عشر کا لغوی معنی دسواں حصہ ہے جبکہ خراج کا لغوی معنی ہے ہر وہ چیز جو زمین یا غلام کے سبب پیداوار سے نکالی جائے اور اس کو وصول کیا جائے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۴۲، حقانیہ ملتان)

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک عشر کا حکم شرعی

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ہے کیونکہ آپ کے نزدیک علی الاطلاق عشر واجب ہے اور آپ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (البقرہ، ۲۶۷)

اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔ اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے ۔ اور تمہیں ملے تو نہ لو گے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔ کنز الایمان)

حضرت امام ابوحنیفہ کے ہاں ہر اس چیز میں عشر یعنی دسواں حصہ نکالنا واجب ہے جو زمین سے پیدا ہو خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو لیکن بانس، لکڑی اور گھاس میں عشر واجب نہیں ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ما اخرجته الارض ففيه العشر۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لیے کسی مقدار معین کی شرط نہیں ہے اسی طرح سال گزرنے کی بھی قید نہیں بلکہ جس قدر اور جب بھی پیداوار ہوگی اسی وقت دسواں حصہ نکالنا واجب ہو جائے گا دوسرے مالوں کے برخلاف کہ ان میں زکوۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں اور ان پر ایک سال پورا گزر جائے۔

زمین کی پیداوار پر عشر دینے میں فقہی بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز وشاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعے کنویں سے سیراب کیا گیا ہو تو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ واجب ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ جو زمین بارش سے سیراب کی جاتی ہو یا چشموں، نہروں اور ندی نالوں کے ذریعے اس میں پانی آتا ہو تو ایسی زمین سے جو بھی غلہ وغیرہ پیدا ہوگا اس میں سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔

عشری اس زمین کو کہتے ہیں جس کو عاثور سیراب کیا جائے اور عاثور اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین پر بطور تالاب کھودا جاتا ہے اس میں سے کھیتوں وغیرہ میں پانی لے جاتے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عشری اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے قریب ہونے کی سبب سے ہمیشہ تر وتازہ اور سرسبز وشاداب رہتی ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر نے انہیں ان کے والد نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ زمین جس کو آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے اور وہ زمین جس کو کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ یہ حدیث یعنی عبداللہ بن عمر کی حدیث کہ جس کھیتی میں آسمان کا پانی دیا جائے دسواں حصہ ہے پہلی حدیث یعنی ابوسعید کی حدیث کی تفسیر ہے۔ اس میں زکوٰۃ کی کوئی مقدار مذکور نہیں ہے اور اس میں مذکور ہے۔ اور زیادتی قبول کی جاتی ہے۔ اور گول مول حدیث کا حکم صاف صاف حدیث کے موافق لیا جاتا ہے۔ جب اس کا راوی ثقہ ہو۔ جس طرح فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔ لیکن بلال رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ آپ نے نماز (کعبہ میں) پڑھی تھی۔ اس موقع پر بھی بلال رضی اللہ عنہ کی بات قبول کی گئی اور فضل رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیا گیا۔

اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ثقہ اور ضابط شخص کی زیادتی مقبول ہے۔ اسی بنا پر ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ زکوٰۃ میں مال کا کون سا حصہ لیا جائے گا یعنی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ اس حدیث یعنی ابن عمر کی حدیث میں زیادتی ہے تو یہ زیادتی واجب القبول ہوگی۔ بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے یہ حدیث یعنی ابوسعید کی حدیث پہلی حدیث یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نصاب کی مقدار مذکور نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک پیداوار سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ لیے جانے کا اس میں ذکر ہے۔ خواہ پانچ وسق ہو یا اس سے کم ہو۔ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تفصیل ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ تو یہ زیادتی ہے۔ اور زیادتی ثقہ اور معتبر راوی کی مقبول ہے۔

زمینی پیداوار میں قید وسق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلہ اور پھلوں کے نصاب عشر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک پانچ وسق کو نصاب قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم کے نزدیک وسق کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ زمینی پیداوار میں جس بھی پھل اور سبزیاں ہیں ان کی مقدار کے مطابق ان میں عشر یا نصف عشر دینا واجب ہے۔ (المغنی، ج ۲، ص ۲۹۰، بیروت)

عرب کی ساری زمین کے عشری ہونے کا بیان

قَالَ :(أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرٍ ، وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ إِلَى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادُ أَرْضُ خَرَاجٍ ، وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقَبَةِ حُلْوَانَ ، وَمِنْ الثَّعْلَبِيَّةِ وَيُقَالُ مِنْ الْعَلْثِ إِلَى عَبَّادَانَ) ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخَرَاجَ مِنْ أَرَاضِي الْعَرَبِ ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَا يَثْبُتُ فِي أَرَاضِيهِمْ كَمَا لَا يَثْبُتُ فِي رِقَابِهِمْ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ وَضْعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ وَمُشْرِكُو الْعَرَبِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ إلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ ، وَعُمَرُ حِينَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ ، وَوَضَعَ عَلَى مِصْرَ حِينَ افْتَتَحَهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ ، وَكَذَا اجْتَمَعَتْ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ .

ترجمہ

عرب کی پوری زمین عشری ہے جو عذیب سے لے کر شام کی سرحد تک یمن میں مہرہ پتھر کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور سواد عراق کی زمین خراجی ہے جو عذیب سے لے کر عقبہ حلوان تک ہے اور ثعلبیہ یا علث سے لے کر عبادان تک ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے عرب کی زمینوں سے خراج نہیں لیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خراج فئے کے درجے میں ہے، لہٰذا جس طرح عرب والوں کی ذات میں خراج نہیں ہے اسی طرح ان کی زمینوں میں بھی خراج نہیں ہوگا۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ خراج کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ خراجی زمین والوں کو کفر پر باقی چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ سواد عراق میں ہوا ہے حالانکہ مشرکین عرب سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار سے فیصلہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سواد عراق کو فتح کیا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس کے اہل پر خراج

مقرر فرمایا تھا، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو اپر خراج مقرر فرمایا نیز ملک شام پر خراج مقرر کرنے کے حوالے سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہوئے تھے۔

خاص عشور کی ایجاد کا بیان

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔

البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حربیوں سے دس فیصد، ذمیوں سے پانچ فیصد، مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ جس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے، اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت کے مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں پہ عشر لیا جائے۔ یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔

علامہ عالم بن علاء الانصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "زکوۃ کے برخلاف عشر مقروض پر بھی واجب ہوتا ہے۔"

(فتاوی تاتارخانیہ، کتاب العشر، ج ۲، ص ۳۳۰)

اہل سواد کی زمینوں کا بیان

قَالَ :(وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا) ؛ لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا عَنْوَةً وَقَهْرًا لَهُ أَنْ يُقِرَّ أَهْلَهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلَى رُءُوسِهِمْ الْخَرَاجَ فَتَبْقَى الْأَرَاضِي مَمْلُوكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

فرمایا کہ سواد والوں کی زمین ان کی مملوکہ ہے حتی کہ ان کے لیے زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ امام جب غلبہ اور زور سے کسی زمین کو فتح کرتا ہے تو اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور

اس زمین پر اور وہاں کے باشندوں پر پر خراج متعین کر دے اور وہ زمین وہاں کے لوگوں کی مملوک رہیں۔ اور اس سے پہلے ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

زمین کو اہل ملک کو سپرد کرنے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیریں تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں، قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن الیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ (مقریزی صفحہ 215)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت خرید کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ صفحہ 93)

غازیوں میں تقسیم کردہ زمین کے عشری ہونے کا بیان

قَالَ (: وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ) ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْمُسْلِمِ وَالْعُشْرُ أَلْيَقُ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ ، وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ .

ترجمہ

فرمایا کہ وہ زمین جس کے باشندے اسلام لے آئیں یا قہراً فتح کر کے اسے غازیوں میں تقسیم کر دیا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ اس زمین میں ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنے کی حاجت ہے اور عشر مسلمان کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اس میں عبادت کے معنی ہیں نیز وہ اخف بھی ہے اس لیے اس کا تعلق صرف پیداوار سے ہوتا ہے۔

خراج اور اس کی اقسام کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کھجوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اسکا آدھا پھل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے ہوگا(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 192)

اور بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو یعنی وہاں کی زمین اور درخت کو اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پھر اس کی پیداوار کا آدھا حصہ یہودیوں کا حق ہوگا اور آدھا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے لیں گے۔

خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریبا ۶۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے پہلے یہ ایک مشہور مقام رہ چکا ہے جہاں یہودیوں کی بود باش تھی لیکن اب یہ بستی چند گاؤں کا مجموعہ ہے چونکہ اس کی آب وہوا اچھی نہیں ہے اس لئے یہاں لوگ اقامت اختیار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اسکے علاقہ میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

بہر حال یہ حدیث علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ کے تمام علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ مساقات ومزارعت جائز ہے حضرت امام اعظم یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساقات ومزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مساقات ومزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی املاک کو انہیں کے حوالے کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لئے مقرر فرمایا چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں(۱) خراج مؤظف (۲) خراج مقاسمت۔

خراج مؤظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لینا مقرر کر لیتا ہے جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو حلے یعنی جوڑے لئے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے لیتے تھے

فتح کردہ زمین کے عشری ہونے کا بیان

(وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ) وَكَذَا إذَا صَالَحَهُمْ ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخَرَاجُ أَلْيَقُ بِهِ ، وَمَكَّةُ مَخْصُوصَةٌ مِنْ هَذَا ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا ، وَلَمْ يُوَظِّفْ الْخَرَاجَ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ كُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ إلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ ، وَمَا لَمْ يَصِلْ إلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَاسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ) ؛

لِأَنَّ الْعُشْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُشْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَاجِ .

ترجمہ

اور وہ زمین جو قہراً فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دیا گیا تو وہ خراجی زمین ہے اسی طرح جب ان لوگوں سے صلح کی گئی ہو، کیونکہ نزدیک پہلے کافر پر لگان مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور خراج کافر کے زیادہ لائق ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے الگ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسے قہراً فتح کر کے اہل مکہ کو وہیں رہنے دیا تھا اور ان پر خراج نہیں مقرر کیا تھا۔

جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہراً فتح کی گئی ہو اور وہاں نہروں کا پانی جاتا ہو وہ خراجی ہے اور جہاں نہروں کا پانی نہ جاتا ہو، بلکہ اسی جگہ چشمہ نکالا گیا ہو تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق پیدا کرنے والی زمین سے ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اس کے پانی سے ہوتی ہے لہٰذا عشری یا خراجی پانی سے سیراب کرنے پر عشر یا خراج کا اعتبار ہوگا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو زراعت بارش، نہر یا چشمہ سے یا خود بخود زمین کی تری پا کر اگے اسمیں دسواں حصہ لازم ہوگا اور جس زراعت میں پانی کھینچ کو دیا جائے اسمیں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: جلداول: حدیث نمبر 1592)

عراق کا خراج

افتادہ زمین پر جبکہ قابل زراعت ہو، دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج 8 کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے، اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ مالکان اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔

(کتاب الخراج، از امام ابو یوسف)

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔ جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں، تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعۃً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کی اظہار لیے جانا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ 165، اصل عبارت یہ ہے :ان عمر ابن الخطاب کان من یحی العراق کل سنة مائة الف الف اوقیه ثم یخرج الیه عشرة من اهل الکوفة و عشرة من اهل البصرة یشهدون اربع شهادات بالله انه من طیب مافیه ظلم مسلم و لا معاهد "(12)

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر چہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا۔

مردہ زمین کو زندہ کرنے پر عشری یا خراجی ہونے کا بیان

قَالَ :(وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا ، فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ) وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهِ (فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ) ، وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ (وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ عُشْرِيَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ) ؛لِأَنَّ حَيِّزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ ، كَفِنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوزَ لِصَاحِبِهَا الِانْتِفَاعُ بِهِ.

وَكَذَا لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَا قَرُبَ مِنْ الْعَامِرِ ، وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ أَنْ تَكُونَ خَرَاجِيَّةً ؛ لِأَنَّهَا مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ ، إلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ وَظَّفُوا عَلَيْهَا الْعُشْرَ فَتُرِكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ (وَقَالَ مُحَمَّدٌ :إنْ أَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا أَوْ بِعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءِ دِجْلَةَ أَوْ الْفُرَاتِ أَوْ الْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ) وَكَذَا إنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ (وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ) مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ (فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ) لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ اعْتِبَارِ الْمَاءِ إذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ وَلِأَنَّهُ لَا

يُمْكِنُ تَوْظِيفُ الْخَرَاجِ ابْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كَرْهًا فَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ الْمَاءُ، لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةُ الْتِزَامِهِ.

ترجمہ

فرمایا کہ جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اسکے قرب پر اس کا اعتبار ہوگا چنانچہ جب وہ خراجی زمین سے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی اور جب عشری زمین سے قریب ہوگی تو عشری ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حضرات صحابہ کرام کے اجماع سے بصرہ کی ساری زمین عشری ہے، اس لیے کہ حیزشئی کو شئی کا حکم دیدیا جاتا ہے جس طرح فنائے دار کو دار کا حکم دیدیا گیا ہے حتیٰ کہ صاحب دار کے لیے فنائے دار سے نفع اٹھانا جائز ہوتو ہے نیز آبادی کے قریب جو زمین ہوتی ہے اس لینا جائز نہیں ہوتا۔

اور بصرہ کے متعلق قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی زمین ہو، اس لیے کہ وہ خراجی زمین کے قریب ہے مگر حضرات صحابہ کرام نے بصرہ پر عشر مقرر فرمایا تھا اس لیے ان کے اجماع کی سبب سے قیاس کو ترک کردیا گیا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر کسی نے ارض موات کو سیراب کیا یا دجلہ اور فرات کے پانی سے اور ان بڑی نہروں کے پانی سے سینچا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تو وہ عشری ہوگی، نیز جب آسمانی پانی سے زندہ کیا تو بھی وہ عشری ہوگی۔ اور جب ان نہروں کے پانی سے سیراب جنہیں شاہانِ عجم نے کھودوایا ہے جس طرح نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی زمین ہوگی، اس دلیل کی سبب سے جو پانی کو معتبر ماننے کے سلسلے میں ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ پانی ہی نماء کا سبب ہے اور اس لیے کہ شروع سے ہی زبردستی کر کے مسلمان پر خراج لازم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس سلسلے میں پانی کا اعتبار ہوگا، کیونکہ خراجی پانی سے کھینچنا خراج کے لازم ہونے کی دلیل ہے۔

شرح

جو کھیت بارش، نہر، نالے کے پانی سے (قیمت ادا کئے بغیر) سیراب کیا جائے، اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے، ☆ جس کھیت کی آبپاشی ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے ہو، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے، ☆ اگر (نہر یا ٹیوب ویل وغیرہ کا) پانی خرید کر آبپاشی کی ہو یعنی وہ پانی کسی کی ملکیت ہے اس سے خرید کر آبپاشی کی، جب بھی نصف عشر واجب ہے، ☆ اگر وہ کھیت کچھ دنوں بارش کے پانی سے سیراب کردیا جاتا ہے اور کچھ ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے، تو اگر اکثر بارش کے پانی سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی کبھی ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے تو عشر واجب ہے ورنہ نصف عشر واجب ہے۔

(درمختار، کتاب الزکوۃ، باب العشر، ج۳، ص۳۳۰)

موات زمین کے متعلق فقہی احکام کا بیان

صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی سبب سے نا قابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو لہذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین موات ہے۔

احیا موات سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلا دیا جائے۔

اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعی اور صاحبین یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

شرب کے لغوی معنی ہیں پینے کا پانی پانی کا حصہ گھاٹ اور پینے کا وقت اصطلاع شریعت میں اس لفظ کا مفہوم ہے پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے برتنے اپنی کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن (یعنی دریا اور تالاب وغیرہ) میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا اس سے بلا تخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں دریا نہروں نالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو فرق ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور نالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے کھیت و باغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں روکا جا سکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا چاند سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ خدا نے ان نعمتوں کو بلا تخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع و فائدہ کسی خاص شخص یا کسی خاص طبقے کے لے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں اسی طرح کنویں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنویں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرے یعنی افتادہ زمین میں زراعت کرے تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے

افتادہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنویں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنویں یا اس نہر کے ہونے کی سبب سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے اور جو پانی کسی برتن یا ٹینکی وغیرہ میں بھر لیا جاتا ہے وہ اس برتن و ٹینکی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مار لے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں اتر آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بقیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود ملکیت میں پانی کے طلب گار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے جبکہ وہ پانی کا طلبگار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے پانی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریب جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اسی مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنویں سے پانی لا کر دیدے یا اسے اجازت دیدے کہ وہ وہاں آ کر پانی لے سکے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنیوالے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی سبب سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آ گئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا ہے یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اسکے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جا رہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کر لے جبکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی سبب سے مرا جا رہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اسکو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنی درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کئے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر سزا کے قائم مقام ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خراج مقرر کرنے کا بیان

قَالَ (: وَالْخَرَاجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ ، وَمِنْ جَرِيبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخِيلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ عُمَرَ ، فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ حَتَّى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ ، وَجَعَلَ حُذَيْفَةَ مُشْرِفًا عَلَيْهِ ، فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَثَلَاثِينَ أَلْفَ أَلْفِ جَرِيبٍ وَوَضَعَ عَلَى ذَلِكَ مَا قُلْنَا ، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَكَانَ إجْمَاعًا مِنْهُمْ .

وَلِأَنَّ الْمُؤَنَ مُتَفَاوِتَةٌ فَالْكَرْمُ أَخَفُّهَا مُؤْنَةً وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا مُؤْنَةً وَالرُّطَبُ بَيْنَهُمَا ، وَالْوَظِيفَةُ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكَرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرُّطَبَةِ أَوْسَطَهَا .

قَالَ :(وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَيْرِهِ يُوضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ تَوْظِيفُ عُمَرَ وَقَدْ اعْتَبَرَ الطَّاقَةَ فِي ذَلِكَ فَنَعْتَبِرُهَا فِيمَا لَا تَوْظِيفَ فِيهِ .

قَالُوا :وَنِهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَاجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَا يُزَادُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عَيْنُ الْإِنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِينَ .

ترجمہ

اور خراج وہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد پر مقرر فرمایا تھا وہ اس طرح تھا کہ ہر وہ جریب رطبہ سے پانچ دراہم خراج واجب تھا اور ملے ہوئے انگور اور ملی ہوئی کھجور کی جریب سے دس دراہم تھے یہی حضرت عمر سے منقول ہے چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان بن حنیف کو سواد عراق کی پیمائش کے لیے بھیجا اور حضرت حذیفہ کو وہاں کا نگراں مقرر کیا اور جب حضرت عثمان نے سواد عراق کی پیمائش کی تو وہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلا اور ہمارے بتائے ہوئے حساب کے مطابق انھوں نے اس پر خراج مقرر کیا اور یہ کام حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ان کی نکیر کے بغیر ہوا تھا اس لیے ان کی طرف سے اس پر اجماع ہو گیا۔

اور اس لیے کہ زراعتی امور میں محنت اور صرفہ متفاوت ہوتا ہے لہذا انگور میں مونت سب سے کم ہوتی ہے اور اناج کی کھیتی میں سب سے زیادہ ہوتی ہے اور کھیرے ککڑی کی کھیتی میں اسط درجے کی مونت ہوتی ہے اور مونت کے متفاوت ہونے سے محصول میں

بھی فرق ہوتا ہے، اسی لیے انگور میں سب سے زیادہ محصول مقرر کیا گیا ہے اور ناج کی کھیتی میں سب سے کم محصول لازم کیا ہے اور طبقہ میں اسط درجے کا محصول مقرر کیا گیا ہے۔

امام قدوری فرمایا کہ ان کے علاوہ کھیتی کی سب دوسری اقسام ہیں جس طرح زعفران کی کھیتی اور باغ وغیرہ تو ان پر طاقت کے بقدر محصول مقرر کیا جائے گا، کیونکہ ان میں حضرت عمر سے کوئی وظیفہ ثابت نہیں ہے اور حضرت عمر نے اس سلسلے میں طاقت کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا جن میں توظیف نہیں ہے وہاں ہم بھی زمین کی طاقت کا اعتبار کریں گے۔

حضرات مشائخ فرمایا طاقت کی انتہاء یہ ہے کہ واجب کردہ مقدار پیداوار کے نصف تک پہنچے اور اس سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ نصف مقرر کرنے ہی عین انصاف ہے کیونکہ ہمیں یہ بھی حق تھا کہ ہم پوری زمین غازیوں میں تقسیم کر دیں۔

خراجی اور عشری زمینوں کی تقسیم کا بیان

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم۔ یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے:

1 عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

2 جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی، مثلاً لاوارث مرگیا، یا مفرور ہوگیا، یا بغاوت کی یا استعفیٰ دے دیا۔

3 جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وخباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایۃً عشرہ مقرر کیا جاتا تھا۔

(کتاب الخراج صفحہ 35 تا 37)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کے تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان تمام محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو

سخت تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کرسکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

بستان کی تعریف کا بیان

وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوطُهَا حَائِطٌ وَفِيهَا نَخِيلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ ، وَفِي دِيَارِنَا وَظَّفُوا مِنْ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِي كُلِّهَا وَتُرِكَ كَذَلِكَ ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ كَانَ .

ترجمہ

اور بستان ہر وہ زمین ہے جس کو چاروں طرف سے دیوار گھیرے ہو اور اس میں مختلف قسم کے درخت اور پیڑ ہوں۔ اور ہمارے علاقے میں تمام زمینوں میں دراہم سے وظیفہ لیا جاتا ہے اور اوپر بیان کردہ طریقہ متروک کردیا گیا ہے، اس لیے جو مقدار مقرر ہے وہ یہ ہے کہ بقدر طاقت ہو خواہ کسی بھی جنس سے ہو۔

اہل علم کا خراج وعشر سے مال وصول کرنے کا بیان

اور اگر وہ مال فئی مال غنیمت خراج یا عشر میں سے ہے تو پھر مفلس اس کا حقدار ہی ہے اسی طرح ایسے مال میں جو فئی اور خراج عشر میں حاصل ہوا ہو اہل علم کا بھی حق ہے کہ اسے وہ مال لے لینا چاہئے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ سبحہ نے فرمایا تھا کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوا اور اس نے قرآن یاد کیا تو وہ بیت المال سے ہر سال دو سو درہم لینے کا حق دار ہے اگر وہ اپنے اس حق کو دنیا میں نہیں لے گا تو وہ یعنی اسکا اجر اسے عقبی میں مل جائیگا۔ لہذا ثابت ہوا کہ مفلس اور عالم دین کو بیت المال سے اپنا حق لے لینا چاہئے۔

امام کا موصول کو کم کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهُمْ الْإِمَامُ) وَالنُّقْصَانُ عِنْدَ قِلَّةِ الرِّيعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ ؛ أَلَا تَرَى إلَى قَوْلِ عُمَرَ :لَعَلَّكُمَا حَمَّلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ ، فَقَالَا :لَا بَلْ حَمَّلْنَاهَا مَا تُطِيقُ ، وَلَوْ زِدْنَا لَأَطَاقَتْ .وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النُّقْصَانِ ،
وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرِّيعِ يَجُوزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يَزِدْ حِينَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ ، (وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ

السَّمَاءُ أَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوْ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلا خَرَاجَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنَ الزِّرَاعَةِ ، وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ ، وَفِيمَا إِذَا اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَاتَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ فِي بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهُ نَامِيًا فِي جَمِيعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ عِنْدَ خُرُوجِ الْخَارِجِ .

ترجمہ

فرمایااور جب زمین پرلگایا گیامحصول زمین کی برداشت سے باہر ہوتو امام محصول کوکم کردے۔اور پیداوارکم ہونے کی صورت میں محصول کم کرنا بالاتفاق جائز ہے کیا تمہیں حضرت عمر کا وہ فرمان نظر نہیں آتا (جوانہوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف کوجاری کیا تھا) شاید دونوں نے زمین پراتنا محصول لگادیا جواس کی طاقت سے خارج ہے توانھوں نے عرض کیا نہیں ہم نے تو اس کی طاقت کے مطابق محصول لگایا ہے اور جب اس سے زیادہ محصول لگادیتے تو بھی زمین اسے برداشت کرلیتی۔ یہ قول جواز نقصان کی دلیل ہے۔

پیداوارزیادہ ہونے کی صورت میں امام محمد کے نزدیک کمی پر قیاس کرتے ہوئے محصول میں اضافہ کرنا جائز ہے،مگرامام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عمر کو پیداوارزیادہ ہونے کی خبر دی گئی توانھوں نے محصول میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔اور جب خراجی زمین میں بہت زیادہ پانی بھر گیایا اس کا پانی خشک ہوگیا یا کسی آفت نے کھیتی کوتباہ وبرباد کردیا تو اس سے کھیتی تباہ ہوجائے تو نمائے تقدیری بعض سال میں فوت ہوگیا حالانکہ اس کا پورے سال نامی ہونا (واجب خراج کے لیے) شرط ہے جس طرح کہ مال زکوۃ میں ہے۔یا پیداوارظاہر ہونے کی صورت میں حکم کا مدار حقیقی نما پر رکھا جائے گا۔

یہودونصاریٰ پروجوب عشر کا بیان

حضرت حرب ابن عبیداللہ اپنے جد (نانا) سے اوروہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہودونصاریٰ پرعشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے مسلمانوں پر(چالیسواں حصہ واجب ہے،ان پرعشر واجب نہیں ہے۔

(احمد،ابوداو'د،مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 1129)

یہاں عشر یعنی دسویں حصہ کا تعلق مال تجارت سے ہے صدقات واجبہ(یعنی زمینی پیداوار) کا عشر مرادنہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر زمینی پیدوار کا عشر واجب ہوتا ہے۔خطابی کہتے ہیں کہ یہودونصاریٰ پرعشر کی قسم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ بس وہی ہے جس پران کوذمی بناتے وقت صلح ہوئی ہواور جس کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو،اوراگران کوذمی بناتے وقت ان سے کسی چیز پر صلح نہیں ہوتی ہے تواس صورت میں ان پر جزیہ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے۔

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہود ونصاریٰ اپنے شہروں میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے وقت ان کے مال تجارت پر محصول (ٹیکس) وغیرہ لیتے ہوں تو مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ جب ان کے شہروں میں یہود ونصاریٰ آئیں تو ان کے تجارت پر مسلمان بھی ان سے محصول لیں اور اگر وہ مسلمانوں سے کسی طرح کا کوئی محصول نہ لیتے ہوں تو پھر مسلمان بھی ان سے کوئی محصول نہیں لیں گے۔

زبردستی محصول لینے کی ممانعت ومذمت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے اپنے کسی قصور پر عذر خواہی کرے اور وہ مسلمان شخص اس کو معذور قرار نہ دے یا اس کے عذر کو قبول نہ کرے یعنی یوں کہے کہ تم عذر تو رکھتے ہو مگر میں تمہارے عذر کو قبول نہیں کرتا تو وہ اسی درجہ گنہ گار ہوگا جس درجہ کا صاحب مکس گنہ گار ہوتا ہے ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مکاس عشر لینے والے کو کہتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 980)

مکس کے معنی ہیں محصول لینا اسی اعتبار سے عشر لینے کا مکاس کہا جاتا ہے اور عام طور پر صاحب مکس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو از راہ ظلم وتعدی ناحق محصولات وصول کرے ناحق اور خلاف شرع محصولات لگانے اور وصول کرنے کا گناہ بہت سخت ہے ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ صاحب مکس جنت میں نہیں جائے گا عذر خواہی کو قبول نہ کرنے والے اور صاحب مکس کے درمیان مشابہت کی سبب شاید یہ ہے کہ مذکورہ شخص کی طرح مکس بھی محصول دہندہ کے کسی عذر اور دلیل کو قبول نہیں کرتا کوئی تاجر لاکھ کہے کہ مجھ پر اس قدر محصول عائد نہیں ہوتا میرے پاس مال تجارت کا نہیں ہے بلکہ امانت کا ہے اور یا یہ کہ میں قرض دار ہوں یہ محصول ادا نہیں کر سکتا وغیرہ مگر وہ اس کی بات کو تسلیم نہیں کرتا اس سے زبردستی محصول وصول کر لیتا ہے۔

عذر خواہی کو قبول نہ کرنے کی مذمت اور اس سے گناہ کے بارے میں حدیث بھی منقول ہے کہ چنانچہ طبرانی نے وسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **من اعتذر الی اخیہ المسلم فلم یقبل عذرہ لم یرد علی الحوض۔**

اگر کسی شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے عذر خواہی کی اور اس نے اس کے عذر کو قبول نہیں کیا تو اس کو حوض کوثر پر آنا نصیب نہیں ہوگا۔ طبرانی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں برا شخص کون ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ہاں اگر آپ اس کو بہتر سمجھیں تو ضرور بتائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں برا شخص وہ ہے جو تنہا کسی منزل پر اترے اپنے غلام کو کوڑے مارے اور اپنی عطا وبخشش سے محروم رکھے پھر فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی برا شخص کون ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں اگر آپ اس کو بہتر سمجھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جو قصور کرنے والے کے عذر کو تسلیم نہ کرے معذرت کو قبول نہ کرنے اور خطا کو معاف نہ کرے پھر فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی برا شخص کون ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ بتائیں اگر آپ بہتر

سمجھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کہ جس سے خیر وبھلائی کی توقع نہ کی جائے اور اس کی فتنہ انگیزیوں سے امن ملتا نہ ہو۔

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو عورتوں کے تئیں پاک دامن رکھو یعنی تم دوسروں کی عورتوں پر بری نظر نہ رکھو تمہاری عورتیں دوسرے لوگوں سے اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھیں گیں۔تم اپنے باپ سے اچھا سلوک کرو تمہارے بیٹے تم سے اچھا سلوک کریں گے اور جس شخص کے پاس اس کا کوئی مسلمان بھائی عذر خواہ بن کر آئے تو چاہیے کہ وہ اس کے عذر کو قبول کرے اور خواہ اس کا عذر صحیح ہو یا غلط۔اگر اس نے اس مسلمان بھائی کے عذر خواہی کو قبول نہیں کیا تو وہ یاد رکھے اس کو حوض کوثر پر آنا نصیب نہیں ہوگا۔امام حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

مالک کا زمین کو بیکار چھوڑنے کے باوجود خراج کا بیان

قَالَ (وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ) ؛ لِأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِي فَوَّتَهُ . قَالُوا : مَنْ انْتَقَلَ إلَى أَخَسِّ الْأَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَعَلَيْهِ خَرَاجُ الْأَعْلَى ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ ، وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُفْتَى بِهِ كَيْ لَا يَتَجَرَّأَ الظَّلَمَةُ عَلَى أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ .

ترجمہ

فرمایا:اور جب مالک زمین کو بے کار چھوڑ دے تو اس پر خراج لازم ہوگا، کیونکہ اسے زراعت پر قدرت حاصل تھی اور اس نے (جان بوجھ کر) اسے فوت کر دیا۔حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص عذر کے بغیر دو امروں میں سے خسیس امر کی طرف مائل ہوا تو اس پر اعلیٰ خراج لازم ہوگا، کیونکہ اس نے زیادہ کو ضائع کر دیا ہے۔یہ صرف معلوم کرنے کے لیے ہے،فتویٰ کے لیے نہیں ہے۔تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے میں جرات نہ کر بیٹھیں۔

زمین کو بیکار چھوڑنے کی ممانعت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا خود کاشت نہ کر سکے) تو اپنے کسی بھائی کو عاریۃً دیدے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے (بخاری و مسلم،مشکوۃ شریف:جلد سوم:حدیث نمبر 197)

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے لہذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تا کہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی سبب سے اسے نفع ہو اور اگر کسی سبب سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃً دیدے۔تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہوگا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے

اور مزارعت کو اختیار کرنے پر از راہ تنبیہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃ دے کر اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃ قبول کرنے سے انکار کردے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہوگا۔

عدم انتفاع والی زمین میں عشر نہ ہونے کا بیان

مفتی حافظ محمد اشتیاق الازہری منہاج القرآن سے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ایسی زمین جس سے کسی قسم کا منافع حاصل نہ کیا جاتا ہو، اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی۔ لہذا آپ کے جو پلاٹ وغیرہ ہیں یا ایسی زمین جس میں فصل نہیں اگاتے ان پر زکوۃ یا عشر فرض نہیں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ (تاریخ اشاعت 23-04-2012)

مسلمان ہونے کے باوجود وصول خراج کا بیان

(وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلَى حَالِهِ) ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمْكَنَ إبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ (وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ الْخَرَاجِ مِنْ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا) ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ اشْتَرَوْا أَرَاضِيَ الْخَرَاجِ وَكَانُوا يُؤَدُّونَ خَرَاجَهَا ، فَدَلَّ عَلَى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَأَخْذِ الْخَرَاجِ وَأَدَائِهِ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ (وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِي مَحَلَّيْنِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَا يَتَنَافَيَانِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِي أَرْضِ مُسْلِمٍ) ، وَلِأَنَّ أَحَدًا مِنْ أَئِمَّةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا ، وَكَفَى بِإِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً ؛ وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِي أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً قَهْرًا ، وَالْعُشْرُ فِي أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا ، وَالْوَصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ ، وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ إلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيرًا ، وَلِهَذَا يُضَافَانِ إلَى الْأَرْضِ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الزَّكَاةُ مَعَ أَحَدِهِمَا .

ترجمہ

اور اہل خراج میں سے جو شخص مسلمان ہو جائے اس سے بدستور خراج لیا جاتا رہے گا، اس لیے کہ خراج میں مونت کے معنی ہیں، لہٰذا حالت بقاء میں اسے مونت ہی مانا جائے گا اور مسلمان پر اس کو باقی رکھنا ممکن ہوگا۔

مسلمانوں کے لیے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس مسلمان سے خراج لیا جائے گا اس دلیل کی سبب سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے خراجی زمین خریدی ہیں اور وہ حضرات ان کا خراج ادا کیا کرتے تھے حضرات صحابہ کا فعل اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کے لیے خراجی زمین خریدنا، اس سے خراج لینا اور اسے مسلمانوں کو دینا بلا کراہت جائز ہے۔ خراجی زمین کی کی پیداوار میں عشر نہیں ہے،

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ عشر اور خراج دونوں لئے جائیں گے اس لیے کہ دونوں دو مختلف حق ہیں جو دو الگ الگ سبب سے دو محل میں واجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہوں گے۔ ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ایک مسلمان کی زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے، اور اس لیے کہ مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی بھی امام نے (خواہ وہ عادل ہو یا ظالم) ان دونوں کو جمع نہیں کیا ہے، اور ان کا اجماع حجت کے لیے کافی ہے۔ اور اس لیے کہ خراج ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جس کو قہراً فتح کیا گیا ہو اور عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے جس کے اہل بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اور دونوں حقوق کا سبب ایک ہے اور وہ ارض نامیہ ہے، مگر عشر میں یہ سبب حقیقتاً معتبر ہے اور خراج میں تقدیراً معتبر ہے، اسی لیے دونوں زمین کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اسی اختلاف پر عشر یا خراج کے ساتھ زکوۃ کا اجتماع ہے۔ اور ایک سال میں پیداوار مکرر ہونے سے خراج مکرر نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عمر نے اسے مکرر مقرر نہیں کیا ہے۔ برخلاف عشر کے کیونکہ عشر اسی وقت ثابت ہوگا جب ہر پیداوار میں سے عشر لیا جائے گا۔

جزیہ والی خرید کردہ زمین میں خراج کا بیان

حضرت ابو درداء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی جزیہ والی زمین کو خریدا اس نے اپنی ہجرت کو توڑ دیا اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لیا اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ "(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 704)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے کوئی خراجی جزیہ والی زمین خریدی تو اس مسلمان پر اس زمین کا وہ جزیہ عائد ہوگا جو اس زمین کے پہلے مالک ذمی پر عائد تھا۔ اور اسی طرح گویا وہ مسلمان دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی سبب سے جن حقوق اور جس شرف وعزت کے دائرہ میں تھا اس سے نکل جائے گا اور ایک کافر کی ذلت یعنی جزیہ کی سختی کو اپنے ہاتھوں اپنے گلے

میں ڈالنے والا ہوگا۔

اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر۔ الخ حدیث کا یہ جزء دراصل پہلے جزء کا بیان اور اس کی وضاحت ہے کہ جس مسلمان نے ایک کافر کے جزیہ کو اپنے ذمہ لے لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی ہوئی عزت دے کر کفر کی ذلت ورسوائی مول لے لی اور اس طرح اس نے کفر کو اسلام کا بدل قرار دیا ہے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ یہاں "جزیہ" سے مراد "خراج" ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے کوئی خراجی زمین خریدے گا تو اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اب وہ اس مسلمان پر عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے

وجوب عشر کے بعض احکام کا خلاصہ

عشر واجب ہونے کیلئے ان کی مقدار مقرر نہیں بلکہ زمین سے غلہ پھل اور سبزیوں کی جتنی پیداوار بھی حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا اگر ان کی پیداوار کا مالک پاگل اور نابالغ ہو تو اس کو بھی عشر دینا ہوگا عشر چونکہ زمین کی پیداوار پر ادا کیا جاتا ہے لہذا جو بھی اس پیداوار ا مالک ہوگا وہ عشر ادا کریگا چاہے وہ مجنون یعنی پاگل اور نابالغ ہی کیوں نہ ہو، قرضدار پر بھی عشر معاف نہیں شرعی فقیر پر بھی عشر واجب ہے کیونکہ عشر واجب ہونے کا سبب زمین نامی یعنی قابل کاشت سے حقیقتاً پیداوار کا ہونا ہے اس میں مالک کے غنی یا فقیر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں عشر واجب ہونے کیلئے پورا سال گزرنا شرط نہیں بلکہ سال میں ایک ہی کھیت میں چند بار پیداوار ہوئی تو ہر بار عشر واجب ہے جو کھیت بارش نہر نالے کے پانی سے قیمت ادا کئے بغیر سیراب کیا جائے اس میں عشر دسواں حصہ اور جس کھیت کی آبپاشی ڈول یا اپنے ٹیوب ویل وغیرہ سے کو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے ٹھیکے پر دی جانیوالی زمین پر بھی عشر ہوگا اس عشر کی ادائیگی کاشتکار پر واجب ہوگی اگر زمین کا مالک مزارعوں سے کاشت کراتا ہے تو جو جسکا حصہ ہوگا اس پر عشر دینا ہوگا گھر یا قبرستان میں جو پیداوار ہو اس مین عشر واجب نہیں جب بھی پیداوار حاصل ہو جائے اسی وقت عشر واجب ہو جائے گا عشر پیداوار کی زکوۃ کا نام ہے اس لئے جو احکام زکوۃ کی ادائیگی کے ہیں وہی احکام عشر کی ادائیگی کے بھی ہیں اس لئے بغیر مجبوری کے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گنہگار ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں جو خوشی سے عشر نہ دے تو بادشاہ اسلام زبردستی اس سے عشر لے سکتا ہے۔ اس صورت میں عشر ادا ہو جائے گا مگر ثواب کا مستحق نہیں اور خوشی سے ادا کرے تو ثواب کا مستحق ہے ایک اہم بات جب تک عشر ادا نہ کردے یا پیداوار سے عشر الگ نہ کرے اس وقت تک پیداوار میں سے کچھ بھی استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر استعمال کرلیا تو اس میں جو عشر کی مقدار بنتی ہے اتنا تاوان ادا کرے البتہ تھوڑا سا استعمال کرلیا تو معاف ہے جس پر عشر واجب ہو وہ اگر عشر کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے تب بھی عشر دینا ہوگا عشر میں پیداوار کی جو بھی فصل وغیرہ ہوگی وہ بھی دے سکتے ہیں یا پھر عشر کے عوض پوری قیمت دے دونوں طرح سے جائز ہے عشر زمین پر نہیں بلکہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اگر فصل ضائع ہوگی مثلاً اولے پڑ گئے جل گئی وغیرہ تو ان صورتوں میں عشر ساقط ہے اگر آدھی ضائع ہوئی آدھی بچ گئی تو آدھی جو بچ گئی اس پر عشر ہوگا۔

﴿یہ باب جزیہ کے بیان میں ہے﴾

باب جزیہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب زمین کے خراج سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں جزیہ کا باب شروع کیا ہے کیونکہ اس میں ان سے حاصل شدہ مال وصول کیا جاتا ہے اور عشر کو مقدم ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ عشر میں قربت کا معنی ثابت ہونے والا ہے اور قربات ہمیشہ مقدم ہوا کرتی ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۸، ص ۹۰، بیروت)

جزیہ کا فقہی مفہوم

جزیہ کے لفظی معنی بدلے اور جزا کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں جزیہ بدل ہے اس امان کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جائے گی۔ ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمے ہوگی اور ان کے مذہبی رسوم میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ہاتھ سے جزیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ جزیہ کا دینا اسلامی غلبے کو تسلیم کرتے ہوئے اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے کی حیثیت سے ہو۔ اور چھوٹے بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام کے تمام قوانین کی اطاعت کو اپنے ذمے لازم قرار دیں۔

جزیہ "اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (ٹیکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔ "جزیہ "اصل میں "جزاء" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "بدلہ کے ہیں !!اس خاص محصول (ٹیکس) کو جزیہ کیوں کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر پر قائم رہنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جائداد، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق ذمیوں کے حقوق

یہ خصوصیت بھی حنفی فقہ کو حاصل ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی حکومت نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جس کو اپنے قانونِ انصاف پر بڑا ناز ہے بے شک زبانی دعویٰ کرسکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کرسکتا۔ حالانکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے۔ اور خاص کر ہارون الرشید کی وسیع حکومت انہی احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل وقصاص کا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے قتل کیا جائے گا اور اگر غلطی سے قتل کردے تو جو خون بہا مسلمان

کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے لئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں۔ وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں اور ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ جو ان کی محافظت کا ٹیکس ہے اس کی شرح، حسب حیثیت قائم کی جائے گی۔ مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ذمیوں کے معاملات انہی کی شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کرے گی۔ ذمیوں کی شہادت ان کے باہمی مقدمات میں قبول ہوگی۔

اب اس کے مقابلے اور ائمہ کے مسائل دیکھو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو، گو بے جرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہے گا۔ صرف دیت دینی ہوگی۔ یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث اور امام مالکؒ کے نزدیک نصف۔ تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جائے تو سال میں جتنی بار لے جائے ہر بار اس سے نیا ٹیکس لیا جائے گا۔ جزیہ کے متعلق امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہوسکتا اور بوڑھے، اندھے، اپاہج، مفلس، تارک الدنیا تک اس سے معاف نہیں ہوسکتا۔ بلکہ امام شافعیؒ سے ایک روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونے کی سبب سے جزیہ نہیں ادا کرسکتا وہ اسلام کی عملداری میں نہ رہنے پائے۔

خراج جو ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مقرر کیا گیا تھا اس پر اضافہ ہوسکتا ہے مگر کمی نہیں ہوسکتی۔ ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالکؒ وامام شافعیؒ دونوں متفق الرائے ہیں۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اس کے تمام حقوق باطل ہو جائیں گے اور وہ کافر حربی سمجھا جائے گا۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں کہ جن کا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کرسکتی۔ اور یہی سبب ہے کہ امام شافعیؒ وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبھا سکا۔ مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعیؒ تھا لیکن اس کا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

جزیہ کی اقسام کا فقہی بیان

(وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ :جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتَتَقَدَّرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ) كَمَا (صَالَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ) ، وَلِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ التَّرَاضِي فَلَا يَجُوزُ التَّعَدِّي إلَى غَيْرِ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ (

وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِءُ الْإِمَامُ وَضْعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ، وَأَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ، فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ.

وَعَلَى وَسَطِ الْحَالِ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا) وَهَذَا عِنْدَنَا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضَعُ عَلَى كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ مَا يَعْدِلُ الدِّينَارَ، وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمُعَاذٍ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ. وَلِأَنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ حَتَّى لَا تَجِبَ عَلَى مَنْ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيِّ وَالنِّسْوَانِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَنْتَظِمُ الْفَقِيرَ وَالْغَنِيَّ.

وَمَذْهَبُنَا مَنْقُولٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ؛ وَلِأَنَّهُ وَجَبَ نُصْرَةً لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبُ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْأَرْضِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ وَجَبَ بَدَلًا عَنْ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذَلِكَ يَتَفَاوَتُ بِكَثْرَةِ الْوَفْرِ وَقِلَّتِهِ، فَكَذَا أُجْرَتُهُ هُوَ بَدَلُهُ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ صُلْحًا، وَلِهَذَا أَمَرَهُ بِالْأَخْذِ مِنْ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجِزْيَةُ.

ترجمہ

جزیہ کی دو اقسام ہیں (۱) وہ جزیہ جو آپسی رضامندی اور صلح سے مقرر کی جائے لہٰذا اس کی مقدار وہی ہوگی جو اتفاق رائے سے طے ہوئی ہو جس طرح آپ ﷺ نے اہل نجران سے ۱۲۰۰/ جوڑوں پر صلح فرمائی تھی اور اس لیے کہ مال واجب کرنے والی چیز آپسی رضامندی ہے لہٰذا جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) اور دوسری قسم وہ ہے جس کو امام کفار پر غلبہ پا کر انہیں ان کی املاک پر برقرار رکھتے ہوئے ابتداء ان پر مقرر کردے، لہٰذا جس مالداری ظاہر ہو اس پر ہر سال ۴۸ دراہم مقرر کردے اور ان سے ہر ماہ چار دراہم لے۔ اور اوسط درجے والے پر ۲۴/ دراہم مقرر کردے اور ہر ماہ دو دو درہم لیتا رہے اور کھاتے پیتے فقیر پر ۱۲ دراہم مقرر کردے اور ہر ماہ ایک دراہم لے لیا کرے۔ یہ تفصیل ہمارے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کے مساوی مال مقرر کردے اور اس میں غنی اور فقیر دونوں برابر

ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا کہ ہر بالغ اور بالغہ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافر لینا اور یہ فرمان کسی تفصیل کے بغیر ہے۔ اور اس لیے کہ جزیہ قتل کے عوض واجب ہوتا ہے حتی کہ کفر کی سبب سے جس کا قتل جائز نہ ہو اس پر جزیہ واجب نہیں ہوتا جس طرح نابالغ بچے اور عورتیں۔ اور یہ معنی فقیر اور غنی دونوں کو شامل ہے۔ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور مہاجرین وانصار میں سے کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے اور اس لیے بھی کہ جزیہ مجاہدین کی نصرت کے لیے واجب کیا گیا ہے، لہٰذا اخراج ارض کی طرح جزیہ بھی متفاوت ہوکر واجب ہوگا نیز اس لیے بھی کہ جزیہ جان ومال کی نصرت کے بدلے واجب ہوا ہے اور یہ چیز مال کی کمی اور زیادتی سے متفاوت ہوتی ہے لہٰذا اس کا بدل بھی متفاوت ہوگا۔

اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث صلح پر محمول ہے اسی لیے آپ ﷺ حضرت معاذ کو بالغہ عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم دیا تھا جب کہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

جزیہ کی معین مقدار میں کمی بیشی نہ کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب سلطنت اسلامیہ کی جانب سے ذمی کفار پر جو مقرر کیا جاتا ہے اسے جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ ان سے کسی مقدار معین پر صلح ہوئی کہ سالانہ وہ ہمیں اتنا دیں گے اس میں کمی بیشی کچھ نہیں ہو سکتی نہ شرع نے اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کی بلکہ جتنے پر صلح ہو جائے وہ ہے۔ دوسری یہ کہ ملک کو فتح کیا اور کافروں کے املاک بدستور چھوڑ دیے گئے ان پر سلطنت کی جانب سے حسب حال کچھ مقرر کیا جائیگا اس میں اُن کی خوشی یا ناخوشی کا اعتبار نہیں اس کی مقدار یہ ہے کہ مالداروں پر اڑتالیس درہم سالانہ ہر مہینے میں چار درہم۔ متوسط شخص پر چوبیس درہم سالانہ ہر مہینے میں دو درہم۔ فقیر کمانے والے پر بارہ درہم سالانہ ہر ماہ میں ایک درہم۔ اب اختیار ہے کہ شروع سال میں سال بھر کا لے لیں یا ماہ بماہ وصول کریں دوسری صورت میں آسانی ہے۔ مالدار اور فقیر اور متوسط کس کو کہتے ہیں یہ وہاں کے عرف اور بادشاہ کی رائے پر ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص نادار ہو یا دوسو درہم سے کم کا مالک ہو فقیر ہے اور دوسو سے دس ہزار سے کم تک کا مالک ہو تو متوسط ہے اور دس ہزار یا زیادہ کا مالک ہو تو مالدار ہے۔ (درمختا، باب جزیہ)

حضرت اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنے دور خلافت) ان (ذمیوں) پر، جو (بہت زیادہ) سونا رکھتے تھے، چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو (ذمی) چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خورد ونوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔

(موطا امام مالک، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1131)

اور تین دن کی میزبانی الخ "یہ اصل میں "خورد ونوش" کی وضاحت ہے، یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ذمیوں سے ایک دینار سے

زائد کی مقدار پر مصالحت کرنا کہ اگر ان کے ہاں سے مسلمان گذریں تو ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں، یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہونگے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے ایک زائد چیز ہوگی۔

اہل کتاب اور مجوس پر جزیہ مقرر کرنے کا بیان

قَالَ (وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (مِنْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ) الْآيَةَ ، (وَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوسِ).

قَالَ :(وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ الْعَجَمِ) وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ .هُوَ يَقُولُ :إنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَقَاتِلُوهُمْ) إلَّا أَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِي حَقِّ الْمَجُوسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مَنْ وَرَاءَهُمْ عَلَى الْأَصْلِ .

وَلَنَا أَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ إذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّي إلَى الْمُسْلِمِينَ وَنَفَقَتُهُ فِي كَسْبِهِ ، (وَإِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ) ؛ لِجَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِمْ (وَلَا تُوضَعُ عَلَى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ الْعَرَبِ وَلَا الْمُرْتَدِّينَ) لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ ، أَمَّا مُشْرِكُو الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشَأَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجِزَةُ فِي حَقِّهِمْ أَظْهَرُ .

وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ ؛ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَمَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلَى مَحَاسِنِهِ فَلَا يُقْبَلُ مِنْ الْفَرِيقَيْنِ إلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ زِيَادَةً فِي الْعُقُوبَةِ .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُسْتَرَقُّ مُشْرِكُو الْعَرَبِ ، وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا (وَإِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ) لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَرَقَّ نِسْوَانَ بَنِي حَنِيفَةَ وَصِبْيَانِهِمْ لَمَّا ارْتَدُّوا وَقَسَّمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ (وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ) لِمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

فرمایا کہ اہل کتاب اور مجوس پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے اہل کتاب سے جنگ کرو نزدیک تک کہ وہ جزیہ دینے لگیں اور آپ ﷺ نے مجوس پر جزیہ مقرر فرمایا ہے اور عجم کے بت پرستوں پر بھی جزیہ لازم کیا جائے گا، اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے وہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی سبب سے جنگ کرنا واجب ہے مگر ہم نے اہل کتاب کے حق میں ترک جنگ کے جواز کو کتاب اللہ سے اور مجوس کے حق میں اس جواز کو حدیث رسول اللہ سے پہچان ہے لہٰذا ان کے ماسواء کے حق میں حکم اپنی اصل (جنگ) پر باقی رہا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے لہٰذا ان پر جزیہ مقرر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کام ان کی ذات چھینے پر مشتمل ہے اس لیے کہ کافر کما کر اپنی کمائی مسلمانوں کو دیتا ہے اور اس کی کمائی سے اس کا خرچ پورا ہوتا ہے۔

اور جب جزیہ لازم کرنے سے پہلے مجوس اور اہل کتاب وغیرہ مغلوب ہو جائیں تو وہ ان کی عورتیں اور ان کے بچے سب فئے ہوں گے، کیونکہ انہیں غلام بنانا جائز ہے۔ اور عرب کے بت پرستوں پر اور مرتدین پر جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ان کا کفر سخت ہو گیا ہے۔ رہے مشرکین عرب تو آپ ﷺ ان کے مابین پلے بڑھے ہیں اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، لہٰذا ان کے حق میں بہت سے معجزے ظاہر ہوئے۔ رہا مرتد تو اس سبب سے کہ وہ اسلام کی ہدایت پا کر اور اس کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد اس نے اپنے رب کا انکار کیا ہے اس لیے ان دونوں فریق سے اسلام اور تلوار کے علاوہ تیسرے کوئی چیز مقبول نہیں ہو گی۔ تا کہ ان کی سزا بھی سخت ہو گی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مشرکینِ عرب کو غلام بنایا جا سکتا ہے، مگر اس کا جواب وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ اور جب ان پر غلبہ ہو گیا تو ان کی عورتیں اور ان کے بچے فئے ہوں گے، اس لیے کہ بنو حنیف جب مرتد ہو گئے تھے تو حضرت صدیق اکبر نے ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنالیا تھا اور انہیں غازیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور ان کے مردوں میں سے جو اسلام قبول نہیں کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا، اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اہل کتاب جیسے مذاہب سے وصول جزیہ میں مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جس طرح مجوس ہیں چنانچہ ہجر کے مجسیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمد کا بھی یہی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جزیے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں۔ پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں انہیں نہ چھوڑو پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت و توقیر دینی اور انہیں اوج و ترقی دینی جائز نہیں صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں یہود ونصاریٰ سے سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب ان سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی سے مجبور کرو۔
(تفسیر ابن کثیر، توبہ، ۲۹)

امام محمد بن باقر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ذکر کیا مجوس کا اور کہا کہ میں نہیں جانتا کیا کروں ان کے بارے میں تو کہا عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دیتا ہوں میں کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وہ طریقہ برتو جو اہل کتاب سے برتتے ہو۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 614)

حضرت بجالہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت جزء ابن معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) کے ہاں جو حضرت احنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) کے چچا تھے، منشی تھا۔ ایک مرتبہ) ہمارے پاس حضرت (امیر المؤمنین) عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کی وفات سے ایک سال پہلے ایک مکتوب آیا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ "مجوسیوں یعنی آتش پرستوں میں ان کے محارم کے درمیان تفریق کرادو۔" نیز (راوی کہتے ہیں کہ) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (پہلے) مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی (یعنی انہوں نے یہ بیان کیا) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجوسیوں سے جزیہ لینا شروع کیا۔'' (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1125)

" محرم "اس قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز ہو ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ۔ مجوسیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے محرم سے شادی کرلیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم بھیجا کہ جن مجوسیوں نے اپنے محارم سے شادی کررکھی ہو ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادو یعنی ان کی شادی فسخ قرار دے دو۔ اگرچہ اسلامی قانون کا یہ ضابطہ ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے ذمہ وحفاظت میں ہوں ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور یہ بات (یعنی اپنے محرم سے شادی) چونکہ ان کے مذہب میں جائز تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حکم دینا بظاہر ایک سوالیہ نشان ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی ریاست کی طرف سے ذمیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسلامی قلم رو میں جہاں صرف خدا کا اتارا ہوا قانون نافذ وجاری ہوتا ہے کسی بھی ایسے عمل کو روک دے جو براہ راست اسلامی شعار کے منافی اور دین کے بنیادی اصولوں اور قانون حکومت کے مخالف ہو۔ چنانچہ مجوسیوں کا اپنے محرم سے شادی کرنا بھی چونکہ نہ صرف اسلامی شعار کے صریح مخالف ہی تھا بلکہ اخلاقی اور سماجی طور پر بھی نہایت مذموم اور شنیع فعل تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح کی شادیوں کو ختم کردینے کا حکم صادر فرمایا۔

مجوسیوں کے بارہ میں جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ لیا جائے بلکہ حنفیہ کے نزدیک عجمی بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے لیکن اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلافی قول ہے۔

"ہجر" ایک جگہ کا نام ہے جو بعض حضرات کے نزدیک یمن میں بحرین کے قریب ایک شہر تھا، مگر موجودہ محققین کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کا مشرقی ساحل جو "احساء" کہلاتا ہے پہلے "ہجر" کے نام سے موسوم تھا اور اسی کو "بحرین" بھی کہتے تھے ۔وذکر حدیث بریدة اذا امرا میرا علی جیش فی باب الکتاب الی الکفار اور حضرت بریدہ کی روایت اذا امر ا میرا الخ باب الکتاب الی الکفار میں نقل کی جا چکی ہے۔

جن لوگوں پر جزیہ نہیں ہے

(وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ) لِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ أَوْ عَنْ الْقِتَالِ وَهُمَا لَا يُقْتَلَانِ وَلَا يُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ .قَالَ (وَلَا زَمِنٍ وَلَا أَعْمَى) وَكَذَا الْمَفْلُوجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ لِمَا بَيَّنَّا .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تَجِبُ إذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْجُمْلَةِ إذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ (وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ .لَهُ إطْلَاقُ حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَلِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ لَا يُوَظَّفُ عَلَى أَرْضٍ لَا طَاقَةَ لَهَا فَكَذَا هَذَا الْخَرَجُ ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ (وَلَا تُوضَعُ عَلَى الْمَمْلُوكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ) لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنْ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنْ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَجِبُ فَلَا تَجِبُ بِالشَّكِّ (وَلَا يُؤَدِّي عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ) لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ (وَلَا تُوضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ) كَذَا ذَكَرَ هَاهُنَا .

وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُوضَعُ عَلَيْهِمْ إنْ كَانُوا يَقْدِرُونَ عَلَى الْعَمَلِ ، وَهُوَ وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ .وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيلِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ .

وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إذَا كَانُوا لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ ، وَالْجِزْيَةُ فِي حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيحًا وَيَكْتَفِي بِصِحَّتِهِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ .

ترجمہ

بچہ اور عورت پر جزیہ نہیں ہے، اس لیے کہ جزیہ قتل یا قتل کے عوض واجب ہوا ہے اور بچہ اور عورت نہ تو قتل کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی جنگ کر سکتے ہیں، کیونکہ ان میں اہلیت معدوم ہوتی ہے۔ فرمایا کہ لنجے اور اندھے نیز اپاہج اور شیخ کبیر پر بھی جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا اس دلیل کی سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب اس کے پاس مال ہو تو جزیہ واجب ہوگا اس لیے کہ جب وہ لڑائی میں مشورہ دے سکتا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اس فقیر پر بھی جزیہ نہیں ہے جس کی آمدنی اس کے ذاتی خرچ سے کم ہو۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے ان کی دلیل حضرت معاذ کی حدیث ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان نے فقیر غیر معتمل پر جزیہ مقرر نہیں کیا ہے اور یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ زمین کا خراج اس زمین پر نہیں لگایا جاتا جو زمین برداشت کرنے کے قابل نہ ہو اس طرح کی تخراج بھی اس شخص پر لازم نہیں ہوگا جو اسے برداشت نہ کر سکتا ہو۔ اور حضرت معاذ کی حدیث فقیر معتمل پر محمول ہے۔ مملوک، مکاتب، مدبر اور ام ولد جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جزیہ ان کے حق میں قتل کا بدل ہے اور ہمارے حق نصرت کا عوض ہے، اور دوسرے کے اعتبار پر ان پر جزیہ واجب نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا شک کی سبب سے جزیہ واجب نہیں ہوگا، اور ان غلاموں کی طرف سے ان کے مولی جزیہ ادا نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان غلاموں کی سبب سے ان کے مولی کو زیادہ کا تحمل کرنا ہوگا۔ اور ان راہبوں پر بھی جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا یہی امام ابو یوسف کا قول ہے۔

ان پر جزیہ مقرر کرنے کی سبب یہ ہے کہ اس نے خود ہی کام کرنے کی صلاحیت وقدرت ضائع کر دی ہے تو یہ خراجی زمین کو برباد کرنے کی طرح ہو گیا۔ اور ان پر جزیہ واجب نہ کرنے کی سبب یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے میل جول نہ کرتے ہوں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا اور ان کے حق میں اسقاط قتل ہی کی سبب سے جزیہ واجب ہوتا ہے۔ اور معتمل کا صحیح سلامت ہونا ضروری ہے اور سال کے اکثر حصے میں اس کے صحیح ہونے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

وجوب جزیہ پر مساوات میں فقہی مذاہب

جزیہ صرف ان افراد پر عائد کیا جاتا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں۔ غیر مقاتل افراد مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں معذور لوگ، صوفی اور گوشہ نشین قسم کے حضرات اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ ادا کرنے کے بعد یہ لوگ دفاعی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں (جنہیں عرف عام میں اہل الذمہ یا ذمی کہتے ہیں) کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (معاذ) کو (قاضی وحاکم بنا کر) یمن روانہ کیا تو ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ (وہاں کے) ہر حاکم یعنی ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی قیمت کا معافری کپڑا

جو یمن میں تیار ہوتا ہے (جزیہ کے طور پر) لیں۔(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 1126)

علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جزیہ نہ تو عورت پر عائد ہوتا ہے اور نہ بچے پر۔(اسی طرح مجنوں، اندھے، اور فالج زدہ پر بھی) جزیہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز وہ بوڑھا جو لڑنے اور کام کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ محتاج جو کوئی کام کرنے پر قادر نہ ہو جزیہ سے مستثنیٰ ہے۔

یہ حدیث بظاہر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے نزدیک جزیہ کی واجب مقدار کے بارے میں غنی اور فقیر (یعنی امیر و غریب) برابر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کوئی تخصیص کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک غنی (امیر) پر ہر سال اڑتالیس درہم واجب ہوتے ہیں جو ہر مہینے چار درہم کے حساب سے ادا کرنے ہوتے ہیں، درمیانی درجہ والے پر ہر سال چوبیس درہم ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ دو دو درہم کر کے ادا کرے گا اور فقیر یعنی نچلے طبقہ والے پر جو کمانے والا ہو بارہ درہم واجب ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ ایک ایک درہم کر کے ادا کرے گا۔

اسی حنفی مسلک کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ مسلک حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے نیز انصار و مہاجرین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے اور جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے جس میں ہر بالغ سے ایک ایک دینار لینا روایت کیا گیا ہے تو یہ صلح کی صورت پر محمول ہے کہ یمن چونکہ جنگ وجدال کے ذریعے فتح نہیں ہوا تھا بلکہ باہمی صلح کے ذریعہ یمن والوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے تسلط و اقتدار میں دے دیا تھا لہٰذا جزیہ کے بارہ میں بھی ان کے ساتھ مذکورہ مقدار پر مصالحت ہوئی۔ یا یہ اس پر محمول ہے کہ اہل یمن چونکہ مالی طور پر بہت پس ماندہ اور خستہ حال تھے اس لئے ان پر جزیہ کی وہی مقدار واجب کی گئی جو فقراء (غریبوں) پر واجب کی جانی چاہئے تھی۔

جزیہ کے وصول کرنے میں رعایت کا بیان

ان تمام حقوق کے مقابل میں مسلمانوں کو جزیہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی؛ لیکن صحابہ کرام اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف و مراعات کے ساتھ وصول کرتے تھے، چنانچہ جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے تھے ان کا جزیہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے زمانے میں عملاً قائم رکھا؛ چنانچہ ایک بار ان کو چند جزامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔(فتوح البلدان، صفحہ ۱۳۶)

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اس کے جزیہ کی رقم معاف کر دی اور عام حکم دے دیا کہ اس قسم کے تمام لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔(کتاب الخراج، صفحہ ۷۲)

جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جاتی تھی، ایک بار حضرت ہشام بن حکیمؓ نے حمص میں دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں، بولے یہ کیا ظلم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا (ابوداود کتاب الخراج)

خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں اوران کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جارہا ہے، سبب پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی سبب سے جزیہ نہیں دیتے، فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ (کتاب الخراج، صفحہ ۱۷)

لوگوں کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں، خدا ان کو قیامت میں تکلیف دیتا ہے۔

قبول اسلام کے سبب سقوط جزیہ کا بیان

(وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ) وَكَذَلِكَ إذَا مَاتَ كَافِرًا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا . لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْعِصْمَةِ أَوْ عَنْ السُّكْنَى وَقَدْ وَصَلَ إلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْعِوَضُ بِهَذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ) وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ وَلِهَذَا تُسَمَّى جِزْيَةً وَهِيَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ ، وَعُقُوبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَا تُقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَلِأَنَّ شَرْعَ الْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا لَا يَكُونُ إلَّا لِدَفْعِ الشَّرِّ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ ؛ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا وَقَدْ قَدَرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ .

وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكَوْنِهِ آدَمِيًّا وَالذِّمِّيُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهِ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنَى .

ترجمہ

اور جو شخص مسلمان ہوگیا اس حال میں کہ اس پر جزیہ لازم تھا تو جزیہ ساقط ہوجائے گا اسی طرح جب وہ کافر ہوکر مرا تو بھی جزیہ ساقط ہوجائے گا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ تو جان کی حفاظت میں اور صلح عن دم العمد میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے "مسلمان پر جزیہ نہیں ہے" اوراس لیے کہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی سزاء ہے اسی لیے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے اور جزیہ اور جزاء دونوں ایک ہیں۔ اور کفر کی

سزا، اسلام کی سبب سے ساقط ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی سزا جاری نہیں کی جاتی۔ اور اسی لیے کہ جزیہ ہمارے حق میں بدل عن النصرۃ ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ شخص بذات خود نصرت پر قادر ہو گیا ہے۔ اور عصمت تو اس کے آدمی ہونے کی سبب سے ثابت ہے۔ اور ذمی اپنے نفس کی ملکیت میں رہتا ہے، لہٰذا عصمت اور سکونت کے عوض جزیہ واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

مسلمانوں سے جزیہ معاف ہونے کا بیان

اسلم بن عدوی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضرت عمر بن خطاب سے کہ شتر خانے میں ایک اندھی اونٹنی ہے تو فرمایا حضرت عمر نے وہ اونٹنی کسی گھر والوں کو دے دے تاکہ وہ اس سے نفع اٹھائیں میں نے کہا وہ اندھی ہے حضرت عمر نے کہا اس کو اونٹوں کی قطار میں باندھ دیں گے میں نے کہا وہ چارہ کیسے کھائے گی حضرت عمر نے کہا وہ جزیے کے جانوروں میں سے ہے یا صدقہ کے میں نے کہا وہ جزیے کے حضرت عمر نے کہا واللہ تم لوگوں نے اس کے کھانے کا ارادہ کیا ہے میں نے کہا نہیں اس پر نشانی جزیہ کی موجود ہے تو حکم کیا حضرت عمر نے اور وہ نحر کی گئی اور حضرت عمر کے پاس نو پیالے تھے جو میوہ یا اچھی چیز آتی آپ ان میں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو بھیجا کرتے اور سب سے آخر میں اپنی بیٹی حفصہ کے پاس بھیجتے اگر وہ چیز کم ہوتی تو کمی حفصہ کے حصے میں ہوتی تو پہلے آپ نے گوشت کو پیالوں میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو روانہ کیا بعد اس کے پکانے کا حکم کیا اور سب مہاجرین اور انصار کی دعوت کر دی۔

امام مالک کو پہنچا کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھ بھیجا اپنے عاملوں کو جو لوگ جزیہ والوں میں سے مسلمان ہوں ان کا جزیہ معاف کریں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 616)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہونے چاہئیں اور مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہو سکتا۔" (احمد، ترمذی ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1127)

" ایک زمین میں دو قبلے " کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک علاقے میں دو مذہب برادری کی بنیاد پر نہیں ہونے چاہئیں۔ گویا اس کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کافروں یعنی اپنے دین کے دشمنوں کے درمیان دارالحرب میں سکونت اختیار نہ کریں اور نہ اس کے ذریعہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کو چاہیے کہ وہ اپنی حدود میں کافروں یعنی دشمنان دین کو بغیر جزیہ کے سکونت اختیار نہ کرنے دے اور ان کے جزیہ دینے کی صورت میں ان کو اس طرح سر اٹھانے کا موقع نہ دے وہ علی الاعلان اسلامی ریاست کے بنیادی اصول و قوانین اور دینی عقائد و نظریات کے خلاف امور انجام دیں اور یہ آگاہی اس حقیقت کے پیش نظر ہے کہ ان دونوں ہی صورتوں میں دین اسلام اور کفر دونوں کا مساوی ہو جانا لازم آتا ہے جب کہ اسلام کی نظر میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہیں، قوت و شوکت اور عزت و رفعت کے مقام پر ہوں اور اسلام دشمن عناصر ضعیف و کمزور اور بے وقعت رہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کر دینے کی طرف اشارہ ہے جو

اہل کتاب ہونے کی سبب سے اہل قبلہ بھی ہیں اوران دونوں کا الگ الگ قبلہ ہے جو اہل اسلام کے قبلہ کے خلاف ہے، تا کہ اس علا قہ میں دوقبلوں کو ماننے والوں کا وجود نہ رہے بلکہ صرف ایک قبلہ حقیقی کو ماننے والے یعنی مسلمان ہی رہیں۔

"مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوسکتا۔ "میں اس صورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مثلاً کوئی غیر مسلم، ذمی ہونے کی حیثیت میں اسلامی ریاست کا شہری بنا لیکن وہ جزیہ ادا کرنے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو اب اس سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوتا۔

دو جزیوں میں تداخل کا بیان

(وَإِنْ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتْ .وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :وَمَنْ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ خَرَاجُ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُؤْخَذْ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ :يُؤْخَذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ، وَكَذَلِكَ إنْ مَاتَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ) أَمَّا مَسْأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهَا .وَقِيلَ خَرَاجُ الْأَرْضِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ .وَقِيلَ لَا تَدَاخُلَ فِيهِ بِالِاتِّفَاقِ .

لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخَرَاجَ وَجَبَ عِوَضًا ، وَالْأَعْوَاضُ إذَا اجْتَمَعَتْ وَأَمْكَنَ اسْتِيفَاؤُهَا تُسْتَوْفَى ، وَقَدْ أَمْكَنَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِينَ ، بِخِلَافِ مَا إذَا أَسْلَمَ ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْإِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَلِهَذَا لَا يُقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَاتِ ، بَلْ يُكَلَّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطِيَ قَائِمًا ، وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ .

وَفِي رِوَايَةٍ :يَأْخُذُ بِتَلْبِيبِهِ وَيَهُزُّهُ هَزًّا وَيَقُولُ :أَعْطِ الْجِزْيَةَ يَا ذِمِّيُّ فَثَبَتَ أَنَّهُ عُقُوبَةٌ ، وَالْعُقُوبَاتُ إذَا اجْتَمَعَتْ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُودِ ؛ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنْ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا ، لَكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا فِي الْمَاضِي ؛ لِأَنَّ الْقَتْلَ إنَّمَا يُسْتَوْفَى لِحِرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَا لِحِرَابٍ مَاضٍ ، وَكَذَا النُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ؛ لِأَنَّ

الْمَاضِيَ وَقَعَتْ الْغُنْيَةُ عَنْهُ .

ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِي الْجِزْيَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى ، حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ عَلَى الْمُضِيِّ مَجَازًا .وَقَالَ :الْوُجُوبُ بِآخِرِ السَّنَةِ ، فَلَا بُدَّ مِنْ الْمُضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الِاجْتِمَاعُ فَتَتَدَاخَلَ .وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مُجْرًى عَلَى حَقِيقَتِهِ ،

ترجمہ

اور جب کسی ذمی پر دو سال گذر جائیں تو دو جزیوں میں تداخل ہو جائے گا۔ جامع صغیر میں ہے کہ جس شخص سے جزیہ نہ لیا گیا حتی کہ سال گذر گیا اور دوسرا سال آگیا تو اس سے سال آگیا تو اس سے سال گذشتہ کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ حضرات صاحبین فرمایا کہ اس سے سال گذشتہ کا بھی جزیہ لیا جائے گا یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی قول ہے۔

اور جب سال پورا ہونے کے بعد وہ ذمی مر گیا تو کسی کے نزدیک بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح جب سال کے اندر مرا ہو۔ رہا موت کا مسئلہ تو ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور کہا گیا کہ زمین کا خراج بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خراج ارض میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا، مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خراج عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض جب جمع ہو جائیں اور ان کی وصولیابی ممکن ہو تو انہیں وصول کر لیا جائے گا۔ اور جس مسئلے میں ہم ہیں اس میں لگاتار کئی سال گذرنے کے بعد بھی وصولیابی ممکن ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب ذمی مسلامن ہو جائے، کیونکہ اس وقت استیفاء ناممکن ہو جائے گا۔

حضرات امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر مصر ہونے کی سبب سے بطور سزاء مقرر ہوا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسی لیے جب ذمی اپنے نائب کے ہاتھ جزیہ بھیجے تو اصح الروایت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے بذات خود لے کر آنے کا مکلف بنایا جائے گا چنانچہ وہ لائے اور کھڑے ہو کر دے اور امام بیٹھ کر اس سے لے۔ ایک روایت میں ہے کہ امام اس کے سینے کے اوپری حصے کو پکڑ کر اسے حرکت دے اور یوں کہے اے ذمی مجھے جزیہ دے، ایک قول ہے عدو اللہ کہے، معلوم ہوا کہ جزیہ عقوبت ہے اور عقوبات جب جمع ہو جاتی ہیں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے جس طرح حدود میں تداخل ہو جاتا ہے۔

اور اس لیے کہ جزیہ ذمیوں کے حق میں قتل کا عوض ہے اور ہمارے حق میں نصرت کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، مگر یہ مستقبل کے لیے ہے ماضی کے لیے نہیں ہے، کیونکہ قتل اسی لڑائی کا وصول کی اجاتا ہے جو فی الحال ہو رہی ہے نہ کہ گذشتہ لڑائی کا نیز نصرت بھی مستقبل سے متعلق ہے، اس لیے کہ ماضی سے تو استغناء ہو چکا ہوتا ہے، پھر جامع صغیر میں امام محمد کے قول وجائت کو بعض مشائخ نے دوسرا سال گذرنے پر محمول کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ وجوب اداء تو آکر سال میں ہوتا ہے لہذا سال گذرنا ضروری ہے تا کہ اجتماع ثابت ہو جائے اور تداخل ہو سکے۔ اور بعض مشائخ کے نزدیک وہ حقیقت پر محمول ہے۔

سونا، چاندی والوں پر تقرر جزیہ کا بیان

حضرت اسلم جو مولی ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا جزیہ کو سونے والوں پر ہر سال میں چار دینار اور چاندی والوں پر ہر سال میں چالیس درہم اور ساتھ اس کے یہ بھی تھا کہ بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلائیں اور جو کوئی مسلمان ان کے یہاں آ کر اترے تو اس کی تین روز کی ضیافت کریں۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 615)

جزیہ ان لوگوں کی مالی حالت کا لحاظ رکھ کر عائد کیا جاتا ہے چنانچہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ "میں نے مجاہد سے پوچھا کہ شام کے کافروں سے تو سالانہ چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمن کے کافروں سے صرف ایک دینار لیا جاتا ہے اس کی کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ شام کے کافر زیادہ مالدار ہیں۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الجزیۃ الموادعۃ)

جزیہ کی وصولی میں انتہائی نرمی اختیار کی جاتی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں دو باتوں کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ ایک یہ کہ جزیہ کی شرح ایسی ہو جس کو لوگ آسانی سے ادا کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے عراق کی مفتوحہ زمینوں پر خراج کے تعین کے لیے سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ جس طرح اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا جو اس فن کے ماہر تھے جب ان بزرگوں نے یہ حساب پیش کیا تو آپ نے ان دونوں کو بلا کر کہا کہ تم لوگوں نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ بلکہ وہ اس سے دگنا بھی ادا کر سکتے تھے۔ (کتاب الخراج ص ۲۱) اور دوسری یہ کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تو دس معتمد اشخاص کوفہ سے اور اتنے ہی بصرہ سے طلب کیے جاتے۔ سیدنا عمر ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلا کر پوچھتے کہ رقم کی وصولی میں کسی شخص پر ظلم یا زیادتی تو نہیں کی گئی (الفاروق ص ۳۲۶)

جزیہ چونکہ دفاعی ذمہ داریوں کے عوض لیا جاتا ہے لہذا جو لوگ ایسی خدمات خود قبول کرتے ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ مثلاً

ا۔ طبرستان کے ضلعی شہر جرجان کے رئیس مرزبان نے مسلمانوں کے سالار سوید سے صلح کی اور صلحنامہ میں بتصریح لکھا گیا کہ مسلمان جرجان اور طبرستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں سے جو لوگ بیرونی حملوں کو روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ (الفاروق ص ۲۳۹)

ب۔ آذر بائی جان کی فتح کے بعد باب متصل کا رئیس شہر براز خود مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تمہارا مطیع ہوں لیکن میری درخواست یہ ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لی جائے۔ چنانچہ اس کی یہ شرط منظور کر لی گئی۔ (الفاروق ص ۲۴۳)

ج۔ عمرو بن عاص ص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے جزیہ کی بجائے یہ شرط منظور کی کہ اسلامی فوج جدھر رخ کرے گی، سفر کی خدمت (یعنی راستہ صاف کرنا۔ سڑک بنانا۔ پل باندھنا وغیرہ) مصری سرانجام دیں گے۔ چنانچہ عمرو بن عاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو مصری خود منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے

گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ بنالیا تھا اس لیے قبطی خود بڑی خوشی سے یہ خدمات سرانجام دیتے تھے (الفاروق ص ۱۹۴)

خ، جزیہ پر اعتراض اور اس کا جواب :۔ اب ان متمدن اور مہذب مغربی اقوام کا حال بھی سن لیجئے۔ وہ جزیہ کو بدنام کرنے اور اسے ذلت کی نشانی ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ یہ لوگ فتح کے بعد مفتوح قوم سے اپنا سارا جنگ کا خرچہ بطور تاوان جنگ وصول کرتے ہیں۔ پچھلی چند صدیوں میں تو تاوان جنگ کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی غلامی پر بھی مفتوح اقوام کو مجبور کیا جاتا رہا۔ البتہ دسری جنگ عظیم کے بعد سیاسی غلامی کو متروک قرار دے کر اس کے بدلے اقتصادی غلامی کے بندھن مضبوط تر کر دیئے ہیں ان کے زرخیز ترین علاقہ پر ایک طویل مدت کے لیے قبضہ کرلیا جاتا ہے اور اس معاملہ میں انتہائی سختی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ مفتوح قوم میں بعد میں اٹھنے کی سکت ہی باقی نہ رہ جائے۔ اسلام نے جزیہ کی ایسی نرم شرائط سے ادائیگی کے بعد نہ تاوان جنگ عائد کرنے کی اجازت دی ہے اور نہ ہی کسی طرح کی اقتصادی غلامی کی۔

ابتدائے سال میں وجوب جزیہ کا بیان

وَالْوُجُوبُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الِاجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِيءِ . وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَنَا فِي ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِي آخِرِهِ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ. وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إلَّا فِي الْمُسْتَقْبَلِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَ إيجَابُهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهُ فِي أَوَّلِهِ .

ترجمہ

اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سال کے شروع میں وجوب ہوجاتا ہے لہٰذا دوسرا سال آتے ہی اجتماع ثابت ہوجائے گا اور اصح یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ابتدائے سال میں وجوب ہوتا ہے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک آخری سال میں وجوب ہوتا ہے زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو چیز قتل کے بدلے واجب ہوتی ہے وہ مستقبل ہی میں ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہم اسے ثابت کرچکے ہیں لہٰذا سال گزرنے کے بعد اسے واجب کرنا ناممکن ہے اس لیے ہم نے ابتدائے سال میں اسے واجب کردیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اثنائے سال میں یا سال تمام کے بعد مسلمان ہوگیا تو جزیہ نہیں لیا جائے گا اگرچہ کئی برس کا اس کے ذمہ باقی ہو اور اگر دو برس کا پیشگی لے لیا ہو تو سال آئندہ کا جو لیا ہے واپس کریں اور اگر جزیہ نہ لیا اور دوسرا سال شروع ہوگیا تو سال گذشتہ کا ساقط ہوگیا۔ اسی طرح مرجانے، اندھے ہونے، اپاہج ہوجانے، فقیر ہوجانے، معذور ہوجانے سے کہ کام پر قادر نہ ہوں جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔ (درمختار، کتاب سیر، باب جزیہ)

فَصْل

﴿یہ فصل اہل ذمہ کے امور سکنہ کے بیان میں ہے﴾

فصل اہل ذمہ کے امور سکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب اہل ذمہ سے متعلق وہ احکام جو دارالاسلام میں ہوتے ہوئے لازم تھے ان کو بیان کر دیا ہے تو اب انہوں نے ان امور کا بیان شروع کیا ہے جو ان کیلئے جائز ہیں یا ان کیلئے جائز نہیں ہے۔ یعنی وہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے کن امور کو بجالائیں گے اور کن امور سے اجتناب ان کیلئے ضروری ہوگا اور وہ مسلمان حکومت کے معاہدہ جات کی رعایت کریں گے۔لہذا احکام اہل ذمہ اوران پر واجب کردہ جزیہ اوراس کی وصولی کے بعدان احکام کو بیان کرنے کی فقہی مطابقت واضح ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۸،ص ۱۰۹، بیروت)

دارالاسلام میں بیعہ اور کنیسہ بنانے کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ إحْدَاثُ بِيعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ) ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا خِصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيسَةَ) وَالْمُرَادُ إحْدَاثُهَا (وَإِنْ انْهَدَمَتْ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا) لِأَنَّ الْأَبْنِيَةَ لَا تَبْقَى دَائِمًا ، وَلَمَّا أَقَرَّهُمْ الْإِمَامُ فَقَدْ عَهِدَ إلَيْهِمْ الْإِعَادَةَ إلَّا أَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُونَ مِنْ نَقْلِهَا ؛ لِأَنَّهُ إحْدَاثٌ فِي الْحَقِيقَةِ ، وَالصَّوْمَعَةُ لِلتَّخَلِّي فِيهَا بِمَنْزِلَةِ الْبِيعَةِ ، بِخِلَافِ مَوْضِعِ الصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ ؛ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلسُّكْنَى ، وَهَذَا فِي الْأَمْصَارِ دُونَ الْقُرَى ؛ لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِي تُقَامُ فِيهَا الشَّعَائِرُ فَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِ مَا يُخَالِفُهَا .

وَقِيلَ فِي دِيَارِنَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي الْقُرَى أَيْضًا ؛ لِأَنَّ فِيهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِي قُرَى الْكُوفَةِ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ .

وَفِي أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ).

ترجمہ: دارالاسلام میں بیعہ اور کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اسلام میں خصی ہونا اور کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اوراس سے مراداز سرنو بنانا ہے۔اور جب بیعہ اور پرانے کنیسہ منہدم ہو گئے ہوں تو انہیں دوبارہ بنا سکتے

ہیں، کیونکہ عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے ذمیوں کو (دارالاسلام میں) رہنے کا اختیار دیدیا ہے تو اس نے ان کی عبادت گاہ کو دوبارہ بنانے کا بھی عہد کرلیا ہے، مگر ذمیوں کو کنیسہ یا بیعہ منتقل کرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ نقل درحقیقت احداث ہے اور وہ صومعہ جو تخلیہ کے لیے ہوتا ہے وہ بیعہ کے درجے میں ہے۔ برخلاف گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ کے، کیونکہ یہ جگہ سکنی کے تابع ہوتی ہے اور یہ احکام شہروں کے ہیں، دیہات کے نہیں ہیں، کیونکہ شہروں میں شعائر قائم کیے جاتے ہیں لہٰذا دیہات میں کچھ کرنا ان شعائر کے مخالف نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں دیہات میں بھی یہ کام کرنے سے انہیں روکا جائے گا، کیونکہ دیہات میں بھی کچھ شعائر ہوتے ہیں اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے دیہات میں جائز ہے، کیونکہ وہاں کے اکثر باشندے ذمی ہیں اور سرزمین عرب کے شہروں اور دیہاتوں دونوں میں اس سے منع کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جزیرۃ العرب میں دو دین اکٹھا نہیں ہوں گے"

دارالاسلام میں نئے گرجے و بت خانے بنانے کی ممانعت

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دارالاسلام ہونے کے بعد ذمی اب نئے گرجے اور بت خانے اور آتش کدہ نہیں بناسکتے اور پہلے کے جو ہیں وہ باقی رکھے جائیں گے۔ اگر لڑ کر شہر کو فتح کیا ہے تو وہ رہنے کے مکان ہوں گے اور صلح کے ساتھ فتح ہوا تو بدستور عبادت خانے رہیں گے۔ اگر ان کے عبادت خانے منہدم ہوگئے اور پھر بنانا چاہیں تو جس طرح تھے ویسے ہی اوسی جگہ بناسکتے ہیں نہ بڑھا سکتے ہیں نہ دوسری جگہ اون کے بدلے میں بناسکتے نہ پہلے سے زیادہ مستحکم بناسکتے مثلاً پہلے کچا تھا تو اب بھی کچا ہی بناسکیں گے اینٹ کا تھا تو پتھر کا نہیں بناسکتے اور بادشاہ اسلام یا مسلمانوں نے منہدم کردیا ہے تو اسے دوبارہ نہیں بناسکتے اور خود منہدم کیا ہو تو بناسکتے ہیں اور پیشتر سے اب کچھ زیادہ کردیا ہو تو ڈھادینگے۔ (ردمحتار، کتاب الجہاد)

گرجے و بت خانے بنانے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

واقول فی هذه المسئلة وبناء الكنائس والمعابد لأهل الذمة يختلف باختلاف هذه الأقسام .فالبلاد التی اسلم عليها أهلها، والبلاد التی مصرها المسلمون، يمنع اهل الذمة ان يحدثوا فيها بيعة أو كنيسة .راجع :أحكام اهل الذمة لابن الجوزی 2/116 - 118 والمغنی المحتاج 4/253 وبدائع الصنائع للكاسانی 7/114 والمغنی لابن قدامه .10/60

اما ما مصرته العرب فليس لهم ان يحدثوا فيه بناء بيعة ولا كنيسة، ولا يضربوا فيه بناقوس ولا يظهروا فيه خمراً، ولا يتخذوا فيه خنزيراً، وكل مصر كانت العجم

مصرته ففتحه الله على العرب -المسلمين -فنزلوا على حكمه فللعجم ما فى عهدهم، وللعرب ان يوفوا لهم بذلك .راجع الخراج لابو يوسف ص .149
(يستدل ان هذا البلد ملكاً للمسيلين وما دام كذلك فلا يجوز إظهار معابد الكفر فيه .(راجع المغنى لابن قدامه .610 /10
اما البلاد التى فتحت عنوة فلا يجوز تمكينهم من أحداث بيعة ولا كنيسة ؛ وذلك لان المسلمين قد امتلكوها بالفتح واصبحت فى حكم ما مصره المسلمون .راجع: مغنى المحتاج 254 /4والمغنى لابن قدامه. 10/610
واما الكنائس والبيع الموجودة قبل الفتح فللفقهاء فيه أقوال :قال ابن القاسم من المالكية :تبقى ولو بلا شرط.
والحنفية قالوا :يمنعون من الصلاة فيها، وتبقى كالمساكن ولا تهدم وتتخذ للسكن .راجع :بدائع الصنائع - 114 /7
اما الحنابلة فلهم فى هذا روايتان :الأولى :ان تهدم لأنها بلاد مملوكة للمسلمين. فلا يجوز ان تكون فيها بيعة كالذى مصره المسلمون .والرواية الثانية للحنابلة: يجوز بقاؤها لان الصحابة قد فتحوا كثيراً من البلاد فلم يهدموا شيئاً من الكنائس.
اما الشافعية فقالوا :بوجوب هدمها فى الأصح.
يقول ابن القيم الجوزى (هذه البلاد بحالاتها المختلفة صافية للأمام ان أراد ان يقر اهل الذمة فيها ببدل الجزية جاز، فلو اقرهم الامام ان يحدثوا فيها بيعة أو كنيسة،أو يظهروا فيها خمر أو خنزيراً أو ناقوسا لم يجز.
وان شرط ذلك وعقد عليه الذمة كان الشرط والعقد فاسدا، وهو اتفاق الأمة لا يعلم بينهم فيه نزاع.
وقال الامام احمد :حدثنا حماد بن خالد الخياط ، اخبرنا الليث بن سعيد، عن توبة بن النمر الحضرمى قاضى مصر قال :قال رسول الله (لا خصاء فى الإسلام ولا

كنيسة).

الخصاء هنا كناية عن الرهبنة . عن عمر بن الخطاب انه قال :لا كنيسة ولا خصاء في الإسلام.سئل عكرمة ابن عباس عن أمصار العرب أو دار العرب فقال هل للعجم ان يحدثوا فيها شيئا؟ .

فقال :ايما مصر مصرة العرب فليس للعجم ان يبنوا فيه، ولا يضربوا فيه ناقوساً، ولا يشربوا فيه خمراً، ولا يتخذوا فيه خنزير.

وقال عبد الله بن احمد :سمعت ابى يقول :ليس لليهود والنصارى ان يحدثوا فى مصر مصره المسلمين بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا بها ناقوسا الا فى مكان لهم الصلح، وليس لهم ان يظهروا الخمر فى بلاد المسلمين.

قال عبد الرزاق :اخبرنا معمر انه سمع الحسن يقول :ان من السنة ان تهدم الكنائس التى فى الأمصار القديمة والحديثة .ذكره احمد عن عبد الرزاق وهذا الذى جاء ت به النصوص والآثار وهو مقتضى اصول الشرع وقواعده.

يقول ابن تيمية :ان علماء المسلمين من اهل المذاهب الاربعة :مذهب ابو حنيفة، ومالك والشافعى واحمد، وغيرهم من الأئمة، كسفيان الثورى ، والاوزاعى والليث بن سعد، وغيرهم، من الصحابة والتابعين، متفقون :على ان الامام ان هدم كل كنيسة بأرض العنوة؛ 000يجب طاعته ومساعدة فى ذلك) .

راجع:الجهاد.214- 2/212)

عن الحسن البصرى انه قال :من السنة ان تهدم الكنائس التى فى الأمصار القديمة والحديثة.عن عمر بن الخطاب انه قال (لا كنيسة فى الإسلام).

وهذا مذهب الأئمة الاربعة فى الأمصار ولا زال من يوفقه الله من ولاة أمور المسلمين يفعل ذلك ويعمل به مثل عمر بن عبد العزيز، -ولفا شكرى مبارك مصر -روى الامام احمد عنه انه كتب لنائبه فى اليمن ان يهدم الكنائس التى فى

امصار المسلمین فھدمھا. وکذلك ھارون الرشید أمر بھدم الکنائس فی سواد بغداد و کذلك المتوکل .(احکام اھل الذمة لابن الجوزی ص .125- 119 /2)

اہل ذمہ سے مطالبہ امتیاز کرنے کا بیان

قَالَ (وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنْ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَا يَرْكَبُونَ الْخَيْلَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِالسِّلَاحِ .وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيجَاتِ وَالرُّكُوبِ عَلَى السُّرُوجِ الَّتِي هِيَ كَهَيْئَةِ الْأُكُفِّ) وَإِنَّمَا يُؤْخَذُونَ بِذَلِكَ إظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعَفَةِ الْمُسْلِمِينَ ؛ وَلِأَنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ ، وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ ، وَلَا يُبْتَدَأُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيقُ ، فَلَوْ لَمْ تَكُنْ عَلَامَةٌ مُمَيِّزَةٌ فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِينَ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ ؛ وَالْعَلَامَةُ يَجِبُ أَنْ تَكُونَ خَيْطًا غَلِيظًا مِنْ الصُّوفِ يَشُدُّهُ عَلَى وَسَطِهِ دُونَ الزُّنَّارِ مِنْ الْإِبْرَيْسَمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِي حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ .

وَيَجِب أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطُّرُقَاتِ وَالْحَمَّامَاتِ ، وَيُجْعَلُ عَلَى دُورِهِمْ عَلَامَاتٌ كَيْ لَا يَقِفَ عَلَيْهَا سَائِلٌ يَدْعُو لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ .قَالُوا :الْأَحَقُّ أَنْ لَا يُتْرَكُوا أَنْ يَرْكَبُوا إلَّا لِلضَّرُورَةِ .وَإِذَا رَكِبُوا لِلضَّرُورَةِ فَلْيَنْزِلُوا فِي مَجَامِعِ الْمُسْلِمِينَ ، فَإِنْ لَزِمَتْ الضَّرُورَةُ اتَّخَذُوا سُرُوجًا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ ، وَيُمْنَعُونَ مِنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ .

ترجمہ

فرمایا کہ ذمیوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے لباس، اپنی سواریاں، اپنی زین اور اپنی ٹوپیوں میں مسلمانوں سے جداگانہ اور امتیاز پیدا کریں چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ لٹکائیں، جامع صغیر میں ہے کہ ذمیوں پر یہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ دھاگا باندھیں اور ان زینوں پر سوار ہوں جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی طرح ہوتی ہیں اور ایسا اس لیے کیا جائے گا تا کہ ان کی ذلت ہو اور کم زور مسلمان ان سے محفوظ رہیں۔ اور اس لیے کہ مسلمان کا اکرام کیا جاتا ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے، اس کو پہلے سلام نہیں کیا جاتا اور اس کا راستہ تنگ کر دیا جاتا ہے لہٰذا جب کوئی علامت ممیزہ نہیں ہوگی تو ہوسکتا ہے کہ ذمی کے ساتھ بھی مسلمانوں

جیسا برتاؤ کر دیا جائے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

اور علامت یہ ہے کہ اس کے پاس ان کا ایک موٹا تاگا ہو جس کو وہ اپنی کمر میں باندھے مگر یہ ریشمی زنار نہ ہو، اس لیے کہ زنار مسلمانوں کے حق میں ظلم ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذمیوں کی عورتیں مسلمانوں کی عورتوں سے راستوں اور غسل خانہ میں الگ رہیں اور ان کے دروازوں پر نشانیاں بنادی جائیں تا کہ کوئی سائل وہاں کھڑا ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کر سکے، حضرات مشائخ فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت انہیں سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور جب بوقت ضرورت وہ سوار ہوں تو مسلمانوں کے مجمع پر اتر کر چلیں اور جب (مجمع کے پاس بھی سوار ہو کر چلنے کی) ضرورت ہو تو وہ پالان کی طرح زین بنالیں۔ اور انہیں ایسا لباس پہنے سے منع کیا جائے گا جو علماء، بزرگان دین اور شریفان قوم کے ساتھ مخصوص ہو۔

اہل ذمہ سے مذہبی تشخص کے معاہدے کا بیان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے ایسی ہی شرطیں کی تھیں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ اہل شام کو فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل وعیال کے لئے امن طلب کی ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی گرجا گھر اور خانقاہ نئی نہیں بنائیں گے۔ مندر اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہی درست نہیں کریں گے ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہم ان کے دروازے رہ گذر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے، ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے، مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہ کریں گے نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے،

ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے، مسلمانوں کی توقیر وعزت کریں گے، ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے، ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں، ہم ان کی زبانیں نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑوں پر سواریاں نہ کریں گے، تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔ انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے، شراب فروشی نہیں کریں گے، اپنے سروں کے اگلے بالوں کو تراشوا دیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے زنار ضرور ڈالے رہیں گے، صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گذرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں با آواز بلند اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر

اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے ان کے گھروں میں جھانکیں گے نہیں۔

جب یہ عہد نامہ حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں یہ تمام شرطیں ہمیں قبول ومنظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی۔ انہی شرائط پر ہمیں امن ملا ہے اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، توبہ، ۲۹)

ذمی کا جزیہ سے انکار کرنے کا بیان

(وَمَنْ امْتَنَعَ مِنْ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يُنْتَقَضْ عَهْدُهُ) لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ الْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لَا أَدَاؤُهَا وَالِالْتِزَامُ بَاقٍ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :سَبُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ نَقْضًا ؛ لِأَنَّهُ يَنْقُضُ إيمَانَهُ فَكَذَا يَنْقُضُ أَمَانَهُ إذْ عَقْدُ الذِّمَّةِ خَلَفٌ عَنْهُ .

وَلَنَا أَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ مِنْهُ ، وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَا يَمْنَعُهُ فَالطَّارِئُ لَا يَرْفَعُهُ .

قَالَ (وَلَا يُنْقَضُ الْعَهْدُ إلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوا عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَنَا) ؛ لِأَنَّهُمْ صَارُوا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيَعْرَى عَقْدُ الذِّمَّةِ عَنْ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحِرَابِ .(وَإِذَا نَقَضَ الذِّمِّيُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ) مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللَّحَاقِ ؛ لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْأَمْوَاتِ ، وَكَذَا فِي حُكْمِ مَا حَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ ، إلَّا أَنَّهُ لَوْ أُسِرَ يُسْتَرَقُّ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ .

ترجمہ

اور جو ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا حضرت نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ جنگ کی آخری غایت یہ ہے کہ وہ ذمی جزیہ کو اپنے اوپر لازم کرلے اور اس کی ادائیگی آخری حد نہیں ہے اور اس کا التزام باقی ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا نقض عہد ہے کیونکہ جب گالی بکنے والا مسلمان ہو تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح ذمی کا عہد بھی (سب وشتم سے) ختم ہو جائے گا اس لیے کہ عقد ذمہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سب وشتم کرنا کفر ہے اور وہ کفر جو عقد ذمہ سے ملنے والا تھا وہ اس کے ذمے ہوتے

سے مانع نہیں ہوا تو کفر طاری اس عہد اور عقد کو ختم بھی نہیں کرے گا۔

فرمایا کہ ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا الا یہ کہ وہ دارالحرب چلا جائے یا ذمی کسی جگہ غالب اور اکٹھا ہو کر ہم مسلمانوں سے لڑائی کرنے لگیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے خلاف لڑاکا بن جائیں گے اور عقد ذمہ فائدہ یعنی لڑائی کی برائی کے خاتمے سے خالی ہو جائے گا۔ اور جب ذمی اپنا عہد توڑ دے تو وہ مرتد کے درجے ہو جائے گا یعنی وہ مرتد کے حکم میں ہوگا کہ دارالحرب میں چلے جانے سے اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ مردوں سے مل گیا ہے، اسی طرح اپنے ساتھ جو وہ مال لے گیا ہے وہ بھی مال مرتد کے حکم میں ہوگا، مگر جب اسے گرفتار کر لیا گیا تو اسے غلام بنالیا جائے گا۔ جبکہ مرتد میں ایسا نہیں ہے۔

عبارت ہدایہ پر غیر مقلدین کا اعتراض و جواب

بعض غیر مقلدین صاحب ہدایہ کی اس عبارت پر یہ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو فقہ حنفی میں نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کرنے والے کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے یہ کب لازم آئے گا کہ گستاخ رسول ﷺ کو سزا نہ دی جائے یا فقہ حنفی میں اس کیلئے کوئی رعایت برتی جائے۔ قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی سینکڑوں کتب اس پر شاہد وعادل ہیں کہ اگر کوئی مسلمان بھی نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو وہ کافر واجب القتل ہوگا۔ اور اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی اور جب مسلمان یہ عمل سرزد ہو جائے تو وہ واجب القتل ہے تو کافر ذمی یا امن طلب کرنے والا کیونکر واجب القتل نہ ہوگا۔

ہاں البتہ فقہاء احناف نے مسئلہ کی نوعیت کو بیان کیا ہے کہ ذمی سے معاہدہ یہ الگ حیثیت کا حامل ہے اور گستاخی کا ارتکاب یہ ایک الگ جرم ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کے قتل پر قرآن وسنت اور تمام فقہاء امت مسلمہ کے اجماع کے ساتھ کثیر دلائل ہم ان شاء اللہ کتاب احکام مرتدین میں ذکر کریں گے وہاں تسلی بخش مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

جزیہ کی عدم ادائیگی سے نقض عہد میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس شخص کا خون مباح ہو جائے گا اور یہ احناف کا مذہب ہے اور اس کو قید میں رکھا جائے گا تا کہ وہ جزیہ ادا کرے اور اگر وہ جزیہ اب بھی نہیں دیتا تو پھر اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک صرف جزیہ کے انکار سے ہی عہد ٹوٹ جائے گا۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، ج ۱۳، ص ۲۰۴، بیروت)

گستاخ ذمی کے قتل کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ": ایک اندھے کی لونڈی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم اور توہین کرتی تھی، اس نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ نہ رکی، اور وہ اسے ڈانٹتا لیکن وہ باز نہ آئی.

راوی کہتے ہیں : ایک رات جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے لگی اور سب وشتم کیا تو اس اندھے نے خنجر لے کر

اس کے پیٹ پر رکھا اور اس پر وزن ڈال کر اسے قتل کر دیا، اس کی ٹانگوں کے پاس بچہ گر گیا، اور وہاں پر بستر خون سے لت پت ہو گیا، جب صبح ہوئی تو اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے بھی یہ کام کیا ہے اس پر میرا حق ہے وہ کھڑا ہو جائے، تو وہ نابینا شخص کھڑا ہوا اور لوگوں کو پھلانگتا اور حرکت کرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا مالک ہوں! وہ آپ پر سب وشتم اور آپ کی توہین کیا کرتی تھی، اور میں اسے روکتا لیکن وہ باز نہ آتی، میں اسے ڈانٹتا لیکن وہ قبول نہ کرتی، میرے اس سے موتیوں جس طرح دو بیٹے بھی ہیں اور وہ میرے ساتھ بڑی نرم تھی، رات بھی جب اس نے آپ کی توہین کرنا اور سب وشتم کرنا شروع کیا تو میں نے خنجر لے کر اس کے پیٹ میں رکھا اور اوپر وزن ڈال کر اسے قتل کر دیا. تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار گواہ رہو اس کا خون رائیگاں ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر ۴۳۶۱)

اور اس عورت کا قتل اس لیے نہیں کہ وہ ذمی تھی بلکہ اس لیے قتل کی گئی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتی اور سب وشتم کرتی تھی، تو اس بنا پر وہ قتل کی مستحق ٹھری، اور اگر چہ وہ مسلمان بھی ہوتی تو اس سب وشتم کی بنا پر کافر ہو کر بھی قتل کی مستحق تھی.

صنعانی کہتے ہیں ": نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے اور سب وشتم کرنے والے کو قتل کرنے کی دلیل اور اس کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں کی دلیل یہ ہے اگر چہ وہ مسلمان بھی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرنا اور آپ کی توہین کرنا یہ اتداد ہے یعنی اس سے مرتد ہو جاتا ہے اس بنا پر وہ قتل ہوگا، ابن بطال کہتے ہیں کہ بغیر توبہ کرائے ہی اسے قتل کیا جائیگا.

(سبل السلام (3 / 501)

اس قصہ میں مسلمانوں کے اہل کتاب کے ساتھ عدل کی بھی دلیل پائی جاتی ہے جو ان کے ساتھ کیا جاتا تھا، اور جس کو شریعت جہانوں کے لیے رحمت بنا کر لائی، معاہدہ کرنے والے یہودیوں کے حقوق محفوظ ہیں اور ان کا خیال رکھا جاتا ہے، اور کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ انہیں تکلیف اور اذیت دیں، اسی لیے جب لوگوں نے یہودی عورت کو مقتول پایا تو اس کا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لے کر گئے، جنہوں نے انہیں معاہدہ اور امان دے رکھی تھی، اور ان سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے اور مسلمانوں کو اللہ کی قسم دی کہ وہ ایسا عمل کرنے والوں کو سامنے لائیں، تا کہ وہ اس کی سزا دیکھیں، اور اس کے معاملے کا فیصلہ کریں، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور سب وشتم کر کے معاہدہ بار بار توڑا تو وہ سب حقوق سے محروم ہو گئی، اور اس حد قتل کی مستحق ٹھری جو شریعت ہر اس شخص پر لاگو کرتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے، چاہے وہ ذمی ہو یا مسلمان، یا معاہدہ والا، کیونکہ انبیاء کرام کی توہین کرنا اور ان پر سب وشتم کرنا اللہ کے ساتھ کفر ہے، اور ہر حرمت اور حق اور معاہدہ کو توڑ دیتا اور ختم کر دیتا ہے، اور یہ عظیم خیانت ہے جو شدید ترین سزا کی مستوجب ہے۔

حدیث ذمیہ گستاخ کے قتل کی سند کا بیان

اس کی شاہد وہ روایت ہے جو شعبی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا ": ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپ پر سب وشتم کرتی تھی، تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتی کہ وہ مرگئی، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا"

سنن ابوداود حدیث نمبر (4362) اس طریق سے ہی بیہقی نے سنن الکبری (7 / 60) میں اور ضیاء المقدسی نے المختارۃ (2 / 169) میں روایت کی ہے.

اس کی سند صحیح اور شیخین کی شرط پر ہے، لیکن انقطاع کی سبب سے علامہ البانی نے ضعیف ابوداود میں اسے ضعیف قرار دیا ہے. اقرب یہ ہے کہ اس پر مرسل کا حکم لگایا جائے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں ": اور دارقطنی علل میں کہتے ہیں : شعبی نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک حرف کے علاوہ کچھ نہیں سنا، جو دوسرے نے نہیں سنا" گویا کہ انہوں نے اس سے وہ روایت مراد لی ہے جو امام بخاری نے ان سے رجم والی روایت بیان کی ہے جو علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے جب انہوں نے ایک عورت کو رجم کیا تو کہنے لگے : میں نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ پر رجم کیا ہے "ابن حجر کی کلام ختم ہوئی۔ (تھذیب التھذیب (5 /. (68)

لیکن اکثر اہل علم کے ہاں شعبی رحمہ اللہ کی مراسیل قبول ہیں، ابن تیمیہ "الصارم المسلول "میں کہتے ہیں ": یہ حدیث جید ہے؛ کیونکہ شعبی نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا ہے، اور ان سے شراحہ الھمدانیۃ والی حدیث روایت کی ہے، اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں شعبی کی عمر بیس برس کے قریب تھی، اور وہ کوفی ہیں، ان کی لقاء ثابت ہے، تو حدیث متصل ہوگی، پھر اگر اس میں ارسال بھی ہو تو بالاتفاق حجت ہے، کیونکہ شعبی کا علی سے سماع بعید ہے کیونکہ اہل علم کے ہاں شعبی صحیح المراسیل ہے، وہ اس کی صحیح مراسیل ہی جانتے ہیں، پھر وہ سب لوگوں میں علی رضی اللہ تعالی عنہ کی احادیث کو زیادہ جاننے والا ہے، اور وہ اس کے ثقہ اصحاب کو زیادہ جانتا ہے۔ (الصارم المسلول (. (65)

اور اس قصہ کی ایک اور روایت بھی شاہد ہے جو ابن سعد کی روایت الطبقات الکبری (4 / 120) میں ہے وہ بیان کرتے ہیں:

"ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں یونس بن ابی اسحاق نے ابو اسحاق سے حدیث بیان کی، وہ عبد اللہ بن معقل سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ": ابن ام مکتوم مدینہ میں ایک انصاری کی پھوپھی جو یہودی تھی کے پاس ٹھہرے، وہ ان کے ساتھ نرمی برتتی اور بڑی رفیق تھی، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے متعلق انہیں اذیت دیتی، تو انہوں نے اسے پکڑ کر مارا اور قتل کر دیا، اس کا معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو ابن ام مکتوم کہنے لگے : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم اگر چہ وہ میرے ساتھ بڑی نرم دل تھی، لیکن اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بڑی اذیت دی تو میں نے

اسے مارااور قتل کر دیا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے ":اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا، میں نے اس کا خون باطل کر دیا"

اس سند کے راوی ثقہ ہیں. ان سب مجموعی روایات سے حاصل یہ ہوا کہ :اصل میں یہ قصہ سنت نبویہ میں ثابت ہے.

لیکن کیا یہ ایک واقعہ ہے یا کئی ایک واقعات ہیں؟ ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے، ابن تیمیہ اسی قول کی طرف مائل ہیں ان کا کہنا ہے ":اس پر یعنی اس حادثہ کے ایک ہونے پر امام احمد کی کلام بھی دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ عبد کی روایت میں ان سے کہا گیا: جب ذمی آدمی سب وشتم کرے تو اسے قتل کرنے میں احادیث وارد ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا :جی ہاں، ان احادیث میں اس نابینا والی حدیث بھی شامل ہے جس نے عورت کو قتل کیا تھا، وہ کہتے ہیں اس نے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کر رہی ہے، پھر عبداللہ نے ان سے دونوں حدیثیں روایت کی ہیں.

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ :اس طرح کے دو قصے دونوں نابینوں کے ساتھ پیش آنا ہر ایک کے ساتھ عورت اچھا سلوک کرتی تھی لیکن اس کے ساتھ وہ بار بار سب وشتم کا بھی شکار تھی، اور دونوں نابینوں نے اکیلے ہی عورت کو قتل کیا، اور دونوں واقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قسم دی، یہ عادتا بعید ہے" (الصارم المسلول (73 - 72)

اور روایات میں اس یہودی کو قتل کرنے کے طریقہ میں اختلاف میں جو اشکال ہے کہ آیا اسے گلا گھونٹ کر قتل کیا گیا یا کہ تلوار گھونپ کر؟ یہ اشکال باقی رہتا ہے.

ابن تیمیہ نے اس میں دو احتمال ذکر کیے ہیں: احتمال ہے کہ ابن ام مکتوم نے پہلے گلا گھونٹا اور پھر تلوار گھونپ دی.

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ : کسی ایک روایت میں غلطی کا وجود ہے. (الصارم المسلول (. (72)

دوم: روایت میں اس کی دلیل نہیں ہے کہ لونڈی کے پیٹ میں بچہ تھا، اور جو کوئی بھی سیاق وسباق سے ایسا سمجھتا ہے اس نے غلطی کی ہے، بعض روایات کے الفاظ میں " :تو اس کی ٹانگوں کے پاس بچہ گر گیا اور وہاں وہ خون سے لت پت ہو گیا" یہ کسی بھی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا؛ بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے دو بچوں میں سے ایک تھا، جن کے اوصاف بھی نابینے نے بیان کرتے ہوئے کہا ":دو موتیوں کی طرح" وہ بچہ شفقت کے ساتھ اپنی ماں کے پاس آیا اور خون میں لت پت ہو گیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں ":تو اس کے دونوں بچے اس کی ٹانگوں کے پاس خون میں لت پت ہو گئے" یعنی یا تثنیہ کے ساتھ دو بچوں کا ذکر ہے، اور بیہقی کی روایت میں بھی ہے ":تو اس کے دونوں بچے اس کی ٹانگوں کے پاس خون میں لت پت ہو گئے"

ابوداود کہتے ہیں : میں مصعب الزبیری کو سنا وہ کہہ رہے تھے: عبداللہ بن یزید الخطمی صحابی نہیں، وہ کہتے ہیں :یہ وہی ہے جس کی ماں کو نابینے نے قتل کیا تھا، اور یہ وہی بچہ ہے جو اس کی ٹانگوں کے درمیان گرا تھا، جس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کیا تھا۔

تو پھر کوئی نوزائدہ بچہ مقتول نہ تھا، اور پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ شریعت ایسا عمل اور قانون لائے کہ بچہ ماں کی سزا کا متحمل ٹھرے، اور پھر اللہ تعالی کا تو فرمان یہ ہے: (اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ اور گناہ نہیں اٹھائیگا).

حدیث اور روایات کیا لفاظ مختلف آنے اور بعض اوقات عکرمہ سے مرسل روایت جیسا کہ ابو عبید القاسم بن سلام نے " الاموال حدیث نمبر (416) میں بیان کی ہے، اور حفاظ نے عثمان الشحام کی روایت میں مناکیر کی موجودگی کی بنا پر نقد کیا ہے، جیسا کہ یحیی القطان کہتے ہیں: کبھی معروف اور کبھی منکر بیان کرتا ہے، اور میرے پاس وہ نہیں.

اور ابواحمد الحاکم کہتے ہیں: ان کے ہاں قوی نہیں، اور دار قطنی کہتے ہیں: بصری اور معتبر ہے، یہ سب قصہ میں مذکور تفاصیل میں شک واجب کرتا ہے، لیکن یہ اس درجہ تک نہیں پہنچتا کہ اصل روایت ہی رد کر دی جائے اور حادثہ کے وقوع کی نفی کر دی جائے، اس لئے کہ اس کے کئی شواہد آئے ہیں جن کا اوپر بیان ہو چکا ہے، اور متقدمین اور متاخرین اہل علم نے اسے قبول کیا ہے.

سوم: اس قصہ میں اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کیعدل و انصاف کی دلیل پائی جاتی ہے جو ان کیساتھ کیا جاتا تھا، جس کو شریعت مطہرہ نے سب جہانوں کے لیے بطور رحمت بنا کرلائی ہے.

چنانچہ معاہدہ کرنے والے یہودیوں کیحقوق محفوظ ہیں اور کوئی بھی شخص انہیں اذیت و تکلیف نہیں دے سکتا، اسی لیے جب لوگوں نے ایک یہودی عورت کو قتل پایا تو لوگ ہڑبڑا گئے اور اسکا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جنہوں نے ان یہودیوں کو معاہدہ اور امان دے رکھی تھی، اور ان سے جزیہ نہیں لیتے تھے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید غضبناک ہوئے اور مسلمانوں کو اللہ کا واسطہ اور قسم دے پوچھا کہ وہ ایسا کرنے والے کو ظاہر کریں، تا کہ وہ اس کی سزا کے متعلق دیکھیں اور اس کے معاملہ میں فیصلہ کریں.

لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ اس نے کئی ایک بار معاہدہ توڑا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے اذیت پہنچائی ہے تو وہ اپنے تمام حقوق سے محروم کر دی گئی، اور بطور حد قتل کی مستحق ٹھری جو شریعت مطہرہ ہر اس شخص پر لاگو کرتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرے، چاہے مسلمان ہو یا ذمی یا معاہدہ والا، کیونکہ انبیاء کے مقام و مرتبہ کے ساتھ توہین کرنا اللہ کے ساتھ کفر ہے، اور ہر حرمت اور عہد و پیمان اور حق کو توڑنا، اور عظیم خیانت ہے جو سخت سے سخت سزا کی موجب ٹھرتی ہے۔ (احکام اھل الذمۃ (3/ 1398)).

اور رہا یہ مسئلہ کہ: مرتد کی حد لاگو کرنا حکمران یا اس کے نائب کے ساتھ مخصوص ہے، ": اور باقی یہ رہ جاتا ہے کہ: حدود کا نفاذ امام یعنی حکمران یا اس کے نائب کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا؟

اس کا جواب کئی ایک وجوہ سے ہے:

پہلی سبب: مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام پر حد لاگو کرے اس کی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے ":

تم اپنے غلاموں پر حدود کا نفاذ کرو"

مسند احمد حدیث نمبر (736) شیخ ارناؤوط نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ اس طرف مائل ہیں کہ یہ جملہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کلام میں سے ہے۔ (ارواء الغلیل (. (2325)

اور یہ فرمان "جب تم میں سے کسی ایک کی لونڈی زنا کرے تو وہ اسے حد لگائے" سنن ابوداود حدیث نمبر (4470) صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "تو وہ اسے کوڑوں کی حد لگائے" فقہاء حدیث کے ہاں کسی اختلاف کا مجھے علم نہیں کہ اسے حد لگانے کا حق حاصل ہے، مثلا زنا اور قذف و بہتان اور شراب نوشی کی حد، اور مسلمانوں کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ اسے تعزیر لگائے، اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں کہ آیا اسے قتل کرنے یا ہاتھ کاٹنے کا حق حاصل ہے، مثلا مرتد ہونے والے کو قتل کرنا، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرنے اور توہین کرنے والے کو قتل کرنا، اور چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا؟

اس میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں: پہلی روایت : جائز ہے، اور یہ امام شافعی سے بھی بیان کردہ ہے. اور دوسری روایت یہ ہے : جائز نہیں، اور اصحاب شافعی سے دو میں سے ایک سبب اور امام مالک کا بھی یہ قول ہے، اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کا چوری کی بنا پر ہاتھ کاٹا تھا، اور حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جادو کا اعتراف کرنے والی اپنی ایک لونڈی کو قتل کیا تھا، اور یہ ابن عمر کی رائے کی بنا پر ہوا!؛ تو اس طرح یہ حدیث اس کے لیے دلیل ہوئی جو مالک کے لیے غلام پر حد لاگو کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں.

دوسری سبب: اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ امام کے معاملات میں دخل اندازی ہے، اور امام کو حق حاصل ہے کہ جس نے اس کے بغیر کسی واجب میں حد لاگو کی اسے معاف کر دے.

تیسری سبب: اگر چہ یہ حد ہے، اور وہ حربی کو قتل کرنا بھی ہے؛ تو یہ اس کے مرتبہ میں ہوا کہ اس حربی کو قتل کرنا جس کو قتل کرنا حتمی تھا، اور یہ ہر ایک کو قتل کرنا جائز ہے.

چوتھی سبب: اس طرح کا واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوا ہے، مثلا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا اس منافق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر قتل کرنا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوا تھا، تو اس کے اقرار میں قرآن نازل ہوا.

اور اسی طرح بنت مروان جس کو اس مرد نے قتل کر دیا تھا حتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مددگار کا نام دیا، یہ اس لیے کہ جس کو کسی معنی یعنی دین کے خلاف چال اور مکر کرنے اور دین کو خراب کرنے کی بنا پر قتل کرنا واجب ہو چکا ہو، وہ اس جیسا نہیں جس نے کسی شخص کو معصیت و نافرمانی زنا وغیرہ کی بنا پر قتل کر دیا ہو۔

(الصارم المسلول (286 - 285)

فصل

﴿ یہ فصل بنوتغلب نصاریٰ سے وصول کردہ مال کے بیان میں ہے ﴾

فصل نصاریٰ بنوتغلب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے بنوتغلب سے متعلق احکام کو الگ فصل میں ذکر کیا ہے اور یہ عین مناسبت کے موافق ہے کیونکہ بنوتغلب نصاریٰ سے متعلق احکام مخصوص ہیں۔ اور ان کی یہ تخصیص دیگر نصاریٰ سے مختلف ہے لہٰذا اختلاف کے سبب اس کو ایک الگ فصل میں ذکر کرنا ہی ضروری سمجھا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۱۱۷، بیروت)

نصاریٰ بنوتغلب کے اموال سے جزیہ کی وصولی کا بیان

(وَنَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ الزَّكَاةِ) ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَالَحَهُمْ عَلَى ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ (وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ) لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمُضَاعَفَةِ ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِنَّ دُونَ الصِّبْيَانِ فَكَذَا الْمُضَاعَفُ .

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَيْضًا ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّهُ جِزْيَةٌ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ : هَذِهِ جِزْيَةٌ فَسَمُّوهَا مَا شِئْتُمْ ، وَلِهَذَا تُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى النِّسْوَانِ .

وَلَنَا أَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِهِ الصُّلْحُ ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وُجُوبِ مِثْلِهِ عَلَيْهَا وَالْمَصْرِفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجِزْيَةِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يُرَاعَى فِيهِ شَرَائِطُهَا

(وَيُوضَعُ عَلَى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخَرَاجُ) أَيْ الْجِزْيَةُ (وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ) وَقَالَ زُفَرُ : يُضَاعَفُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ) ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَوْلَى الْهَاشِمِيِّ يَلْحَقُ بِهِ فِي حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ .

وَلَنَا أَنَّ هَذَا تَخْفِيفٌ وَالْمَوْلَى لَا يَلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيهِ ، وَلِهَذَا تُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى مَوْلَى

الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا ، بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرُمَاتِ تَثْبُتُ بِالشُّبُهَاتِ فَأُلْحِقَ الْمَوْلَى بِالْهَاشِمِيِّ فِي حَقِّهِ ، وَلَا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا ، وَإِنَّمَا الْغِنَى مَانِعٌ وَلَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمَوْلَى ، أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهَذِهِ الصِّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهُ صِينَ لِشَرَفِهِ وَكَرَامَتِهِ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَأُلْحِقَ بِهِ مَوْلَاهُ.

ترجمہ

اور نصاریٰ بنو تغلب کے اموال سے مسلمانوں سے لی جانے والی زکوٰۃ کا دوگنا مال لیا جائے گا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اسی مقدار پر ان سے صلح کی تھی، ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا، مگر ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ صلح صدقہ مضاعفہ پر واقع ہوئی ہے اور صدقہ عورتوں پر واجب ہے نہ کہ بچوں پر، لہٰذا مضاعف بھی عورتوں پر ہی واجب ہوگا۔ امام زفر فرمایا کہ ان کی عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی قول ہے اس لیے کہ درحقیقت جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا یہ جزیہ ہے لہٰذا تم چاہو اسے نام دیدو اسی لیے اس کو جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جاتا ہے اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا مال ہے جو صلح کی سبب سے واجب ہوتا ہے اور عورت اس بات کی اہل ہے کہ اس پر اس جیسا مال واجب کیا جائے۔ اور اس کا مصرف مصالح المسلمین ہیں اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مصرف جزیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیا دکھتا نہیں کہ اس میں جزیہ کی شرطوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

اور تغلبی غلاموں پر خراج وجزیہ مقرر کیا جائے گا اور یہ پر یہ تقرر قریشی غلاموں پر مقرر کردہ جزیہ وخراج کی طرح ہوگا۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ان سے ڈبل لیا جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم کا آزاد کردہ غلام انہی میں سے ہوتا ہے۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ صدقہ کی حرمت میں ہاشمی کے غلام کو ہاشمی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ سہولت ایسی ہے جو آزاد کردہ غلام میں اصل کے ساتھ نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ جب مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر بھی جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ بہ خلاف حرمت صدقہ کے کیونکہ حرمات شبہات سے ثابت ہو جاتی ہیں (قاعدہ فقہیہ) پس حرمت کے حق میں ہاشمی کے آقا کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس سبب سے غنی کے آقا پر اعتراض نہ ہوگا کیونکہ مالدار آدمی صدقہ لینے کا اہل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا غنی ہونا ہی صدقہ لینے سے روکنے والا ہے۔ جبکہ اس کے غلام میں یہ مانع نہیں ہے البتہ ہاشمی اس عطیہ کا حقدار نہیں ہے کیونکہ اس کو اس کی شرافت وکرامت کے سبب لوگوں کی میل وکچیل سے دور کر دیا ہے۔ پس اس کے غلاموں کو بھی اسی کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

بنوتغلب نصاریٰ سے وصول جزیہ میں تاریخی وفقہی مذاہب

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بنوتغلب کے نصاریٰ نے جب اصرار کیا کہ وہ اہل عجم کی طرح 'جزیہ' ادانہیں کریں گے بلکہ ان سے صدقہ یا زکوۃ وصول کی جائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداء ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، تاہم یہ دیکھتے ہوئے کہ بنوتغلب شام کی سرحد کے قریب آباد ہیں اور دشمن کے مقابلے میں ان کے تعان کی مسلمانوں کو اشد ضرورت ہے، انھوں نے مصلحت اور مجبوری کے تحت ان کے رؤوس پر 'جزیہ' عائد کرنے کے بجائے ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس سے معاملے کی حقیقی نوعیت بالکل مختلف ہوگئی تھی، تاہم انھوں نے ان سے یہ کہنا مناسب سمجھا کہ تم اسے جو چاہو نام دے لو، ہم تم سے وصول کی جانے والی رقم کو 'جزیہ' ہی کہیں گے۔ (بلاذری، فتوح البلدان ۱/۲۱۶)

امام لیث بن سعد نے اس صلح کی نوعیت یوں بیان کی ہے :

انما الصلح بيننا وبين النوبة على ان لا نقاتلهم ولا يقاتلوننا وانهم يعطوننا رقيقا ونعطيهم طعاما (ابو عبيد، الاموال، ۲۳۶)

"ہمارے اور اہل نوبہ کے مابین صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ نہ وہ ہم سے لڑیں گے اور نہ ہم ان سے، اور یہ کہ وہ ہمیں غلام مہیا کریں گے اور ہم اس کے عوض میں انھیں آٹا دیں گے۔"

اسی طرح بعض گروہوں کو اس شرط پر جزیہ سے مستثنیٰ قرار دینے کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ وہ جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ (معجم البلدان، ۲/۱۲۱)

جہاں تک بعد کی فقہی روایت کا تعلق ہے تو فقہا بالعموم اہل ذمہ کے لیے 'جزیہ' کی ادائیگی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ 'جزیہ' ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا اور اسلام کے مقابلے میں ان کی ذلت ورسوائی کی علامت ہے اور اپنی اس علامتی اہمیت ہی کی سبب سے مسلمانوں کے مقابلے میں اہل ذمہ کی محکومانہ حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ فقہا اس کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ جن کفار نے دین حق کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے، وہ مسلمانوں کے زیردست رہتے ہوئے ہر دم اپنی پستی اور محکومی کا مشاہدہ کریں اور انھیں احساس ہو کہ یہ ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا ہے۔ اس طرح ان میں یہ داعیہ پیدا ہوگا کہ وہ اس ذلت سے بچنے کے لیے کفر وشرک کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، 'جزیہ' ۱۵/۱۵۸۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۲/۴۸۱)

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ مقصد چونکہ 'جزیہ' ہی کے ذریعے سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لیے فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر غیر مسلم 'جزیہ' کی ادائیگی کے بغیر پرامن تعلقات قائم کرنے کی پیش کش کریں تو قبول نہیں کی جائے گی۔ (جصاص، احکام القرآن، ۳/۴۲۸)

حتیٰ کہ اگر اس شرط پر صلح کے لیے آمادہ ہوں کہ ان کو قیدی بنائے بغیر اور مسلمانوں کے ذمہ میں داخل کرکے ان سے جزیہ وصول کیے بغیر انھیں اپنے علاقے سے جلاوطن کردیا جائے تو بھی مذکورہ شرط پر صلح کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مسلمان جنگ کرکے ان

سے جزیہ وصول کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو مذکورہ شرط پر صلح کی جاسکتی ہے۔(جصاص، احکام القرآن،۳/۲۲۸)

امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اسی بنا پر فقہا سیدنا عمر کے اس فیصلے کو جوانھوں نے بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں کیا، بنو تغلب ہی کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور غیر مسلم گروہ سے 'جزیہ ' کے بجائے صدقہ کی وصولی کو جائز نہیں سمجھتے۔(سرخسی، المبسوط ۳/۴۵۸) جبکہ جصاص وغیرہ کی رائے میں یہ بھی درحقیقت 'جزیہ 'ہی تھا۔(احکام القرآن ۶/۴۸۶)

تاہم ایک رائے یہ بھی موجود ہے کہ اگر عملی صورت حالات کسی غیر مسلم گروہ کے ساتھ اسی شرط پر صلح کرنے پر مجبور کر رہی ہو کہ ان سے جزیہ کے بجائے زکوۃ لی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان بنی تغلب کانوا ذوی قوة وشوكة لحقوا بالروم وخيف منهم النقصان ان لم يصالحوا ولم يوجد هذا في غيرهم فان وجد هذا في غيرهم فامتنعوا من اداء الجزية وخيف النقصان بترك مصالحتهم فرای الإمام مصالحتهم على اداء الجزية باسم الصدقة جاز ذلك اذا كان الماخوذ منهم بقدر ما يجب عليهم من الجزية او زيادة (المغنی، ۹/۲۷۷)

"بنو تغلب قوت وشوکت کے حامل تھے اور اہل روم کے ساتھ مل گئے تھے، اور اگر ان کے ساتھ صلح نہ کی جاتی تو ان کی جانب سے نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔ یہ سبب کسی اور گروہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہاں، اگر کسی اور میں بھی یہ سبب پائی جائے اور وہ جزیہ دینے سے انکار کریں اور ان کے ساتھ صلح نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خدشہ ہو اور حکمران صدقہ کے نام سے ان سے جزیہ وصول کرنے پر صلح کرنے کو مناسب سمجھے تو ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے، جبکہ ان سے وصول کی جانے والی رقم جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔

اس ضمن میں ایک فقہی رائے یہ بھی ہے کہ اگر غیر مسلم جزیہ کے بجائے صدقہ کے نام سے رقم ادا کرنا چاہیں تو پھر بنو تغلب کی نظیر کے مطابق ان سے دوہری رقم وصول کی جانی چاہیے۔(ماوردی، الاحکام السلطانیۃ،۱۸۴)

اس پس منظر میں امام شافعیؒ کے ہاں اس حوالے سے پایا جانے والا توسع کا رویہ خاص طور پر قابل تسبب ہے، اس لیے کہ وہ مجبوری کی کسی حالت کے بغیر عام حالات میں بھی خاص 'جزیہ ' کے نام سے کسی رقم کی وصولی کو لازم نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک اگر غیر مسلم کسی بھی شکل میں اتنی رقم کی ادائیگی پر آمادہ ہوں جو جزیہ کے مساوی ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فاذا غزا الامام قوما فلم يظهر عليهم حتى عرضوا عليه الصلح على شیء من ارضهم او شیء يودونه عن ارضهم فيه ما هو اكثر من الجزية او مثل الجزية فان كانوا ممن توخذ منهم الجزية واعطوه ذلك على

ان یجری علیھم الحکم فعلیہ ان یقبلہ منھم (الام، ۴/ ۱۸۲)
جب امام کسی قوم پر حملہ کرے اوران پر غالب آنے سے پہلے ہی وہ اس شرط پر صلح کی پیش کش کردیں کہ اپنی سرزمین یا اس کی پیداوار کا کچھ حصہ، جو قیمت میں جزیہ سے زیادہ یا اس کے مساوی ہو، مسلمانوں کو دیں گے تو اس صورت میں اگر وہ قوم ایسی ہو جس سے جزیہ لینا جائز ہے اور اس کے ساتھ وہ یہ شرط بھی مان لیں کہ ان پر مسلمانوں کا حکم جاری ہوگا تو امام پر لازم ہے کہ ان کی یہ پیش کش قبول کرلے۔

واذا صالحوھمْ علی ان الارض کلھا للمشرکین فلا باس ان یصالحھم علی ذلک ویجعلوا علیھم خراجا معلوما اما شیء مسمی یضمنونہ فی اموالھم کالجزیۃ واما شیء مسمی یودی عن کل زرع من الارض کذا من الحنطۃ او غیرھا اذا کان ذلک اذا جمع مثل الجزیۃ او اکثر (الام، ۴/ ۱۸۲)
اور کفار اس شرط پر صلح کرنا چاہیں کہ زمین ساری کی ساری ان کی ملکیت ہوگی تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ان پر ایک متعین خراج عائد کردیا جائے، خواہ وہ ان کے اموال میں جزیہ کی شکل میں کوئی متعین رقم ہو یا زمین کی پیداوار مثلاً گندم یا کسی اور فصل کی کوئی متعین مقدار، جبکہ اس کی مجموعی قیمت جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔

اس صورت میں اصل مقصد محض ایک مخصوص رقم کی وصولی قرار پاتا ہے اور اس کی وہ علامتی اہمیت، جس کے پیش نظر قرآن مجید میں اصلاً اسے منکرین حق پر عائد کرنے کا حکم دیا گیا، ثانوی ہوجاتی ہے، کیونکہ جزیہ کے اصل تصور کی رو سے حقارت اور ذلت کے بغیر وصول کی جانے والی کسی بھی رقم کو 'جزیہ' نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ومتی اخذناھا علی غیر ھذا السبب لم تکن جزیۃ لان الجزیۃ ھی ما اخذ علی سبب الصغار (احکام القرآن، ۳/ ۱۰۱)
اگر ہم ذلت اور عار کے بغیر وصول کریں گے تو وہ 'جزیہ' نہیں ہوگا کیونکہ 'جزیہ' کہتے ہی اس رقم کو ہیں جو ذلت اور حقارت کے ساتھ وصول کی جائے۔

بنوتغلب کے اموال کے تصرف کا بیان

قَالَ :(وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنْ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالْجُسُورِ ، وَيُعْطَى قُضَاةُ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ ، وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيِّهِمْ) ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ

وَهُوَ مُعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهَؤُلَاءِ عَمَلَتُهُمْ وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيّ عَلَى الْآبَاءِ ، فَلَوْ لَمْ يُعْطُوا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتَاجُوا إِلَى الِاكْتِسَابِ فَلَا يَتَفَرَّغُونَ لِلْقِتَالِ (وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ فَلَا شَيْءَ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ) لِأَنَّهُ نَوْعُ صِلَةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ ؛ وَلِهَذَا سُمِّيَ عَطَاءً فَلَا يُمْلَكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ ، وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدَرِّسِ وَالْمُفْتِي ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

فرمایا اور امام خراج سے اور بنوتغلب کے اموال سے جو مال جمع کرے اور وہ مال جس کو حربی لوگ امام کو ہدیہ کردیں اور جزیہ یہ سب امام مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرے جس طرح سرحدوں کو مضبوط کرنا، پل بنوانا، اور اسی میں سے مسلمان قاضیوں، عاملوں اور عالموں کو اتنا مال دے جو ان کے لیے کافی ہو اور اسی مال سے مجاہدین اور ان کی اولاد کو روزینہ بھی دے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے، کیونکہ بغیر جنگ کے یہ مال مسلمانوں کو ملا ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے لیے بنایا گیا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے عامل ہیں اور اولاد کا خرچہ ان کے آباء پر ہوگا، اس لیے جب ان لگوں کو بقدر کفایت مال نہ دیا گیا تو ان لوگوں کو کمانے کی ضرورت ہوگی اور وہ جنگ کے لیے فارغ نہیں ہوں گے۔

اور قاضی وغیرہ میں سے جو شخص درمیان سال میں مرگیا تو عطاء میں سے اسے کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ عطاء ایک طرح کا صلہ ہے، قرض نہیں ہے اسی لیے اس کو عطاء کہا جاتا ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا اور مستحق کی موت سے ساقط ہوجائے گا، ہمارے زمانے میں اہل عطاء یہ لوگ ہیں قاضی، مدرس اور مفتی صاحبان ہیں۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ ہر قسم کے غلّہ میں فی جریب ایک درم اور اُس غلّہ کا ایک صاع اور خربوزے، تربوز کی پالیز اور کھیرے، ککڑی، بیگن وغیرہ ترکاریوں میں فی جریب پانچ درم انگور و خرما کے گھنے باغوں میں جن کے اندر زراعت نہ ہوسکے۔ دس درم پھر زمین کی حیثیت اور اس شخص کی قدرت کا اعتبار ہے، اس کا اعتبار نہیں کہ اُس نے کیا بویا یعنی جو زمین جس چیز کے بونے کے لائق ہے اور یہ شخص اُس کے بونے پر قادر ہے تو اس کے اعتبار سے خراج ادا کرے، مثلاً انگور بوسکتا ہے تو انگور کا خراج دے، اگرچہ گیہوں بوئے اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج ادا کرے اگرچہ جو بوئے۔ (درمختار، کتاب الزکوۃ)

بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّينَ

﴿یہ باب مرتدوں کے احکام کے بیان میں ہے﴾

احکام مرتدین باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب کفر اصلی کے احکام سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے کفر طاری کے احکام شروع کیے ہیں کیونکہ کفر طاری وجود اصلی کے بعد ہوتا ہے اور اس کی مناسبت واضح ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۱۲۳، بیروت)

مرتد کا فقہی مفہوم

ارتداد کا لغوی معنی لوٹ جانا اور بدل جانا ہے شرعی اصطلاح میں ارتداد کا مطلب ہے : دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لینا۔ یہ ارتداد قولی بھی ہوسکتا ہے اور فعلی بھی ہوتا ہے ۔ مرتد وہ شخص ہے جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے جو صحیح احادیث، تعامل صحابہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

ارتداد کا مطلب ہے مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جانا۔ ارتداد قول سے بھی ہوسکتا ہے، فعل سے بھی، اعتقاد سے بھی اور شک سے بھی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے یا اس کی ربوبیت کا انکار کرتا ہے، یا اس کی وحدانیت، اس کی کسی صفت، اس کی نازل کی ہوئی کسی کتاب یا کسی رسول علیہ السلام کا انکار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول علیہ السلام کو گالی دیتا ہے، یا جن چیزوں کی حرمت پر امت کا اجماع ہے ان میں سے کسی کو حلال سمجھتا ہے، یا اسلام کے پانچ ارکان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے یا اسلام کے کسی رکن کے وجوب میں، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی نبوت میں یا قیامت میں شک کرتا ہے، یا کسی بت یا ستارے وغیرہ کو سجدہ کرتا ہے تو ایسا شخص کافر اور دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کافر، مرتد اور زندیق میں فرق کا بیان

جو لوگ اسلام کو مانتے ہی نہیں وہ تو کافر اصلی کہلاتے ہیں، جو لوگ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس سے برگشتہ ہو جائیں وہ مرتد کہلاتے ہیں، اور جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن وحدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم

ہے ،البتہ امام اعظم رضی اللہ عنہ" کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزادی جائے۔

زندیق کی سزامیں فقہی مذاہب اربعہ

زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے،لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ،وہ بہر حال واجب القتل ہے۔حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہر صورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی،لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں ،اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق ،مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے،لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام محمد بن سحنون کی روایت ہے۔تمام علماء کا اس پر اجماع ہے حضور ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور تمام امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک امام جس کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا۔قرآن کی آیات کا مذاق اڑایا اور مفاہیم کے ردوبدل سے یہ الفاظ کہے،قسم ہے آٹا پیسنے والی عورتوں کی جو اچھی طرح گوندھتی ہیں پھر روٹی پکاتی ہیں پھر ثرید بناتی ہیں پھر خوب لقمے لیتی ہیں اس پر حضرت نے اسے قتل کا حکم سنایا اور لحہ بھر بھی تاخیر نہیں فرمائی۔(مصنف ابن ابی شبہ، کتاب الجہاد)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تاریخی الفاظ ملاحظہ ہوں۔جو شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کرے،اس کا خون حلال اور مباح ہے(کتاب الشفاء)

اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے عدالتی کارروائی ہو تو فبہا ورنہ پورا معاشرہ سستی اور کوتاہی پر مجرم ہوگا۔ان ہی خیالات کا اظہار بارہا پنجاب ہائی کورٹ کے معزز جج میاں نذیر اختر فرما چکے ہیں۔

اب سنئے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے ایک موقع پر شاتمین دین ورسول کو قتل کرنے کے بعد جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔یہ روایت بھی بخاری کی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میرے والد گرامی کہتے تھے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی

نبی کو سب کرے اسے قتل کردو اور جو کسی صحابی کو برا بھلا کہے اسے کوڑے مارو (المعجم الصغیر للطبرانی، باب العین)

الاشباہ والنظائر میں ہے۔ کافر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے لیکن اس کافر کی توبہ قبول نہیں جو نبی کریم ﷺ سے حضور گستاخیاں کرتا ہے۔ نسائی شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب کیا۔ آپ کے ایک عقیدت مند نے اجازت چاہی کہ اسے قتل کردیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حق صرف حضرت محمد ﷺ کا ہے کہ انہیں (بکواس کرنے والے کو) قتل کردیا جائے (سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، حدیث (4077)

ابن ماجہ نے روایت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتد کو قتل کی سزادی۔ اس پر فتح القدیر کا مولف لکھتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرے اس کی گردن اڑادی جائے۔ (فتح القدیر، کتاب السیر)

محدث عبدالرزاق روایت فرماتے ہیں: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدوں کو آگ میں جلادیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے ابوبکر ! آپ نے خالد کو کھلا چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، حدیث (9470)

حضور انور ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو شہر نور میں ایک بوڑھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور نام اس کا ابوعفک تھا۔ اس نے انتہائی دشمنی کا اظہار کیا۔ لوگوں کو وہ حضور ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، نظمیں لکھتا جن میں اپنی بدباطنی کا اظہار کرتا۔ جب حارث بن سوید کو موت کی سزا سنائی گئی تو اس ملعون نے ایک نظم لکھی جس میں حضور ﷺ کو گالیاں بکیں۔ حضور ﷺ نے جب اس کی گستاخیاں سنیں تو فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس غلیظ اور بدکردار آدمی کو ختم کردے۔

سالم بن عمیر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ ابوعفک کے پاس گئے دراں حالیکہ وہ سو رہا تھا۔ سالم نے اس کے جگر میں تلوار زور سے کھبودی۔ ابوعفک چیخا اور آنجہانی ہوگیا۔ (کتاب المغازی، للواقدی، سریۃ قتل ابی عفك ،(163/1)

حویرث بن نقیذ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا۔ ایک بار حضرت عباس مکہ سے مدینہ جارہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ جانے کے لئے ان کے ساتھ نکلیں۔ ظالم حویرث نے سواری کو اس طرح ایڑھ لگائی کہ دونوں شہزادیاں سواری سے گرگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے موت کی سزا سنائی۔ فتح مکہ کے موقع پر حویرث نے خود کو ایک مکان میں بند کردیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کرلیا اور اپنے آقا ﷺ کے حکم پر اسے قتل کردیا۔

(کتاب المغازی للواقدی، (281/2)

بخاری شریف کی روایت ہے۔ معاویہ بن مغیرہ نامی ایک گستاخ کو رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کروالیا اور فرمایا ایک سچا مسلمان ایک ہی سانپ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، اے معاویہ بن مغیرہ ! تم اب کسی صورت میں بھی واپس نہیں جاسکتے۔ پھر فرمایا اے زبیر ! اے عاصم ! اس کا سر قلم کردو۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور یہ حنفی فقہ کی معروف کتاب ہے۔ جب کوئی شخص حضور ﷺ یا انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین

کرے اس کی شرعی سزا قتل ہے اور اس کی توبہ یقیناً قبول نہیں ہوگی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ منسوب کسی چیز میں عیب نکالنے والا شخص کافر ہے۔ جبکہ الاشباہ کے مصنف نے فرمایا اور وہ واجب القتل ہوگا۔ جس طرح کسی شخص نے حضور ﷺ کے بال مبارک کے بارے میں (بطور اہانت) تصغیر کا صیغہ استعمال کر کے تنقیص کی۔ (فتاویٰ قاضی خان، کتاب السیر، (574/3)

علامہ حصاص رازی لکھتے ہیں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو شخص حضور ﷺ کی ذات پاک کے خلاف بے ادبی کی جسارت کرے وہ مرتد ہے اور قتل کا مستحق ہے۔ (احکام القرآن للرازی، سورۃ توبہ، (128/3)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ جو شخص کہے حضور ﷺ کی چادر یا بٹن میلا کچیلا ہے اور اس قول سے مقصود عیب لگانا ہو، اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کے علم کو حضور ﷺ کے علم سے زیادہ جانا اس نے توہین کی۔ اس لئے وہ واجب القتل ٹھہرا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں یمن کے گورنر مہاجر بن امیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی وہاں ایک عورت مرتد ہوگئی۔ اس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی والا گیت گایا۔ گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے والے دو دانت توڑ دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا۔ اگر تو فیصلہ کر کے عمل نہ کراچکا ہوتا تو میں اس عورت کے قتل کرنے کا حکم صادر کرتا۔ کیونکہ نبیوں کے گستاخ قابل معافی نہیں ہوتے۔

گستاخی میں جہالت کے عدم اعتبار کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں۔ "اور اسی کی مانند وہ شخص ہے جو کسی ایسے نبی کو گالی دے جس کی نبوت پر تمام امت کا اجماع ہو؛ اس کو بغیر توبہ کا کہے قتل کیا جائے گا، اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اگر اس نے توبہ کر بھی لی تو تب بھی نبی کو گالی دینے کی حد میں اسے قتل کیا جائے گا؛ اور اس مسئلہ میں اس کی جہالت کا عذر معتبر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کفر میں کسی کی جہالت معتبر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس کے نشہ میں مست ہونے کا؛ عقل توازن کے کھو جانے کا، اور غضبناک ہونے کا عذر مانا جائے گا، بلکہ اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔ (الفقہ علی المذاہب اربعہ، ۱۹۹/۵)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل میں مذاہب اربعہ

حضور ﷺ کے گستاخ کی سزا یہی ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں، چاروں مسالک یہی ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم البحر الرائق میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام اعظم امام اعظم رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "جس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دل میں بغض رکھا وہ مرتد ہو گیا، اور شاتمِ رسول تو اس سے بھی بدتر ہے، ہمارے نزدیک وہ واجب القتل ہے؛ اور اس کی توبہ سے سزائے موت موقوف نہیں ہوگی۔ یہ مذہب اہل کوفہ اور امام مالک کا بھی ہے۔ اور یہ حکم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ گالی دینے والا نشے میں ہو تب بھی قتل کیا جائے گا اور معاف نہیں ہوگا (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب الردۃ)

علامہ خیر الدین رملی حنفی فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں: شاتمِ رسول کو بہر طور حداً قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی، خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے، جس کی توبہ قابلِ تسبب ہی نہیں اور اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا، جس طرح دیگر حقوق (چوری، زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حدِ تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہی سیّدنا ابوبکر علیہ الرحمہ، امام اعظم علیہ الرحمہ، اہل کوفہ اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔ (تنبیہ الولاۃ واحکام)

امام ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ امت کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ گستاخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل واجب ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابولیث علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ، امام اسحاق علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام کا مسلک یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ (فتاویٰ شامی)

علامہ طاہر بخاری اپنی کتاب خلاصہ الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ محیط میں ہے کہ جو نبی اکو گالی دے، آپ اکی اہانت کرے، آپ ا کے دینی معاملات یا آپ اکی شخصیت یا آپ اکے اوصاف میں سے کسی وصف کے بارے میں عیب جوئی کرے چاہے گالی دینے والا آپ اکی امت میں سے ہو خواہ اہل کتاب وغیرہ میں سے ہو ذمی یا حربی، خواہ یہ گالی اہانت اور عیب جوئی جان بوجھ کر ہو یا سہواً اور غفلت کی بناء پر تیز سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مذاق سے، ہر صورت میں ہمیشہ کے لئے یہ شخص کافر ہوگا اس طرح کہ اگر توبہ کرے گا تو بھی اس کی توبہ نہ عند اللہ مقبول ہے اور نہ عند الناس اور تمام متقدمین اور تمام متاخرین ومجتہدین کے نزدیک شریعت مطہرہ میں اس کی قطعی سزا قتل ہے۔ حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کے قتل کے بارے میں ذرا سی نرمی سے بھی کام نہ لے۔ (خلاصہ الفتاویٰ)

علامہ خطابی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے بدگو کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو اور اگر یہ بدگوئی اللہ تعالیٰ کی شان میں ہو تو ایسے شخص کی توبہ سے اس کا قتل معاف ہو جائے گا۔ (فتح القدیر)

علامہ بزازی علیہ الرحمہ نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا جس طرح تمام حقوق العباد اور جیسا کہ حدِ قذف (تہمت کی سزا) توبہ سے ختم نہیں ہوتی۔ بزازی علیہ الرحمہ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء میں سے کسی ایک کو برا کہنے کا یہی حکم ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن قاسم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے مصر سے ایک فتویٰ طلب کیا گیا، جس میں حیرنے فتویٰ کے بارے میں، جس میں کہ میں نے شاتم رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا، تصدیق چاہی گئی تھی۔ اس فتویٰ کے جواب میں امام مالک علیہ الرحمہ نے مجھ ہی کو اس فتویٰ کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے یہ جواب لکھا کہ ایسے شخص کو عبرتناک سزا دی جائے اور اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہ کلمات کہہ کر میں نے امام مالک علیہ الرحمہ سے عرض کی کہ اے ابوعبداللہ !(کنیت امام مالک علیہ الرحمہ) اگر اجازت ہو تو یہ بھی لکھ دیا جائے کہ قتل کے بعد اس لاش کو جلا دیا جائے۔ یہ سن کر امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا، یقیناً وہ گستاخ اسی بات کا مستحق ہے اور یہ سزا اس کے لیے مناسب ہے۔ چنانچہ یہ کلمات میں نے امام موصوف کے سامنے ان کی ایماء پر لکھ دیے اور اس سلسلے میں امام صاحب نے کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ یہ کلمات لکھ کر میں نے فتویٰ روانہ کر دیا اور اس فتویٰ کی روشنی میں اس گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔ (الشفاء)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں ابن کنانہ کا احکام کا فتویٰ

مبسوط میں ابن کنانہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بارگاہِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو میں حاکم وقت کو مشورہ دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو پھونک دیا جائے یا براہ راست آگ میں جھونک دیا جائے۔ (الشفاء، ج، ص، از قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ)

حکمِ قتل پر علمائے مالکیہ کی دلیل کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور تمام اہلِ مدینہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ذمّی نبی اکرم ﷺ کو سب وشتم کرے اور توہین رسالت کا مرتکب ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ "اگر گالی دینے والا ذمّی ہو تو اسے بھی امام مالک اور اہل مدینہ کے مذہب میں قتل کیا جائے گا۔" علامہ ابن سحنون سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

"اگر گالی دینے والا مسلمان ہے تو کافر ہو جائے گا، اور بلا اختلاف اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور یہ آئمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔" (الصارم المسلول، ص ۵)

امام ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ جس نے نبی ﷺ کی ذات میں کیے گئے ہجو کے ابیات میں سے ایک سطر بھی حفظ کی؛ اس انسان نے کفر کیا۔ اور بعض سلف نے کہا ہے کہ: جو انسان نبی کریم ﷺ کی ہجو کی روایات نقل کرتا ہو اس سے حدیث لینا بالاجماع حرام ہے۔ (شفاء؛ امتاع الاسماع۔ احکام القرآن ۳/ ۸۶)

علامہ احمد بن دردیر مالکی علیہ الرحمہ اقرب المسالک کی شرح "الصغیر" میں لکھتے ہیں: من سب نبیا مجمعا علی نبوته، او عرض بسبّ نبی، بان قال عند ذکره، اما انا فلست بزان او سارق فقد کفر. و کذا ن الحق بنبیٍ نقصاً،

ون بدنه كعرج، وشلل، او وفور علمه، ذ كل نبی اعلم اهل زمانه وسيدهم اعلم الخلق ۔

"جس نے کسی ایسے نبی کو گالی دی جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہے 'یا اس کام کیا جو گالی سے مشابہ ہے '(یعنی عیب نکالا) اس طرح کہ اس کے تذکرہ کے وقت کہا: اے پر میں نہ ہی زانی ہوں 'اور نہ ہی چور ہوں۔ اس سے وہ کافر ہو جائے گا"۔ اور ایسے ہی اگر اس نے کسی نبی پر کوئی نقص (کوتاہی) لگایا؛ (مثلاً اس نے کہا بیشک اس کے بدن میں لنگڑا پن ہے 'یا شل ہے 'یا ان کے علم وافر ہونے پر نقص لگایا' (اس سے بھی وہ کافر ہو جائے گا) اس لیے کہ ہر نبی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے 'اور ان کا سردار اور تمام مخلوق سے بڑھ کر عالم ہوتا ہے۔ (شرح "الصغیر" ۴ر۱۴۴)

قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے مالکیہ نے ایسے گستاخ ذمی کے قتل کے حکم پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: اور اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں اور عہد شکنی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بارے میں بدگوئیاں کریں، تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑو۔ (التوبہ)

اس آیت قرآنی کے علاوہ علمائے مالکیہ نے سرکار دوعالم ا کے عمل سے بھی استدلال ایا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو اس کی گستاخیوں کی سبب سے قتل کروایا تھا۔ اس گستاخ کے علاوہ اور دوسرے گستاخ بھی تعمیلِ حکمِ نبوی امیں قتل کیے گئے تھے۔ (الشفاء)

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی رسول کریم ا کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا دین یا آپ ا کی عادت میں نقص وعیب نکالے یا اسے ایسا شبہ لاحق ہو، جس سے آپ ا کو گالی دینے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت اور نقص وعیب کا پہلو نکلتا ہو، وہ دشنام دہندہ ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے اور وہ یہ کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس مسئلہ کی کسی شاخ کو نہ مستثنیٰ کیا جائے اور نہ اس میں شک وشبہ روا رکھا جائے خواہ گالی صراحتاً دی جائے یا اشارۃً۔ وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کرے یا آپ ا کو نقصان پہنچانا چاہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بددعا کرے یا آپ ا کی شان کے لائق نہ ہو یا آپ ا کی کسی چیز کے بارے میں رکیک، بے ہودہ اور جھوٹی بات کرے یا جن مصائب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے ان کی سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے یا بعض بشری عوارض کی سبب سے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے، آپ ا کی تنقیصِ شان کرے، اس بات پر تمام علماء اور ائمہ الفتویٰ کا عہدِ صحابہ سے لے کر اگلے تاریخی ادوار تک اجماع چلا آ رہا ہے۔ (الصارم المسلول)

امام قرطبی علیہ الرحمہ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں: مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کہا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی کر کے قتل کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کہنے والے کی گردن ماری جائے۔ (کیونکہ کعب بن اشرف کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ وہ مسلسل بدگوئی اور ایذاء رسانی کی سبب سے مباح الدم بن گیا تھا)۔

اسی طرح کا جملہ ایک اور شخص ابن یامین کے منہ سے نکلا تو کعب بن اشرف کو مارنے والے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

کھڑے ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کی مجلس میں یہ بات کہی جارہی ہے اور آپ خاموش ہیں۔ خدا کی قسم! اب آپ کے پاس کسی عمارت کی چھت تلے نہ آؤں گا اور اگر مجھے یہ شخص باہر مل گیا تو اسے قتل کر ڈالوں گا۔ علماء نے فرمایا ایسے شخص سے توبہ کے لیے بھی نہ کہا جائے گا بلکہ قتل کر دیا جائے گا جو نبی اکی طرف بدعہدی کو منسوب کرے۔ یہی وہ بات ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے سمجھا، اس لیے کہ یہ تو زندقہ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اسلام (کافر ساب) کے قتل کو ساقط نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ قتل نبی علیہ السلام کے حق کی سبب سے واجب ہو چکا ہے، کیونکہ اس نے آپ اکی بے عزتی کی ہے، آپ ا پر نقص وعیب لگانے کا ارادہ کیا ہے، اس لئے اسلام لانے کی سبب سے بھی اس کا قتل معاف نہ ہوگا اور نہ یہ کافر مسلمان سے بہتر ہوگا، بلکہ بدگوئی کی سبب سے باوجود توبہ کے دونوں کو چاہے کافر ہو یا مسلم قتل کر دیا جائے گا۔

(تفسیر قرطبی)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں۔ کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے ": آئمہ شافعیہ میں سے ابوبکر فارسی ا نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحاً قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے نبی a پر تہمت لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الوطار ۲۱۴/۴)

حافظ ابن کثیر ا لکھتے ہیں:,, نبی علیہ السلام پر طعن کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ پر عیب لگایا اور تنقیص وتحقیر کی اور اسی سے نبی علیہ السلام کو گالی دینے والے کے قتل کی سزا اخذ کی گئی ہے۔ اسی طرح جس نے دین اسلام میں طعن کیا اور اسے تحقیر و تنقیص کے ساتھ ذکر کیا اس کی سزا بھی قتل ہے۔ (ابن کثیر ۴۴۷/۲)

علامہ شربینی شافعی علیہ الرحمہ مغنی المحتاج میں لکھتے ہیں:" جو کسی رسول کی تکذیب کرے 'یا اسے گالی دے' یا ان کی ذات میں یا نام میں حقارت آمیز رویہ رکھے سو وہ کافر ہو جائے گا'۔ (مغنی المحتاج 134/4)

باقی آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے کے بارے میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں": مسائلِ اختلافیہ پر مشتمل کتب میں جس رائے کی تائید ونصرت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نبی a کو گالی دینا عہد و معاہدہ کو توڑ دیتا ہے اور یہ فعل اس کے قتل کو واجب کر دیتا ہے، جس طرح ہم نے خود امام شافعی سے ذکر کیا ہے۔ (توہین رسالت کی شرعی سزا، ۱۷)

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے ": آئمہ شافعیہ میں سے ابوبکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحاً قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیوں کہ اس کے نبی علیہ السلام پر تہمت

لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار ۲۱۴/۷)

امام شافعی علیہ الرحمہ سے صراحتاً منقول ہے کہ نبی کریم کو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے۔ ابن المنذر، الخطابی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں: جب حاکمِ وقت جزیہ کا عہد نامہ لکھنا چاہے تو اس میں شروط کا ذکر کرے۔ عہد نامے میں تحریر کیا جائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ یا دینِ اسلام کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اٹھ جائے گی، جو امان اس کو دی گئی تھی، ختم ہو جائے گی اور اس کا خون اور مال امیر المومنین کے لیے اس طرح مباح ہو جائے گا جس طرح حربی کافروں کے اموال اور خون مباح ہیں۔ (الصارم المسلول)

امام محمد علیہ الرحمہ بن سحنون بھی اجماع نقل کرتے ہیں۔ اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم کو گالی دینے والا اور آپ کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے بارے میں عذاب خداوندی کی وعید آئی ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (درمختار، نسیم الریاض، شرح الشفاء)

صحیح بخاری کے مشہور شارح جلیل القدر محدث ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں: ابن المنذر نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ جو نبی کو گالی دے، اسے قتل کرنا واجب ہے۔ ائمہ شوافع کے معروف امام ابوبکر الفارسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو شخص نبی علیہ السلام کو تہمت کے ساتھ برا کہے، اس کے کافر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، وہ توبہ کرے تو بھی اس کا قتل ختم نہ ہوگا کیونکہ قتل اس کے تہمت لگانے کی سزا ہے اور تہمت کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المغنی" میں کہا ہے۔ "بیشک جو کوئی نبی کریم ﷺ کی والدہ پر بہتان لگائے 'اسے قتل کیا جائے گا' اگر چہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کر لے 'خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ بس اگر وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ اور اس توبہ کی سبب سے اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔ مزید برآں وہ لکھتے ہیں: ''اور آپ ﷺ پر بہتان تراشی کرنا اس کا وہی حکم ہے جو آپ کی والدہ پر بہتان تراشی کا ہے۔ بیشک آپ ﷺ کی والدہ پر بہتان کی سزا قتل اس لیے ہے کہ اصل میں یہ نبی کریم ﷺ پر بہتان تراشی ہے' اور آپ ﷺ کے نسب میں طعن ہے۔ (المغنی ۵۱۲/۱۲)

علامہ خرقی حنبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔" جو کوئی نبی کریم ﷺ پر بہتان تراشی کرے، اسے قتل کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ (الکافی: ۱۵۹۴)

علامہ ابن عقیل حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی نبی کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی 'اس لیے کہ یہ آدمی کا حق ہے' جو ساقط نہیں ہوتا"۔ (لوامع النوار البھیة ۳۹۷/۱)

جو شخص رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ کی توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تو وہ واجب القتل ہے۔ میری

رائے یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہر آدمی جو ایسی بات کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو، وہ واجب القتل ہے؛ خواہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف گالی کا اشارہ کرنا ارتداد ہے، جو موجب قتل ہے۔ یہ اسی طرح جس طرح صراحتاً گالی دی جائے۔

ابو طالب سے مروی ہے کہ امام احمد علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو۔ فرمایا: اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر اپنا عہد توڑ دیا۔

حرب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد علیہ الرحمہ سے ایک ذمی کے بارے میں سوال کیا کہ جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اسے قتل کیا جائے۔

امام احمد علیہ الرحمہ نے جملہ اقوال میں ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کی تصریح ہے، اس لیے کہ اس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔ (الصارم المسلول)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے، آپ ﷺ کی توہین کرنے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (امام اعظم رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ) سے یہی منقول ہے۔ (فتاویٰ شامی)

ائمہ اربعہ کی تصریحات کے بعد چاروں مذاہب کے جید اور محقق علمائے کرام نے اس خاص مسئلہ پر چار اصول کتب تصنیف فرما کر اتمام حجت کر دیا ہے اور ان میں گستاخ رسول کی سزا اپنے اپنے زاویہ نظر سے حد اقتل قرار دی گئی ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کے قتل میں اسلاف کا عملی کردار

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے، تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا۔ میں نے کہا: اے خلیفۂ رسول ﷺ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں؟ میرے ان الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا، وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، اور مجھے بلا لیا اور فرمایا": اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو تم یہ کر گزرتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ ضرور کرتا؛ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم یہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں یعنی بدکلامی اور گستاخی کی سبب سے گردن اڑا دی جائے۔ (الصارم المسلول ۲۰۵۔ ابوداؤد ۲/۲۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی؛ آپ ﷺ نے فرمایا": مجھے کون اس سے نجات دلائے گا، اس کی قوم کا ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے کہا: اس کام کے لیے میں ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔' (امسند شہاب للقصاع ۲/۴۶)

علامہ واقدی نے اس واقع کی تفصیل لکھی ہے کہ یہ عورت عصمہ بنت مروان، یزید بن الخطمی کی بیوی تھی، بدر سے واپسی پر آپ ﷺ نے حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو اس عورت کو قتل کرنے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے جا کر اس عورت کو دیکھا کہ وہ بچے

کو دودھ پلا رہی تھی، انہوں نے بچے کو علیحدہ کر کے تلوار اس کے پیٹ سے پار کر دی۔ پھر فجر کے بعد انہوں نے رسول کریم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو۔"

اور جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو دیکھا کہ اس عورت کے بیٹے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسے دفن کر رہے تھے۔ جب سامنے آتے دیکھا تو وہ لوگ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف آئے، اور کہا: اے عمیر! اسے تو نے قتل کیا ہے؟ عمیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "ہاں، تم نے جو کرنا ہے کر لو، اور مجھے ڈھیل نہ دو؛ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم سب وہ بات کہو جو وہ کہا کرتی تھی، تو میں تم سب پر اپنی تلوار سے وار کروں گا، یہاں تک کہ میں مارا جاؤں یا تمہیں قتل کر دوں۔" اس دن سے اسلام بنی خطمہ میں پھیل گیا، قبل ازیں کچھ آدمی ڈر کے مارے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

(الصارم المسلول ۱۰۱)

واقدی لکھتے ہیں کہ: بنو عمرو بن عوف میں ابو عفک نامی ایک یہودی بوڑھا شخص تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال سے زیادہ تھی؛ وہ مدینہ میں آ کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف عداوت پر بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا؛ جب رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے؛ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح اور کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا، اور بغاوت پر اتر آیا، اس نے رسول اللہ اور صحابہ کرام کی ہجو میں ایک قصیدہ کہا۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نذر مانی کہ میں اسے قتل کروں گا، یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم رضی اللہ عنہ غفلت کی تلاش میں تھے۔ موسم گرما کی ایک رات تھی، ابو عفک بنو عمرو کے صحن میں سو رہا تھا، حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے، اور تلوار ابو عفک کے جگر پر رکھ دی؛ دشمن چیخنے لگا؛ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ پہلے اس کے گھر میں لے گئے، اور پھر دفن کر دیا۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ "اس واقعہ میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ معاہد یا ذمی اگر اعلانیہ نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اسے دھوکے سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ (الصارم المسلول ۹۴)

دیوبندی مسلک کے مطابق کفر کا فتویٰ

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی اور اہانت کرنا کفر ہے (امداد الفتاویٰ) فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف فواحش کی نسبت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: یہ کفر ہے، کیونکہ یہ چیز انہیں گالی دینے اور ان کی توہین و تحقیر کے برابر ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، فتاویٰ عالمگیری مصری)

انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دی تو وہ کافر ہے۔ (اکفار الملحدین، ص، فتاویٰ شامی)

حسین احمد مدنی لکھتے ہی۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں الفاظ قبیحہ بولنے والا اگر چہ معنی حقیقتاً مراد نہیں لیتا بلکہ معنی مجاز أمراد

لیتا ہے، تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں کہ اس میں گستاخی، اہانت اور اذیت کا وہم پایا جاتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے لفظ راعنا بولنے سے منع فرمایا اور انظرنا کا لفظ عرض کرنا ارشاد فرمایا۔ پس ان کلماتِ کفر کے بکنے والے کو منع شدید کرنا چاہیے۔ اگر مقدور ہو اور اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیا جائے کہ موذی حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرم ہے۔ (الشہاب الثاقب، لطائفِ رشیدیہ)

غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق کفر کا فتویٰ

مذاہب اربعہ کی ان بے پایاں تصانیف اور خدمت کے بعد غیر مقلدین کے مشہور ومعروف اور معتبر عالم علامہ وحید الزماں بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔

کسی نبی کی تحقیر یا توہین کفر ہے مسلمان نہ جناب خاتم رسالت اکے ساتھ بے ادبی کرنے کو گوارہ کریں گے اور نہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، نہ کسی اور نبی کے ساتھ اور جو کوئی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بے ادبی کرے گا، اس مردود کو بھی ہم اسی طرح ماریں گے اور قتل کریں گے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی کرنے پر اسکو ماریں گے اور قتل کریں گے۔ (حاشیہ سنن ابنِ ماجہ، مترجم علامہ وحید الزماں، حاشیہ بر بذکر البعاث، مطبوعہ: الحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور)

علمائے اہل سنت کے مطابق گستاخ رسول ﷺ کے قتل کا فتویٰ

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ الاشباہ والنظائر کے حوالے سے لکھتے ہیں: نشے کی حالت میں کسی مسلمان کے منہ سے کلمہ کفر نکل گیا تو اسے کافر نہ کہیں گے اور نہ سزائے کفر دیں گے مگر نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشے کی بے ہوشی سے بھی صادر ہو تو اسے معافی نہ دیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ)

حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اب جو راعنا کہے گا وہ کافر ہو گا کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (تفسیر نعیمی، سورۃ بقرہ ،۱۰۴) اسی طرح تفسیر نعیمی کے متعدد مقامات سے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا یہی مؤقف ہے کہ گستاخی کرنے والا کافر ومرتد اور وہ واجب القتل ہے۔

دور جدید کے گستاخ وگمراہ فرقوں کا بیان

علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہابی، دیوبندی دو لفظ ہیں لیکن ان سے مراد صرف وہی گروہ ہے جو اپنے ماسوا دوسرے تمام مسلمان کو کافر ومشرک وبدعتی قرار دیتا ہے اور جس کے سربر آوردہ لوگوں نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ( ) ودیگر انبیاء علیہم السلام کی ومحبوبان خداوند کی شان میں توہین آمیز عبارتیں لکھیں اور بعض عیوب ونقائص کو انبیاء واولیاء علیہم السلام کی طرف بے دھڑک منسوب کیا اس قسم کے لوگوں کا وجود عہد رسالت سے ہی چلا آرہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ

ترجمہ: اور ان میں کوئی وہ ہے جو صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو

جب ہی وہ ناراض ہیں اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا اور کہتے اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے۔ (پارہ 10 سورہ توبہ)

یہ آیت ذوالخویصرہ تمیمی کے حق میں نازل ہوئی اس شخص کا نام حرقوص بن زہیر ہے یہی خوارج کی اصل بنیاد ہے بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے تو ذوالخویصرہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ عدل کیجئے! حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تجھے خرابی ہو میں نہ عدل کروں گا تو عدل کون کریگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اس کے اور بھی ہمراہی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر دیکھو گے وہ قرآن پڑھیں گے اور ان کے گلوں سے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔ دین میں داخل ہوکر بے دین ہونیوالوں کی ابتدا ایسے ہی لوگوں سے ہوتی ہے جو نماز روزہ اور دین کے سب کام کرنے والے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی اور بے دین ہوگئے حضور اقدس کی شان مبارک میں توہین کرنے والے ذوالخویصرہ کے جن ہمراہیوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے ان سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے ذوالخویصرہ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان رسالت میں گستاخیاں کیں اسلام میں یہ پہلا گروہ خارجیوں کا ہے یہی گروہ اہل حق کو کافر ومشرک کہہ کر ان سے جنگ وجدال کو جائز قرار دیتا ہے چنانچہ سب سے پہلے حضرت علی اور آپ کے ہمراہیوں کو خارجیوں نے معاذ اللہ کافر قرار دیا اور خلیفہ برحق سے بغاوت کی اور اہل حق کے ساتھ جدال وجنگ کیا حتی کہ عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں حضرت علی کرم اللہ سبحہ الکریم شہید ہوئے اسی بدبخت گروہ کے فتنوں کی خبر زبان رسالت نے سرزمین نجد میں ظاہر ہونے کے متعلق دی اور فرمایا کہ **ھناك الزلال والفتن وبھا یطلع قرن الشیطن**

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص (582)

چنانچہ حضور اکرم)) کی پیش گوئی کے مطابق یہ فتنہ نجد میں بڑے زوروشور سے ظاہر ہوا۔ محمد بن عبدالوہاب خارجی نے سرزمین نجد میں مسلمانوں کو کافر ومشرک کہہ کر سب کو مباح الدم قرار دیا اور توحید کی آڑ لے کر شان نبوت وولایت میں خوب گستاخیاں کیں اور اپنے مذہب وعقائد کی ترویج کے لئے کتاب التوحید تصنیف کی جس پر اسی زمانے کے علماء کرام نے سخت مواخذہ کیا اور اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے سعی بلیغ فرمائی حتی کہ محمد بن عبدالوہاب کے حقیقی بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے اپنے بھائی پر سخت رد کیا اور اس کی تردید میں ایک شاندار کتاب تصنیف کی جس کا نام الصواعق الالھیہ فی الرد علی الوھابیہ ہے اور اس میں وہابیت کو پوری طرح بے نقاب کر کے اہل سنت کے مذہب کی زبردست تائید وحمایت فرمائی۔ علامہ شامی حنفی، امام احمد صاوی مالکی وغیرہما جلیل القدر علماء امت نے محمد بن عبدالوہاب کو باغی اور خارجی قرار دیا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی جدوجہد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

(ملاحظہ فرمایئے شامی جلد 3 باب البغات صفحہ 339، اور تفسیر صاوی جلد 3 صفحہ 255 مطبوعہ مصر)

پھر اسی کتاب التوحید کے مضامین کا خلاصہ تقویۃ الایمان کی صورت میں سرزمین ہند میں شائع ہوااور مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے مقتداء محمد بن عبدالوہاب کی پیروی اور جانشینی کا خوب حق ادا کیا اور اسی تقویۃ الایمان کی تصدیق وتوثیق تمام علماء دیوبند نے کی جیسا کہ فتاوی رشیدیہ جلداص ۱۰۱پر مرقوم ہے۔

پھر جس طرح محمد بن عبدالوہاب کے خلاف اُس زمانہ کے علماء اہل سنت نے آواز اٹھائی اور اس کارد کیا اسی طرح مولوی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کے خلاف اس دور کے علماء حق نے شدید احتجاج کیا اور ان کے مسلک پر سخت نکتہ چینی کی۔تقویۃ الایمان کے رد میں کئی رسالے شائع ہوئے مولانا شاہ فضل امام،حضرت شاہ احمد سعید دہلوی شاگرد رشید مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،مولانا فضل حق خیر آبادی،مولانا عنایت احمد کاکوروی مصنف علم الصیغہ ،مولانا شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی اسماعیل دہلوی اور مسائل تقویۃ الایمان کا مختلف طریقوں سے رد فرمایا حتیٰ کہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں بھی کتاب التوحید اور مسائل تقویۃ الایمان کے خلاف واضح اور روشن مسائل تحریر فرما کر امت مسلمہ کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش کی لیکن علماء دیوبند اور ان کے بعض اساتذہ نے مولوی اسماعیل اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی تصدیق وتوثیق کر کے اس فتنے کا دروازہ مسلمانوں پر کھول دیا علماء دیوبند نے نہ صرف تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی کی تصدیق پر اکتفاء بلکہ خود محمد بن عبدالوہاب کی تائید وتوثیق سے بھی دریغ نہ کیا،(ملاحظہ فرمایئے فتاوی *رشیدیہ جلد 1 ص 111 مصنف مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی)

لیکن چونکہ تمام روئے زمین کے احناف اور اہل سنت ،محمد بن عبدالوہاب کے خارجی اور باغی ہونے پر متفق تھے اس لئے فتاویٰ رشیدیہ کی وہ عبارت جس میں محمد بن عبدالوہاب کی توثیق کی گئی تھی علماء دیوبند کے مذہب ومسلک کو اہل سنت کی نظروں میں مشکوک قرار دینے لگی اور اہل سنت فتاویٰ رشیدیہ میں محمد بن عبدالوہاب کی توثیق پڑھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ علماء دیوبند کا مذہب بھی محمد بن عبدالوہاب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے متاخرین علماء دیوبند نے اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرنا شروع کر دیا بلکہ مجبوراً اسے خارجی بھی لکھ دیا تا کہ عامتہ المسلمین پر ان کا مذہب واضح نہ ہونے پائے۔

لیکن علماء اہل سنت برابر اس فتنے کے خلاف نبرد آزما رہے۔ان علماء حق میں مذکورین صدر حضرات کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ،حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری مؤلف انوار ساطعہ ،حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری ،حضرت مولانا احمد رضا صاحب بریلوی،حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی،حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی وغیر ہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان علماءِ اہلسنت کا امتِ مسلمہ پر احسان عظیم ہے کہ ان حضرات نے حق وباطل میں تمیز کی اور رسول اللہ)) کی شانِ اقدس میں توہین کرنے والے خوارج سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اصول اختلاف صرف ان عبارات کی سبب سے ہے جن میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول)) محبوبان حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں صریح گستاخیاں کی ہیں باقی مسائل

میں محض فروعی اختلاف ہے جس کی بناپر جانبین میں سے کسی کی تکفیر وتضلیل نہیں کی جاسکتی۔
تعجب ہے کہ صریح توہین آمیز عبارات لکھنے کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے تو حضور کی تعریف کی ہے گویا توہین صریح کو تعریف کہہ کر کفر کو اسلام قرار دیا جاتا ہے ہم نے اس رسالہ میں علمائے دیوبند اور ان کے مقتداؤں کی عبارات بلا کم وبیشی نقل کر دی ہیں تاکہ مسلمان خود فیصلہ کرلیں کہ ان میں توہین ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ ناظرین کرام حق وباطل میں تمیز کر کے ہمیں دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔(الحق المبین)

شبہہ ارتداد پراسلام پیش کرنے کا بیان

:قَالَ (وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنْ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاَللَّهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ) لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ ، وَفِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ ، إلَّا أَنَّ الْعَرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ .قَالَ (وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ، فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ .وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَبَى قُتِلَ) وَتَأْوِيلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيُمْهَلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ .وَعَنْ الشَّافِعِيِّ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُونُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهَا بِالثَّلَاثَةِ .

وَلَنَا قَوْله تَعَالَى (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ) مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ ، وَكَذَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ) وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَأْخِيرُ الْوَاجِبِ لِأَمْرٍ مَوْهُومٍ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ .وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنْ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ ؛ لِأَنَّهُ لَا دِينَ لَهُ ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب نعوذ باللہ کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور جب اسے کوئی شبہہ ہو گیا ہو تو اس کو

حل کیا جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے اسے کوئی شبہ ہوگیا ہو لہٰذا اسے ختم کر دیا جائے اگر ایسا کرنے میں دو طریقوں میں سے احسن طریقے پر اس کے شر کو دفع کرنا ہے، مگر حضرات مشائخ فرمایا کہ اس پر اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے۔

فرمایا اور مرتد کو تین دنوں تک قید رکھا جائے جب وہ اسلام لے آئے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جامع صغیر میں ہے مرتد خواہ آزاد ہو یا غلام اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اور جب وہ انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور قول اول کی تاویل یہ ہے کہ جب مرتد مہلت مانگے تو اسے تین دن تک مہلت دی جائے گی، کیونکہ اعذار دور کرنے کے لیے یہی مدت متعین کی گئی ہے۔ حضرات شیخین سے مروی ہے کہ تین دنوں تک مرتد کی مہلت دینا مستحب ہے خواہ وہ مانگے یا نہ مانگے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مرتد کو تین دنوں تک کی مہلت دے اور اس سے پہلے اسے قتل کرنا امام کے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ مسلم کا ارتداد بہ ظاہر شبہہ کی سبب سے ہوتا ہے لہٰذا غور وفکر کرنے کے لیے کسی مدت کا ہونا ضروری ہے اور ہم نے تین دن سے اس کی تعیین کر دی ہے۔

ہماری دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد مقدس ہے اور اس میں امہال کی قید نہیں ہے اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔ اور اس لیے کہ مرتد کافر حربی ہوگیا ہے اور اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے لہٰذا مہلت دیئے بغیر اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا اور یہ حکم اس سبب سے ہے کہ امر موہوم کی سبب سے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دلائل کے مطلق ہونے کی سبب سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مرتد کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ وہ تمام ادیان سے برائت کا اظہار کر دے، اس لیے کہ فی الحال اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور مرتد جس دین کی طرف مائل ہوا تھا جب اس سے براءت کر لیا تو کافی ہوگا، اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

مرتد کو دعوت اسلام دینے کا بیان

جیسا کہ ابتداء باب میں بیان کیا گیا، جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک وشبہ ہو تو اسے دور کیا جائے۔ اور پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے، اور اسی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اور کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر چوتھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب چوتھی بار امام وقت اس کو مہلت نہ دے بلکہ اگر وہ آخری طور پر دائرہ اسلام میں واپس آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

ارتداد کی سزائے قتل کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو کہ گواہی دیتا ہو اللہ کی وحدانیت کی اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے تین سبب کے۔ ایک یہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔ کسی کو ناحق قتل کرے تو جان کے بدلے جان۔ وہ شخص جو اپنے دین اسلام کو چھوڑ دے اور (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 958)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بن ابی جہل) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام سے پھر جانے والے چند لوگوں کو بلوا دیا تھا جب اس کی اطلاع حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو فرمایا کہ میں انہیں آگ میں نہیں جلاتا (کیونکہ) بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو عذاب نہ دو اور میں تو انہیں قتل کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دین تبدیل کرے تو اسے قتل کر دو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کی اطلاع جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو فرمایا کہ ویح ابن عباس (ان کی تعریف فرمائی) ویح کا لفظ کبھی ترحم اور ہمدردی کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہار تاسف ولاعلمی کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی تعریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 957)

مرتد کی توبہ میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المغنی" میں کہتے ہیں: مرتد کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے تین بار توبہ طلب نہ کی جائے، اکثر علماء کا قول یہی ہے، جن میں عمر، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عطاء، النخعی، امام مالک، الثوری، اوزاعی، اسحاق، اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ شامل ہیں۔

کیونکہ ارتداد کسی شبہہ اور اشکال کی بنا پر ہوگا، اور وہ شبہہ اسی وقت زائل نہیں ہو سکتا اس لیے اتنی مدت انتظار کرنا ضروری ہے جس میں وہ مطمئن ہو سکے، اور یہ مدت تین یوم ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ (9 / . 18)

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے،

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزا دی جائے۔ زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ،وہ بہر حال واجب القتل ہے۔

امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہر صورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی،لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں ،اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق ،مرتد سے بدتر ہے کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے،لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔

واتفق الأئمة الأربعة عليهم رحمة الله تعالىٰ على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام والعياذ بالله وجب قتله، وأهدر دمه (كتاب الفقه على مذاهب الأربع،جلد۵/ ص ۴۲۳)

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اللہ بچائے اُس کا قتل واجب ہے اور اُس کا خون بہانا جائز ہے۔

مرتد کو حالت مہلت میں قید رکھنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو شخص معاذاللہ مرتد ہو گیا تو مستحب ہے کہ حاکم اسلام اس پر اسلام پیش کرے اور اگر وہ کچھ شبہہ بیان کرے تو اس کا جواب دے اور اگر مہلت مانگے تو تین دن قید میں رکھے اور ہر روز اسلام کی تلقین کرے۔اسی طرح اگر اس نے مہلت نہ مانگی مگر امید ہے کہ اسلام قبول کر لے گا جب بھی تین دن قید میں رکھا جائے پھر اگر مسلمان ہو جائے فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے بغیر اسلام پیش کیے اسے قتل کر ڈالنا مکروہ ہے۔(درمختار، کتاب الجہاد)

مرتد کو قید کرنا اور اسلام نہ قبول کرنے پر قتل کر ڈالنا بادشاہ اسلام کا کام ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص اگر زندہ رہا اور اس سے تعرض نہ کیا گیا تو ملک میں طرح طرح کے فساد پیدا ہونگے اور فتنہ کا سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہوگا جس کی سبب سے امن عامہ میں خلل پڑیگا لہٰذا ایسے شخص کو ختم کر دینا ہی مقتضائے حکمت تھا۔اب چونکہ حکومت اسلام ہندوستان میں باقی نہیں کوئی روک تھام کرنے والا باقی نہ رہا ہر شخص جو چاہتا ہے بکتا ہے اور آئے دن مسلمانوں میں فساد پیدا ہوتا ہے نئے نئے مذہب پیدا ہوتے رہتے ہیں ایک خاندان بلکہ بعض جگہ ایک گھر میں کئی مذہب ہیں اور بات بات پر جھگڑے لڑائی ہیں ان تمام خرابیوں کا باعث یہی نیا مذہب ہے ایسی صورت میں سب سے بہتر ترکیب وہ ہے جو ایسے وقت کے لیے قرآن وحدیث میں ارشاد ہوئی اگر مسلمان اس پر عمل کریں تمام قصوں سے نجات پائیں دنیا و آخرت کی بھلائی ہاتھ آئے۔وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے بالکل میل جول چھوڑ دیں،سلام کلام ترک کر دیں،ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا،ان کے ساتھ کھانا پینا،ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا،غرض ہر قسم کے تعلقات ان سے قطع کر دیں گویا سمجھیں کہ وہ اب رہا ہی نہیں،

مرتد کے قاتل پر عدم ضمان کا بیان

قَالَ (فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ ، وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ) وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ هَاهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءُ الضَّمَانِ ؛ لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيحٌ لِلْقَتْلِ ، وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ .

(وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْتَلُ لِمَا رَوَيْنَا ؛ وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ جِنَايَةٌ مُتَغَلِّظَةٌ فَتُنَاطُ بِهَا عُقُوبَةٌ مُتَغَلِّظَةٌ وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيهَا فَتُشَارِكُهَا فِي مُوجِبِهَا .

وَلَنَا (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ) ، وَلِأَنَّ الْأَصْلَ تَأْخِيرُ الْأَجْزِيَةِ إلَى دَارِ الْآخِرَةِ إذْ تَعْجِيلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ ، وَإِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحِرَابُ ، وَلَا يَتَوَجَّهُ ذَلِكَ مِنْ النِّسَاءِ ؛ لِعَدَمِ صَلَاحِيَّةِ الْبِنْيَةِ ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتْ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ قَالَ (وَلَكِنْ تُحْبَسُ حَتَّى تُسْلِمَ) ؛ لِأَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ إيفَاءِ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلَى إيفَائِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : وَتُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً . وَالْأَمَةُ يُجْبِرُهَا مَوْلَاهَا) أَمَّا الْجَبْرُ فَلِمَا ذَكَرْنَا ، وَمِنْ الْمَوْلَى ؛ لِمَا فِيهِ مِنْ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ ، وَيُرْوَى تُضْرَبُ فِي كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالَغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی قاتل نے اسے قتل کر دیا تو یہ مکروہ ہے مگر قاتل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور نزدیک کراہیت ترک مستحب اور انتفائے ضمان کے معنی میں ہے، کیونکہ کفر قتل کو مباح کر دیتا ہے اور دعوت اسلام پہنچنے کے بعد اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، اور مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ اسے بھی قتل کیا جائے گا اس حدیث کی سبب سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ مرد کا ارتداد جنایب مغلظہ ہونے کی سبب سے قتل کو مبیح کرتا ہے لہذا اس سے سخت سزاء بھی متعلق ہوگی اور عورت مرتد ہو کر اس جرم میں شریک ہے لہذا وہ اس کی سزاء میں بھی شریک ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ دار آخرت کے لیے سزاؤں کو موخر کرنا اصل ہے، کیونکہ جلدی سزاء دینے سے ابتلاء اور آزمائش میں خلل ہوتا ہے، مگر اس اصل سے اس مقصد سے اعراض کر لیا

جاتا ہے تا کہ فی الحال پیدا ہونے والا شر یعنی لڑائی ختم ہو جائے اور عورتوں سے لڑائی متوقع نہیں ہے کیونکہ ان میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ برخلاف مردوں کے لہٰذا مرتدہ کافرہ اصلیہ کی طرح ہوگئی۔

فرمایا اور مرتدہ کو قید کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے، کیونکہ وہ حقوق اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے سے رُک گئی ہے، لہٰذا قید کے ذریعے ان حقوق کو پورا کرنے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا جس طرح حقوق العباد میں ہوتا ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ مرتدہ عورت کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو اور باندی پر اس کا آقا بھی جبر کرے گا۔ رہا جبر تو اس سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور آقا اس لیے جبر کرے گا تا کہ اس میں دونوں حق جمع ہو جائیں۔ اور مروی ہے کہ باندی کو ہر روز مارا جائے تا کہ اسلام پر امادہ کرنے میں مبالغہ ہو۔

مرتد کے قتل میں صحابہ کرام کا مؤقف وعمل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دو اشعری آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا ایک میرے دائیں جانب تھا اور دوسرا میرے بائیں جانب تھا ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عامل (گورنر) کا عہدہ طلب کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان کے اس سوال کے جواب میں) خاموش تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ یا فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن بن قیس (حضرت ابوموسیٰ کی کنیت) تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ (نبی بنا کر) بھیجا ہے انہوں نے مجھے اپنے دلوں کی بات سے مطلع نہیں کیا اور مجھے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ یہ دونوں عامل (گورنری) کا عہدہ طلب کرنا چاہتے ہیں ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ اور گویا کہ میں آپ کی مسواک کو آپ کے ہونٹ کے نیچے دیکھ رہا ہوں کہ ہونٹ اوپر کو اٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ہرگز اسے گورنر نہیں بنائیں یا فرمایا کہ ہم اسے گورنر نہیں بنائیں گے اپنے کاموں پر جو اسے چاہے لیکن ابوموسی یا فرمایا اے عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم جاؤ تو انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیج دیا پھر ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل کو (گورنر) بنایا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ ابوموسی کے پاس آئے تو ابوموسیٰ نے فرمایا کہ اتریئے اور ان کے لیے تکیہ رکھا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص بندھا ہوا پڑا ہے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ابوموسیٰ نے فرمایا کہ یہ پہلے یہودی تھا پھر اسلام لے آیا پھر دوبارہ اپنے دین کی طرف لوٹ گیا ہے جو برا دین ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں کا جب تک اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے مطابق اسے قتل نہ کیا جائے۔ تین مرتبہ یہ فرمایا چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا تو اسے قتل کر دیا گیا پھر دونوں کے درمیان رات کے قیام کا تذکرہ ہوا تو دونوں میں سے ایک نے غالباً حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی فرمایا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو سوتا ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں فرمایا کہ قیام اللیل بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں اپنی نیند کے بارے میں بھی اسی (اجر وثواب کی) امید رکھتا ہوں جس کی اپنے قیام اللیل میں رکھتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 960)

ارتداد کے سبب زوال ملکیت زوال موقوف کی طرح ہے (قاعدہ فقہیہ)

قَالَ (وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعًى ، فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ عَلَى حَالِهَا ، قَالُوا : هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَزُولُ مِلْكُهُ) ؛ لِأَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ ، فَإِلَى أَنْ يُقْتَلَ يَبْقَى مِلْكُهُ كَالْمَحْكُومِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ .

وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا حَتَّى يُقْتَلَ ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ ، وَهَذَا يُوجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ ، غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجَى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِي أَمْرِهِ ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ الْعَارِضُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ .

ترجمہ

فرمایا اور مرتد کے ارتداد کی سبب سے اس کے اموال سے زوالِ موقف کی طرح ملکیت زائل ہو جاتی ہے چنانچہ جب وہ اسلام لے آتا ہے تو ملکیت بحال ہو جاتی ہے۔ حضرات مشائخ فرمایا کہ یہ حکم حضر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ مکلف اور محتاج ہوتا ہے لہٰذا اس کے قتل کیے جانے تک اس کی ملکیت باقی رہتی ہے جس طرح وہ شخص جس پر رجم یا قصاص کا فیصلہ کیا گیا ہو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ایک حربی ہے جو ہمارے ہاتھوں مغلوب ہے نزدیک تک کہ اسے قتل کر دیا جائے اور لڑائی کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور اس کا حربی ہونا ہی اس کی ملکیت اور مالکیت کے زوال کا سبب ہے، تاہم اس پر جبر کر کیا سے اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اس کا اسلام کی طرف واپس آنا متوقع ہے، اس لیے ہم نے اس کے معاملے میں توقف کر دیا۔ اب جب وہ اسلام لے آتا ہے تو مذکورہ عارض (ارتداد) کو زوال ملک کے حق میں معدوم سمجھا جائے گا اور وہ ایسا ہو جائے گا گویا ہمیشہ وہ مسلمان ہی تھا اور اس نے زوالِ ملک کا سبب اختیار ہی نہیں کیا۔ اور جب وہ مر گیا یا بحالت ارتداد قتل کر دیا گیا یا دار الحرب چلا گیا اور اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا تو اس کا کفر پختہ ہو جائے گا لہٰذا سبب (ارتداد) اپنا دکھائے گا اور اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

ارتداد کے بعد اسلام لانے سے ملکیت اموال کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ ارتدار سے ملک جاتی رہتی ہے یعنی جو کچھ اس کے املاک و اموال تھے سب اس کی ملک سے

خارج ہوگئے مگر جبکہ پھر اسلام لائے اور کفر سے توبہ کرے تو بدستور مالک ہو جائیگا اور اگر کفر ہی پر مرگیا یا دار الحرب کو چلا گیا تو زمانہ اسلام کے جو کچھ اموال ہیں ان سے اولاً ان دیون کو ادا کرینگے جو زمانہ اسلام میں اس کے ذمہ تھے اس سے جو بچے وہ مسلمان ورثہ کو ملے گا اور زمانہ ارتداد میں جو کچھ کمایا ہے اس سے زمانہ ارتداد کے دیون ادا کرینگے اس کے بعد جو بچے وہ فئے ہے۔

مرتد دار الحرب کو چلا گیا پھر مسلمان ہو کر واپس آیا تو اگر قاضی نے ابھی تک دار الحرب جانے کا حکم نہیں دیا تھا تو تمام اموال اس کو ملیں گے اور اگر قاضی حکم دے چکا تھا تو جو کچھ ورثہ کے پاس موجود ہے وہ ملے گا اور ورثہ جو کچھ خرچ کر چکے یا بیع وغیرہ کر کے انتقالِ ملک کر چکے اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مرتد کی ردت والی کمائی کا ورثاء کی طرف منتقل ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي إسْلَامِهِ إلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ ، وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْئًا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ :كِلَاهُمَا لِوَرَثَتِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :كِلَاهُمَا فَيْءٌ ؛ لِأَنَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ ، ثُمَّ هُوَ مَالٌ حَرْبِيٌّ لَا أَمَانَ لَهُ فَيَكُونُ فَيْئًا .

وَلَهُمَا أَنَّ مِلْكَهُ فِي الْكَسْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهِ إلَى وَرَثَتِهِ وَيَسْتَنِدُ إلَى مَا قُبَيْلَ رِدَّتِهِ إذْ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُونُ تَوْرِيثَ الْمُسْلِمِ مِنْ الْمُسْلِمِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ لِوُجُودِهِ قَبْلَ الرِّدَّةِ ، وَلَا يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهِ قَبْلَهَا وَمِنْ شَرْطِهِ وُجُودُهُ ، ثُمَّ إنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إلَى وَقْتِ مَوْتِهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ اعْتِبَارًا لِلِاسْتِنَادِ .

وَعَنْهُ أَنَّهُ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرِّدَّةِ ، وَلَا يَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهُ بِمَوْتِهِ بَلْ يَخْلُفُهُ وَارِثُهُ ؛ لِأَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ .

وَعَنْهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ وُجُودُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهِ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنْ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب مرتد مرگیا اپنی ردت پر قتل کر دیا گیا تو اس کی حالتِ اسلام کی کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ مال جو اس نے ردت کی حالت میں کمایا ہو، وہ فئے ہو جائے گا، یہ حکم حضرت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ

کے نزدیک ہے۔ حضرات صاحبین فرمایا کہ دونوں مال اس کے ورثاء کا ہوگا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرمایا کہ دونوں مال فئے ہوں گے، کیونکہ وہ کافر ہو کر مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا پھر وہ ایسے حربی کا مال ہے جس کو امان نہیں حاصل ہے اس لیے یہ مال فئے ہوگا۔ حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کے بعد بھی دونوں کمائی میں اس کی ملکیت باقی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کی موت کے بعد وہ مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ انتقال اس کے مرتد ہونے سے کچھ دیر پہلے ہوگا، کیونکہ ردت ہی اس کی موت کا سبب ہے لہٰذا یہ مسلمان کا مسلمان سے وراثت حاصل کرنا ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام والی کمائی میں استناد ممکن ہے کیونکہ یہ کمائی ارتداد سے پہلے کی ہے، مگر ردت والی کمائی میں استناد ممکن نہیں ہے، کوینکہ ردت سے پہلے یہ کمائی معدوم ہے حالانکہ استناد کے لیے ردت سے پہلے کسب کا موجود ہونا شرط ہے پھر وہی شخص اس کا وارث ہوگا جو بحالت ردت اس کا وارث تھا اور اس کی موت تک اس کا وارث باقی رہا تھا۔ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جو استناد کیلئے اعتبار پر مبنی ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جو شخص بوقت ردت اس کا وارث تھا وہی اس کا وارث ہوگا اور اس وارث کی موت سے اس کا استحقاق باطل نہیں ہوگا بلکہ وارث کا وارث اس کا نائب ہوگا، کیونکہ ردت موت کے درجے میں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا وجود معتبر ہے، اس لیے کہ انعقاد سبب کے بعد اس کے مکمل ہونے سے پہلے پیدا ہونے والا وارث انعقاد سبب سے پہلے پیدا ہونے والے کی طرح ہے جس طرح مبیعہ باندی پر قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والا لڑکا۔

شرح

"مرتد" اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان واسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر وشرک کے ظلمت کدوں میں چلا جائے۔

"مرتد" عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ وجود ایمان کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہٰذا مجنوں اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہوا، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔

مرتد کے بارے میں حکم

جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ، اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اسلام کے بارے میں

کسی شک وشبہ کا شکار ہوتو اس کا شک وشبہ رفع کیا جائے گا، اگر چہ اسلام کی دعوت دینا اور اس کا شک وشبہ دور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اسلام کی دعوت اس کو پہلے ہی پہنچ چکی ہے اب اس کی تجدید دعوت کی احتیاج نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تین دن کے لئے قید میں ڈال دیا جائے اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے دائرہ اسلام میں لوٹ آئے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تب واجب ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ایت (اقتلوا لمشر کین) (مشرکوں کو قتل کردو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد حدیث (من بدل دینه فاقتلوه) (جس شخص نے اپنا دین اسلام تبدیل کر دیا اس کو قتل کر دو) سے یہی ثابت ہوتا کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

ارتداد اور مرتد کے بارے میں احکام

آج کل ہماری روز مرہ زندگی بڑی بے اعتدالیوں کی شکار ہے نہ ہمیں اپنی زبان پر قابو رہتا ہے، نہ ہم اپنے اعتقادات ونظریات کے دائرہ میں پوری طرح رہتے ہیں اور نہ ہماری افعال واعمال پابند احتیاط ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی رہتی ہیں جنہیں ہم بظاہر بالکل غیر اہم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ باتیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچا دیتی ہیں اسی طرح ایسے بہت سے افعال واعمال ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں لیکن آخر کار وہ ہمارے لئے سخت خسران آخرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بارے میں تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

فتاویٰ ہندیہ کے ایک باب میں مرتد کے احکام ومسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اس پورے باب کے علاوہ چند نادر الوجود مسائل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اس میں جو مسائل ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تا کہ مرتد کے بارے میں احکام ومسائل ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو زبان سے ادا ہونے پر کفر تک پہنچا دیتے ہیں یا وہ کون سے عقائد واعمال ہیں جن کو اختیار کرنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالت بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہوا سی کو مرتد قرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد ہونا بھی مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضا اور رغبت شرط ہے لہٰذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔ جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلا دی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اور ہزیان بکنے لگے، اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہو جائے تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنوں ہو یا دسواسی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

مرتدہ کو اسلام لانے تک قید میں رکھنے کا بیان

اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تا کہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آ جائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

کوئی باندی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو اسلام قبول کرنے پر بایں طور مجبور کرے کہ اس کو اپنے گھر میں محبوس کر دے اس سے خدمت لینے کے ساتھ ساتھ سزاءً کچھ دوسرے کام بھی اس کے سپرد کر دے اور وہ مالک اس کے ساتھ صحبت نہ کرے۔

ارتداد میں خنثیٰ مشکل کا عورت کے حکم میں ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ عاقلہ لڑکی کا وہی حکم ہے جو بالغہ کا ہے اسی طرح خنثیٰ مشکل بھی عورت کے حکم میں ہے۔ آزاد عورت جو مرتد ہو جائے اس کو اس وقت تک بطور باندی گرفتار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ دار الاسلام میں ہے ہاں اگر وہ دار الحرب میں چلی جائے اور پھر وہاں سے وہ (اسلامی لشکر کے) قیدیوں میں آئے تو اس کو باندی بنایا جا سکتا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کے نوادر میں سے ایک قول یہ ہے کہ مرتدہ کو دار الاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جا سکتا ہے چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قول پر اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیا جائے جو خاوند والی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس عورت کا خاوند حکومت وقت سے اس کو باندی بنا لینے کی درخواست کرے یا اگر وہ خاوند اس کا مصرف (یعنی مسلمان) ہو تو حکومت وقت اس عورت کو خاوند کے تئیں ہدیہ کر دے۔ اس صورت میں خاوند اس عورت کو محبوس کرنے اور اسلام کے لئے اس کو سزاءً مارنے کا ذمہ دار ہوگا۔

جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار کرے تو یہ گویا اس کی طرف سے توبہ کا مظہر ہوگا اور اس صورت میں وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

مرتد جب تک دار السلام میں گھومتا پھرتا نظر آئے اس کے بارے میں قاضی ان احکام میں سے کوئی بھی حکم نافذ نہ کرے جو ذکر کیے گئے ہیں،

ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان تھا (یعنی وہ بچہ تھا اور اپنے مسلمان ماں باپ کی سبب سے مسلمان کے حکم میں تھا) اور پھر ارتداد کے ساتھ بالغ ہوا تو اگر چہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے مگر اس کے بارے میں از راہ استحسان یہ حکم ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے (کیونکہ بلوغ سے پہلے وہ مستقل بالذات مسلمان نہیں تھا بلکہ اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان کے حکم میں تھا)

) اسی طرح یہی حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو چھوٹی عمر میں مسلمان ہوگیا تھا مگر جب بالغ ہوا تو مرتد تھا، نیز اگر کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو بھی ازراہ استحسان قتل نہ کیا جائے لیکن ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے اور اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نے اس کو مار ڈالا تو مارنے والے پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

لقیط (وہ بچہ جو کہیں پڑا ہوا پایا جائے) اگر دار الاسلام میں ہو تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم نافذ کیا جائے اور کفر کی حالت میں بالغ ہو تو اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کو قتل نہ کیا جائے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان واسلام سے ہے

ایمان واسلام کے بارے میں وہ باتیں جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "مجھے نہیں معلوم، میرا ایمان ہے یا نہیں؟" تو یہ خطائے عظیم ہے، ہاں اور اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی کرنا ہو تو خطائے عظیم نہیں ہے۔ جس شخص نے اپنے ایمان میں شک کیا اور یہ کہا کہ "میں مؤمن ہوں انشاء اللہ" تو وہ کافر ہے ہاں اگر وہ یہ تاویل کرے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھوں گا یا نہیں؟ تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا جس شخص نے یہ کہا کہ "قرآن مخلوق ہے، یا ایمان مخلوق ہے" تو وہ کافر ہوگیا۔ جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان وکفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو شخص ایمان پر راضی ومطمئن نہ ہوا وہ کافر ہے جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہوا وہ کافر ہے، اور جو شخص اپنے غیر کے کفر پر راضی ہوا اس کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غیر کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تا کہ وہ (کافر) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے تو وہ کافر نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کا اظہار کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اسلام کی صفت نہیں جانتا، تو وہ کافر ہوگیا۔ شمس الائمہ جلوائی نے اس مسئلہ کو بڑے سخت انداز میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے لئے نہ دین ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ طاعت وعبادت ہے نہ نکاح ہے اور اس کی اولاد زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مذہب کی عدم معرفت پر زوجین میں تفریق کا بیان

ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہنچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا، اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہنچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ "توحید کیا ہے" اس نے جواب میں کہا "میں نہیں جانتی" تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمہ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہنچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہیں رہے گی، اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

گناہ کے ذریعے اسلام ظاہر کرنے کے سبب کفر کا بیان

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہنچانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مؤمن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہیے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمانی پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا، وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کرلوں اس مسلمان نے جواب دیا کہ "تم فلاں عالم کے پاس چلے جاؤ تا کہ وہ تمہارے سامنے اسلام پیش کرے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو" اس طرح کہنے والے کے بارے علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آئی تھی (جو تم نے اسلام قبول کر لیا؟) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

ارتداد میں مرنے والے کی معتدہ بیوی کی وراثت کا بیان

وَتَرِثُهُ امْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ إذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ فَارًّا ، وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا وَقْتَ الرِّدَّةِ .

وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِوَرَثَتِهَا ؛ لِأَنَّهُ لَا حِرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوجَدْ سَبَبُ الْفَيْءِ ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إنْ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِقَصْدِهَا إبْطَالَ حَقِّهِ ، وَإِنْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَا يَرِثُهَا ؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرِّدَّةِ ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ .

ترجمہ

اور جب مرتد اپنی ردت پر مر گیا یا قتل کر دیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت میں ہو تو وہ اس مرتد کی وارث ہوگی، اس لیے کہ یہ شخص فارغ ہو گیا ہے جبکہ بوقت ردت صحیح تھا، اور مرتدہ عورت کی کمائی اس کے ورثاء کی ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے جنگ

نہیں ہوتی ، لہٰذا فئے کا سبب نہیں پایا گیا، برخلاف مرتد کے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک، اور جب کوئی عورت مرتد ہوگی اور وہ مریض ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا، کیونکہ بیوی نے اس کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور جب وہ تندرست ہو تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، اس لیے کہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، لہٰذا اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے شوہر کا حق متعلق نہیں ہوا، بہ خلاف مرتد کے، کیونکہ اس میں ایسا نہیں ہے۔

مرتد کی میراث مسلمان وارث پائے گا

مرتد کی میراث پانے والے کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ کے مختلف اقوال بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت امام محمد نے حضرت امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ جب مرتد مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے اور یا وہ دارالحرب بھاگ جائے تو اس کا مسلمان وارث اس کی میراث پائے گا اسی طرح اس کے مرجانے یا قتل کئے جانے یا دارالحرب بھاگ جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی بھی اس کی مال کی وارث ہوگی جبکہ اس (مرتد کی وفات یا قتل یا دارالحرب بھاگ جانے کے) وقت وہ بیوی عدت میں ہو کیونکہ وہ مرتد اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا (اپنی بیوی کو اپنی میراث دینے سے) راہ فرار اختیار کرنے والا ہوا لہٰذا اس کا ارتداد مرض الموت کی مانند ہوا (کہ جس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق مغلظہ دے دے تو شریعت اس امر کے پیش نظر کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنی میراث سے محروم رکھنے ہی کے لئے مرض الموت میں طلاق دی ہے اس کو اس کے شوہر کی میراث کی حقدار تسلیم کرتی ہے اسی طرح مرتد بھی اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لئے شریعت اس کے (علی الرغم) اس کی بیوی کو اس کی میراث کا حقدار تسلیم کرتی ہے، اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو (اس کے مرنے کے بعد) اس کا خاند اس کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا، ہاں اگر بیوی بیماری کی حالت میں مرتد ہوئی (پھر مر گئی) تو اس کا شوہر اس کی میراث پائے گا اسی طرح تمام اقرباء اس کے سارے مال کے وارث ہوں گے یہاں تک کہ اس نے حالت ارتداد میں جو مال جمع کیا ہوگا وہ بھی ان وارثوں کو ملے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الجہاد)

مرتد اور مرتدہ کا دارالحرب میں جانے کا بیان

قَالَ : (وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلَحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتْ الدُّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنُقِلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إلَى وَرَثَتِهِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ).

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَبْقَى مَالُهُ مَوْقُوفًا كَمَا كَانَ ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ.

وَلَنَا أَنَّهُ بِاللَّحَاقِ صَارَ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لِانْقِطَاعِ

وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتَى فَصَارَ كَالْمَوْتِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَقِرُّ لَحَاقُهُ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِي لِاحْتِمَالِ الْعَوْدِ إِلَيْنَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَتِ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِهِ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيقِيِّ ، ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لَحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ اللَّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهِ بِقَطْعِ الِاحْتِمَالِ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : وَقْتَ الْقَضَاءِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ ، وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا لَحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی بندہ مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے اور اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ حاکم نے کر دیا ہے تو اس کے سب مدبر اور امہات اولاد آزاد ہو جائیں گے اور اس کے میعادی قرضوں کی ادائیگی بھی طور پر واجب ہو جائے گی اور حالت اسلام میں کی جانے والی کمائی اس کے مسلم وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا مال حسب سابق موقوف ہوگا کیونکہ اس کا دارالحرب میں جانا غیب ہونا ہے اور اس کی یہ غیوبت دارالاسلام کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل حرب سے ملنے کے سبب یہ بندہ مرتد ہو چکا ہے۔ اور اسلام کے مطابق اہل حرب مردہ ہیں کیونکہ ان سے ولایت لزوم ختم ہو چکا ہے جس طرح مردوں سے ختم ہو جاتا ہے۔ پس مرتد مردہ کی طرح ہو جائے گا ہاں یہ الحاق قاضی کے فیصلے کے بغیر پختہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا ہماری طرف آنے کا احتمال ہے لہذا فیصلے کے طور پر الحاق لازمی ہے۔

اور جب اس کا مردہ ہونا پکا ہو چکا ہے تو اس کے احکام بھی مردوں والے ہوں گے یعنی وہی حکم جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ جس طرح حقیقی مردے میں ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے دارالحرب چلے جانے کے سبب وارث ہونے کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس کا وہاں پہنچنا میراث کا سبب ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک فیصلے کے وقت ہی اس کے مورث ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اور جب کوئی عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں گئی تو بھی مسئلہ اسی اختلاف کے مطابق ہوگا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہو کر دارالاسلام واپس آ جائے اور یہ واپسی قاضی و حاکم کی طرف سے اس کے دارالحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال و اسباب کے بارے میں اس کے مرتد ہو

جانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی ام ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی وحاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوتی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس جو چیز پائے اس کو لے لے اور جو مال واسباب اس کے ورثوں نے بیع ہبہ اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ کا حق اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ ومعاوضہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب احکام مرتدین)

مرتد کے حالت اسلام والے قرضوں کی ادائیگی کا بیان

(وَتُقْضَى الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ ، وَمَا لَزِمَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ مِنْ الدُّيُونِ يُقْضَى مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ :هَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعَنْهُ أَنَّهُ يُبْدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ ، وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذَلِكَ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلَى عَكْسِهِ .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ .

وَحُصُولُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الْكَسْبَيْنِ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِي وَجَبَ بِهِ الدَّيْنُ فَيُقْضَى كُلُّ دَيْنٍ مِنْ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُونَ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ .

وَجْهُ الثَّانِي أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتَّى يَخْلُفَهُ الْوَارِثُ فِيهِ ، وَمِنْ شَرْطِ هَذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ عَنْ حَقِّ الْمُوَرِّثِ فَيُقَدَّمُ بِالدَّيْنِ عَلَيْهِ ، أَمَّا كَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ ؛ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ بِالرِّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَا يُقْضَى دَيْنُهُ مِنْهُ إلَّا إذَا تَعَذَّرَ قَضَاؤُهُ مِنْ مَحَلٍّ آخَرَ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْهُ ، كَالذِّمِّيِّ إذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُونُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضَى مِنْهُ كَذَلِكَ هَاهُنَا .

وَجْهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ وَكَسْبَ الرِّدَّةِ خَالِصُ حَقِّهِ ، فَكَانَ قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلَى إلَّا إذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهِ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ :تُقْضَى دُيُونُهُ مِنْ الْكَسْبَيْنِ ؛ لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتَّى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور اسلام کی حالت میں مرتد کے جتنے بھی قرض لازم ہوئے ہیں ان کو حالت اسلام والی کمائی کے ساتھ ادا کیا جائے گا اور جو ارتداد کی حالت میں اس پر لازم ہوئے ہیں ان کو ارتداد کی حالت والی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

بندہ ضعیف (مصنف رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جبکہ ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام والی کمائی سے شروع کیا جائے گا اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے یہ کمائی کافی نہ ہو تو پھر حالت ارتداد والی کمائی سے ادائیگی کی جائے گی۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اسی کے برعکس بھی روایت کی گئی ہے۔

پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس پر واجب ہونے قرض دو الگ اسباب کی سبب سے مختلف ہیں اور دونوں کی طرح کی کمائی اسی سبب سے حاصل کی گئی ہے جس کمائی کے سبب اس پر قرض لازم ہوا ہے۔ پس ہر قرض اسی حالت کی کمائی سے ادا کیا جائے گا جس حالت کی کمائی میں وہ واجب ہوا تھا۔ تاکہ نفع کے بدلے میں نقصان اور ضمان واجب ہو۔ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کمائی اس بندے کی ملکیت ہے یہاں تک کہ اس کا وارث اس میں اسی کا نائب ہوگا اور وارث کے نائب ہونے کیلئے حق مورث سے فراغت شرط ہے پس اس قرض کو میراث پر مقدم کیا جائے گا۔ البتہ حالت ارتداد والی کمائی ہے تو وہ مرتد کی ملکیت نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک ردت ملکیت کی اہلیت کو باطل کرنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) پس اس کمائی سے اس کا قرض ادا نہیں کیا جائے گا۔

البتہ جب اسلام والی کمائی سے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جائے تو تب حالت ارتداد والی کمائی سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا جس طرح کوئی ذمی شخص فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو اس کا مال عام مسلمانوں کا ہوگا اور جب اس پر قرض ہو تو اس مال سے ادا کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی طرف تیسری روایت بیان کردہ کی دلیل یہ ہے اسلام والی کمائی وارثوں کا حق ہے جبکہ ارتداد والی کمائی اس کا اپنا حق ہے پس اس کمائی سے اس کا قرض ادا کرنا افضل ہے۔ البتہ جب اس سے ادائیگی ناممکن ہو جائے اس طرح وہ کافی نہ ہو تو تب وقت اسلام والی کمائی سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی میراث سے مقدم ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ نے فرمایا: کہ اس کے قرض کو دونوں کمائیوں سے ادا کیا جائے گا کیونکہ دونوں اس کی ملکیت ہیں یہاں تک ان دونوں میں اس میراث جاری ہوگی۔ اور اللہ ہی سب زیادہ جاننے والا ہے۔

ارتداد کے سبب زوال ملکیت میں فقہی بیان

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آ جاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت

ارتداد میں مرجائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فئی شمار ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔

ارتدار سے ملک جاتی رہتی ہے یعنی جو کچھ اس کے املاک واموال تھے سب اس کی ملک سے خارج ہو گئے مگر جبکہ پھر اسلام لائے اور کفر سے توبہ کرے تو بدستور مالک ہو جائیگا اور اگر کفر ہی پر مر گیا یا دارالحرب کو چلا گیا تو زمانہ اسلام کے جو کچھ اموال ہیں ان سے اولا ان دیون کو ادا کرینگے جو زمانہ اسلام میں اس کے ذمہ تھے اس سے جو بچے وہ مسلمان ورثہ کو ملے گا اور زمانہ ارتداد میں جو کچھ کمایا ہے اس سے زمانہ ارتداد کے دیون ادا کرینگے اس کے بعد جو بچے وہ فئے ہے۔

علامہ فخر الدین زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت کو طلاق دی تھی وہ ابھی عدت ہی میں تھی کہ شوہر مرتد ہو کر دارالحرب کو چلا گیا یا حالت ارتداد میں قتل کیا گیا تو وہ عورت وارث ہوگی۔

(تبیین الحقائق، کتاب سیر، باب مرتدین، ج ۴، ص ۱۷۸)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مرتد دارالحرب کو چلا گیا یا قاضی نے لحاق یعنی دارالحرب میں چلے جانے کا حکم دیدیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو گئے اور جتنے دیون میعادی تھے ان کی میعاد پوری ہوگئی یعنی اگر چہ ابھی میعاد پوری ہونے میں کچھ زمانہ باقی ہو مگر اسی وقت وہ دَین واجب الادا ہو گئے اور زمانہ اسلام میں جو کچھ وصیت کی تھی وہ سب باطل ہے۔

(فتح القدیر، کتاب سیر)

حالت ردت میں خرید و فروخت کے احکام

قَالَ :(وَمَا بَاعَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَهُوَ مَوْقُوفٌ ، فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ :يَجُوزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ .اعْلَمْ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلَى أَقْسَامٍ :نَافِذٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالِاسْتِيلَادِ وَالطَّلَاقِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إلَى حَقِيقَةِ الْمِلْكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ .وَبَاطِلٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيحَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ .وَمَوْقُوفٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ ؛ لِأَنَّهَا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَا مُسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسْلِمْ .وَمُخْتَلَفٌ فِي تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ .

لَهُمَا أَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ وَالنَّفَاذَ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ ، وَلَا خَفَاءَ فِي وُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ

لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا ، وَكَذَا الْمِلْكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ، وَلِهَذَا لَوْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَا يَرِثُهُ فَتَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ .

إلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنْ الصَّحِيحِ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إلَى الْإِسْلَامِ ، إذْ الشُّبْهَةُ تُزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنْ الْمَرِيضِ ؛ لِأَنَّ مَنْ انْتَحَلَ إلَى نِحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَأَ عَلَيْهِ قَلَّمَا يَتْرُكُهُ فَيُفْضِي إلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فِي تَوَقُّفِ الْمِلْكِ وَتَوَقُّفُ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءٌ عَلَيْهِ ، وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقْهَرُ وَتَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ ؛ لِتَوَقُّفِ حَالِهِ ، فَكَذَا الْمُرْتَدُّ ، وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ فَأَوْجَبَ خَلَلًا فِي الْأَهْلِيَّةِ ، بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمْدِ ؛ لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ فِي ذَلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ . وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً ؛ وَلِهَذَا لَا تُقْتَلُ

ترجمہ

فرمایا: اور جب مرتد نے حالت ارتداد میں خرید وفروخت کی یا غلام آزاد کیا یا اس نے ہبہ کیا یا اس نے کسی چیز کو رہن رکھ دیا اور یا پھر اس نے اپنے اموال میں کوئی تصرف کیا تو اس کا تصرف موقوف ہو جائے گا۔ لہذا اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ سارے عقود درست ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ فوت ہو جائے یا قتل کیا جائے یا وہ دارالحرب میں چلا گیا تو اس کے سارے عقود باطل ہو جائیں گے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی حکم ہے جبکہ صاحبین نے کہا کہ اس کے تصرفات دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تصرفات مرتد کی اقسام کے ہیں (۱) وہ تصرفات جو بہ اتفاق نافذ ہوتے ہیں جس طرح ام ولد بنانا ہے اور طلاق دینا ہے کیونکہ یہ تصرفات ملکیت کے حقیقی ہونے اور ولایت کے مکمل ہونے کے محتاج نہیں ہوتے۔

(۲) دوسرے وہ تصرفات جو بہ اتفاق باطل ہوتے ہیں جس طرح نکاح اور ذبیحہ ہے۔ کیونکہ ان کے صحیح ہونے کا دار ومدار ملت پر ہے۔

(۳) وہ تصرفات جو بہ اتفاق موقوف ہیں جس طرح شرکت مفاوضہ ہے کیونکہ شرکت مفاوضہ کا دار ومدار مساوات پر ہوتا ہے جبکہ مسلمان اور مرتد کے درمیان مساوات معدوم ہوتی ہے حتی کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے۔

(۴) وہ تصرفات جن کے موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور یہ وہی تصرفات ہیں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ان تصرفات کے صحیح ہونے کا دارومدار متصرف کے اہل ہونے پر ہے اور ان کے نفاذ کا دارومدار ان کی ملکیت پر ہے اور ان کی اہلیت میں کچھ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ متصرف احکام شرعیہ کا مخاطب ہے۔ اور اس میں ملکیت بھی موجود ہے کیونکہ اس کے مرنے سے پہلے تک اس کی ملکیت اس میں موجود ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اسی طرح اگر اس شخص کے مرتد ہونے کے بعد چھ ماہ میں کوئی بچہ اس کی بیوی کے ہاں پیدا ہوا تو وہ اسی مرتد کا وارث ہوگا اور اگر مرتد کے ارتداد کے بعد مرتد کی موت سے پہلے اس کا بچہ فوت ہو گیا تب بھی وہ مرتد کا وارث ہوگا پس موت سے قبل ہونے والے تصرفات صحیح ہوں گے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے یہ سارے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جس طرح تندرست شخص کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کا اسلام کی جانب آنا ظاہر ہے اور اس کو جو اشتباہ ہوا ہے اس کو دور کر دیا جائے گا اور مرتدہ عورت کی طرح اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جس طرح کسی مریض کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص دعویٰ کرتا ہے تو وہ خاص طور پر اس صورت میں ہے کہ جب اس نے مذہب سے اعراض کرتے ہوئے کوئی نیا مذہب بنایا ہے جس پر وہ پیدا ہوا تھا تو وہ اس کو کم ہی چھوڑنے والا ہے اور وہ بہ ظاہر قتل کر دیا جاتا ہے بہ خلاف مرتدہ کے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جاتا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں مغلوب ہوا ہے لہذا جس طرح اس کی ملکیت موقوف رہنے کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں اور تصرفات کا موقوف ہونا یہ ملکیت کے موقوف ہونے پر مبنی ہے اور یہ مرتد اس حربی کی طرح ہو جائے گا جس بغیر کسی امان کے دارالاسلام میں آ گیا ہو اور اس کو گرفتار کرتے ہوئے مقہور کر دیا گیا ہو تو اس کے تصرفات موقوف کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ اس کی حالت موقوف ہوتی ہے اور یہ حالت مرتد کی ہوتی ہے۔ اور ان دونوں احوال سبب عصمت کے باطل ہونے کے سبب مرتد قتل کا مستحق ہوتا ہے اور اس کی اہلیت میں خلل انداز ہونے والی چیز بھی یہی ہے۔ بہ خلاف زانی اور قتل عمد کرنے والے کے کیونکہ ان میں قتل کی سزا کا مستحق ہونا بطور سزائے جنایت ہوتا ہے بہ خلاف عورت کے کیونکہ عورت جنگ کرنے والی نہیں ہوتی اسی سبب سے اس کو قتل نہیں کیا جاتا۔

معاملات وعقوبات میں مرتد کے تصرف کا بیان

جو شخص مرتد ہو جائے، معاملات وعقودات میں اس کے تصرف کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ اول تو وہ تصرف ہے جو سب کے

نزدیک پوری طرح جاری و نافذ ہوتا ہے جس طرح اگر اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے اور وہ اس ہبہ کو قبول کر لے، یا وہ اپنی لونڈی کو ام ولد بنا دے، یا جب اس کی لونڈی کسی بچے کو جنم دے اور وہ مرتد اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے (یعنی یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے) تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس کے دوسرے وارثوں کے ساتھ اس کی میراث کا حقدار ہوگا اور وہ لونڈی (جس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے) اس مرتد کی ام ولد ہوگی نیز مرتد کی طرف سے تسلیم شفعہ کو قبول و نافذ کیا جائے گا، اسی طرح اگر مرتد اپنے ماذون غلام پر "حجر" نافذ کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جس طرح نکاح کرنا کہ وہ مطلقاً جائز نہیں مفاوضت کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہو گیا تو وہ شرکت مفاوضت بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا اور قاضی و حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفاوضت شروع سے شرکت عنان میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شرکت مفاوضت سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جس طرح خرید و فروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ ہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مرتد کے زوال ملکیت ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہو جاتے ہیں، اور اگر مر جائے، یا قتل کر دیا جائے یا قاضی و حاکم اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دے تو یہ سارے تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آ جاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فئی شمار ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

دارالحرب کے بعد مرتد کے مسلمان ہونے کا بیان

(فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ

فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ) ؛ لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لِاسْتِغْنَائِهِ ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا احْتَاجَ إِلَيْهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ ؛ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَزَالَهُ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهِ ، وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيلٍ مُصَحِّحٍ فَلَا يُنْقَضُ ، وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

اس کے بعد جب دارالحرب میں چلے جانے کے فیصلے کے بعد مرتد مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آ گیا اور اس نے اپنا من وعن کسی وارث کے پاس پایا تو وہ اس کو حاصل کرلے گا۔ کیونکہ وارث اس کے مال کا وارث تب ہی ہوگا جب مرتد اس سے فارغ ہو چکا ہے مگر جب وہ مسلمان ہوکر واپس آ گیا ہے تو اس کی مال کی بھی ضرورت ہے پس وہ وارث سے مقدم ہوگا بہ خلاف اس صورت کے کہ جب وارث نے اس مال کو اپنی ملکیت سے نکال دیا ہو اور اسی طرح بہ خلاف امہات اولا داور مدبرین کے کیونکہ ان کے بارے میں دلیل صحیح سے فیصلہ ہو چکا ہے پس اب وہ فیصلہ ختم نہیں ہوسکتا اور جب قاضی کے دارالحرب میں جانے کے اور فیصلہ کرنے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں واپس آ گیا ہے تو وہ اسی طرح ہوگا جس طرح وہ ہمیشہ مسلمان ہی تھا یعنی اس کی ہر قسم کی ملکیت واثاثہ جات اسی کے ہوں گے۔

شرح

اگر کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہوکر دارالاسلام واپس آ جائے اور یہ واپسی قاضی وحاکم کی طرف سے اس کے دارالحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال واسباب کے بارے میں اس کے مرتد ہو جانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی ام ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی وحاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوتی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس جو چیز پائے اس کو لے لے اور جو مال واسباب اس کے ورثاء نے بیع ہبہ اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ کا حق اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ ومعاوضہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

مرتد کا نصرانیہ باندی سے وطی کرنے کا بیان

وَإِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَا يَرِثُهُ ، وَإِنْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الِابْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ) أَمَّا صِحَّةُ

الاستیلاد فلما قلنا ، وأما الإرث فلأن الأم إذا كانت نصرانية والولد تبع له لقربه إلى الإسلام للجبر عليه فصار في حكم المرتد والمرتد لا يرث المرتد ، أما إذا كانت مسلمة فالولد مسلم تبعا لها ؛ لأنها خيرهما دينا والمسلم يرث المرتد . (وإذا لحق المرتد بماله بدار الحرب ثم ظهر على ذلك المال فهو فيء ، فإن لحق ثم رجع وأخذ مالا وألحقه بدار الحرب فظهر على ذلك المال فوجدته الورثة قبل القسمة رد عليهم) ؛ لأن الأول مال لم يجر فيه الإرث ، والثاني انتقل إلى الورثة بقضاء القاضي بلحاقه فكان الوارث مالكا قديما .

ترجمہ

اور جب کسی مرتد نے نصرانیہ باندی سے وطی کی جو حالت اسلام میں اس کی باندی تھی اس کے بعد اس نے اس کے مرتد ہونے کے وقت سے چھ ماہ سے زائد مدت میں بچے کو جنم دیا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور اس کا بچہ آزاد ہوگا اور وہ اس مرتد کا لڑکا ہوگا جبکہ وہ اس کا وارث نہ ہوگا۔

اور اگر وہ باندی مسلمان ہے اور وہ مرتد ارتداد کی خالت میں مر گیا یا وہ دار الحرب میں چلا گیا ہے تو اب یہ بچہ اس کا وارث ہوگا البتہ ام ولد بنانے میں صحیح ہونے کی دلیل جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ بچے کے وارث ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کی ماں نصرانیہ ہے تو بچہ اپنے مرتد باپ کے تابع ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کا باپ اسلام کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس پر اسلام قبول کرنے پر زبردستی کی جائے گی پس یہ بچہ مرتد کے حکم میں ہوگا اور مرتد کسی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، ہاں جب وہ باندی مسلمان ہے تو پھر وہ بچہ ماں کے تابع ہوگا اور مسلمان ہوگا کیونکہ دین کے اعتبار سے اس کی ماں افضل ہے۔ اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا۔

اور جب مرتد اپنے مال کو لیتے ہوئے دار الحرب میں چلا گیا اس کے بعد اس کے مال پر مجاہدین نے غلبہ پا لیا تو وہ مال مال فئے میں شمار کیا جائے گا اس کے بعد مرتد دار الحرب میں جا کر واپس آ گیا اور پھر مال لیکر دار الحرب میں چلا گیا اب اس مال میں وارثت جاری نہ ہوگی جبکہ دوسرا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ قاضی کے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر چکا ہے پس وارث پرانیت کے سبب اس مال پر حق وارثت رکھنے والا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتد کا نصرانیہ باندی سے وطی کرنا تو واضح ہے البتہ ہمارے یعنی احناف کے قول کے مطابق جو چھ ماہ کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حکم مدت حمل میں سے اکثر ہے اور یہاں اکثر کل کے قائم مقام ہے۔ اور اس یہ بھی فائدہ حاصل ہوگا کہ چھ ماہ سے قبل کی مدت سے احتراز ہو جائے گا۔ اور جب باندی چھ ماہ سے قبل بچے کو جنم دیا تو اس

صورت میں وہ بچہ مرتد باپ کا وارث ہوگا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۱۵۱، بیروت)

ارتداد سے واپسی کے باوجود مکاتبت کے جواز کا بیان

(وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقُضِيَ بِهِ لِابْنِهِ وَكَاتَبَهُ الِابْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ ، وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى بُطْلَانِ الْكِتَابَةِ لِنُفُوذِهَا بِدَلِيلٍ مُنَفِّذٍ ، فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِي هُوَ خَلَفُهُ كَالْوَكِيلِ مِنْ جِهَتِهِ ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ فِيهِ تَرْجِعُ إلَى الْمُوَكِّلِ ، وَالْوَلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ.

ترجمہ

اور جب کوئی مرتد دارالحرب میں چلا گیا اور اس کے ہاں ایک غلام تھا جس کو قاضی نے اس کے بیٹے کو دینے کا فیصلہ کر دیا تھا اور بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا اس کے بعد وہ مرتد مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو مکاتبت جواز میں باقی رہے گی اور کتابت کا مال اور مکاتب کی ولاء کا حق مرتد کو ہوگا جو مسلمان ہوا ہے کیونکہ مکاتبت باطل کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ جبکہ مکاتبت نافذ کرنے والی دلیل نافذ ہو چکی ہے پس ہم نے مرتد کے وارث کو اس کا نائب بنا دیا جو اسکی طرف وکیل بن جائے گا اور کتابت کے عقد میں موکل کی طرف حقوق عقد لوٹتے ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ) اور ولاء اسی کو ملتی ہے جس کی جانب سے آزادی ملتی ہے۔

شرح

اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے دارالحرب میں چلے جانے کا حکم نافذ کر دیا تو اس کا مدبر غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی امہات اولاد بھی آزاد ہو جائیں گی اور اس کے جو دیون مؤجلہ ہوں گے وہ فوری طور پر قابل ادائیگی ہونگے اور اس نے حالت اسلام میں جو مال پیدا کیا تھا وہ سب اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر کسی مرتد نے اپنے زمانہ اسلام میں کوئی وصیت کی ہوگی تو مبسوط وغیرہ کی ظاہری روایت کے بموجب وہ وصیت مطلقاً باطل ہوگی یعنی اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہوگا خواہ وہ اس وصیت کا تعلق کسی قرابت دار سے ہو یا غیر قرابت دار سے ہو۔

مرتد کے مال سے دیت دینے کا بیان

(وَإِذَا قَتَلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطَأً ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ فَالدِّيَةُ فِي مَالٍ اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا :الدِّيَةُ فِيمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيعًا) ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ ؛ لِانْعِدَامِ النُّصْرَةِ فَتَكُونُ فِي مَالِهِ .وَعِنْدَهُمَا الْكَسْبَانِ جَمِيعًا مَالُهُ ؛ لِنُفُوذِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالَيْنِ ، وَلِهَذَا يَجْرِي

الْإِرْثُ فِيهِمَا عِنْدَهُمَا. وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ ؛ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِهِ فِيهِ دُونَ الْمَكْسُوبِ فِي الرِّدَّةِ ؛ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِهِ ، وَلِهَذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيرَاثًا عَنْهُ ، وَالثَّانِي فَيْئًا عِنْدَهُ.

ترجمہ

اور جب کسی مرتد نے غلطی کے طور پر کسی بندے کو قتل کر دیا اس کے بعد وہ دارالحرب میں چلا گیا ہے یا اس نے ارتداد کی حالت میں قتل کیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دیت صرف اس مال سے دی جائے گی جس اس نے اسلام کی حالت میں کمایا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک دیت اس کے پورے مال سے دینا ہوگی جو اس نے حالت اسلام وارتداد میں کمایا ہے کیونکہ عاقلہ مرتد کی دیت دینے والی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی مدد معدوم ہو جاتی ہے۔ پس اسی کے مال دیت دی جائے گی۔

صاحبین کے نزدیک دونوں حالت کی کمائی میں اسی کا مال ہے کیونکہ دونوں احوال میں اس کے تصرفات نافذ ہونے والے ہیں اسی دلیل کے سبب صاحبین نے دونوں طرح کی کمائی میں وراثت کو جاری کیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا مال وہی ہے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا ہے پس آپ کے نزدیک تصرفات اسی میں نافذ ہوں گے جبکہ ارتداد والی حالت والے مال میں تصرفات نافذ نہ ہوں گے۔ کیونکہ اس کمائی میں اس کا تصرف موقوف ہوتا ہے اسی لئے امام صاحب کے نزدیک اسلام کی حالت والی کمائی میراث بنتی ہے۔ اور دوسرا مال یعنی حالت ارتداد والا تو مال فئے بنتا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ کا قول "مدد معدوم ہونے کا" کا مطلب یہ ہے کہ تعاقل اسی لئے ہے۔ کیونکہ ان سب سے مدد حاصل کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ایک سے مدد کا حصول ناممکن ہے۔ اور یہ اسی طرح ہوگا جس طرح اس کے دیگر دیون ہیں۔ یعنی اسی کے کسب سے جو اس نے حالت اسلام میں کمائی کی ہے۔ اس سے قرض ادا کیا جائیں گے اور اسی سے دیت بھی دی جائے گی۔

یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک حالت اسلام وردت والے مال سے دیت دی جائے گی۔ اور مصنف علیہ الرحمہ کا قول "عندہ مالہ" مبتداء اور خبر ہے۔ جبکہ یہاں مقام کا تقاضہ ہے کہ یہاں ضمیر فصل لائے جائے تاکہ صفت سے فصل کیا جائے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۱۵۴، بیروت)

مرتد کا کسی شخص کے ہاتھ کو کاٹنے کا بیان

وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُسْلِمِ عَمْدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ مِنْ ذَلِكَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِلْوَرَثَةِ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ السِّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَأُهْدِرَتْ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَا يَلْحَقُهُ الِاعْتِبَارُ ، أَمَّا الْمُعْتَبَرُ قَدْ يُهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرِّدَّةِ .

وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قُضِيَ بِلَحَاقِهِ فَلِأَنَّهُ صَارَ مَيِّتًا تَقْدِيرًا ، وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السِّرَايَةَ ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَا يَعُودُ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الْأُولَى ، فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

اور جب کسی مرتد نے کسی مسلمان شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا، اس کے بعد اسی کاٹنے کے سبب حالت ارتداد میں وہ مر گیا یا پھر وہ دارالحرب میں چلا گیا ہے اور اسکے بعد مسلمان ہو کر واپس آ گیا اور اسی زخم سے مر گیا ہے تو قاطع کے مال میں سے نصف دیت واجب ہو جائے گی جو میت کے ورثاء کو دی جائے گی۔

البتہ پہلی حالت میں جس کی دلیل یہ ہے کہ قطع ایسے محل میں سرایت کر چکا ہے جو حفاظت کے قابل نہیں رہا ہے لہذا اس کا خون ضائع ہو جائے گا۔ بہ خلاف اس حالت کے کہ جب مرتد کا ہاتھ کاٹا جائے پھر وہ مسلمان ہو کر اسی قطع کے سبب فوت ہو جائے تو قاطع پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ اہدار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور جب معتبر قصاص معاف کرنے سے ختم ہو جاتا ہے تو پھر ارتداد سے بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے (قاعدہ فقہیہ)

البتہ دوسری حالت کہ جب وہ دارالحرب میں چلا گیا ہے اور قاضی نے بھی اس کے چلے جانے کا فیصلہ کر دیا ہے تو اس کا قصاص اس سبب سے ساقط ہو جائے گا اور تقدیری طور مو چکا ہے اور موت زخم کے اثر کو سرایت سے روکنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) جبکہ اس کا اسلام لانا یہ معنوی طور پر ایک نئی زندگی ہے پس پہلی حالت میں جنایت کا حکم لوٹنے والا نہیں ہے اور اگر قاضی نے جانے دارالحرب جانے والا فیصلہ نہیں کیا ہے تو اس کا اختلاف اسی مسئلہ پر ہے جس کو ہم آئندہ ان شاء اللہ تعالی بیان کر دیں گے۔

شبہ سے سقوط قصاص کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ مسئلہ میں دو فقہی قاعدے ذکر کیے ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ شبہ کے سبب قصاص ساقط ہو جاتا

ہے۔

حدوداور قصاص میں فرق

اگر چہ حدوداور قصاص ایک ہی طرح کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن سات مسائل سے ان کا فرق واضح ہوتا ہے۔
۱۔حدود میں معاف نہیں کیا جائے گا اگر چہ حد قذف ہو۔جبکہ قصاص معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے۔
۲۔حدود میں سفارش جائز نہیں جبکہ قصاص میں سفارش جائز ہے۔
۳۔قصاص گونگے کے اشاروں اور کنایات سے ثابت ہوجاتا ہے جبکہ حدود ثابت نہیں ہوتیں۔
۴۔حد قذف کے سوا حدود دعوی پر موقوف نہیں ہوتیں جبکہ قصاص میں دعوی ضروری ہوتا ہے۔
۵۔حدود ورثاء سے دور ہوتی ہیں جبکہ قصاص (دیت) کا تعلق ورثاء سے ہوتا ہے۔
۶۔قصاص کا فیصلہ اپنے علم سے بھی جائز ہوتا ہے جبکہ حدود میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔
۷۔قتل کی گواہی قتل سے پہلے (اطلاع کے طور پر) دینا منع نہیں۔جبکہ حدود میں سوائے حد قذف کے ایسی شہادت جائز نہیں۔
(الاشباہ ص ٦٦)

مرتد قاطع کے دارالحرب نہ جانے پر پوری دیت کا بیان

قَالَ (فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ : فِي جَمِيعِ ذَلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ ؛ لِأَنَّ اعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ أَهْدَرَ السِّرَايَةَ فَلا يَنْقَلِبُ بِالْإِسْلَامِ إِلَى الضَّمَانِ ، كَمَا إِذَا قَطَعَ يَدَ مُرْتَدٍّ فَأَسْلَمَ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلَى مَحَلٍّ مَعْصُومٍ وَتَمَّتْ فِيهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ ، كَمَا إِذَا لَمْ تَتَخَلَّلْ الرِّدَّةُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ ، وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ انْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوتِ الْحُكْمِ ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزِلٍ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ ، وَصَارَ كَقِيَامِ الْمِلْكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِينِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب مرتد دارالحرب میں نہ گیا بلکہ وہ اسلام لے آیا تو قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے۔

حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر علیہما الرحمہ نے فرمایا: یہ تمام احوال میں نصف دیت ہی واجب ہوگی کیونکہ ارتداد نے سرایت کو باطل کردیا ہے پس اسلام لانے سے یہ اہدار (ضائع ہونا) ضمان میں تبدیل نہ ہوگا جس جب کسی مرتد نے کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا ہے اسکے بعد وہ مسلمان ہوگیا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جنایت محل محترم میں واقع ہوئی ہے اور اسی میں مکمل ہوئی ہے پس ضمان نفس واجب ہوگا جس طرح جب ارتداد خلل ڈالنے والا نہ ہو۔ کیونکہ جنایت باقی رہنے کی حالت میں عصمت واحترام محل کا کوئی اعتبار نہیں کا جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) بلکہ انعقاد سبب اور ثبوت حکم کے وقت عصمت کی موجودگی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور بقاء کی حالت ان سے جدا ہے اور یہ اسی طرح ہوجائے گا جس طرح کسی نے بقائے یمین کی حالت میں ملکیت کا قیام کرلیا ہو۔

غیر مسلم کی دیت کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کو دیت (monetary compensation)) میں مساوی حقوق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَكُلِّ ذِمِّيٍّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ .1.عبد الرزاق، المصنف، 10 .982 - 97 :ابن رشد، بداية المجتهد، 310 : 2

یہودی، عیسائی اور ہر غیر مسلم شہری کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ امام اعظم اعظم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

:دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوسِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ .1.ابن أبى شيبة، المصنف، 407 : 5، رقم .274482 :عبد الرزاق، المصنف، 95 : 10، 97، 99

(پرامن) یہودی، عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ دِيَةَ الْمُعَاهَدِ فِيْ عَهْدِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رضى الله عنهم مِثْلُ دِيَةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ .1.شيباني، الحجة، 351 : 4، .2شافعي، الأم، 321 : 7

بے شک سیدنا ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں غیر مسلم شہری کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم شہری کے قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور یہ کتاب وسنت کی اُن نصوص کے عموم کی سبب سے ہے جو قصاص کو واجب کرتی ہیں اور دونوں (مسلمان اور غیر مسلم شہری) کے خون کی دائمی عصمت میں برابر ہونے کی

سبب سے اوراس موقف پرامام نخعی، ابن ابی لیلیٰ، شعبی اور عثمان البتی نے بھی احناف کی موافقت اختیار کی ہے۔

مکاتب کے مرتد ہوکردارالحرب میں جانے کا بیان

(وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاكْتَسَبَ مَالًا فَأُخِذَ بِمَالِهِ وَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ يُوَفَّى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ) وَهَذَا ظَاهِرٌ عَلَى أَصْلِهِمَا ؛ لِأَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهُ إذَا كَانَ حُرًّا ، فَكَذَا إذَا كَانَ مُكَاتَبًا .

وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ ، وَالْكِتَابَةُ لَا تَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوَى وَهُوَ الرِّقُّ ، فَكَذَا بِالْأَدْنَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى .

ترجمہ

اور جب کوئی مکاتب مرتد ہوکردارالحرب میں چلا گیا ہے اوراس نے مال کمایا ہے اس کے بعد وہ اپنے مال سمیت پکڑلیا گیا ہے اوروہ مسلمان ہونے سے انکارکرتا ہے۔لہذا وہ قتل کردیا گیا ہے تواس کے مال سے اس کے آقا کی مکاتبت کو پورا کیا جائے گا۔ اور جو بچ جائے گا وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔یہ مسئلہ صاحبین کی دلیل کے مطابق تو ظاہر ہے کیونکہ مرتد جب آزاد ہواس کی کمائی صاحبین کے نزدیک اسی کی ملکیت میں ہوتی ہے پس اگروہ مکاتب ہےتو تب بھی اس کی کمائی اس کی ملکیت میں ہوگی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں پر یہ حکم اس سبب سے ہے کہ کتابت کے عقد کے سبب مکاتب اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اوراس کے مرتد ہونے سے کتابت موقوف ہونے والی نہیں ہے پس اس کی کمائی بھی موقوف نہ ہوگی کیا آپ غوروفکر نہیں کرتے کہ تصرف قوی یعنی رقیت کے سبب باطل نہیں ہوا۔پس وہ کم تر کے سبب سے بدرجہ اولی باطل ہونے والانہیں ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اگر مکاتب کو (کسی جرم میں) سزادی جائے یا اسے (مالک کے فوت ہوجانے کی صورت میں اس کے) وارثوں کے حوالے کیا جائے تو ایسا کرتے ہوئے اس کا معاملہ اس کی آزادی کے تناسب سے کیا جائے۔آپ نے فرمایا، "(اگر مکاتب کو کسی حادثے میں نقصان پہنچا ہوتو) اس کی دیت کی ادائیگی اس حساب سے کی جائے گی کہ اس نے جتنے (فیصد مکاتبت کی رقم) ادا کی ہو، اسے اتنے (فیصد) آزاد سمجھا جائے گا اور جتنے (فیصد) باقی ہو، غلام سمجھا جائے گا۔(جامع ترمذی، کتاب بیوع)

مکاتب کے حقوق وفرائض کے بارے میں اگر تمام روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم مکاتب کو وہ اکثر حقوق دیے گئے ہیں جو کسی آزاد شخص کو حاصل تھے لیکن اس پر وہ ذمہ داریاں جس طرح زکوۃ، حج، جہاداور حکومتی جرمانے وغیرہ کے

معاملے میں عائد نہیں کی گئیں جو کہ آزاد افراد پر عائد کی گئی تھیں۔

حدثنا عبد الباقي بن قانع وعبد الصمد بن علي قالا نا الفضل بن العباس الصواف ثنا يحيى بن غيلان ثنا عبد الله بن بزيع عن بن جريج عن أبي الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق .(دارقطني، سنن، كتاب الزكوة)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "مکاتب کے مال میں کوئی زکوۃ نہیں ہے جب تک وہ مکمل آزاد نہ ہو جائے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو اس بات کے قائل تھے کہ مکاتبت کرتے ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور کی حیثیت سابقہ مالک کے مقروض کی سی ہو جاتی ہے اور بعض اسے ادائیگی کے تناسب سے آزاد قرار دیا کرتے تھے۔

عند ابن عباس فانه يعتق بنفس العقد وهو غريم المولى بما عليه من بدل الكتابة وعند علي رضي الله تعالى عنه يعتق بقدر ما أدى . (عيني، عمدة القاري شرح البخاري)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ معاہدہ کرتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ مالک کا مقروض ہے کیونکہ اس پر مکاتبت کی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ جتنی رقم ادا کر دے، اسی تناسب سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ قانون بنا دیا تھا کہ اگر مکاتب نصف رقم کی ادائیگی کر چکا ہو اور اس کے بعد وہ باقی رقم ادا نہ بھی کر سکے تب بھی اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ الْمَسْعُودِيِّ ، عَنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :إنَّكُمْ تُكَاتِبُونَ مُكَاتَبِينَ ، فَإِذَا أَدَّى النِّصْفَ فَلاَ رَدَّ عَلَيْهِ فِي الرِّقِّ .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حدیث (20960)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تم لوگ مکاتبت کرتے ہو، جب مکاتب آدھی رقم ادا کر دے تو پھر اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

یہی بات سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نصف رقم کی ادائیگی کے بعد مکاتب آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت ایک مقروض شخص کی ہو جایا کرتی ہے۔ (مسند ابن الجعد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مکاتب کا مالک کسی اور شخص سے رقم لے کر مکاتب کی بقیہ اقساط کو کسی اور شخص کی طرف منتقل کر دے۔ ہاں اگر وہ خود اس کی اجازت دے دے تو اسے منتقل کیا جا سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ :أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ بَيْعَ الْمُكَاتَبِ .(مصنف ابن ابی شیبة، حدیث (23054)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکاتب کے منتقل کیے جانے کو سخت ناپسند کیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مکاتب کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ پوری رقم کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے بچے ہوں تو وہ بچے آزاد ہی قرار پائیں گے۔ (بیہقی، معرفۃ السنن والآثار، کتاب المکاتب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ اگر مکاتبین رقم ادا کرنے سے عاجز آ جاتے تو وہ انہیں بالعموم رقم معاف کر کے آزاد کر دیا کرتے تھے۔

شوہر و زسبب دونوں کا مرتد ہو کر دار الحرب جانے کا بیان

(وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبِلَتْ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لِوَلَدِهِمَا وَلَدٌ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ) ؛ لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسْتَرَقُّ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا ، وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ .وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ ، وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَامِ وَهِيَ رَابِعَةُ أَرْبَعِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرِّوَايَتَيْنِ .وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ .وَالثَّالِثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ .وَالْأُخْرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ .

ترجمہ

اور جب شوہر اور زسبب دونوں نعوذ باللہ مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے گئے اور وہاں عورت حاملہ ہو گئی اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا اور اس کے بعد ان کے لڑکے کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس کے بعد مسلمانوں نے غلبہ پایا تو وہ دونوں لڑکے فئے کے حکم میں ہوں گے کیونکہ مرتدہ کو رقیق بنایا جائے گا پس اسکا لڑکا اس کے تابع ہو جائے گا اور پہلے لڑکے کو اسلام لانے کیلئے مجبور کیا جائے گا جبکہ ان کے پوتے کو اسلام لانے کیلئے مجبور نہ کیا جائے گا۔

حضرت امام حسن بن زیاد نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دادا کے تابع کرتے ہوئے اس کو بھی مجبور کیا جائے گا اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام لانے کیلئے تابع ہونا درست ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ان چار میں سے چوتھا ہے جن میں ہر مسئلہ

کے بارے میں ۲،۲، روایات ہیں۔دوسرا مسئلہ صدقہ فطر ہے۔تیسرا مسئلہ ولایت کا جاری ہونا ہے۔اور چوتھا یعنی آخری قرابت دار کیلئے وصیت کرنے کا مسئلہ ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب عورت دارالحرب میں حاملہ ہوئی ہے اور اس میں دارالحرب کی قید اتفاقی ہے۔کیونکہ جب وہ ہمارے دار میں حاملہ ہوئی اور اس کے بعد اس کو دارالحرب کے ساتھ لاحق کر دیا جائے تو اس کا جواب بھی اسی طرح ہوگا۔اور شاید اس کو اس فائدہ کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔کہ علوق حاصل ہو کیونکہ دارالحرب میں اسلام سے دور ہے جبکہ دارالاسلام میں وہ اسلام کے قریب ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸،ص ۱۶۲، بیروت)

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو اور دوسرا مسلمان رہے۔

اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تو شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خلوت سے پہلے ایسا ہو تو فوراً، اور خلوت کے بعد ہو تو عدت کی مدت ختم ہوتے ہی دونوں کا وہ نکاح ختم ہو جائے گا جو حالت اسلام میں ہوا تھا۔اس کے برعکس حنفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ قیاس یہی کہتا ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جائے، لیکن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جو فتنہ ارتداد برپا ہوا تھا اس میں ہزارہا آدمی مرتد ہوئے، پھر مسلمان ہو گئے، اور صحابہ کرام نے کسی کو بھی تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا، اس لیے ہم صحابہ کے متفقہ فیصلے کو قبول کرتے ہوئے خلاف قیاس یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ زوجین کے ایک ساتھ مرتد ہونے کی صورت میں ان کے نکاح نہیں ٹوٹتے

(المبسوط، ہدایہ، فتح القدیر، الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

اگر شوہر مرتد ہو جائے اور عورت مسلمان رہے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا، خواہ ان کے درمیان پہلے خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔لیکن شافعیہ اور حنابلہ اس میں خلوت سے پہلے اور خلوت کے بعد کی حالت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔اگر خلوت سے پہلے ایسا ہوا ہو تو فوراً نکاح ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہوا ہو تو زمانہ عدت تک باقی رہے گا، اس دوران میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو زوجیت برقرار رہے گی، ورنہ عدت ختم ہوتے ہی اس کے ارتداد کے وقت سے نکاح فسخ شدہ شمار کیا جائے گا، یعنی عورت کو پھر کوئی نئی عدت گزارنی نہ ہوگی۔چاروں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خلوت سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا ہو تو عورت کو نصف مہر، اور خلوت کے بعد پیش آیا تو پورا مہر پانے کا حق ہوگا۔

اور اگر عورت مرتد ہو گئی ہو تو حنفیہ کا قدیم فتویٰ یہ تھا کہ اس صورت میں بھی نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن بعد کے دور میں علمائے بلخ و سمرقند نے یہ فتویٰ دیا کہ عورت کے مرتد ہونے سے فوراً فرقت واقع نہیں ہوتی، اور اس سے ان کا مقصد اس امر کی روک تھام کرنا تھا کہ شوہروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے عورتیں کہیں ارتداد کا راستہ اختیار نہ کرنے لگیں۔

مالکیہ کا قول بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرائن سے یہ ثابت ہو کہ عورت نے محض شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے بطور حیلہ ارتداد اختیار کیا ہے تو فرقت واقع نہ ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں بھی قانون وہی ہے جو مرد کے ارتداد کی صورت میں ہے یعنی خلوت سے پہلے مرتد ہو تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہو تو زمانہ عدت گزرنے تک نکاح باقی رہے گا، اس دوران میں وہ مسلمان ہو جائے تو زوجیت کا رشتہ برقرار رہے گا۔ ورنہ مدت گزرتے ہی نکاح وقت ارتداد سے فسخ شمار ہوگا۔ مہر کے بارے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خلوت سے پہلے اگر عورت مرتد ہوتی ہے تو اسے کوئی مہر نہ ملے گا، اور اگر خلوت کے بعد اس نے ارتداد اختیار کیا ہو تو وہ پورا مہر پائے گی۔

(المبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر۔ المغنی۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

غیر عاقل بچے کے اسلام وارتداد میں مذاہب فقہاء

قَالَ (وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ ارْتِدَادٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يُقْتَلُ ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَا يَرِثُ أَبَوَيْهِ إِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :ارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ) وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ :إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ .

لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعٌ لِأَبَوَيْهِ فِيهِ فَلَا يُجْعَلُ أَصْلًا .وَلِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ أَحْكَامًا تَشُوبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَا يُؤَهَّلُ لَهُ .

وَلَنَا فِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَسْلَمَ فِي صِبَاهُ ، وَصَحَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْلَامَهُ ، وَافْتِخَارُهُ بِذَلِكَ مَشْهُورٌ .وَلِأَنَّهُ أَتَى بِحَقِيقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيقُ وَالْإِقْرَارُ مَعَهُ ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيلٌ عَلَى الِاعْتِقَادِ عَلَى مَا عُرِفَ وَالْحَقَائِقُ لَا تُرَدُّ ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةٌ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقْبَاوِيَّةٌ ، وَهِيَ مِنْ أَجَلِّ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ ، ثُمَّ يُبْتَنَى عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَا يُبَالِي بِشَوْبِهِ .

وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ أَنَّهَا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ فِيهَا أَنَّهَا مَوْجُودَةٌ حَقِيقَةً ، وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ ، إلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيهِ مِنْ النَّفْعِ لَهُ ، وَلَا يُقْتَلُ ؛ لِأَنَّهُ عُقُوبَةٌ ، وَالْعُقُوبَاتُ مَوْضُوعَةٌ عَنْ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةً عَلَيْهِمْ .وَهَذَا فِي الصَّبِيِّ

اَلَّذِی یَعْقِلُ .

ترجمہ

فرمایا: طرفین کے نزدیک نابالغ سمجھدار بچے کے ارتداد کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کو اسلام قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جائے گا مگر اس کو قتل نہ کیا جائے گا اور اس کے اسلام قبول کرنے کا اعتبار بھی کرلیا جائے گا اسی دلیل کے سبب کہ جب اس کے والدین کافر ہوں تو وہ ان کا وارث نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے مرتد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جبکہ اس کا مسلمان ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام زفر علیہما الرحمہ نے فرمایا: کہ اس کا مسلمان ہونا اور مرتد ہونا کسی کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا اسلام میں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے۔ پس مسلمان ہونے میں اس کو اصل قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کو مسلمان تسلیم کرلینے سے اس پر بعض ایسے احکام لازم ہوں گے جن سے اس کا نقصان ہے کیونکہ وہ اسلام لانے کی اہلیت رکھنے والا نہیں ہے۔

اسلام لانے کے بارے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے بچپن میں اسلام کو قبول کیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے ان کے اسلام کو باقی رکھا اور صحیح تسلیم کرلیا اور اس پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فخر مشہور ہے کیونکہ بچے کے اسلام کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لہذا وہ بھی اسلام کی حقیقت کو بجالانے والا ہے یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے والا ہے کیونکہ خوشی سے اقرار کرنا یہ اس کے اعتقاد کی دلیل ہے جس طرح بتایا جاچکا ہے اور حقائق کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ جبکہ اسلام کے بارے میں دائمی سعادت اور آخرت کی نجات یہی اسلام کا اصلی حکم ہے اور دوسری تمام اشیاء اسی پر مبنی ہیں پس نقصان کی کوئی پرواہ نہ کی جائے گی

اور ارتداد کے بارے میں مذکورہ فقہاء کی دلیل کہ یہ صرف نقصان ہی نقصان ہے یہ خلاف اسلام کے جس پر امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی اصل ہے کیونکہ اس سے منافع بڑے منسلک ہوتے ہیں جس طرح بیان کیا جاچکا ہے۔

ارتداد کے بارے میں طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس کا پایا بطور حقیقت کے ہے جس کو رد نہیں کیا جاسکتا جس طرح ہم اسلام کے بارے میں بیان کرچکے ہیں۔ مگر اسکو اسلام پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اس میں فائدہ موجود ہے اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قتل سزاء ہے اور کرم کے سبب بچوں سے سزاؤں کو اٹھالیا گیا ہے اور یہ حکم اس بچے کے بارے میں ہے جو سمجھ دار ہے جبکہ ناسمجھ بچوں کا ارتداد بھی صحیح نہیں ہے اور پاگل اور ناسمجھ بے ہوش کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

شرح

اگر کوئی صاحب عقل لڑکا مرتد ہوجائے تو اس کا مرتد ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کے نزدیک معتبر ہوگا لہذا اس کو دائرہ اسلام میں آجانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحب عقل

لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ ہے اور وہ اچھے اور برے میں اور میٹھے اور کڑوے میں تمیز کر سکتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔

جادو کرنے والے کی شرعی حیثیت میں مذاہب اربعہ

وزیر ابوالمظفر یحیٰی بن محمد بن ہبیر رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الاشراف علی مذاہب الاشراف" میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے لیکن اعظم رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہیں جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام اعظم رضی اللہ عنہ امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتاتے ہیں) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لیے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے۔ وہ کافر ہے۔

اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اور اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔

امام مالک اور امام احمد کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا وہیں اسے قتل کر دیا جائے امام شافعی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بسبب حد کے ہے مگر امام شافعی کا بیان ہے کہ بسبب قصاص کے ہے۔

امام مالک امام ابوحنیفہ اور ایک مشہور قول میں امام احمد کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعی کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔

امام احمد کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادوگر بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے لبید بن اعصم یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو تو اس کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ قید کر دی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے واللہ اعلم حضرت زہری کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر اگر وہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے اس جادوگر کو جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں اسے چاروں امام کافر کہتے ہیں چونکہ قرآن میں ہے فلا تکفر امام مالک فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پا لیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوگی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی اگر اس کے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہرصورت مارا جائے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا

جائے۔ جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن میسب نے اجازت دی ہے جس طرح صحیح بخاری شریف میں ہے عامر شعبی بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلاتے لیکن خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہا آپ کیوں جادو کو افشاء نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی اور میں لوگوں پر برائی افشاء کرنے سے ڈرتا ہوں۔

حضرت وہب فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کر دیا جائے انشاءاللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز آیت (قل اعوذ برب الناس) اور آیت (قل اعوذ برب الفلق) کی سورتیں ہیں حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۱۰۲)

خواہ کسی شخص کو جادو کے ذریعے پاگل یا بے ہوشی ہوئی ہو تو اس کا حکم بھی مذکورہ مسئلہ کے مطابق ہی ہوگا۔

بَابُ الْبُغَاةِ

﴿یہ باب باغیوں کے بیان میں ہے﴾

باب بغات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب بغات کو مرتدین کے باب سے مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ بغاوت کو وجود قلیل ہے اور بغات باغ کی جمع ہے جس طرح قَاض کی جمع قُضَاۃِ ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۱۵۰، بیروت)

بغاوت کی لغوی تعریف

بغاوت البغی سے مشتق ہے اور البغی لغوی طور پر کبھی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تعدی (ظلم وزیادتی) کے لئے۔ اصطلاحِ فقہاء میں بغاوت سے مراد ایسی حکومت کے احکام کو نہ ماننا اور اس کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جس کا حق حکمرانی قانون کے مطابق قائم ہوا ہو۔ (لسان العرب (مادة بغی)، 78 .75 : 14)

بغی کا مادہ ب، غ اور ی ہے اور اس کی اصل دو چیزیں ہیں۔ پہلا معنی کسی چیز کا طلب کرنا ہے جبکہ دوسرے معنی کے مطابق یہ فساد کی ایک قسم ہے۔ دوسرے معنی کی مثال دیتے ہوئے اہل زبان کا کہنا ہے :بغی الجرح، زخم فساد کی حد تک بڑھ گیا یعنی بہت زیادہ خراب ہوگیا۔ اسی سے اس نوعیت کے دیگر الفاظ مشتق ہوتے ہیں مثلا بَغیٌ بری عورت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ شرم وحیا کی حدیں پھلانگ کر بدکاری کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور اسی مادے سے بَغیٌ کا معنی ایک انسان کی طرف سے دوسرے پر ظلم وزیادتی ہے۔ جب بغاوت کسی شخص کی عادت بن جائے تو اس سے فساد خود بخود جنم لیتا ہے؛ اور (اسی لیے) بغی ظلم کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی (م 970ھ) بغاوت کی تعریف میں لکھتے ہیں :البغاة باغی کی جمع ہے۔ بغی علی الناس کا معنی ہے: اس نے لوگوں پر ظلم اور زیادتی کی ہے۔ بغی کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے فساد پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی سے فرقہ باغیہ ہے کیونکہ وہ راہ راست سے ہٹ گیا ہے۔ اور فئۃ باغیۃ کا معنی مسلم ریاست 2)) کی اتھارٹی تسلیم نہ کرنے والا گروہ ہے۔

(البحر الرائق، 150 : 5)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لغت کی رو سے بغی کا معنی ہے : طلب کرنا مثلاً ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے اور عرف میں اس سے مراد ناجائز ظلم وستم کرنا ہے۔ (درمختار، ج ۴، ص ۲۶۱، بیروت)

فقہاء احناف کے مطابق بغاوت کی تعریف کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہاء کے ہاں عرف عام میں آئین وقانون کے مطابق قائم ہونے والی حکومت کے نظم اور اتھارٹی کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والے کو باغی (دہشت گرد) کہا جاتا ہے۔حکومت وقت کے نظم کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو طاقت کے بل بوتے یا طاقت کے بغیر بلا تاویل حکومت کی اتھارٹی اور نظم سے خروج کرنے والے ہیں اور لوگوں کا مال لوٹتے ہیں، انہیں قتل کرتے ہیں اور مسافروں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں، یہ لوگ راہزن ہیں۔

دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس غلبہ پانے والی طاقت وقوت تو نہ ہو لیکن مسلح بغاوت کی غلط تاویل ہو، پس ان کا حکم بھی راہزنوں کی طرح ہے۔اگر یہ قتل کریں تو بدلہ میں انہیں قتل کیا جائے اور پھانسی چڑھایا جائے اور اگر مسلمانوں کا مال لوٹیں تو ان پر شرعی حد جاری کی جائے۔

تیسری قسم کے باغی وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت وقوت اور جمعیت بھی ہو اور وہ کسی من مانی تاویل کی بناء پر حکومت کی اتھارٹی اور نظم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور ان کا یہ خیال ہو کہ حکومت باطل ہے اور کفر ومعصیت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ان کی اس تاویل کے باوجود حکومت کا ان کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہوتا ہے۔ایسے لوگوں پر خوارج کا اطلاق ہوتا ہے جو مسلمانوں کے قتل کو جائز اور ان کے اموال کو حلال قرار دیتے تھے اور مسلمانوں کی عورتوں کو قیدی بناتے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکفیر کرتے تھے۔جمہور فقہاء اور ائمہ حدیث کے ہاں ان کا حکم بھی خوارج اور باغیوں کی طرح ہی ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت تو کی لیکن ان چیزوں کو مباح نہ جانا جنہیں خوارج نے مباح قرار دیا تھا جس طرح مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کی اولادوں کو قیدی بنانا وغیرہ۔یہی لوگ باغی ہیں۔

(فتح القدیر، ج ۵،ص ۳۴۰، بیروت)

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی (م 970ھ) باغی دہشت گردوں کی تعریف یوں کرتے ہیں۔جہاں تک باغیوں کا تعلق ہے تو یہ مسلمانوں میں سے وہ لوگ ہیں جو قانونی طریقے سے قائم ہونے والی حکومت کے خلاف مسلح ہو کر مقابلے میں نکل آتے ہیں، بے شک جس چیز کو خوارج نے حلال قرار دیا ہے یہ اس کو حلال قرار نہ دیتے ہوں مثلاً مسلمان کا خون بہانا اور ان کی اولادوں کو قید کرنا۔ (سو یہی لوگ باغی کہلاتے ہیں۔)(البحرالرائق فی شرح الکنز الدقائق، 151 : 5)

علامہ ابن عابدین (م 1252ھ) نے بغاوت کی تعریف اس طرح کی ہے۔باغیوں سے مراد ہر وہ گروہ ہے جس کے پاس مضبوط ٹھکانے اور طاقت ہو اور وہ غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لوگوں کو منظم کر کے مسلم ریاستوں کے خلاف (خود ساختہ) تاویل کی بناء پر جنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور وہ حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(ردمحتار، ج ۴،ص ۲۶۲، بیروت)

فقہائے مالکیہ کے مطابق بغاوت کی تعریف

امام محمد بن احمد بن جزی الکلبی الغرناطی (م741ھ) نے القوانین الفقھیة میں لکھا ہے۔ باغی وہ لوگ ہیں جو مسلم ریاست کے خلاف خودساختہ تاویلات کی بناء پر مسلح بغاوت کرتے ہیں یا اس کی اتھارٹی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ حق ادا نہیں کرتے جس کی ادائیگی (بطور پُرامن شہری) ان کے ذمہ لازم تھی جیسا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی یا اس طرح کے دیگر واجبات (القوانین الفقھیة، ۴۳۶)

امام دسوقی المالکی نے حاشیۃ علی الشرح الکبیر کے باب ذکر فیه البغی وما یتعلق به میں لکھا ہے: لغت کی رو سے بغاوت کا معنی سرکشی ہے اور بغی فلان علی فلان کا مطلب ہے: فلاں نے فلاں پر سرکشی کی۔ اور ابن عرفہ نے فرمایا: شرعی طود پر کسی قانونی حکومت پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی اتھارٹی سے ان کاموں میں انکار کرنا بغاوت کہلاتا ہے جو معصیت نہ ہوں، اگرچہ وہ بغاوت کسی تاویل کی بناء پر ہی کیوں نہ ہو۔

فقہائے شافعیہ کے مطابق بغاوت کی تعریف

امام نووی (م676ھ) شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علماء کی اصطلاح میں باغی مسلم حکومت کے اس مخالف کو کہتے ہیں جو اس کی اتھارٹی تسلیم نہ کرے اس طرح کہ جو اس پر یا دوسروں پر واجب ہے وہ مشروط طور پر روک لے۔ (روضۃ الطالبین، 50 : 10)

علامہ زکریا انصاری الشافعی (م926ھ) دہشت گرد باغیوں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: باغی وہ لوگ ہیں جو تاویل باطل کا سہارا لیتے ہوئے اپنی قوت و طاقت کی بناء پر حکومت کی مخالفت کریں۔ (ان کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے) ان کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے۔ خوارج تو ایسی قوم ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ اکٹھا ہونے کو ترک کر دیتے ہیں۔ مگر ان سے اس وقت تک جنگ نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ خود جنگ میں پہل نہ کریں۔

(منہج الطلاب، 123 : 1)

امام شربینی (م977ھ) لکھتے ہیں: البغاۃ: باغ کی جمع ہے۔ البغیؔ کا معنی ظلم ہے اور حد سے تجاوز کرنا بھی۔ باغیوں کو باغی اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ وہ ظلم بھی کرتے ہیں اور حق سے بھی ہٹ جاتے ہیں۔ اس میں اَصل یہ آیہ کریمہ ہے: (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں)۔ اِس میں صراحتاً حکومت کے خلاف خروج کا ذکر تو نہیں لیکن یہ آیت مبارکہ اپنے عموم کی سبب سے خروج کو شامل ہے یا اس خروج کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے کہ جب ایک گروہ کا دوسرے کے خلاف بغاوت کے سبب جنگ کرنا واجب ہے تو حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف جنگ تو بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی اور وہ حکومت مخالف مسلمان ہیں اگرچہ وہ حکومت ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے حکومت کی اتھارٹی کو تسلیم نہ کر کے اس کے نظم سے خروج کیا ہے یا ان حقوق کی ادائیگی سے انکار کر دیا جو ان پر لازم تھی جس طرح زکوٰۃ۔ اہل بغاوت کے ساتھ وجوبی طور پر جنگ کی جائے گی جیسا

کہ مذکورہ آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے۔ (الإقناع، 547 : 2)

فقہائے حنابلہ کے مطابق بغاوت کی تعریف

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ (م620ھ) نے بغاوت کی تعریف میں لکھا ہے: مسلمانوں کا ایک گروہ جس نے حکومتِ وقت کے خلاف بہ ظاہر پر کشش تاویل کی بناء پر بغاوت کی اور حکومت کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کے پاس محفوظ ٹھکانے اور اسلحہ و طاقت تھی (اسے باغی کہا جاتا ہے)۔ (الکافی، 147 : 4)

علامہ ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ حنبلی (م587ھ) نے باغیوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: تمام ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جب طاقت اور مضبوط ٹھکانوں والا کوئی گروہ کسی مشتبہ تاویل کی بناء پر مسلم حکومت کے نظم سے نکل جائے تو اس کے ساتھ جنگ کرنا مباح ہے یہاں تک کہ وہ واپس (حکومت کے نظم کی اطاعت) لوٹ آئے۔ (الإفصاح402)

محمد بن مفلح المقدسی حنبلی (م763ھ) لکھتے ہیں: باغی وہ لوگ ہیں جو بہ ظاہر پر کشش تاویل کی بناء پر حکومتِ وقت کے خلاف خروج کریں اور ان کے پاس قوت و طاقت یعنی اسلحہ اور افرادی قوت خوب ہو اور ان کی جماعت چھوٹی نہ ہو۔ اس میں امام ابوبکر (المروزی) کا اختلاف ہے۔ اور اگر کوئی ایک شرط مفقود ہو تو ان کو راہزن کہیں گے اور الترغیب میں لکھا ہے کہ اس وقت تک طاقت وقوت کی شرط پوری نہیں ہوتی جب تک اس جماعت کے اندر ایک لیڈر نہ ہو۔ اور سلطنت کے کسی ایک کونے میں ان کی عمل داری اور قبضہ وتصرف کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ (الفروع، 147 : 6)

امام ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن مفلح حنبلی (م884ھ) لکھتے ہیں۔ البغی (بغاوت) بغی یبغی بغیا سے مصدر ہے، جب کوئی زیادتی کرے تو اسے باغی کہا جاتا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جو حکومت وقت کے خلاف سرکشی کرتے ہوئے اس کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں۔ (المبدع، 159 : 9، 160)

علامہ مرعی بن یوسف حنبلی (م1033ھ) نے لکھا ہے: باغی وہ لوگ ہیں جو اپنی خود ساختہ تاویل کی بنا پر حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرتے ہیں خواہ وہ حکومت غیر عادل ہی ہو۔ اور ان کے پاس طاقت، ہتھیار اور محفوظ ٹھکانے ہوں اگر چہ ان میں کوئی مُطاع (leader) نہ ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان حکومت کے خلاف مسلح بغاوت حرام ہے اگر چہ وہ حکومت غیر عادل ہی کیوں نہ ہو۔ (غاية المنتهى، 348 : 3)

علامہ بہوتی حنبلی (م1051ھ) نے كشاف القناع عن متن الإقناع کے باب جنگ أهل البغی میں فرمایا ہے: یہ بغی یبغی سے مصدر ہے کہ جب کوئی سرکشی کرے اور یہاں اس سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جو حکومت کے نظم سے سرکشی کے ساتھ خروج کرتے ہیں۔ (كشاف القناع عن متن الإقناع، 158 : 6)

مسلمانوں کے گروہ کا غلبہ پانے کا بیان

(وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ) لِأَنَّ عَلِيًّا فَعَلَ كَذَلِكَ بِأَهْلِ حَرُورَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ ، وَلِأَنَّهُ أَهْوَنُ الْأَمْرَيْنِ .وَلَعَلَّ الشَّرَّ يَنْدَفِعُ بِهِ فَيَبْدَأُ بِهِ .(وَلَا يَبْدَأُ بِقِتَالٍ حَتَّى يَبْدَءُوهُ ، فَإِنْ بَدَءُوهُ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ : هَكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ .

ترجمہ

جب مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی علاقہ پر قبضہ جمالے اور مسلم ریاست کے نظم اور اتھارٹی کو چیلنج کردے تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ انہیں اپنی عمل داری میں آنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات کا ازالہ کرے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے ایسا ہی کیا تھا کیونکہ یہ دو کاموں (جنگ اور مذاکرات) میں سے آسان کام ہے اور اس لئے بھی کہ شاید فتنہ اس سے ختم ہو جائے۔ سو اسی سے آغاز کیا جائے اور جنگ کی ابتداء نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ اس میں پہل کریں۔ پس اگر وہ جنگ میں پہل کرتے ہوئے ہتھیار اٹھالیں تو ان کے ساتھ خوب لڑائی کرو یہاں تک کہ ان کی جمعیت منتشر ہو جائے اور ان کی قوت کا خاتمہ ہو جائے۔ صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ صاحب قدوری نے اپنی مختصر میں یہی ذکر کیا ہے۔

باغی کے دہشت گرد، کافر و مرتد ہونے کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محدثین کرام کے ایک طبقہ کے مطابق باغی دہشت گرد کافر اور مرتد ہیں اور ان کا حکم مرتدین جیسا ہوگا، اُن کے خون اور مال کو مباح قرار دیا جائے گا۔ اگر وہ اپنے آپ کو ایک جگہ محدود کر لیں اور ان کے پاس قوت اور محفوظ پناہ گاہیں ہوں تو وہ لوگ برسر پیکار کفار کی طرح اہلِ حرب ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ حکومتِ وقت کے دائرۂ اختیار میں ہوں تو انہیں توبہ کا موقع دیا جائے گا، اگر وہ توبہ کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی اور ان کے مال مالِ فئے شمار ہوں گے، ان کے مسلمان ورثاء ان کے وارث نہیں ہوں گے۔ (المغنی، ج ۴، ص ۱۰۱، بیروت)

امام بغوی نے علی الاطلاق کہا ہے کہ اگر وہ جنگ کریں تو وہ فاسق اور جھوٹے لوگ ہیں۔ پس ان کا حکم ڈاکوؤں کے حکم کی طرح ہوگا۔ یہ مذہب اور نص کی ترتیب ہے، یہی جمہور نے کہا ہے۔ امام بغوی نے خوارج کی تکفیر میں بیان کیا ہے کہ اس میں دو صورتیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے: اگر ہم ان کو کافر قرار نہ دیں تو ان کے لئے مرتدین کا حکم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن پر باغیوں کا حکم عائد ہوگا۔ پھر اگر ہم اُنہیں مرتدین کی طرح کہیں تو ان کے اَحکام نافذ نہیں کئے جائیں گے۔

(روضۃ الطالبین، 51 : 10، 52)

اہل بغات کے شبہات کو دور کرنے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام نسفی کا یہ کہنا کہ وہ مسلمان قوم ہیں جو مسلم حکومت کی اطاعت سے نکل آئے اور کسی شہر پر انہوں نے غلبہ حاصل کر لیا تو ان کو حاکم وقت بلائے اور ان کے شبہات کو دور کرے۔ ان سے ان کے خروج کا سبب معلوم کرے۔ اگر حاکم کی طرف سے ظلم ہو رہا ہے تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ اگر وہ لوگ اصرار کرتے ہوئے کہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں یعنی باقی لوگ گمراہ ہیں اور حکومت کا حق صرف ہمیں حاصل ہے تو یہ باغی لوگ ہیں اور ایسے باغیوں کی سزا مرتدین کی طرح ہوگی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء کے ساتھ لڑنے سے پہلے یہی عمل کیا تھا اور اس لئے بھی کہ یہ لڑائی اور مذاکرات میں سے آسان طریقہ ہے۔ ممکن ہے کہ شر اس سے دور ہو جائے اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائے، اس لئے اسی سے ابتدا کرنا بہتر اور مستحب ہے مگر لازم نہیں۔ کیونکہ اگر مسلمان حکومت انہیں جماعت کی طرف پلٹ آنے کی دعوت نہ بھی دے اور ان سے جنگ کرے تو بھی حکومت پر شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ جنگ کس سبب سے ہو رہی ہے۔ ان کا حال مرتدوں اور اہل حرب کافروں جیسا ہے جن کے پاس دعوت پہنچ چکی ہے۔ (البحر الرائق، 151 : 5)

علامہ عبد الرحمن جزیری لکھتے ہیں۔ کہ اگر لوگوں کا ایک گروہ مسلمان حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادئیگی میں رکاوٹ پیدا کرے یا حکومت کی معزولی کے ارادے سے اس کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کرے خواہ یہ حکومت خطا کار ہی ہو تو حکومت وقت پر لازم ہے کہ ان سرکشوں کو انجام بد سے ڈرائے اور انہیں حکومت کی اتھارٹی اور نظم کو ماننے کی دعوت دے، پس اگر وہ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کی حاکمیت کی طرف پلٹ آئیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے اور اگر وہ حکومت کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کریں تو حکومت ان کے خلاف جنگ کرے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة، 419 : 5)

باغیوں سے جنگ کرنے میں فقہی اختلاف کا بیان

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إذَا تَعَسْكَرُوا وَاجْتَمَعُوا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَجُوزُ حَتَّى يَبْدَءُوا بِالْقِتَالِ حَقِيقَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُونَ ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ ؛ لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيحٌ عِنْدَهُ .

وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ الِاجْتِمَاعُ وَالِامْتِنَاعُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَوْ انْتَظَرَ الْإِمَامُ حَقِيقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَّمَا لَا يُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ دَفْعِ شَرِّهِمْ ، وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُونَ السِّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُونَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتَّى يُقْلِعُوا عَنْ ذَلِكَ وَيُحْدِثُوا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .

وَالْمَرْوِیُّ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ مِنْ لُزُومِ الْبَیْتِ مَحْمُولٌ عَلَى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنَ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغَنَاءِ وَالْقُدْرَةِ.

ترجمہ

فقہ کے امام جو خواہر زادہ کے نام سے معروف ہیں انہوں نے فرمایا: جب باغی کوئی اپنا لشکر بنائیں اور جنگ کیلئے ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو امام کیلئے ان سے جنگ کرنا جائز ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ پہلے ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ یقینی طور پر پہلے حملہ کریں کیونکہ مسلمانوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جبکہ دفاع کیلئے جائز ہے اور باغی بھی (نہ جاننے والے لوگ ان میں سے بعض) مسلمان ہیں۔ بہ خلاف کافر کے کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نفس کفر جنگ کو مباح کرنے والا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا دارومدار دلیل پر ہوگا اور یہاں پر ان کا اکٹھا ہونا اور امام کی اطاعت سے انکار کرنا ہی دلیل ہے۔ کیونکہ جب امام حقیقت میں جنگ کرنے کا انتظار کرے گا تو اس طرح کبھی بھی نہ ہو سکے گا اور نہ ہی امام کیلئے دفاع کرنا ممکن ہوگا۔ پس ان لوگوں کے شر کو دور کرنے کیلئے یہاں حکم کا دارومدار دلیل کے مطابق ہوگا۔ اور جب امام کو یہ خبر پہنچی کہ بغاوت کرنے والے اسلحہ خرید کر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو امام کو چاہیے کہ ان کو گرفتار کر قید میں ڈال دے حتیٰ کہ وہ لوگ اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں یہاں تک کہ حتیٰ الامکان شر دور ہو جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت مشہور ہے کہ عام فتنے کے وقت گھروں میں بیٹھ جانا چاہیے یہ اس روایت کا محل یہ ہے کہ جب امام نہ ہو۔ جبکہ امام برحق کی مدد کرنا اور حتیٰ الامکان طاقت وقدرت سے ضروری ہے۔

حکومت سے بغاوت کے ناجائز ہونے کا بیان

ہم حکومت وسلطنت کے خلاف عسکری بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے خواہ وہ خطا کار ہی ہو۔ اور نہ ہی ان کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہیں۔

امام ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی عبارت کی شرح میں صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح حکم ہے کہ اگر امراء وحکام شرار اور لائق نفرت بھی ہوں، تب بھی جب تک مسلمان ہیں ان کے خلاف مسلح بغاوت اور خروج جائز نہیں۔

اسی طرح حکم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا ینزعن یداً من طاعته (تم حکومت کی حاکمیت اور اتھارٹی سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچنا) کو بھی انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ (العقیدة الطحاویة، رقم 71 :، 72)

امام ابن ابی العز حنفی نے لکھتے ہیں۔ کہ کتاب وسنت کے احکامات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حکومت وقت کی اس وقت

تک اطاعت لازم ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کریں: تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبان امر کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم رسول کی اطاعت کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم صاحبان امر کی اطاعت کرو کیونکہ اولوالامر اطاعت کے ساتھ منفرد اور خاص نہیں ہے بلکہ ان کی اطاعت اسی معاملے میں کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے تحت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فعل اطاعت کو صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دہرایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں جبکہ حکام کی اطاعت اسی امر میں کی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہو۔ ہاں ان کے ظالم ہونے کے باوجود ان کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے مفاسد کے باعث ان کے خلاف مسلح خروج اور بغاوت، ان کی ناانصافیوں کی سبب سے جنم لینے والی خرابیوں سے کئی گنا زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگی (اس لئے بڑی تباہی اور نقصان سے بچنا لازم ہے)۔

(شرح عقیدۃ الطحاوی، ص ۳۸۰)

باغیوں کے مددگاروں کے قتل کا بیان

(فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَأُتْبِعَ مُوَلِّيهِمْ) دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْ لَا يَلْحَقُوا بِهِمْ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيهِمْ) لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُونَهُ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الْحَالَيْنِ ؛ لِأَنَّ الْقِتَالَ إذَا تَرَكُوهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا . وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيلُهُ لَا حَقِيقَتُهُ .

ترجمہ

اور جب ان باغیوں کی کوئی جماعت مدد کرنے والی ہو تو ان کے زخمیوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان میں سے بھاگنے والوں کو پیچھا کرتے ہوئے ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا تاکہ فساد کو ختم کیا جائے کیونکہ وہ بھاگنے والے باغیوں سے نہ مل سکیں۔ اور جب ان کی مددگار کوئی جماعت نہ ہو تو پھر ان کے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے گا اور نہ ان میں سے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے گا کیونکہ اس عمل کے بغیر ہی ان کا فساد دور ہو چکا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ دونوں احوال میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جب باغیوں نے جب جنگ کرنا ترک کر دی ہے تو ان کا قتل کرنا دفاع کے طور پر نہ ہوگا اور اس کا جواب وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہاں جنگ کی دلیل کا اعتبار کیا گیا ہے حقیقت جنگ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

باغیون پر سختی کرنے کا بیان

شمس الائمہ امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس وقت ہر اس شخص پر جو جنگ میں شرکت کرنے کی طاقت اور قوت رکھتا ہو

واجب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق (پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے) باغیوں کے خلاف مسلم حکومت کی مدد کرے۔ یہاں امر، وجوب کے لئے آیا ہے کیونکہ خروج و بغاوت کرنے والوں نے مسلمانوں کو اذیت دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اسی طرح تکلیف واذیت کو دور کرنا دین کے امور میں سے ہے اور ان کا یہ خروج معصیت کے زمرہ میں آتا ہے۔ سو ان کے خلاف جہاد کرنا نہی عن المنکر ہے جو کہ فرض ہے کیونکہ وہ فتنہ کو ہوا دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فتنہ سویا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت بھیجے جس نے اسے جگایا۔ اور جو صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان اقدس سے ملعون قرار پا چکا اس کے خلاف جہاد کیا جانا چاہیے۔
(المبسوط، 124 : 10)

باغیوں کی اولاد کو قید نہ کرنے کا بیان

(وَلَا يُسْبَى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ) لِقَوْلِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْجَمَلِ :وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرٌ وَلَا يُكْشَفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ ، وَهُوَ الْقُدْوَةُ فِي هَذَا الْبَابِ .وَقَوْلُهُ فِي الْأَسِيرِ تَأْوِيلُهُ إذَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيرَ ، وَإِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَلِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ وَالْإِسْلَامُ يَعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ

ترجمہ

اور باغیوں کی اولاد کی قیدی نہیں بنایا جائے گا اور ان کے اموال کو بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ جنگ جمل کے دن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے قیدیوں میں سے کسی قیدی نہ بنایا جائے اور نہ ہی کسی عورت کی بے عزتی اور نہ پردہ دری کی جائے اور ان کا مال بھی نہ لوٹا جائے اور اس باب میں ہمارے رہنما وہی (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) ہیں۔ اور قیدی کے بارے میں ان کے فرمان کی توجیہ یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب ان کیلئے کوئی حمایتی جماعت نہ ہو اور جب ان کی کوئی حمایتی جماعت ہے تو پھر امام قیدی کو قتل کر دے یا وہ چاہے تو اس کو قیدی بنا کر رکھے کیونکہ یہ لوگ مسلمان ہیں (بہ ظاہر) اور اسلام جان و مال کی حفاظت کرنے والا ہے۔

اہل اسلام کو آپس لڑنے کی ممانعت کا بیان

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑیں، بلکہ فرمایا یہ ہے کہ اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں۔ ان الفاظ سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول نہیں ہے اور نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ان سے یہ امر متوقع ہے کہ وہ مومن ہوتے ہوئے آپس میں لڑا کریں گے۔ البتہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس صورت میں وہ طریق کار اختیار کرنا چاہیے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ بریں گروہ کے لیے بھی فرقہ کے بجائے طائفہ کا لفظ

استعمال کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں فرقہ بڑے گروہ کے لیے اور طائفہ چھوٹے گروہ کے لیے بولا جاتا ہے اس سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ حالت ہے جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں کا مبتلا ہو جانا متوقع نہیں ہونا چاہیے۔

اس حکم کے مخاطب وہ تمام مسلمان ہیں جو ان دونوں گروہوں میں شامل نہ ہوں، اور جن کے لیے ان کے درمیان صلح کی کوشش کرنا ممکن ہو۔ دوسرے الفاظ میں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کی اپنی ملت کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں اور وہ بیٹھے ان کی لڑائی کا تماشا دیکھتے رہیں۔ بلکہ یہ افسوسناک صورت حال جب بھی پیدا ہو، تمام اہل ایمان کو اس پر بے چین ہو جانا چاہیے اور ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لیے جس کے بس میں جو کوشش بھی ہو وہ اسے صرف کر ڈالنی چاہیے۔ فریقین کو لڑائی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ انہیں خدا سے ڈرایا جائے۔ بااثر لوگ فریقین کے ذمہ دار آدمیوں سے جا کر ملیں۔ نزاع کے اسباب معلوم کریں۔ اور اپنی حد تک ہر وہ کوشش کریں جس سے ان کے درمیان مصالحت ہو سکتی ہو۔

یعنی مسلمانوں کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں اور جس پر زیادتی کی جا رہی ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں، یا الٹا زیادتی کرنے والے کا ساتھ دیں۔ بلکہ ان کا فرض یہ ہے کہ اگر لڑنے والے فریقین میں صلح کرانے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں، تو پھر یہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے اور زیادتی کرنے والا کون۔ جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور جو زیادتی کرنے والا ہو اس سے لڑیں۔ اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لیے یہ واجب ہے اور جہاد کے حکم میں ہے اس کا شمار اس فتنے میں نہیں ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ القائم فیھا خیر من الماشی والقاعد فیھا خیر من القائم (اس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے، اور بیٹھ جانے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے)۔ کیونکہ اس فتنے سے مراد تو مسلمانوں کی وہ باہمی لڑائی ہے جس میں فریقین عصبیت اور حمیت جاہلیہ اور طلب دنیا کے لیے لڑ رہے ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی حق پر نہ ہو۔ رہی یہ لڑائی جو زیادتی کرنے والے گروہ کے مقابلہ میں برسر حق گروہ کی حمایت کے لیے لڑی جائے، تو یہ فتنے میں حصہ لینا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ تمام فقہاء کا اس کے وجوب پر اتفاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اس کے واجب ہونے پر کوئی اختلاف نہ تھا (احکام القرآن للجصاص)۔ بلکہ بعض فقہاء تو اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیتے ہیں اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا زمانہ خلافت کفار سے جہاد کرنے کے بجائے باغیوں سے لڑنے میں صرف کر دیا (روح المعانی)۔ اس کے واجب نہ ہونے پر اگر کوئی شخص اس بات سے استدلال کرے کہ حضرت علیؓ کی ان لڑائیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر اور بعض دوسرے صحابہ نے حصہ نہیں لیا تھا تو وہ غلطی پر ہے۔ ابن عمر خود فرماتے ہیں کہ: ماوجدت فی نفسی من شیء ما وجدت من ھذہ الآیۃ انی لم اقاتل ھذہ الفئۃ کما امرنی اللہ تعالیٰ، (المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، باب الدفع عمن قعد واعن بیعۃ علی) مجھے اپنے دل میں کسی بات پر اتنی زیادہ کھٹک نہیں ہوئی جتنی اس آیت کی سبب سے ہوئی کہ میں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس باغی گروہ سے جنگ نہ کی۔

زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرنے کا حکم لازماً یہی معنی نہیں رکھتے کہ اس کے خلاف ہتھیاروں سے جنگ کی جائے اور ضرور اس کو قتل ہی کیا جائے۔ بلکہ اس سے مراد اس کے خلاف طاقت کا استعمال کرنا چاہیے، اور اصل مقصود اس کی زیادتی کا ازالہ ہے۔ اس مقصد کے لیے جس طاقت کا استعمال ناگزیر ہو اسے استعمال کرنا چاہیے اور جتنی طاقت کا استعمال کافی ہو، نہ اس سے کم استعمال کرنی چاہیے نہ اس سے زیادہ۔

اس حکم کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو طاقت استعمال کر کے زیادتی کا ازالہ کرنے پر قادر ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ لڑائی باغی (زیادتی کرنے والے گروہ) کو بغاوت (زیادتی) کی سزا دینے کے لیے نہیں ہے بلکہ اسے اللہ کے حکم کی طرف پلٹنے پر مجبور کرنے کے لیے ہے۔ اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی رو سے جو بات حق ہو اسے یہ باغی گروہ قبول کر لینے پر آمادہ ہو جائے اور جو طرز عمل اس میزان حق کی رو سے زیادتی قرار پاتا ہے اس کو چھوڑ دے۔ جوں ہی کہ کوئی باغی گروہ اس حکم کی پیروی پر راضی ہو جائے، اس کے خلاف طاقت کا استعمال بند ہو جانا چاہیے، کیونکہ یہی جنگ کا مقصود اور اس کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد مزید دست درازی کرنے والا خود زیادتی کا مرتکب ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی رو سے ایک نزاع میں حق کیا ہے اور زیادتی کیا، تو لامحالہ اس کو طے کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو امت میں اور علم اور بصیرت کے لحاظ سے اس کی تحقیق کرنے کے اہل ہوں۔

محض صلح کرا دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے جو حق اور باطل کے فرق کو نظر انداز کر کے محض لڑائی روکنے کے لیے کرائی جائے اور جس میں برسر حق گروہ کو دبا کر زیادتی کرنے والے گروہ کے ساتھ بے جا رعایت برتی جائے۔ صلح وہی صحیح ہے جو انصاف پر مبنی ہو۔ اسی سے فساد ملتا ہے، ورنہ حق والوں کو دبانے اور زیادتی کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنے کا نتیجہ لازماً یہ ہوتا ہے کہ خرابی کے اصل اسباب جوں کے توں باقی رہتے ہیں، بلکہ ان میں اور اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور اس سے بار بار فساد برپا ہونے کی نوبت پیش آتی ہے۔

یہ آیت مسلمانوں کی باہمی جنگ کے بارے میں شرعی قانون کی اصل بنیاد ہے۔ ایک حدیث کے سوا جس کا ہم آگے ذکر کریں گے، اس قانون کی کوئی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ملتی، کیونکہ حضور کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان جنگ کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی کہ آپ کے عمل اور قول سے اس کے احکام کی تفصیلات معلوم ہوتیں۔ بعد میں اس قانون کی مستند تشریح اس وقت ہوئی جب حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خود مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اس وقت چونکہ بکثرت صحابہ کرام موجود تھے، اس لیے ان کے عمل اور ان کے بیان کردہ احکام سے اسلامی قانون کے اس شعبی کا مفصل ضابطہ مرتب ہوا۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسوہ اس معاملہ میں تمام فقہاء کا اصل مرجع ہے۔ ذیل میں ہم اس ضابطہ کا ایک ضروری خلاصہ درج کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی باہمی جنگ کی کئی صورتیں ہیں جن کے حکم الگ الگ ہیں۔

لڑنے والے دونوں گروہ کسی مسلمان حکومت کی رعایا ہوں۔اس صورت میں ان کے درمیان صلح کرانا، یا یہ فیصلہ کرنا کہ ان میں سے زیادتی کرنے والا کون ہے، اور طاقت سے اس کو حق کی طرف رجوع پر مجبور کرنا حکومت کا فریضہ ہے۔

لڑنے والے فریقین دو بہت بڑے طاقت ور گروہ ہوں، یا دو مسلمان حکومتیں ہوں، اور دونوں کی لڑائی دنیا کی خاطر ہو۔اس صورت میں اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ اس فتنے میں حصہ لینے سے قطعی اجتناب کریں اور فریقین کو خدا کا خوف دلا کر جنگ سے باز رہنے کی نصیحت کرتے رہیں۔

لڑنے والے وہ فریقین جن کا اوپر (ب) میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک حق پر ہو اور دوسرا زیادتی کر رہا ہو، اور نصیحت سے اصلاح پر آمادہ نہ ہو رہا ہو۔اس صورت میں اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف برسر حق فریق کا ساتھ دیں۔

فریقین میں سے ایک گروہ رعیت ہو اور اس نے حکومت، یعنی مسلم حکومت کے خلاف خروج کیا ہو۔فقہاء اپنی اصلاح استعمال کرتے ہیں۔

باغی، یعنی حکومت کے خلاف خروج کرنے والے گروہ بھی متعدد اقسام کے ہو سکتے ہیں۔

وہ جو محض فساد برپا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے اس خروج کے لیے ان کے پاس کوئی شرعی تاویل نہ ہو۔ان کے خلاف حکومت کی جنگ بالاتفاق جائز ہے اور اس کا ساتھ دینا اہل ایمان پر واجب ہے، قطع نظر اس سے کہ حکومت عادل ہو یا نہ ہو۔

وہ جو حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے خروج کریں، اور ان کے پاس کوئی شرعی تاویل نہ ہو، بلکہ ان کا ظاہر حال بتا رہا ہو کہ وہ ظالم و فاسق ہیں۔اس صورت میں اگر حکومت عادل ہو تب تو اس کا ساتھ دینا بلا کلام واجب ہے، لیکن اگر وہ عادل نہ بھی ہو تو اس حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے لڑنا واجب ہے، جس کے ذریعہ سے فی الحال مملکت کا نظم قائم ہے۔

وہ جو کسی شرعی تاویل کی بنا پر حکومت کے خلاف خروج کریں، مگر ان کی تاویل باطل اور ان کا عقیدہ فاسد ہو مثلاً خوارج۔اس صورت میں بھی، مسلم حکومت، خواہ وہ عادل ہو یا نہ ہو، ان سے جنگ کرنے کا جائز حق رکھتی ہے اور اس کا ساتھ دینا واجب ہے۔

وہ جو ایک عادل حکومت کے خلاف خروج کریں جب کہ اس کے سربراہ کی امارت جائز طور پر قائم ہو چکی ہو۔اس صورت میں خواہ ان کے پاس کوئی شرعی تاویل ہو یا نہ ہو، بہر حال ان سے جنگ کرنے میں حکومت حق بجانب ہے اور اس کا ساتھ دینا واجب۔

وہ جو ایک ظالم حکومت کے خلاف خروج کریں جس کی امارت جبراً قائم ہوئی ہو اور جس کے امراء فاسق ہوں، اور خروج کرنے والے عدل اور حدود اللہ کی اقامت کے لیے اٹھے ہوں اور ان کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ خود صالح لوگ ہیں۔اس صورت میں ان کو باغی یعنی زیادتی کرنے والا گروہ قرار دینے اور ان کے خلاف جنگ کو واجب قرار دینے میں فقہاء کے درمیان سخت اختلاف واقع ہو گیا ہے، جس کو مختصراً ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

امام وقت کے خلاف خروج میں فقہی مذاہب

امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء اور اہل الحدیث کی رائے یہ ہے کہ جس امیر کی امارت ایک دفعہ قائم ہو چکی ہو اور مملکت کا امن وامان نظم ونسق اس کے انتظام میں چل رہا ہو، وہ خواہ عادل ہو یا ظالم، اور اس کی امرت خواہ کسی طور پر قائم ہوئی ہو، اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہے، البتہ جب وہ کفر صریح کا ارتکاب کرے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ جب مسلمان ایک فرمانروا پر مجتمع ہوں اور اس کی بدولت ان کو امن حاصل ہو اور راستے محفوظ ہوں، ایسی حالت میں اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اس کے خلاف خروج کرے تو جو شخص بھی جنگ کی طاقت رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے اس فرمانروا کے ساتھ مل کر خرج کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے (المبسوط، باب الخوارج)

امام نوِدی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ ائمہ، یعنی مسلمان فرمانرواؤں کے خلاف خروج اور جنگ حرام ہے، خواہ وہ فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس پر امام نودی اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔

لیکن اس پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ فقہائے اسلام کا ایک بڑا گروہ، جس میں اکابر اہل علم شامل ہیں، خروج کرنے والوں کو صرف اس صورت میں باغی قرار دیتا ہے جبکہ وہ امام عادل کے خلاف خروج کریں۔ ظالم وفاسق امراء کے خلاف صلحاء کے خروج کو وہ قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق بغاوت کا مصداق نہیں ٹھیراتے، اور نہ ان کے خلاف جنگ کو واجب قرار دیتے ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک ظالم امراء کے خلاف جنگ کے معاملہ میں اہل علم کو معلوم ہے۔

امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں صاف لکھتے ہیں کہ امام صاحب اس جنگ کو نہ صرف جائز، بلکہ سازگار حالات میں واجب سمجھتے تھے (جلد اول، ص 81۔ جلد دوم، ص 39)

بنی امیہ کے خلاف زید بن علی کے خروج میں انہوں نے نہ صرف خود مالی مدد دی، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرمائی (الجصاص، ج 1 ص 81)۔ منصور کے خلاف نفس زکیہ کے خروج میں وہ پوری سرگرمی کے ساتھ نفس زکیہ کی حمایت کرتے رہے اور اس جنگ کو انہوں نے کفار کے خلاف جہاد سے افضل قرار دیا۔

(الجصاص، ج 1، ص 81۔ مناقب ابی حنیفہ للکردری، ج 2، ص 71۔72)

پھر فقہائے حنفیہ کا بھی متفقہ مسلک وہ نہیں ہے جو امام سرخسی نے بیان کیا ہے۔ ابن ہمام ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ الباغی فی عرف الفقہاْ الخارج عن طاعۃ امام الحق، فقہاء کے عرف میں باغی وہ ہے جو امام حق کی اطاعت سے نکل جائے۔

حنابلہ میں سے ابن عقیل اور ابن الجوزی امام غیر عادل کے خلاف خروج کو جائز ٹھیراتے ہیں اور اس پر حضرت حسین کے خروج سے استدلال کرتے ہیں (الانصاف، ج 10، باب جنگ اہل البغی)۔

امام شافعی کتاب الام میں باغی اس شخص کو قرار دیتے ہیں جو امام عادل کے خلاف جنگ کرے (ج 4، ص 135)۔

امام مالک کا مسلک المدونہ میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ خروج کرنے والے اگر امام عدل کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نکلیں تو ان کے خلاف جنگ کیا جائے (جلد اول، ص 407)

قاضی ابوبکر ابن العربی احکام القرآن میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص عمر بن عبدالعزیز جس طرح امام عدل کے خلاف خروج کرے تو اس کو دفع کرنا واجب ہے، رہا کسی دوسری قسم کا امام تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اللہ کسی دوسرے ظالم کے ذریعہ سے اس کو سزا دے گا اور پھر کسی تیسرے ظالم کے ذریعہ سے ان دونوں کو سزا دے گا۔ ایک اور قول امام مالک کا انہوں نے یہ نقل کیا ہے: جب ایک امام سے بیعت کی جا چکی ہو اور پھر اس کے بھائی اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں تو ان سے جنگ کی جائے گی اگر وہ امام عادل ہو۔ رہے ہمارے زمانے کے ائمہ تو ان کے لیے کوئی بیعت نہیں ہے، کیونکہ ان کی بیعت زبردستی لی گئی ہے پھر مالکی علماء کا جو مسلک سحنون کے حوالہ سے قاضی صاحب نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ تو صرف امام عدل کے ساتھ مل کر کی جائے گی، خواہ پہلا امام عادل ہو یا وہ شخص جس نے اس کے خلاف خروج کیا ہو۔ لیکن اگر دونوں عادل نہ ہوں تو دونوں سے الگ رہو۔ البتہ اگر تمہاری اپنی جان پر حملہ کیا جائے یا مسلمان ظلم کے شکار ہو رہے ہوں تو مدافعت کرو۔ یہ مسالک نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر کہتے ہیں: **لا نقاتل الامع امام عادل یقدمہ اھل الحق لا نفسھم** ۔ہم جنگ نہیں کریں گے مگر اس امام عادل کے ساتھ جس کو اہل حق نے اپنی امامت کے لیے آگے بڑھایا ہو۔

قانون بغاوت کے اطلاق کا فقہی معیار

خروج کرنے والے اگر قلیل التعداد ہوں اور ان کی پشت پر کوئی بڑی جماعت نہ ہو، نہ وہ کچھ زیادہ جنگی سروسامان رکھتے ہوں، تو ان پر قانون بغاوت کا اطلاق نہ ہوگا، بلکہ ان کے ساتھ عام قانون تعزیرات کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا، یعنی وہ قتل کریں گے تو ان سے قصاص لیا جائے گا اور مال کا نقصان کریں گے تو اس کا تاوان ان پر عائد ہوگا۔ قانون بغاوت کا اطلاق صرف ان باغیوں پر ہوتا ہے جو کوئی بڑی طاقت رکھتے ہوں، اور کثیر جمعیت اور جنگی سروسامان کے ساتھ خروج کریں۔

خروج کرنے والے جب تک محض اپنے فاسد عقائد، یا حکومت اور اس کے سربراہ کے خلاف باغیانہ اور معاندانہ خیالات کا اظہار کرتے رہیں، ان کو قتل یا قید نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ ان کے خلاف صرف اس وقت کی جائے گی جب وہ عملاً مسلح بغاوت کر دیں اور خونریزی کی ابتدا کر بیٹھیں۔ (المبسوط، باب الخوارج۔ فتح القدیر، باب البغاۃ۔ احکام القرآن للجصاص)۔

باغیوں کے خلاف جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے ان کو قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق دعوت دی جائے گی کہ وہ بغاوت کی روش چھوڑ کر عدل کی راہ اختیار کریں۔ اگر ان کے کچھ شبہات و اعتراضات ہوں تو انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس پر بھی وہ باز نہ آئیں اور جنگ کا آغاز ان کی طرف سے ہو جائے، تب ان کے خلاف تلوار اٹھائی جائے گی۔

(فتح القدیر۔ احکام القرآن للجصاص)

باغیوں سے لڑائی میں جن ضوابط کو ملحوظ رکھا جائے گا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مبنی ہیں جس کو حضرت عبداللہ بن عمر

کے حوالہ سے حاکم، بزاز اور الجصاص نے نقل کیا ہے۔: حضورﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اے ابن ام عبد، جانتے ہو اس امت کے باغیوں کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا ان کے زخمیوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا، ان کے اسیر کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، اور ان کا مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اس ضابطہ کا دوسرا ماخذ، جس پر تمام فقہائے اسلام نے اعتماد کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اور عمل ہے۔ آپ نے جنگ جمل میں فتح یاب ہونے کے بعد اعلان کیا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرو، زخمی پر حملہ نہ کرو، گرفتار ہو جانے والوں کو قتل نہ کرو، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دو، لوگوں کے گھروں میں نہ گھسو، اور عورتوں پر دست درازی نہ کرو، خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دے رہی ہوں۔ آپ کی فوج کے بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مخالفین کو اور ان کے بال بچوں کو غلام بنا کر تقسیم کر دیا جائے۔ اس پر غضب ناک ہو کر آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون ام المومنین عائشہ کو اپنے حصہ میں لینا چاہتا ہے؟

باغیوں سے اسلحہ چھیننے کا بیان

(وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحِهِمْ إنْ احْتَاجَ الْمُسْلِمُونَ إلَيْهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ ، وَالْكُرَاعُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ . لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إلَّا بِرِضَاهُ .

وَلَنَا أَنَّ عَلِيًّا قَسَّمَ السِّلَاحَ فِيمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ وَكَانَتْ قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيكِ ، وَلِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ ، فَفِي مَالِ الْبَاغِي أَوْلَى وَالْمَعْنَى فِيهِ إلْحَاقُ الضَّرَرِ الْأَدْنَى لِدَفْعِ الْأَعْلَى .

ترجمہ

اور جب مسلمانوں کو ضرورت ہو تو وہ باغیوں سے اسلحہ چھین کر اسی اسلحہ کے ساتھ وہ باغیوں سے جنگ کریں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس طرح جائز نہیں ہے اور ان کے اونٹوں کو استعمال کرنے بھی اسی طرح کا اختلاف ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں احوال میں اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہے پس اس کی رضامندی کے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں مجاہدین کے درمیان مال تقسیم کیا ہے۔ اور یہ تقسیم ضرورت کے طور پر تھی مالک بنانے کی غرض سے نہ تھی کیونکہ ضرورت کے وقت عادل کے مال سے بھی اس طرح کی مالی تقسیم امام کیلئے جائز ہے۔ پس باغی کے مال میں بدرجہ اولیٰ امام کو اختیار ہوگا۔ اور اس کی دلیل وہی ہے کہ بڑے نقصان سے بچنے کیلئے چھوٹے نقصان کو برداشت کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

بڑے نقصان سے بچنے کیلئے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنے کا قاعدہ

اذا تعارض مفسد تان روعی اعظمهما نقصانا بارتكاب اخفهما (الاشباہ،ص۴۴)

جب دو خرابیاں اکٹھی ہوجائیں تو ان میں سے زیادہ نقصان دہ خرابی کو چھوڑ دیا جائے گا جبکہ کم تر نقصان والی خرابی کا ارتکاب کرلیا جائے گا۔

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص جو زخمی ہے اور وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن اگر وہ سجدہ کرے تو اس کا زخم بہنے لگے اور اگر سجدہ نہ کرے تو زخم نہ بہے تو اس صورت میں علمائے احناف فرماتے ہیں کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجود اشارے سے کرے کیونکہ سجدہ کا ترک کر کے اشارے سے سجدہ کرنا یہ بے وضو نماز پڑھنے سے کم نقصان دہ ہے لہذا اس کا ارتکاب کرلیا جائے گا ۔(الاشباہ والنظائر،ص۴۴)

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ۔۱،ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے جھوٹ بولے ۲، جنگ میں جھوٹ بولنا ۳، لوگوں میں صلح کرانے کیلئے جھوٹ بولنا۔(جامع ترمذی،ج۲،ص۲۸۷،نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام حموی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر سچ بولنے سے کسی بڑی خرابی اور فساد کا اندیشہ ہو تو علماء نے اس موقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے لیکن مذکورہ حدیث میں بیان کردہ تین مواقع پر بھی کھلم کھلا جھوٹ نہ بولا جائے بلکہ اشاروں سے اس قسم کا کلام کیا جائے۔

(شرح الاشباہ والنظائر، ج۱،ص۱۲۶،مطبوعہ منیریہ مصر)

باغیوں کے اموال روکنے کا بیان

(وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ فَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَقْسِمُهَا حَتَّى يَتُوبُوا فَيَرُدَّهَا عَلَيْهِمْ) أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ.

وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهَذَا يَحْبِسُهَا عَنْهُمْ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَاجُ إلَيْهَا ، إلَّا أَنَّهُ يَبِيعُ الْكُرَاعَ ؛ لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ ، وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِانْدِفَاعِ الضَّرُورَةِ وَلَا اسْتِغْنَامَ فِيهَا .

ترجمہ

اور امام ان کے مالوں کو روک لے پس وہ ان کو واپس نہ کرے اور نہ ہی مالوں کو تقسیم کرے حتیٰ کہ وہ توبہ کرلیں تو امام ان کے

[illegible]

[illegible] روک لے اگر [illegible] انہیں اس مال

[illegible] قیمت [illegible] آسان ہے اور جب [illegible]

[illegible] جائے گی کیونکہ اب ضرورت ختم ہو چکی ہے اور ان کے مالوں کو غنیمت بھی نہیں بنایا گیا ہے پس ان کو

[illegible] میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باغیوں کے اموال کا حکم

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسوہ حسنہ سے ماخوذ ہے، یہ ہے کہ ان کا کوئی مال، خواہ وہ ان کے لشکر میں ملا ہو یا ان کے پیچھے ان کے گھروں پر ہو، اور وہ خواہ زندہ ہوں یا مارے جا چکے ہوں، بہر حال اسے مال غنیمت قرار دیا جائے گا اور نہ فوج میں تقسیم کیا جائے گا۔ البتہ جس مال کا نقصان ہو چکا ہو، اسکا کوئی ضمان لازم نہیں آتا۔ جنگ ختم ہونے اور بغاوت کا زور ٹوٹ جانے کے بعد ان کے مال ان ہی کو واپس دے دیے جائیں گے۔ ان کے اسلحہ اور سواریاں جنگ کی حالت میں اگر ہاتھ آ جائیں تو انہی ان کے خلاف استعمال کیا جائے گا، مگر فاتحین کی ملکیت بنا کر مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا، اور اگر ان سے پھر بغاوت کا اندیشہ نہ ہو تو ان کی یہ چیزیں بھی واپس دے دی جائیں گی۔ صرف امام ابو یوسف کے رائے یہ ہے کہ حکومت اسے غنیمت قرار دے گی۔

(المبسوط، فتح القدیر)

ان کے گرفتار شدہ لوگوں کو یہ عہد لے کر کہ وہ پھر بغاوت نہ کریں گے، رہا کر دیا جائے گا۔ (المبسوط)

باغی مقتولوں کے سر کاٹ کر گشت کرانا سخت مکروہ فعل ہے، کیونکہ یہ مُثلہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے پاس رومی بطیق کا سر کاٹ کر لایا گیا تو آپ نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا ہمارا کام رومیوں اور ایرانیوں کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ یہ معاملہ جب کفار تک سے کرنا روا نہیں ہے تو مسلمانوں کے ساتھ تو یہ بدرجہ اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے۔ (المبسوط)

جنگ کے دوران میں باغیوں کے ہاتھوں جان و مال کا جو نقصان ہوا ہو، جنگ ختم ہونے اور امن قائم ہو جانے کے بعد اس کا کوئی قصاص اور ضمان ان پر عائد نہ ہوگا۔ نہ کسی مقتول کا بدلہ ان سے لیا جائے گا اور نہ کسی مال کا تاوان ان پر ڈالا جائے گا، تاکہ فتنے کی آگ پھر نہ بھڑک اٹھے۔ صحابہ کرام کی باہمی لڑائیوں میں یہی ضابطہ ملحوظ رکھا گیا تھا۔

(المبسوط۔ الجصاص۔ احکام القرآن ابن العربی)

جن علاقوں پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا ہو اور وہاں انہوں نے اپنا نظم و نسق قائم کر کے زکوۃ اور دوسرے محصولات وصول کر لیے ہوں حکومت ان علاقہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد لوگوں سے از سر نو اس زکوۃ اور ان محصولات کا مطالبہ نہیں کرے گی۔ اگر باغیوں نے یہ اموال شرعی طریقے پر صرف کر دیے ہوں گو عند اللہ بھی وہ ادا کرنے والوں پر سے ساقط ہو جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے غیر

شرعی طریقے پر تصرف کیا ہو، تو یہ ادا کرنے والوں کے اور ان کے خدا کے درمیان معاملہ ہے۔ وہ خود چاہیں تو اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کر دیں (فتح القدیر۔الجصاص۔ابن العربی)

باغیوں نے اپنے زیر تصرف علاوہ میں جو عدالتیں قائم کی ہوں، اگر ان قاضی اہل عدل میں سے ہوں اور شریعت کے مطابق انہوں نے فیصلے کیے ہوں، تو وہ برقرار رکھے جائیں گے اگرچہ ان کے مقرر کرنے والے بغاوت کے مجرم ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر ان کے فیصلے غیر شرعی ہوں اور بغاوت فرو ہونے کے بعد وہ حکومت کی عدالتوں کے سامنے لائے جائیں تو وہ نافذ نہیں کیے جائیں گے۔ علاوہ بریں باغیوں کی قائم کی ہوئی عدالتوں کی طرف سے کوئی وارنٹ یا پروانہ امر حکومت کی عدالتوں میں قبول نہ کیا جائے گا۔ (المبسوط۔الجصاص)

باغیوں کی شہادت اسلامی عدالتوں میں قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ اہل عدل کے خلاف جنگ کرنا فسق ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ جب تک وہ جنگ نہ کریں اور اہل عدل کے خلاف عملاً خروج کے مرتکب نہ ہوں، ان کی شہادت قبول کی جائے گی، مگر جب وہ جنگ کر چکے ہوں تو پھر میں ان کی شہادت قبول نہ کروں گا (الجصاص)۔

ان احکام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفار کے خلاف جنگ اور مسلمان باغیوں کے خلاف جنگ کے قانون میں کیا فرق ہے۔

باغیوں کے وصول کردہ عشر وخراج کے عدم اعتبار کا بیان

قَالَ :(وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنْ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنْ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا) ؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَخْذِ لَهُ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ (فَإِنْ كَانُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ أَجْزَأَ مَنْ أُخِذَ مِنْهُ) لِوُصُولِ الْحَقِّ إلَى مُسْتَحِقِّهِ (وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ فَعَلَى أَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُعِيدُوا ذَلِكَ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إلَى مُسْتَحِقِّهِ. قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ :قَالُوا الْإِعَادَةُ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ ؛ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوا مَصَارِفَ ، وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ ، وَفِي الْعُشْرِ إنْ كَانُوا فُقَرَاءَ ، فَكَذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكَاةِ .وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ ؛ لِأَنَّهُ يَحْمِيهِمْ فِيهِ ؛ لِظُهُورِ وِلَايَتِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور اہل بغاوت نے جن علاقوں پر غلبہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے خراج وعشر جمع کیا تو امام ان سے دوبارہ نہ لے۔ کیونکہ امام کیلئے وصول کرنے کی ولایت حفاظت کے سبب سے تھی جبکہ امام ان کی حفاظت تو کر نہیں سکا۔ اور جب اہل بغاوت نے ان کے مالوں کے ان کے مصرف میں خرچ کیا تو دیئے گئے مال کفایت کرنے والے ہوں گے کیونکہ حق اپنے مستحق تک پہنچ چکا ہے اور

جب باغیوں نے ان کے مالوں کو مصرف میں خرچ نہ کیا تو ہر صاحب مال کیلئے جو اس پر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے وہ دینا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس کا پہلا مال اپنے مستحق تک نہیں پہنچا۔

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مشائخ فقہاء نے فرمایا: کہ خراج میں ان پر لوٹانا ضروری نہیں ہے کیونکہ مصرف میں مجاہدین بھی ہوتے ہیں پس دینے والے ہی خراج کے مصارف ہوں گے۔ خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں اور جب وہ فقیر ہوں تو عشر میں بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ عشر تو فقراء کا حق ہے اس لئے آنے والے وقت میں امام کی ولایت ظاہر ہوگی اور وہ ان کی مدد کرے گا۔

باغیوں کی علامات کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ پس باغی دہشت گرد گروہ، خوارج ہی ہوتے ہیں۔ جن کی یہ تین علامتیں عام ہیں۔

1۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ (اس لئے وہ فاسق حکمرانوں کو کافر سمجھتے ہیں)۔

2۔ یہ انتہاء پسند لوگ مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کو قتل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے اموال کو اپنی خود ساختہ تاویل کی سبب سے حلال قرار دیتے ہیں جو انہوں نے (لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے) گھڑی ہوتی ہے۔

3۔ ان کے پاس طاقت اور قوت ہوتی ہے (جس کو وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے کہیں سے بھی اور کسی سے بھی حاصل کرنے میں حرج نہیں سمجھتے)۔ (بدائع الصنائع، 140 : 7)

اہل بغات کی مذمت میں بعض فقہی مذاہب

علامہ سلیمان بن عمر بن محمد الشافعی (م 1221ھ) نے دہشت گرد خوارج کی تعریف میں لکھا ہے۔ دہشت گرد خوارج، بدعتیوں کی ایک قسم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور اس کے سارے اعمال ضائع ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور (اُن کا یہ بھی عقیدہ ہوتا ہے کہ) کبیرہ گناہ ظاہر ہونے کے بعد دار الاسلام دار الکفر میں بدل جاتا ہے (اس لیے وہ مسلمانوں کا قتل عام جائز سمجھتے ہیں)۔ (بجیرمی، حاشیۃ، 201 : 4)

امام ابن قدامہ المقدسی نے المغنی میں جنگ اھل البغی کے عنوان سے باب باندھا ہے جس میں باغیوں سے متعلق بنیادی ابحاث بیان کی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 9 اور 10 سے باغیوں کا حکم بیان کیا ہے۔ اس کے بعد احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دہشت گردوں اور خوارج کی مذمت کرتے ہوئے خوارج کی اقسام کو یوں بیان کیا ہے۔

حکومت کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے خروج کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں۔

1۔وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو بغیر کسی تاویل کے حکومتِ وقت کی اطاعت سے روک لیا اور اس کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے بغاوت وخروج کیا تو یہ راہزن ڈاکو ہیں جو زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔

2۔وہ لوگ جن کے پاس تاویل تو ہے مگر وہ چند لوگ ہیں جن کے پاس کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں یعنی ایک، دو، دس یا قدرے زیادہ۔ ہمارے اکثر اصحاب (حنابلہ) کے نزدیک یہ ڈاکو ہیں اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ ابن ملجم نے جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہوگیا تو اس کے بارے میں خود فیصلہ کروں گا اور اگر شہید ہوگیا تو اس کا مثلہ نہ کرنا۔

3۔وہ خوارج جو گناہ کے ارتکاب کی سبب سے لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، زبیر اور دیگر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر گردانتے ہیں۔ مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں سوائے اُس شخص کے جو ان کے ساتھ مل کر خروج کرے۔

4۔مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جو حکومتِ وقت کے دائرہ اختیار اور اس کے نظم سے خروج کرتے ہیں اور اطاعت کا طوق بہ ظاہر پرکشش تاویل کی بناء پر اتار پھینکنے کا قصد کرتے ہیں شرط یہ ہے کہ ان میں اتنی قوت موجود ہو جس کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومتِ وقت کو لشکر تیار کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ ہیں وہ باغی لوگ جن کا حکم ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ان دہشت گروں کے خلاف حکومتِ وقت کی مدد کریں۔ پس اگر وہ حکومت وقت کی مدد واعانت کو ترک کر دیں گے تو باغی دہشت گرد ان پر غالب آجائیں گے اور زمین میں فساد پھیل جائے گا۔ (المغنی، 3 : 5،9)

اس طرح باغی کی تعریف پر ائمہ وفقہاء کا اتفاق ہے اسی طرح ان کی علامات پر بھی اجماع ہے۔ سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ لوگ دوسرے مسلمانوں کو اسلام سے خارج سمجھیں گے، وہ اپنی انتہا پسندی کا جواز غلط تاویل کے ذریعے پیش کریں گے یعنی گنہگار مسلمانوں پر یا فاسق حکمرانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان کے قتل کا جواز بنائیں گے۔ ان کی علامات اور اقدامات خوارج سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے ان کے بارے میں حکم بھی وہی ہے جو خوارج کے بارے میں خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا تھا۔

باغی کے قتل کے ہدر ہونے کا بیان

(وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ) ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِإِمَامِ الْعَدْلِ حِينَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوجِبًا كَالْقَتْلِ فِي دَارِ الْحَرْبِ .

(وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمْدًا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَصُّ مِنْهُ) وَتَأْوِيلُهُ إذَا لَمْ يَجْرِ عَلَى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوا

قَبْلَ ذٰلِكَ ، وَفِي ذٰلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ .

ترجمہ

اور جب اہل بغات کے لشکر میں کسی نے دوسرے باغی کو قتل کردیا اور اس پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تو قاتل پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ قتل کے وقت ان پر امام کی ولایت نہ تھی پس یہ قتل قصاص کو واجب کرنے والا نہ ہوگا جس طرح دارالحرب کا قتل ہوتا ہے۔

اور جب اہل بغات نے کسی شہر پر غلبہ پایا اس کے اس شہر میں سے کسی شہری نے دوسرے شہری کو ارادے سے قتل کردیا اس کے بعد اس شہر پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس شہر پر بغاوت کا حکم جاری نہ ہوا تھا اور اس سے پہلے ہی وہ وہاں بھگادیئے گئے تو اس طرح امام کی ولایت ختم نہیں ہوتی تھی لہذا قصاص واجب ہوگا۔

باغیوں کے قتل کے بدترین ہونے کا بیان

حضرت ابوامامہ نے جب دمشق کے سرحد منصوبہ پران کے سر لٹکے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ بدترین جہنمی کتے ہیں آسمان کے نیچے تمام قتلوں سے بہتر ان کا قتل ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ .

جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لاکر کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ .

اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایک بار یا دوبار یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ نہیں بلکہ میں نے سات مرتبہ سنا ہے جو میں نے تم کو حدیث بیان کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۴، فاروقی کتب خانہ ملتان)

قصاص ودیت میں تخصیص مسلم سے باغیوں کا محروم ہونا

حضرت علی کرم اللہ سبحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار رہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون وحرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں

ہوتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار! کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔ ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 641)

سب مسلمان برابر ہیں " : کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون بہا کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رزیل میں، چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون بہا کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون بہا کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی باحیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو زبردست ہوتے تھے۔

"اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے " کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنی ترین فرد جس طرح غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔

"اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے" اس جملہ کے دو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دار الحرب سے دور رہ رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دار الحرب کے قریب ہیں یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہو جائے، اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت میں بھیج دے اور پھر کوہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

"جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد کر لیا ہے تو جب تک وہ ذمی ہے اور اپنے ذمی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذمی کے خون کی بھی وہی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ " کافر کے بدلے میں مسلمان کو نہ مارا جائے " کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں " کافر" سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی! حاصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذمی۔

قاتل کا مقتول سے وراثت پانے کا بیان

(وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ ، فَإِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِي وَقَالَ قَدْ كُنْت عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ وَرِثَهُ ، وَإِنْ قَالَ قَتَلْته وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثْهُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :لَا يَرِثُ الْبَاغِي فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ .

وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إذَا أَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِي أَوْ مَالَهُ لَا يَضْمَنُ وَلَا يَأْثَمُ ؛ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ ، وَالْبَاغِي إذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا وَيَأْثَمُ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْقَدِيمِ :إنَّهُ يَجِبُ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ ، وَقَدْ أَتْلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا .

لَهُ أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنَعَةِ .وَلَنَا إجْمَاعُ الصَّحَابَةِ ، رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ .وَلِأَنَّهُ أَتْلَفَ عَنْ تَأْوِيلٍ فَاسِدٍ ، وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ إذَا ضُمَّتْ إلَيْهِ الْمَنَعَةُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِي مَنَعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيلِهِمْ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيهَا مِنْ الْإِلْزَامِ أَوْ الِالْتِزَامِ ، وَلَا الْتِزَامَ لِاعْتِقَادِ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَأْوِيلٍ ، وَلَا إلْزَامَ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لِوُجُودِ الْمَنَعَةِ ، وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنَعَةِ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيلِ ثَبَتَ الِالْتِزَامُ اعْتِقَادًا ، بِخِلَافِ الْإِثْمِ ؛ لِأَنَّهُ لَا مَنَعَةَ فِي حَقِّ الشَّارِعِ ، إذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ :قَتْلُ الْعَادِلِ الْبَاغِيَ قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْإِرْثَ .

وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ أَنَّ التَّأْوِيلَ الْفَاسِدَ إنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةُ هَاهُنَا إلَى اسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ فَلَا يَكُونُ التَّأْوِيلُ مُعْتَبَرًا فِي حَقِّ الْإِرْثِ .

وَلَهُمَا فِيهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إلَى دَفْعِ الْحِرْمَانِ أَيْضًا ، إذْ الْقَرَابَةُ سَبَبُ الْإِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيهِ ، إلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ بَقَاءَهُ عَلَى دِيَانَتِهِ ، فَإِذَا قَالَ :كُنْت عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوجَدْ الدَّافِعُ فَوَجَبَ الضَّمَانُ .

ترجمہ

اور جب اہل عدل میں سے کسی شخص نے کسی باغی بندے کو قتل کر دیا ہے تب بھی قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور جب باغی کسی عادل کو قتل کرے اور وہ اس طرح کہے کہ میں حق پر تھا اور میں ابھی بھی حق پر ہوں تو وہ مقتول کا وارث ہوگا اور جب اس نے اس طرح کہا کہ جب میں نے اس کو قتل کیا ہے میں اس وقت جانتا تھا کہ میں حق پر نہیں تھا تو وہ مقتول کا وارث نہ ہوگا طرفین کے نزدیک یہی حکم ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ دونوں حالتوں میں باغی عادل مقتول کو وارث نہیں بن سکے گا امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب عادل آدمی باغی کی جان یا پھر اس کے مال کو ہلاک کرے گا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور نہ وہ گناہگار ہوگا کیونکہ فساد کو ختم کرنے کیلئے عادل کو بغات کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر باغی کسی عادل کو قتل کرتا ہے تو ہمارے نزدیک ضمان نہ ہوگا البتہ وہ گناہگار ہوگا اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے کہ ضمان واجب ہو جائے گا۔ اور یہ مسئلہ اسی اختلاف پر ہے۔ کہ جب مرتد نے توبہ کر لی ہو جبکہ اس نے حالت ارتداد میں کسی جان یا مال کو ہلاک کیا ہو تو امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے محفوظ مال یا محفوظ جان کو ہلاک کیا ہے لہذا ضمان اس پر واجب ہو جائے کیونکہ انہوں نے حصول طاقت سے پہلی والی حالت اس کو قیاس کیا ہے۔

ہماری دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اجماع ہے۔ کہ جب باغی کے ساتھ کوئی طاقت موجود ہو تو ضمان کو ختم کرنے کیلئے فاسد توجیہ بھی صحیح کے ساتھ ملحق ہونے والی ہے جس طرح اہل حرب کی قوت اور ان کی توجیہ کا بھی یہی حکم ہے اور یہ حکم اس دلیل کے سبب ہے کہ احکام شرع کے کیلئے الزام یا التزام ضروری ہے (قاعدہ فقہیہ) جبکہ باغی التزام کرنے والا نہیں ہے اسی سبب سے وہ اہل عدل کی جان و مال کو مباح سمجھنے والا ہے اور باغی پر امام کی جانب سے بھی کوئی حکم لازم ہونے والا نہیں ہے کیونکہ اس پر امام کی ولایت نہیں ہے کیونکہ اسے قوت حاصل ہے جبکہ طاقت سے قبل ولایت حاصل رہتی ہے۔

تاویل نہ ہونے کی حالت میں اعتقادی طور پر التزام ثابت ہو جائے گا بہ خلاف گناہ کے کیونکہ شریعت کے حق میں طاقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عادل شخص کا باغی کو قتل کرنا برحق ہے پس یہ قتل وارثت کے مانع نہ ہو گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل اس مسئلہ میں کہ جب باغی عادل شخص کو قتل کرے یہ ہے کہ فاسد تاویل ضمان کو ختم کرنے میں اعتبار کر لی جاتی ہے حالانکہ یہاں وراثت کے حق کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے پس وراثت کے حق میں فاسد توجیہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

طرفین علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں حرمان کو ختم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرابت وارثت کا سبب ہے پس حرمان کو ختم کرنے کیلئے فاسد توجیہ کا اعتبار کیا جائے گا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اپنی دیانتداری پر باقی رہنے والی ہو۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ

جب اس نے کہا ہے کہ میں باطل پر تھا تو وہ فاسد دفع کرنے والا نہ ہوا لہذا اس پر ضمان واجب ہو گیا ہے۔

باغیوں کو گرفتار و قید کرنے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ بالا میں راہزن کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے والا کہا گیا ہے کیونکہ مسافر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو اس کا امن برباد کرتا ہے گویا وہ اس ذات کے ساتھ برسرپیکار ہوتا ہے جس پر وہ مسافر حصولِ امن کی خاطر اعتماد کیے ہوئے تھا اور رہا اس کا رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برسرِ پیکار ہونا تو وہ اس لئے ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ یا کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے راستوں کے محافظ و نگہبان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء اور مسلمان حکمران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں۔ پس جب وہ راستہ روکا گیا جس کی حفاظت کا ذمہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین یعنی مسلم حکومتوں نے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا۔ یا یہاں عبارت حذفِ مضاف کے ساتھ ہے اور اصل عبارت میں یحاربون عباد اللہ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

(فتح القدیر، 177 : 5)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر حکومت کو یہ معلوم ہو جائے کہ شرپسندوں نے مسلح جدوجہد شروع کر دی ہے اور وہ جنگ کے لیے تیاری کر رہے ہیں تو ہیئتِ مقتدرہ پر لازم ہے کہ ان کو گرفتار کرے اور قید کرے یہاں تک کہ وہ اس باغیانہ عمل سے باز آ جائیں اور توبہ کریں کہ وہ دوبارہ اس طرح کا عمل نہیں کریں گے۔ اگر حکومت نے انہیں ڈھیل دی تو وہ مزید دہشت گردی کے مرتکب ہوں گے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ بروقت انہیں روکے۔ اور حکومت خود جنگ کا آغاز نہ کرے یہاں تک کہ وہ جنگ میں پہل کریں کیونکہ ان کے ساتھ جنگ ان کے شر کو ختم کرنے کے لئے ہوگی۔ ہاں اگر ان سے شر کا خطرہ نہ ہو تو ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے اور اگر حکومت کو ان کی ریشہ دوانیوں کا علم نہ ہو یہاں تک کہ وہ (تخریبی کارروائیوں کے لئے) اپنے ٹھکانے بنا لیں، جنگ کی تیاری کر لیں اور افرادی قوت جمع کر لیں تو حکومت کو چاہیے کہ انہیں سب سے پہلے راہ راست کی طرف بلائے اور انہیں اجتماعی رائے کی طرف لوٹنے کی دعوت دے، جیسا کہ اہلِ حرب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ حروراء (خوارج) کی بغاوت کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مندوب بنا کر بھیجا تا کہ وہ انہیں عدل و انصاف کی دعوت دیں۔ پس حکومت اسی طرح انہیں دعوت دے اور ان کے ساتھ مذاکرات کرے۔ اگر وہ مثبت جواب دیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے رک جائے اور اگر وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں تو ان کے ساتھ کھلی جنگ کرے۔ اس کی جنگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق درست ہوگی جس میں فرمایا گیا : (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی

اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔)
اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نہروان کے مقام پر اہل حروراء کے ساتھ جنگ کی۔ (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۴۲، بیروت)

اہل فتنہ سے اسلحہ کی بیع کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسَاكِرِهِمْ) ؛ لِأَنَّهُ إعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ (وَلَيْسَ بِبَيْعِهِ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ) ؛ لِأَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْأَمْصَارِ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السِّلَاحِ لَا بَيْعُ مَا لَا يُقَاتَلُ بِهِ إلَّا بِصَنْعَةٍ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ ، وَعَلَى هَذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعِنَبِ .

ترجمہ

فرمایا: اور اہل فتنہ اور ان کے لشکر سے اسلحہ کی بیع مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح معصیت کی مدد ہے۔ اور اہل کوفہ میں اہل کوفہ کی بیع جبکہ وہ انہیں اہل فتنہ میں کوئی جانتا ہی نہ ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ شہروں میں بہت سے اسلحہ والے ہوتے ہیں اور اسلحہ فروخت کرنا مکروہ ہے اور اس چیز کی فروخت مکروہ نہیں ہے جس میں کاری گری کے بغیر جنگ ممکن نہ ہو۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ طنبور کو بیچنا مکروہ ہے جبکہ اس کی لکڑی بیچنا مکروہ نہیں ہے اسی حکم کے مطابق شراب اور انگور کی فروخت کا مسئلہ ہے۔

شرح

(قَوْلُهُ : وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسْكَرِهِمْ ؛ لِأَنَّهُ إعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ، وَلَيْسَ بِبَيْعِهِ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يُعْرَفْ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ ؛ لِأَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْأَمْصَارِ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السِّلَاحِ) ؛ لِأَنَّهُ يُقَاتَلُ بِعَيْنِهِ (لَا مَا لَا يُقَاتَلُ بِهِ إلَّا بِصَنْعَةٍ) تَحْدُثُ فِيهِ ، وَنَظِيرُهُ كَرَاهَةُ بَيْعِ الْمَعَازِفِ ؛ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ تُقَامُ بِهَا عَيْنِهَا (وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ) الْمُتَّخَذَةِ هِيَ مِنْهُ (وَعَلَى هَذَا بَيْعُ الْخَمْرِ) لَا يَصِحُّ وَيَصِحُّ بَيْعُ الْعِنَبِ . وَالْفَرْقُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ مَا ذَكَرْنَا .

وَقِيلَ الْفَرْقُ الصَّحِيحُ أَنَّ الضَّرَرَ هُنَا يَرْجِعُ إلَى الْعَامَّةِ وَهُنَاكَ يَرْجِعُ إلَى الْخَاصَّةِ ، ذَكَرَهُ فِي الْفَوَائِدِ الظَّهِيرِيَّةِ (13/327).

(فُرُوعٌ) إذَا طَلَبَ أَهْلُ الْبَغْيِ الْمُوَادَعَةَ أُجِيبُوا إلَيْهَا إذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّ الْمُسْلِمِينَ قَدْ يَحْتَاجُونَ إلَى الْمُوَادَعَةِ لِحِفْظِ قُوَّتِهِمْ وَالِاسْتِزَادَةِ مِنْ التَّقَوِّي عَلَيْهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ عَلَيْهَا شَيْءٌ ؛ لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ ، وَمِثْلُهُ فِي الْمُرْتَدِّينَ إلَّا أَنَّهُمْ إذَا أَخَذُوا مَلَكُوا ثُمَّ يُجْبَرُونَ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَإِذَا تَابَ أَهْلُ الْبَغْيِ تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ لَا يَضْمَنُونَ مَا أَتْلَفُوا

وَفِي الْمَبْسُوطِ : رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ : أُفْتِيهِمْ بِأَنْ يَضْمَنُوا مَا أَتْلَفُوا مِنْ النُّفُوسِ وَالْأَمْوَالِ وَلَا أُلْزِمُهُمْ بِذَلِكَ فِي الْحُكْمِ .

قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ : وَهَذَا صَحِيحٌ ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا مُعْتَقِدِينَ الْإِسْلَامَ وَقَدْ ظَهَرَ لَهُمْ خَطَؤُهُمْ ، إلَّا أَنَّ وِلَايَةَ الْإِلْزَامِ كَانَتْ مُنْقَطِعَةً لِلْمَنَعَةِ فَيُفْتَوْا بِهِ .

وَلَوْ اسْتَعَانَ أَهْلُ الْبَغْيِ بِأَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَاتَلُوا مَعَهُمْ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ مِنْهُمْ نَقْضًا لِلْعَهْدِ ، كَمَا أَنَّ هَذَا الْفِعْلَ مِنْ أَهْلِ الْبَغْيِ لَيْسَ نَقْضًا لِلْإِيمَانِ ، فَالَّذِينَ انْضَمُّوا إلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَخْرُجُوا مِنْ أَنْ يَكُونُوا مُلْتَزِمِينَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِي الْمُعَامَلَاتِ ، وَأَنْ يَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الدَّارِ فَحُكْمُهُمْ حُكْمُ الْبُغَاةِ .

﴿یہ کتاب لقیط کے بیان میں ہے﴾

کتاب لقیط کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں التقاط کا ذکر کتاب الجہاد کے بعد اس سبب سے ہے کہ اس میں اٹھانے والے کے سبب سے ہلاک ہونے والی جان کو بچانا ہے۔ جہاد میں چونکہ اہل اسلام کی عزت وشان اوران کو جانوں کا تحفظ ہے اسی طرح لقیط کے سبب بھی انسانی جان کی حفاظت ہے پس اس مطابقت کے پیش نظر کتاب اللقیط کو کتاب الجہاد کے بعد ذکر کیا ہے۔

اوراس کی فقہی مطابقت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جس طرح جہاد میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے اسی طرح لقیط اٹھانے اوراس کے بعد اس کی پرورش ونگرانی کرنے کے سبب بھی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۸، ص ۱۰۵، بیروت)

لقیط کا فقہی مفہوم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عرف شرع میں لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو اسکے گھر والے نے اپنی تنگدستی یابدنامی کے خوف سے پھینک دیا ہو۔(الدرالمختار، کتاب اللقیط)

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقیط (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھالینا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھانا واجب ہوگا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک غلام ہونا ثابت نہ ہو حر (یعنی آزاد ہے) لقیط کا نفقہ اوراس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھالیا ہے اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہوگا اگر کسی شخص نے یہ دعوی کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اوراس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا۔ اوراگر دو آدمی ایک ساتھ اس کا دعوی کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو اس بچہ کے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے میں وہ علامت موجود پائی جائے مثلاً وہ یہ بتائے کہ اس کی پیٹھ پر مسہ ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی پیٹھ پر مسہ موجود ہو۔

لقیط کے بارے میں فقہی احکام

گمشدہ لاوارث بچے کے احکام کا لقطہ یعنی گمشدہ اشیاء کے احکام سے بہت بڑا تعلق ہے، اس لیے کہ لقطہ گمشدہ اموال کے ساتھ خاص ہے اور لقیط گمشدہ انسان کو کہا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی احکام زندگی کی ضروریات اوراس کے ہر مفید

شعبے کو شامل ہیں۔

دنیا تو یتیموں اور لاوارث بچوں اور بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور پناہ گزین کیمپوں سے آج متعارف ہورہی ہے، لیکن اسلام نے تو آج سے چودہ سو برس قبل ہی اس سے بھی زیادہ اس کی طرف تسبب دلائی اور اس کے احکام بتائے جن میں لقیط یعنی لاوارث پھینکے ہوئے یا پھر اپنے والدین سے گمشدہ بچے کی دیکھ بھال شامل ہے ان دونوں حالتوں میں بچے کے نسب کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

لھذا ہر اس شخص پر جو بھی کسی لاوارث بچے کو پائے واجب ہے کہ وہ اسے حاصل کرے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرے یہ دیکھ بھال فرض کفایہ ہے کچھ لوگوں کے کرنے سے باقی سے گناہ ساقط ہوجاتا ہے، لیکن اگر سب ہی اسے ترک کردیں اور کوئی بھی اس بچے کو امکان ہونے کے باوجود نہ حاصل کرے تو سب گنہگار ہونگے۔

اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو)

تو اس آیت کا عموم لقیط یعنی گمشدہ بچے کو لینے پر دلالت کررہا ہے، اس لیے کہ یہ بھی خیر و بھلائی پر تعاون ہے، اور پھر اس بچے کو لینے میں ایک جان کو زندہ کرنا اور جان بچانا ہے اس لیے ایسا کرنا واجب ہے جس طرح ضرورت کے وقت اسے کھانا کھلانا اور غرق ہونے سے بچانا واجب ہے اسی طرح اسے اٹھانا اور حاصل کرنا بھی واجب ہے۔

لقیط یعنی گمشدہ لاوارث بچہ سب احکام میں آزاد ہے اس لیے کہ اصل چیز تو آزادی ہے اور غلامی تو ایک عارضی چیز ہے اس لیے اگر علم نہ ہوسکے تو غلام نہیں بلکہ وہ آزاد ہوگا۔

اور جو مال اور رقم وغیرہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے اردگرد سے ملے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے وہ اس کی ملکیت ہوگی، اور اس لیے کہ اس کا ہاتھ اس پر ہے ایسے بچے کو اٹھانے والا احسن اور بہتر طریقے سے اس پر خرچ کرے کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل ہے۔

لیکن اگر اس بچے کے ساتھ اسے کچھ بھی نہ ملے تو اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اس لیے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے لاوارث بچہ اٹھانے والے کو کہا تھا:

(جا وہ بچہ آزاد ہے اور اس کی ولاء تجھے حاصل ہے، اور اس کا نفقہ اور خرچہ ہم پر ہوگا) یعنی اس کا خرچہ بیت المال سے ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تھا: (اس کی رضاعت ہمارے ذمہ ہے) یعنی رضاعت کا خرچہ بیت المال برداشت کرے گا، لھذا اٹھانے والے پر نہ تو خرچہ واجب ہے اور نہ ہی اس کی رضاعت، بلکہ یہ بیت المال پر واجب ہوگی، لیکن اگر بیت المال نہ ہو تو مسلمانوں میں سے جس کو علم ہو اس پر اس کا خرچہ واجب ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو) ۔

اور اس لیے بھی کہ اگر اس پر خرچہ نہ کیا جائے تو وہ ہلاک ہوجائے گا اور اس لیے بھی کہ اس پر خرچ کرنا خیر خواہی ہے جس طرح

مہمان کی میزبانی کی جاتی ہے۔اور دینی لحاظ سے اس کا حکم یہ ہے کہ :اگر وہ دارالاسلام یا پھر ایسے کافر ملک میں جہاں پر اکثریت مسلمانوں کی ہوتو وہ بچہ مسلمان ہوگا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:(ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت(اسلام) پہ پیدا ہوتا ہے)۔

اور اگر وہ بچہ خالصتاً کفار ملک میں پایا جائے یا پھر اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہوتو ملک کے ماتحت وہ بچہ بھی کافر شمار ہوگا ،اسے اٹھانے والا شخص اگر امانت دار ہوتو اس پر اس کی پرورش کی ذمہ داری ہوگی ،کیونکہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ابوجمیلہ کے صالح ہونے کے علم ہونے پر لاوارث بچے کو ان کے پاس ہی رکھنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا تھا:(اس کی ولایت تجھے ہی ملے گی) اس لیے کہ اس نے اسے اٹھانے میں سبقت لی ہے اس لیے وہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اور لاوارث بچے کو اٹھانے والا ہی اس بچے پر اس کے ساتھ پائے جانے والی رقم میں سے خرچ کرے گا اس لیے کہ وہ ہی اس کا ولی ہے اور خرچ کرنے میں معروف اور احسن انداز اختیار کرنا ہوگا۔

اور اگر لاوارث بچے کو اٹھانے والا پرورش کرنے کا اہل نہ ہو مثلاً وہ کافر یا فاسق ہو اور بچہ مسلمان ہونے کی صورت میں بچہ اس کے پاس نہیں رہنے دیا جائے گا ،اس لیے کہ کافر اور فاسق کی مسلمان پر ولایت قائم نہیں ہوسکتی ،کیونکہ وہ بچے کو دین اسلام سے پھیر دے گا اور اسی طرح اگر بچے کو اٹھانے والا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والا خانہ بدوش ہوتو اس کے پاس بھی بچہ نہیں رہنے دیا جائے گا اس لیے کہ اس میں بچے کے لیے تکلیف اور تنگی ہے۔

لھذا بچہ اس سے حاصل کر کے شہر میں رکھا جائے گا کیونکہ بچے کا شہر میں رہنا اس کے دین و دنیا دونوں کے لیے بہتر اور اچھا ہے، اور بچے کے خاندان اور نسب کو تلاش کرنے میں زیادہ آسان ہے۔

لاوارث بچے کی اگر کوئی اولاد نہ ہو تو اس کی وراثت اور اسی طرح اگر اس پر کوئی شخص جرم کرے تو اس کی دیت دونوں چیزیں بیت المال کی ہونگی ،اور اگر اس کی بیوی ہو تو اسے ربع یعنی چوتھا حصہ ملے گا۔

اور لاوارث بچے کا قتل عمد میں مسلمانوں کا امام اس کی ولی بنے گا اس لیے کہ مسلمان اس کے وارث بنتے ہیں اور امام یعنی خلیفہ اور امیر المسلمین ان کا نائب ہے لھذا اسے قصاص اور دیت لینے کا اختیار دیا جائیگا اور دیت بیت المال کی ہوگی ،کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا حکمران اور خلیفہ ولی ہوتا ہے۔

اور اگر اس پر کوئی شخص قتل کے علاوہ کسی قسم کی زیادتی کرے تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا تا کہ وہ اس کا قصاص لے سکے یا اس زیادتی کو معاف کردے۔

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لاوارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا ،اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے ،اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور نقصان نہیں ،لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعوی کرنے والا منفرد شخص ہو ،اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافے والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد ہو اور عادل اور اور اس کے قیافہ کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

لقیط کا نام رکھنے کا بیان

اللَّقِيطُ سُمِّيَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَآلِهِ لِمَا أَنَّهُ يُلْقَطُ . وَالِالْتِقَاطُ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَائِهِ ، وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ ضَيَاعُهُ فَوَاجِبٌ . قَالَ (اللَّقِيطُ حُرٌّ) ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي بَنِي آدَمَ إنَّمَا هُوَ الْحُرِّيَّةُ ، وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْأَحْرَارِ ؛ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ .

ترجمہ

لقیط کا نام لقیط اس کے انجام کے سبب سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس کو اٹھایا جاتا ہے اور اس کا اٹھانا مستحب ہے کیونکہ اس میں لقیط کی زندگی ہے اور جب دیکھنے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اب اس کو اٹھانا واجب ہے۔ فرمایا: کہ لقیط آزاد ہوتا ہے کیونکہ بنی آدم میں اصل آزادی ہے کیونکہ دار الاسلام بھی آزاد لوگوں کا ملک ہے کیونکہ حکم غالب پر مرتب ہوا کرتا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص کو ایسا بچہ ملے اور معلوم ہو کہ نہ اُٹھالائے تو ضائع وہلاک ہو جائیگا تو اُٹھالانا فرض ہے اور ہلاک کا غالب گمان نہ ہو تو مستحب۔ لقیط آزاد ہے اس پر تمام احکام وہی جاری ہوں گے جو آزاد کے لیے ہیں اگرچہ اُس کا اُٹھالانے والا غلام ہو ہاں اگر گواہوں سے کوئی شخص اسے اپنا غلام ثابت کر دے تو غلام ہوگا۔ (فتح القدیر، کتاب لقیط)

لقیط کے اخراجات کا بیت المال سے ہونے کا بیان

(وَنَفَقَتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ ، وَلِأَنَّهُ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنْ التَّكَسُّبِ ، وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَ الَّذِي لَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ ؛ وَلِأَنَّ مِيرَاثَهُ لِبَيْتِ الْمَالِ ، وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهَذَا كَانَتْ جِنَايَتُهُ فِيهِ .

وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ ؛ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ إلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ لِيَكُونَ دَيْنًا

عَلَيۡهِ لِعُمُومِ الۡوِلَايَةِ.

ترجمہ

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ لقیط کا نفقہ بیت سے دیا جائے گا۔ کیونکہ لقیط ایسا مسلمان ہے جو کمانے سے عاجز ہے اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے اور اسکی کوئی قرابت بھی نہیں ہے پس لقیط اس اپاہج کی طرح ہو جائے گا جس کے پاس مال نہ ہو۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ لقیط کی وارثت بیت المال کی ہوتی ہے اور جو نفع لینے والا ہے وہی ضمان بھی ادا کرے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) لہذا لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال میں سے واجب ہے۔ البتہ لقیط پر خرچ کرنے والا محسن ہے کیونکہ لقیط پر خرچ کرنے والے کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی حتیٰ کہ قاضی اس پر خرچ کرنے کا حکم جاری کر دے تاکہ خرچ کرنا اس پر بطور قرض ہو جائے کیونکہ قاضی کو عموم ولایت حاصل ہے۔

لقیط کے اخراجات کی ذمہ داری کا بیان

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ابو جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑا ہوا بچہ پایا۔ کہتے ہیں میں اسے اٹھالایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا انھوں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں اٹھایا؟ میں نے جواب دیا کہ میں اسے نہ اٹھاتا تو یہ ضائع ہو جاتا ابو جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم کے سردار نے کہا اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ مرد صالح ہے یعنی یہ غلط نہیں کہتا (یعنی یہ تصدیو ہو جانے پہ کہ ابو جمیلہ درست کہہ رہے کہ کہ بچے کے بارے میں انھیں اس کے سوا کچھ پتہ نہیں کہ وہ رستے میں پڑا ہوا تھا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسے لے جاؤ یہ آزاد ہے اس کا نفقہ ہمارے ذمہ ہے یعنی بیت المال سے دیا جائے گا۔ (موطا، امام مالک)

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لقیط لایا جاتا تو اسکے مناسب حال کچھ وظیفہ مقرر فرما دیتے جو اسکا ولی ہر ماہ لے جایا کرے، لقیط کے بارے میں بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے اسکی رضاعت (کسی خاتون سے دودھ پینا) کے مصارف اور دیگر اخراجات بیت المال سے مقرر کرتے۔ (نصب الرایہ، کتاب اللقیط)

تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے انہوں نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔

(المصنف، باب القیط)

امام محمد نے امام حسن بصری سے روایت کی ایک شخص نے لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا انھوں نے فرمایا یہ آزاد ہے اگر میں اسکا متولی ہوتا ہوتا یونی اگر یہ مجھے ملا ہوتا تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(فتح القدیر، کتاب القیط)

لقیط کے جملہ اخراجات کھانا کپڑا رہنے کا مکان بیماری میں دوا یہ سب بیت المال کے ذمہ ہے اور لقیط مر جائے اور کوئی وارث

نہ ہوتو میراث بھی بیت المال میں جائے گی۔ایک شخص ایک بچہ کو قاضی کے پاس پیش کرنے کہتا ہے یہ لقیط ہے میں نے ایک جگہ پڑا پایا ہےتو ہوسکتا ہے کہ محض اُس کے کہنے سے قاضی تصدیق نہ کرے بلکہ گواہ مانگے اس لیے کہ ممکن ہے خود اُسی کا بچہ ہواور لقیط اس غرض سے بتاتا ہے کہ مصارف بیت المال سے وصول کرےاور یہ ثبوت بہم پہنچ جانے کے بعد کہ لقیط ہے نفقہ وغیرہ بیت المال سے مقرر کردیا جائے۔(فتاویٰ ہندیہ)

بیت المال کے بعض مصارف کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول"مثل مالا "یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچاہوا ترکہ) رَدّ نہیں کیا جاتا۔چنانچہ اس کامشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہواور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں،اس میں سے ان کو خرچہ،دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں۔

(ردمحتار،کتاب زکوٰۃ،باب عشر،ج ۲،ص ۵۹،بیروت)

لقیط کو اٹھانے والے ہی کے استحقاق کا بیان

قَالَ (فَإِنْ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبْقِ يَدِهِ (فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ). مَعْنَاهُ :إذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُلْتَقِطُ نَسَبَهُ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُقْبَلَ قَوْلُهُ ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إبْطَالَ حَقِّ الْمُلْتَقِطِ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ ؛ لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بِعَدَمِهِ .ثُمَّ قِيلَ يَصِحُّ فِي حَقِّهِ دُونَ إبْطَالِ يَدِ الْمُلْتَقِطِ .وَقِيلَ يُبْتَنَى عَلَيْهِ بُطْلَانُ يَدِهِ ، وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمُلْتَقِطُ قِيلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْأَصْلِ .

ترجمہ

فرمایا:اور جب کسی شخص نے لقیط کو اٹھایا تو دوسرے آدمی کیلئے حق نہیں ہے کہ وہ اٹھانے والے سے لقیط کو لے۔کیونکہ اٹھانے میں سبقت کرنے کے سبب اسی کو حق حفاظت مل چکا ہے ہاں جب کسی بندے نے یہ دعویٰ کردیا کہ لقیط تو میرا بیٹا ہےتو اس کے قول کا اعتبار کرلیا جائے گا۔اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس نے ثبوت نسب کا دعویٰ خواہ نہ کیا ہو۔اور یہ استحسان ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس دعویٰ سے ملتقط کے حق کا بطلان لازم آرہا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے حق میں اس کا اقرار کرنا ایسا عمل ہے جو بچے کیلئے فائدے مند ہے کیونکہ ثبوت نسب سے وہ شریف کہلائے گا اور نسب نہ ہونے کے سبب اسے شرمندگی ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دعویٰ صرف ثبوت نسب میں درست ہوگا جبکہ ملتقط کے دعویٰ کو باطل کرنے میں اسکا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ملتقط کے قبضے کا باطل ہونا بھی اس دلیل پر مبنی ہے اور جب ملتقط دعویٰ کرے تو ایک قول کے مطابق قیاس واستحسان دونوں کے اعتبار سے درست ہوگا جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی بطور استحسان درست ہوگا قیاس کے اعتبار سے درست نہ ہوگا اور مبسوط میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

لقیط جو بطور جبر لینے کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اُٹھالانے والے سے لقیط کو جبراً کوئی نہیں لے سکتا قاضی و بادشاہ کو بھی اس کا حق نہیں ہاں اگر کوئی سبب خاص ہو تو لیا جاسکتا ہے مثلاً اُس میں بچہ کی نگہداشت کی صلاحیت نہ ہو یا ملتقط فاسق فاجر شخص ہے اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ بدکاری کریگا ایسی صورتوں میں بچہ کو اُس سے جدا کرلیا جائے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب لقیط)

ملتقط کی رضامندی سے قاضی نے لقیط کو دوسرے شخص کی تربیت میں دیدیا پھر اس کے بعد ملتقط واپس لینا چاہتا ہے تو جب تک یہ شخص راضی نہ ہو واپس نہیں لے سکتا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

لقیط کے بارے میں دو آدمیوں کے دعویٰ کرنے کا بیان

(وَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَى بِهِ) ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ ، وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ .وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ فِي زَمَانٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ فِيهِ إلَّا إذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ ؛ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَى .

ترجمہ

اور جب لقیط کے بارے میں دو بندوں نے دعویٰ کردیا اور ان میں سے ایک مدعی نے علامت کو بیان کردیا جو اس کے جسم میں تھی تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔ کیونکہ ظاہری حالت اس کے حق کی گواہ ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور علامت سے اس کا کلام واضح ہے۔ اور جب ان میں سے کسی ایک نے علامت کو بیان نہ کیا تو وہ لقیط دونوں کا بیٹا ہوگا کیونکہ دعویٰ کے سبب میں دونوں برابر ہیں اور جب ان میں سے ایک نے پہلے دعویٰ کیا تو مقدم والے کا بیٹا ہوگا کیونکہ اس کا حق ایسے وقت میں ثابت ہوا ہے جب اس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا نہیں تھا۔ ہاں جب دوسرا آدمی کوئی گواہ پیش کردے کیونکہ شہادت زیادہ قوی ہوتی ہے۔

شرح

ایک کے دعویٰ کرنے کے بعد دوسرا شخص دعویٰ کرتا ہے تو وہ پہلے ہی کا لڑکا ہو چکا دوسرے کا دعویٰ باطل ہے ہاں اگر دوسرا شخص گواہوں سے اپنا دعویٰ ثابت کردے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ دو شخصوں نے بیک وقت اُس کے متعلق دعویٰ کیا اور ان میں ایک نے اُس کے جسم کا کوئی نشان بتایا اور دوسرا نہیں تو جس نے نشانی بتائی اُسی کا ہے مگر جبکہ دوسرا گواہوں سے ثابت کردے کہ میرا لڑکا ہے تو یہی مستحق ہوگا اور اگر دونوں کوئی علامت بیان نہ کریں نہ گواہوں سے ثابت کریں یا دونوں گواہ قائم کریں تو لقیط دونوں میں مشترک قرار دیا جائے اور اگر ایک نے کہا لڑکا ہے دوسرا کہتا ہے لڑکی تو جو صحیح کہتا ہے اُسی کا ہے۔ مجہول النسب بھی اس حکم میں لقیط کی مثل ہے یعنی دعوی النسب میں جو حکم لقیط کا ہے وہی اس کا ہے۔ (ہدایہ)

مسلمانوں کے شہر میں لقیط کے پائے جانے کا بیان

(وَإِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعَى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ؛ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنُ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيرِ ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالدَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيمَا يَنْفَعُهُ دُونَ مَا يَضُرُّهُ .

(وَإِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بِيعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا) وَهَذَا الْجَوَابُ فِيمَا إذَا كَانَ الْوَاجِدُ ذِمِّيًّا رِوَايَةً وَاحِدَةً ، وَإِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِي هَذَا الْمَكَانِ أَوْ ذِمِّيًّا فِي مَكَانِ الْمُسْلِمِينَ اخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ فِيهِ ، فَفِي رِوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيطِ اُعْتُبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهِ ، وَفِي كِتَابِ الدَّعْوَى فِي بَعْضِ النُّسَخِ اُعْتُبِرَ الْوَاجِدُ وَهُوَ رِوَايَةُ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ لِقُوَّةِ الْيَدِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبَعِيَّةِ الدَّارِ حَتَّى إذَا سُبِيَ مَعَ الصَّغِيرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا ، وَفِي بَعْضِ نُسَخِهِ اُعْتُبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ .

ترجمہ

اور جب مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں لقیط پایا گیا یا بستیوں میں سے کسی بستی میں لقیط پایا گیا اور ایک ذمی شخص نے یہ دعویٰ کردیا کہ یہ اسکا بیٹا ہے تو اس بچے کا نسب ذمی سے ثابت ہو جائے گا اور وہ مسلمان ہوگا اور یہی استحسان ہے کیونکہ ذمی کا دعویٰ ثبوت نسب میں حکم کو لازم کرنے والا ہے اور یہ چیز اس بچے کے فائدے کی ہے۔ لیکن یہی دعویٰ دارالاسلام کے سبب ثابت ہونے والے لقیط کے اسلام کو باطل کرنے کو لازم ہوگا۔ حالانکہ اسلام کو باطل کرنا زیادہ نقصان دہ ہے پس جو چیز بچے کیلئے نفع مند ہے اس میں اس کا دعویٰ درست ہوگا اور جو چیز اس بچے کیلئے نقصان دہ ہو وہ اس میں دعویٰ درست نہ ہوگا۔

اور جب لقیط اہل ذمہ کے دیہاتوں میں کسی دیہات میں یا بیعہ یا کنیسہ میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا اور یہ حکم تب ہوگا جب اس کو اٹھانے والا ذمی ہو۔ اور جب اہل ذمہ کے علاقے میں لقیط کو کسی مسلمان نے پایا ہے یا مسلمانوں کے علاقوں میں کسی ذمی نے اسے پایا ہے تو اسکے بارے میں اختلاف روایات ہے۔

کتاب لقیط کی روایت کے مطابق اس میں مکان کا اعتبار ہے کیونکہ مکان مقدم ہے جبکہ مبسوط کے بعض نسخہ جات میں کتاب دعویٰ کی روایت میں یہ ہے کہ پانے والا کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور محمد بن سماعہ نے امام محمد علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ کیونکہ قبضہ مضبوط ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ والدین کے تابع ہونے کا حکم گھر کے تابع ہونے سے بلند ہے یہاں تک کہ جب والدین کے ساتھ کوئی بچہ قید کیا گیا ہو تو وہ بچہ کافر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اور مبسوط کے بعض نسخہ جات میں ہے بچے پر رحمت کے سبب اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔

لقیط کے غلام ہونے کے دعویٰ کرنے کا بیان

(وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ اللَّقِيطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ (فَإِنْ ادَّعَى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّهُ يَنْفَعُهُ (وَكَانَ حُرًّا) ؛ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ قَدْ تَلِدُ لَهُ الْحُرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحُرِّيَّةُ الظَّاهِرَةُ بِالشَّكِّ (وَالْحُرُّ فِي دَعْوَتِهِ اللَّقِيطَ أَوْلَى مِنْ الْعَبْدِ ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلَى مِنْ الذِّمِّيِّ) تَرْجِيحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِي حَقِّهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے لقیط کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کا غلام ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا کیونکہ ظاہری حالت کے مطابق وہ آزاد ہے ہاں جب وہ شخص کوئی شہادت قائم کردے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ پس جب کسی غلام نے لقیط کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اسکا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کیلئے اسی میں فائدہ ہے اور وہ آزاد ہوگا کیونکہ آزاد عورت غلام کیلئے بھی بچہ کرسکتی ہے پس شک کے سبب اس کی ظاہری آزادی باطل نہ ہوگی اور اس طرح لقیط کے بارے میں غلام دعویٰ کرنے میں آزاد کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہوگا۔ اور مسلمان ذمی سے زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اس میں ترجیح اس چیز کو دی گئی ہے کہ جس میں بچے کو زیادہ فائدہ ہو۔

لقیط کی نسبت دعویٰ کرنے والے کا بیان

لقیط کی نسبت کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اُسی کا لڑکا قرار دیدیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے اپنا غلام بتائے تو جب تک گواہوں سے ثابت نہ کردے غلام قرار نہ دیا جائے۔

اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعوی صحیح تسلیم کیا جائے گا لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا جبکہ وہ مسلمانوں

کی آبادی یا مسلمانوں کے محلہ میں ملا ہو اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلہ میں یا انکے گرجا و مندر میں ملا ہوگا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقیط کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط ہی پر خرچ کیا جائے گا اگر چہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ ور کے سپرد کر دے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح کر دے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت و مزدوری کرائے۔

لقیط کے ساتھ مال ہونے کا بیان

وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيطِ مَالٌ مَشْدُودٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ) اعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ .وَكَذَا إذَا كَانَ مَشْدُودًا عَلَى دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ إلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ وَلِلْقَاضِي وِلَايَةُ صَرْفِ مِثْلِهِ إلَيْهِ .

وَقِيلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي ؛ لِأَنَّهُ لِلَّقِيطِ ظَاهِرًا (وَلَهُ وِلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ) كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ الْإِنْفَاقِ .

(وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمُلْتَقِطِ) لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْوِلَايَةِ مِنْ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسَّلْطَنَةِ .

ترجمہ

اور جب کسی لقیط کے ساتھ مال بھی پایا گیا تو ظاہری حالت کے اعتبار سے وہ مال بھی اسی کا ہوگا۔ اور اسی طرح جب وہ کسی مال کی سواری کے ساتھ ہو اور اسی پر لقیط ہو تب بھی وہ مال اس لقیط کا ہوگا اسی کی دلیل وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

قاضی کے حکم کے مطابق لقیط کو پانے والا وہ مال لقیط پر خرچ کرے گا کیونکہ یہ ضائع ہونے والا مال ہے اور قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس طرح کا مال لقیط پر خرچ کرے جبکہ دوسرے قول کے مطابق لقیط کو پانے والا قاضی کے حکم کے بغیر بھی اس مال کو لقیط پر خرچ کر سکتا ہے کیونکہ ظاہری طور پر وہ مال لقیط ہی کا ہے۔

اٹھانے والے کو لقیط پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے کا حق حاصل ہے جس طرح کھانا اور کپڑا وغیرہ ہے کیونکہ یہ اس کیلئے اخراجات میں سے ہے ہاں البتہ اس کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ولایت کے سبب یعنی قرابت ،ملکیت اٹھانے والے کے حق میں ثابت نہیں ہے۔

لقیط کی اشیاء میں عدم تصرف کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لقیط پر خرچ کرنے کی ولایت ملتقط کو ہے اور کھانے پینے لباس وغیرہ ضروری اشیاء

خریدنے کی ضرورت ہو تو اس کا ولی بھی ملتقط ہے لقیط کی کوئی چیز بیع نہیں کر سکتا نہ کوئی چیز بے ضرورت اُدھار خرید سکتا ہے۔ لقیط کو کسی نے کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ کیا تو ملتقط کو قبول کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ تو نرا فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں نقصان اصلاً نہیں ہے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب لقیط)

لقیط کے مال میں تجارتی تصرف کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا تَصَرُّفُهُ فِي مَالِ الْمُلْتَقِطِ) اعْتِبَارًا بِالْأُمِّ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِتَثْمِيرِ الْمَالِ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفَقَةِ الْوَافِرَةِ وَالْمَوْجُودُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا .

قَالَ :(وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ) ؛ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيرُ بِنَفْسِهِ إذَا كَانَ عَاقِلًا وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا .قَالَ (وَيُسَلِّمُهُ فِي صِنَاعَةٍ) ؛ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيفِهِ وَحِفْظِ حَالِهِ .

قَالَ (وَيُؤَاجِرُهُ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ :وَهَذَا رِوَايَةُ الْقُدُورِيِّ فِي مُخْتَصَرِهِ ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :لَا يَجُوزُ أَنْ يُؤَاجِرَهُ ، ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ إلَى تَثْقِيفِهِ .وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ .بِخِلَافِ الْأُمِّ ؛ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

فرمایا: لقیط کے مال میں اٹھانے والے کیلئے تصرف جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی ماں پر قیاس کیا جائے گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تصرف کی ولایت مال کو بڑھانے کی غرض سے ہوتی ہے۔ اور یہ کامل رائے اور کثیر شفقت سے ثابت ہوا کرتی ہے۔ اور یہ ان دونوں یعنی اٹھانے والے اور ماں میں سے ہر ایک میں ایک ہی چیز موجود ہے۔

فرمایا: اٹھانے والے کیلئے لقیط کیلئے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہے اس لئے ہبہ میں صرف فائدہ ہے کیونکہ جب چھوٹا عقل مند ہو تو وہ بہ ذات خود ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہوگا اور اس کی ماں اور اس کی ماں کو وصیت کرنے والا بھی اس کے مالک ہیں۔

فرمایا: لقیط کو کسی ہنر سکھانے میں لگانے کا اختیار اٹھانے والے کو ہے کیونکہ اس میں اسی کیلئے بہتری اور اس کی حالت کی حفاظت کیلئے ہے۔ اور اٹھانے والا اس کو اجرت بھی دے سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مختصر القدوری میں امام قدوری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جبکہ جامع صغیر میں ہے

اٹھانے والے کیلئے لقیط کو اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب کراہیت میں اس کو بیان کیا ہے۔ زیادہ صحیح یہی ہے جبکہ اس سے پہلے کی دلیل یہ ہے کہ اجرت دینے سے بھی اس کے حق میں بھلائی ہے۔ جامع صغیر میں دلیل یہ ہے کہ وہ اٹھانے والے کے فائدے کو ضائع کرنے کا مالک نہیں ہے پس وہ صغیر کے چچا کے مشابہ ہو جائے گا بہ خلاف ماں کے کیونکہ ماں اس کی مالک ہوتی ہے جس کو ہم ان شاء اللہ کتاب کراہیت میں بیان کریں گے۔

شرح

لقیط آزاد ہے اس پر تمام احکام وہی جاری ہوں گے جو آزاد کے لیے ہیں اگر چہ اُس کا اُٹھالانے والا غلام ہو ہاں اگر گواہوں سے کوئی شخص اسے اپنا غلام ثابت کر دے تو غلام ہوگا۔

کتابُ اللقطۃ

﴿یہ کتاب لقطہ کے بیان میں ہے﴾

کتاب لقطہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لقطہ اور لقیط دونوں الفاظ اعتبار لفظ و معنی کے اعتبار سے قریب ہیں۔اور لقیط کو آدم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ خاص کیا گیا ہے تاکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہو جائے۔اور کتاب لقیط کو مقدم کرنے کا سبب اولاد آدم علیہ السلام کے شرف و بزرگی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸،ص ۲۰۰، بیروت)

لقطہ کا فقہی مفہوم

لفظ لقطۃ کا مصدر لقط ہے جس کے معنی چن لینا، زمین پر سے اٹھالینا، سینا، رفو کرنا، انتخاب کرنا، چونچ سے اٹھانا ہے۔اسی سے لفظ ملاقطۃ اور التقاط ہیں۔جن کے معانی برابر ہونا ہیں۔اور تلقط اور التقاط کے معنی ادھر ادھر سے جمع کرنا چننا ہیں۔آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔جن کی تشریحات اپنے اپنے مقامات پر ہوں گی۔

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں گری ہوئی مل جائے اور اس شخص کو بھی لقطہ کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستے میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اسے لقیط کہتے ہیں۔(تاج العروس ج ۵ص ۲۱۶،مطبوعہ خیریہ مصر)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔

لفظ لقطہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے مگر محدثین اور لغت والوں کے ہاں فتحہ کے ساتھ ہی مشہور ہے۔عرب کی زبانوں سے ایسا ہی سنا گیا ہے۔لغت میں لقطہ کسی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔اور شریعت میں ایسی چیز جو پڑی ہوئی پائے جائے اور وہ کسی بھی آدمی کے حق ضائع سے متعلق ہو اور پانے والا اس کے مالک کو نہ پائے۔اور لفظ التقاط میں امانت اور روایت کے معانی بھی مشتمل ہیں۔اس لیے کہ ملتقط امین ہے اس مال کا جو اس نے پایا ہے اور شرعا وہ اس مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے جس طرح بچے کے مال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اور اس میں اکتساب کے معانی بھی ہیں کہ پہچنوانے کے بعد اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس چیز میں اس کا حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔(التعریف،از امام قسطلانی)

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے جبکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ

اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک سے حوالے کر دیا جائے گا اگر اپنے نفس پر یہ اطمینان نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھا لینا واجب ہوگا اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

کتاب لقطہ کے شرعی ماخذ کا بیان

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔(توبہ، ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ ورسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔(کنزالایمان)

منافقوں کی بدخصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ایک دوسرے کا دست و بازو بنے رہتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگوں اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔

سب کو بھلائیاں دکھاتے ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائیوں کا حکم کرے برائیوں سے منع کرے۔ یہ نمازی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تا کہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو دوسری جانب مخلوق کی دلجوئی ہو۔ اللہ رسول کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے جو حکم ملا بجا لائے جس سے روکا رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم الٰہی کے مستحق ہیں۔ یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ کی رحمت انکی طرف لپکتی ہے۔ اللہ عزیز ہے وہ اپنے فرماں برداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں، اس کی حکمت کی تہہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ جو چاہے کرے وہ برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔

لقطہ کے امانت ہونے کا بیان

لقطہ اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے جبکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے

رکھے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا جبکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کر دے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ کی تشہیر کی مدت کا بیان

لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی اٹھانے والا کہتا ہے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے کہ جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مدت تشہیر ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے یا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لقطہ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لقطہ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کو کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے اس صورت میں لقطہ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کرے وہ لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم و قاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لقطہ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جس طرح بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لقطہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اسکو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جس طرح جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دیدے اور یہ طے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ جبکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا تو پھر اس چیز

کو فروخت کرادے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تا کہ جب مالک آجائے تو اسے دیدی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لقطہ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعوی کرے تو وہ لقطہ اسے دیدینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لقطہ اسے نہیں دینا چاہئے اگر لقطہ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کردے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لقطہ دیدے جبکہ یہ لوگ مفلس وضرورت مند ہوں۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لینا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی سبب سے بھٹک رہا ہو۔ اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگر چہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تا کہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچادوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے اور اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔ جبکہ اس نے کسی کو گواہ بنالیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہوگا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی بلکہ اس پر تاوان بھی واجب نہیں ہوگا۔

لقطہ کے امانت ہونے کا بیان

قَالَ (اللُّقَطَةُ أَمَانَةٌ إذَا أَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلَى صَاحِبِهَا) لِأَنَّ الْأَخْذَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَأْذُونٌ فِيهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَ الْوَاجِبُ إذَا خَافَ الضَّيَاعَ عَلَى مَا قَالُوا ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَا تَكُونُ مَضْمُونَةً عَلَيْهِ ، وَكَذَلِكَ إذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ ، وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إذْنِهِ وَبِغَيْرِ إذْنِ الشَّرْعِ ، وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ الشُّهُودُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْته لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُونَ

الْمَعْصِيَةِ ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ وَادَّعَى مَا يُبْرِئُهُ وَهُوَ الْأَخْذُ لِمَالِكِهِ وَفِيهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَا يَبْرَأُ ، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُونَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ وَيَكْفِيهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَنْشُدُ لُقَطَةً فَدُلُّوهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً كَانَتِ اللُّقَطَةُ أَوْ أَكْثَرَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ .

ترجمہ

فرمایا: لقطہ امانت ہے۔ جب وہ اس پر گواہ بنائے کہ وہ اس کو حفاظت اور مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھانے والا ہے کیونکہ اس ارادے سے اٹھانے کی شرعی طور پر اجازت ہے۔ بلکہ اکثر عام فقہاء کے نزدیک افضل ہے اور جب اس مال کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس کو اٹھانا واجب ہے جس طرح مشائخ نے فرمایا ہے اور جب اس طرح حالت ہو تو لقطہ اٹھانے والے مضمون ہو جائے گا اور اسی طرح جب مالک اور اٹھانے والے نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس نے وہ لقطہ مالک کیلئے اٹھایا تھا کیونکہ ان دونوں کا اتفاق کرنا ہی ان کیلئے دلیل ہے پس یہ گواہی کی طرح ہو جائے گا۔

اور جب اٹھانے والے نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اپنے لئے اٹھایا تھا تو بہ اتفاق وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اجازت شرعیہ کے بغیر اٹھایا ہے۔ اور جب اٹھانے والے نے اٹھانے کے وقت اس پر کوئی گواہ نہ بنایا اور پھر کہنے لگا کہ میں نے اس کو مالک کیلئے اٹھایا تھا اور مالک اس کو جھٹلانے والا ہے تو طرفین کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اٹھانے والے کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ حالت ظاہری اس کے حق میں گواہ ہے حالانکہ اس نے ایک نیک کام کیا ہے جو کسی طرح بھی گناہ نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ضمان کے سبب کا خود اقرار کیا ہے اور وہ دوسرے کا مال لینا ہے اور اس نے اس طرح کا دعویٰ بھی کیا ہے جو اس کو ضمان سے بری کرے یعنی صاحب مال کا مال لینے سے اس بات میں شک پیدا ہو چکا ہے پس وہ ضمان سے بری نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے جو ظاہری حالت کا ذکر کیا حالانکہ یہ ظاہری حالت اس کے خلاف بھی تو ہے کیونکہ ظاہری طور پر انسان اپنی ذات کیلئے کام کرنے والا ہے۔ اور اٹھانے والے کی شہادت کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اس طرح کہے کہ تم لوگ جس بندے کو لقطہ تلاش کرتے پاؤ اس کو میرا نام بتانا خواہ وہ لقطہ ایک ہو یا دو ہوں کیونکہ وہ اسم جنس ہے۔

لقطہ کے اٹھانے و تصرف میں فقہی تصریحات

پڑا مال اٹھا لایا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا اب مالک آیا اور چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور تاوان مانگتا ہے کہتا ہے کہ تم نے بدنیتی سے اپنے صرف میں لانے کے لیے اُٹھایا تھا، لہٰذا تم پر تاوان ہے یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اپنے لیے نہیں اُٹھایا تھا بلکہ اس

رتے سے کہا تھا کہ مالک کو دوں گا تو شخص اس کہنے سے ضمان سے بری نہیں جب تک بصورت امکان گواہ نہ کرے۔ (ہدایہ)

جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو تصرف کرنا جائز ہوگا لیکن جب مالک آ جائے تو وہ چیز یا اس کا بدل دینا لازم ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر پانے والا محتاج ہے۔ تو اس میں تصرف کر سکتا ہے اگر مالدار ہے تو اس کو خیرات کر دے۔ پھر اگر اس کا مالک آ ئے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ اس خیرات کو جائز رکھے خواہ اس سے تاوان لے۔

جہاں تک غور وفکر کا تعلق ہے اسلام نے گرے پڑے اموال کی بڑی حفاظت کی ہے اور ان کے اٹھانے والوں کو اسی حالت میں اٹھانے کی اجازت دی ہے کہ وہ خود ہضم کر جانے کی نیت سے ہرگز ہرگز ان کو نہ اٹھائیں۔ بلکہ ان کے اصل مالکوں تک پہنچانے کی نیت سے ان کو اٹھا سکتے ہیں۔ اگر مالک فوری طور پر نہ مل سکے تو موقع بہ موقع سال بھر اس مال کا اعلان کرتے رہیں۔ آج کل کے ذرائع بہت وسیع ہو چکے ہیں، اخبارات اور ریڈیو کے ذرائع سے اعلانات ہر کس و ناکس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرح اعلان متواتر اعلانات پر سال گزر جائے اور کوئی اس کا مالک نہ مل سکے تو پانے والا اپنے مصرف میں اسے لے سکتا ہے۔ مگر یہ شرط اب بھی ضروری ہے کہ اگر کسی دن بھی اس کا اصل مالک آ گیا تو وہ مال اسے مع تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اگر اصل مال وہ ختم کر چکا ہے تو اس کی جنس بالمثل ادا کرنی ہوگی۔ یا پھر جو بھی بازاری قیمت ہو وہ ادا کرنی ضروری ہوگی۔ ان تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لقطہ کے متعلق اسلام کا قانونی نظریہ کس قدر ٹھوس اور کتنا نفع بخش ہے۔ کاش اسلام کے معاندین ان قوانین اسلامی کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے دلوں کو عناد سے پاک کر کے قلب سلیم کے ساتھ صداقت کو تسلیم کر سکیں۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے برتن کی بناوٹ اور اس کے بندھن کو ذہن میں یاد رکھ کر ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہ۔ اگر مالک مل جائے (تو اسے دے دے) ورنہ اپنی ضرورت میں خرچ کر۔ انہوں نے پوچھا اور اگر راستہ بھولی ہوئی بکری ملے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی ہوگی۔ ورنہ پھر بھیڑیا اسے اٹھا لے جائے گا صحابی نے پوچھا اور اونٹ جو راستہ بھول جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ خود اس کا مشکیزہ ہے، اس کے کھر ہیں، پانی پر وہ خود ہی پہنچ جائے گا اور خود ہی درخت کے پتے کھا لے گا۔ اور اس طرح کسی نہ کسی دن اس کا مالک اسے خود پالے گا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۴۲۹)

فان جاء صاحبها یعنی اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دے۔ جس طرح امام احمد اور ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص آئے جو اس کی گنتی اور تھیلی اور سر بندھن کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے تو اس کو دے دے۔ معلوم ہوا کہ صحیح طور پر اسے پہچان لینے والے کو وہ مال دے دینا چاہئے۔ گواہ شاہد کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اس روایت میں دو سال تک بتلانے کا ذکر ہے۔ اور آگے والی احادیث میں صرف ایک سال تک کا بیان ہوا ہے۔ اور تمام علماء نے اب اسی کو اختیار کیا ہے اور دو سال والی روایت کے حکم کو ورع اور احتیاط پر محمول کیا۔ یوں محتاط حضرات اگر ساری عمر بھی اسے اپنے استعمال میں

نہ لائیں اور آخر میں چل کر بطور صدقہ خیرات دے کر اسے ختم کردیں تو اسے نور علی نور ہی کہنا مناسب ہوگا۔

لقطہ کی قیمت ومقدار وتشہیر میں فقہی بیان

قَالَ (فَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا ، وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ :وَهَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى .وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ).

وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِي لُقَطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِينَارٍ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ ، وَالْعَشَرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِي مَعْنَى الْأَلْفِ فِي تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهِ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا فِي حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ ، فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيفَ بِالْحَوْلِ احْتِيَاطًا ، وَمَا دُونَ الْعَشَرَةِ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْأَلْفِ بِوَجْهٍ مَا فَفَوَّضْنَا إلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ وَقِيلَ الصَّحِيحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْمَقَادِيرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ ، وَيُفَوَّضُ إلَى رَأْيِ الْمُلْتَقِطِ يُعَرِّفُهَا إلَى أَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا ، وَإِنْ كَانَتْ اللُّقَطَةُ شَيْئًا لَا يَبْقَى عَرَّفَهُ حَتَّى إذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَرِّفَهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهَا .

وَفِي الْجَامِعِ :فَإِنَّ ذَلِكَ أَقْرَبُ إلَى الْوُصُولِ إلَى صَاحِبِهَا ، وَإِنْ كَانَتْ اللُّقَطَةُ شَيْئًا يُعْلَمُ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا كَالنَّوَاةِ وَقُشُورِ الرُّمَّانِ يَكُونُ إلْقَاؤُهُ إبَاحَةً حَتَّى جَازَ الِانْتِفَاعُ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيفٍ وَلَكِنَّهُ مُبْقًى عَلَى مِلْكِ مَالِكِهِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنْ الْمَجْهُولِ لَا يَصِحُّ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب لقطہ کی قیمت دس دراہم سے تھوڑی ہو تو اٹھانے والا چند ایام تک اس کا اعلان کرائے اور جب وہ دس دراہم یا اس سے بھی زائد مالیت کا ہو تو سال بھر اس کا اعلان کرائے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے

ایک روایت ہے۔

امام قدوری علیہ الرحمہ کے قول 'ایاما'' کا معنی یہ ہے کہ اٹھانے والا امام کی رائے کے مطابق اعلان کرائے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ مبسوط میں ایک سے اس کا اندازہ کیا ہے جبکہ قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص گری پڑی چیز اٹھائے اس کو چاہیے کہ ایک سال تک اس کا اعلان کرائے۔ یہ ارشاد گرامی بغیر کسی تفصیل کے بیان ہوا ہے۔

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک سال کا اندازہ ایسے لقطہ کے بارے میں جو سو دینار ایک ہزار دراہم کے برابر تھا اور دس دراہم اور اس سے بھی زائد دراہم ہزار کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ چوری کی حالت میں حد سرقہ انہیں سے متعلق ہے۔ اور اسی سے عورت کی شرمگاہ کو حلال کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی سبب سے دس دراہم یا اس سے زائد وجوب زکوٰۃ کے حق میں ہزار دراہم کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس ہم نے بطور احتیاط ایک سال تک کی پہچان کرانے کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ دس دراہم سے تھوڑا ہونے کی صورت میں وہ کسی طرح ہزار دراہم کے حکم میں نہ ہوگا پس اس کو ہم نے رائے عامہ کے حوالے کر دیا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق ان مقادیر میں سے کسی بھی مقدار کا کوئی اعتبار لازمی وضروری نہیں ہے۔ پس اس کو اٹھانے والے کی رائے کے حوالے کر دیا جائے گا کہ وہ اتنے دنوں تک اس کی پہچان کرائے کہ جب اس کا غالب گمان ہو جائے کہ اب لقطہ والا اس کو تلاش نہیں کرے گا اس کے بعد لقطہ اٹھانے والا اس کو صدقہ کرے۔

اور جب لقطہ کوئی مضبوط چیز نہ ہو تو اٹھانے والا اس کا اعلان کرائے اور جب اس کو خطرہ ہو یہ خراب ہو جائے گی تو وہ اس کو صدقہ کر دے۔

اور لقطہ کی تشہیر اسی جگہ کرانا مناسب ہے جہاں سے اس نے اس کو اٹھایا ہے اور اسی طرح لوگوں کے اجتماع کی جگہ بھی اس کی تشہیر کرائے کیونکہ اس طرح مالک کو لقطہ مل جانے کا زیادہ چانس ہے۔

اور جب لقطہ کوئی ایسی معمولی چیز کا ہے جس کے بارے میں اس کو معلوم ہوا کہ مالک اس کو تلاش ہی نہ کرے گا جس طرح کھجور کی گٹھلی ہے اور انار کے چھلکے ہیں تو یہ القائے اباحت (اباحت کی طرف منتقل ہونے کا سبب) کا سبب ہوگا یہاں تک کہ بغیر کسی اعلان کے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ البتہ لقطہ اپنی مالک کی ملکیت پر قائم رہے گا کیونکہ مجہول بندے کی طرف سے ملکیت کا پایا جانا درست نہیں ہے۔

لقطہ کی تشہیری مدت میں مذاہب اربعہ

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ مدت

متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔

لقطہ مدت میں بعض علماء کا موقف

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ کہ وہ لقطہ کیا اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئےگا اور اس مدت کے بعد اس لقطہ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے کہ جس میں لفظ یہ ایک سال کی قید کے بغیر صرف عرفہا اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔

لقطہ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جس طرح کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو اور اگر لقطہ کوئی بہت ہی حقیر و کمتر چیز ہو جس طرح گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔

لقطہ کی پہچان کرانے کا بیان

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو ایک سال کی مدت میں اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیئے کی ہے اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ گمشدہ انٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہونیوالی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے

موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جا سکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے) تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کی وہ چیز جبکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دیدو اور نہ اس کی قیمت ادا کردو۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 251)

لقطہ کی واپسی پر شہادت میں مذاہب اربعہ

ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تا کہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعوی کرے اس پہچان کی سبب سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعوی کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟

چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے۔

لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ظرف اور سر بند کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی سبب سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال واسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثم عرفہا (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں اور مسجدوں میں اور فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل وعلامات بیان کر کے لے جائے۔

لقطہ اٹھانے والے کے مالک بننے میں فقہی مذاہب

(فان جاء صاحبها والا فشانك بها) کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ لقطہ دیدیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعوی کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دیدے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا

کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو۔

چنانچہ اکثر صحابہ اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دیدے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس سفیان ثوری ابن المبارک اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے تو لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے جبکہ وہ چیز ہلاک وضائع ہو گئی ہو۔لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے گویا اسکا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہو گیا ہو اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔شرح وقایہ کے بعض حواشی میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔

اونٹ کی مشک " سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی انٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اسکو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ انٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔اس بارے میں مشہور ہے کہ انٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

لقطہ کے مالک کے نہ آنے پر صدقہ کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا) إِيصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ ، وَذَلِكَ بِإِيصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا وَإِيصَالِ الْعِوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلَى اعْتِبَارِ إجَازَةِ التَّصَدُّقِ بِهَا ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا قَالَ (فَإِنْ) (جَاءَ صَاحِبُهَا) يَعْنِي بَعْدَمَا تَصَدَّقَ بِهَا (فَهُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَمْضَى الصَّدَقَةَ) وَلَهُ ثَوَابُهَا لِأَنَّ التَّصَدُّقَ وَإِنْ حَصَلَ بِإِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِإِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إجَازَتِهِ ، وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيرِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحَلِّ ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُولِيِّ لِثُبُوتِهِ بَعْدَ الْإِجَازَةِ فِيهِ (وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمُلْتَقِطُ لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إذْنِهِ) إلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةٍ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ ، وَهَذَا لَا يُنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ

كَمَا فِي تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمَخْمَصَةِ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمِسْكِينَ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ، وَإِنْ كَانَ قَائِمًا أَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور اگر اس لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے نہیں تو صدقہ کر دے۔ تا کہ حق اپنے حقدار تک پہنچ جائے اور یہ عمل ممکن حد تک واجب ہے یعنی جب اس کا مالک آجائے تو لقطہ کا عین اس کو واپس کرے۔ اور جب وہ نہ ملے تو پھر اس عین کا بدلہ یعنی ثواب پہنچا دے۔ اس ارادے کے ساتھ کہ اس مالک اس کو صدقہ کرنے کی اجازت دیدیگا۔ اور اگر اٹھانے والا چاہے تو اس کے مالک کے آنے تک اس کو روک رکھے۔

اس کے بعد اگر اس نے صدقہ کر دیا پھر مالک آ گیا تو اب مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس صدقے کو ہی نافذ رہنے دے اور اس کا ثواب حاصل کرے کیونکہ خواہ وہ صدقہ اجازت شرعیہ کے ساتھ ہوا ہے لیکن اس میں اس کی اجازت تو شامل نہیں ہے لہذا اس کا نفاذ اسکی اجازت پر موقوف ہوگا ہاں البتہ اس کی اجازت سے پہلے فقیر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ملکیت کا ثبوت محل صدقہ کے قیام پر موقوف نہیں ہوا کرتا۔ یہ خلاف فضولی کی بیع کے کیونکہ اس میں اجازت کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اور اگر مالک چاہے تو اٹھانے والے کو ضامن بنائے کیونکہ اٹھانے والے نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیا ہے۔ خواہ اس کو اجازت شرعیہ مل چکی ہے مگر یہی اباحت بندے کے حق میں ضمان کو روکنے والی نہیں ہے۔ جس طرح مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال کھانا ضمان کو روکنے والا نہیں ہے۔

اور اگر مالک چاہے تو اس مسکین کو ضامن بنائے جبکہ لقطہ اس کے ہاں ہلاک ہو گیا ہو۔ کیونکہ مسکین نے مالک کی اجازت کے بغیر اس مال پر قبضہ کیا ہے اور اگر لقطہ موجود ہو تو مالک اس کو پکڑ لے۔ کیونکہ اس کو اصلی صورت میں اپنا مال مل گیا ہے۔

لقطہ کے قیمتی ہونے میں معیار ضمان کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند کچھ پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جا چکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سپر ڈھال کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور بکری کے بارے میں اس سوال وجواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے اور جو پہلے گزر چکا ہے اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لقطہ کسی ایسے راستے پر

پایا جائے جس پر آمد و رفت رہتی ہو اور گاؤں و آبادی کے قریب ہو تو اس کے بارے میں ایک سال تک تشہیر و اعلان کرو اور پھر جب مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے سپرد کر دو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تمہارا ہے کہ تم اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو) اور وہ لقطہ جو ویرانہ قدیم میں پایا جائے اس کا اور زمین سے برآمد ہونیوالے دفینے کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ راہ خدا میں دے دیا جائے (نسائی) اور ابوداؤد نے اس روایت کو عمرو بن شعیب سے (وسدل عن اللقطة) تک نقل کیا ہے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 254)

ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر و مفلس ہے کہ اگر چہ وہ حالت اضطرار میں ہو اور یا اس سے مراد مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی سبب سے مرا جا رہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند درخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گنہگار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور اس پر دوگنا تاوان ہے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دوگنی قیمت وصول کی جائے گی۔

لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق تنبیہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دوگنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جا سکتی ہے۔ اگر چہ حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانے کا ہے پھر منسوخ ہو گیا ہے "اور سزا ہے "میں "سزا" سے مراد "تقدیر" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ہاں بطور تعزیر کوئی سزا دی جا سکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج و پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سیر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سیر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے چنانچہ شمنی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سیر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لقطہ کسی ایسے راستے پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی سبب سے گزرگاہ عام و خاص ہو تو اس کی تشہیر و اعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو اور جو لقطہ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویران گاؤں یا قدیم وغیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر دیا جائے اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لقطہ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان و زیورات کی شکل میں ہو اسی طرح کسی ویران قدیم سے اگر کوئی دفینہ وغیرہ برآمد ہو تو

اس کا بھی یہی حکم ہے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بھی یکے بعد دیگرے ہوں، سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہو سکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کہ وہ نافذ کر دے نافذ ہو جائے گی جبکہ بائع و مشتری و بیع قائم ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۲۰۷، لاہور)

اونٹ، بکری اور گائے کو بطور لقطہ اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ الِالْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ) وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ :إذَا وُجِدَ الْبَعِيرُ وَالْبَقَرُ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ أَفْضَلُ .وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ .

لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةَ الضَّيَاعِ ، وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقِلُّ الضَّيَاعُ وَلَكِنَّهُ يُتَوَهَّمُ فَيَقْضِي بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبُ إلَى التَّرْكِ .

وَلَنَا أَنَّهَا لُقَطَةٌ يُتَوَهَّمُ ضَيَاعُهَا فَيُسْتَحَبُّ أَخْذُهَا وَتَعْرِيفُهَا صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ (فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ) لِقُصُورِ وِلَايَتِهِ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذَلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ لِلْقَاضِي وِلَايَةً فِي مَالِ الْغَائِبِ نَظَرًا لَهُ وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ (وَإِذَا رُفِعَ ذَلِكَ إلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ ، فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا) لِأَنَّ فِيهِ إبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ إلْزَامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ يُفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْآبِقِ (وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا) إبْقَاءً لَهُ مَعْنًى عِنْدَ تَعَذُّرِ إبْقَائِهِ صُورَةً (وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا) لِأَنَّهُ نُصِبَ نَاظِرًا وَفِي هَذَا نَظَرٌ مِنْ الْجَانِبَيْنِ ، قَالُوا :إنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى رَجَاءَ أَنْ يَظْهَرَ مَالِكُهَا ، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا لِأَنَّ دَارَّةَ النَّفَقَةِ مُسْتَأْصِلَةٌ فَلَا نَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيدَةً .

ترجمہ

فرمایا: بکری، اونٹ اور گائے کو بطور لقطہ اٹھانا جائز ہے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ جب وہ اونٹ

اور گائے کو جنگل میں پائے تو ان کو نہ اٹھانا افضل ہے اور گھوڑے کا لقطہ بھی اسی اختلاف کے مطابق ہے۔ ان ائمہ فقہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال لینے میں اصل حرمت ہے اور اباحت ضائع ہونے کے خطرے سے ثابت ہوتی ہے اور جب لقطہ کے پاس خود ہی اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنا دفاع کرسکتا ہے تو ضائع ہونے کا خطرہ ختم ہو جائے گا۔ مگر ضائع ہونے کے وہم دور کرنے کیلئے ہم ان کے پکڑنے کو مکروہ قرار دیں گے پس نہ پکڑنا افضل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے اونٹ اور گائے بھی لقطہ ہیں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی موجود ہے پس لوگوں کے اموال کے تحفظ کی خاطر ان میں سے ہر ایک کو پکڑ کر اس کی تشہیر کرانا مستحب ہے اور بکری میں بھی یہی حکم ہے۔ اس کے بعد جب لقطہ اٹھانے والے نے قاضی کے حکم کے بغیر ہی اس پر کچھ خرچ کیا تو وہ احسان ہوگا کیونکہ مالک پر اس کوئی کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور جب اٹھانے والے قاضی کے حکم سے خرچ تو اب یہ صاحب لقطہ والے پر قرض ہوگا کیونکہ رحمدلی کے سبب قاضی کو غائب کے مال پر ولایت حاصل ہے۔ اور کبھی خرچ کرنے میں رحمدلی پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔

اور اگر یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو قاضی اس میں غور وفکر کرے اگر اس جانور سے کسی قسم کی کوئی آمدنی حاصل ہوسکتی ہے تو وہ اس کو اجرت پر دیدے۔ اور اس کی اجرت اسی پر خرچ کرتا رہے کیونکہ اس طرح مالک پر قرض قائم کیے بغیر اس کی ملکیت میں اصل چیز کا باقی رہنا ممکن ہے اور اسی طرح بھاگنے والے غلام کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

اور جب اس جانور سے آمدنی متوقع نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو گھیر لے گا تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت کی حفاظت کا حکم دے گا۔ تا کہ اس کے مال کو باقی رکھنا بطور صورت ناممکن ہونے کے سبب بطور معنی اس کو باقی رکھا جائے۔ اور جب خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے تو قاضی جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے۔ اور خرچ کو مالک پر قرض بنادے گا۔ کیونکہ کا تقرر رحمدلی کے سبب سے ہے اور اس طرح کرنے میں دونوں کی طرف رحمت ہے۔

مشائخ فقہاء نے فرمایا کہ قاضی دو یا تین دنوں تک خرچ کرنے کا حکم دے گا اس خیال کے ساتھ کہ اس کا مالک ظاہر ہو جائے مگر جب اس کا مالک ظاہر نہ ہو تو وہ اس کو فروخت کرنے کا حکم دے کیونکہ مستقل طور پر خرچہ دینے سے جانور کو تباہ کرنا ہے پس طویل مدت تک خرچہ دینے میں کوئی رحمدلی نہیں ہے۔

شرح

یزید (منبعث کے غلام) زید بن خالد جہنی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گری پڑی چیز پانے کے متعلق پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اس کی تھیلی اور سر بندھن کو یاد رکھ اگر کوئی شخص آئے جو تجھے اس کی خبر دے تو خیر ورنہ تو اس کو خرچ کرلے اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھوئی ہوئی بکری ! آپ نے فرمایا تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیے کے لئے اس نے پوچھا کھویا ہوا اونٹ ! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا، اور فرمایا تجھے اس سے کیا کام اس کے

ساتھ اس کا جوتا اور مشک ہے، وہ پانی کے پاس اترے گا اور درخت کے پتے کھالے گا۔صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2284

ہر جگہ پکڑے جانے والے جانوروں کے لقطہ ہونے میں فقہی مذاہب

اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط وقوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشادگرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ انٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور انٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جس طرح گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں انٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اسکی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ انٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی سبب سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ میں بکری پکڑنے کا بیان

اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آگیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولاخیلک الا) الخ یا تمہارے بھائی کی ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آگیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ

اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھالے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

لقطہ کے تین احوال کا فقہی بیان

جب مالک کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ تین حالات سے خالی نہیں ہو سکتی۔

پہلی حالت: وہ چیز لوگوں کی تسبب کے قابل اور اہم نہ ہو، مثلاً چھڑی، روٹی، جانور ہانکنے والی چھڑی، پھل وغیرہ، لھذا یہ اشیاء اٹھا کر استعمال کی جا سکتی ہیں اور ان کے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بیان ہے جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑی، رسی، اور کوڑا اٹھانے کی اجازت دی ہے) سنن ابوداود۔

دوسری حالت: وہ چیز چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہو، یا تو اپنی ضخامت کی سبب سے مثلاً اونٹ، گائے، گھوڑا، خچر، یا وہ اڑ کر اپنی حفاظت کر سکتی ہو، مثلاً اڑنے والے پرندے، یا تیز رفتاری کے سبب مثلاً ہرن، یا پھر اپنی کچلیوں سے اپنا دفاع کر سکتی ہو، مثلاً چیتا وغیرہ۔ تو اس قسم کے جانوروں کو پکڑنا حرام ہے اور اعلان کے باوجود اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں فرمایا تھا: (آپ کو اس کا کیا اس کے پاس تو پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کی طاقت بھی، پانی پیئے اور درختوں کے پتے کھائے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کر لے) صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: جس نے بھی گمشدہ چیز اٹھائی وہ غلطی پر ہے۔ یعنی اس نے صحیح نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث میں یہ حکم دیا ہے کہ اسے پکڑا نہ جائے بلکہ وہ خود ہی کھاتا پیتا رہے گا حتی کہ اس کا مالک اسے تلاش کر لے۔

اور اس قسم میں بڑی بڑی اشیاء بھی ملحق کی جا سکتی ہیں مثلاً : بڑی دیگ، اور ضخیم لکڑیاں اور لوہا، اور وہ اشیاء جو خود ہی محفوظ رہتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے منتقل ہو سکتی ہیں ان کا اٹھانا بھی حرام ہے بلکہ بالاولی حرام ہے۔

تیسری حالت: گمشدہ اشیاء مال و دولت ہو : مثلاً پیسے، سامان، اور وہ جو چھوٹے درندوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکے، مثلاً بکری، گائے وغیرہ کا بچھڑا وغیرہ، تو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر پانے والے کو اپنے آپ پر بھروسہ ہے تو اس کے لیے اٹھانا جائز ہے۔

لقطہ کی اقسام کا فقہی بیان

پہلی قسم : کھانے والے جانور، مثلاً مرغی، بکری، بکری اور گائے کا بچہ وغیرہ، تو اسے اٹھانے والے پر تین امور میں سے کوئی کرنا ضروری ہے:

پہلا : اسے کھالے اور اس حالت میں وہ اس کی قیمت ادا کرے گا۔

دوسرا : اس کے اوصاف وغیرہ یاد رکھے اور اسے بیچ کر اور اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ کر لے۔

تیسرا : اس کی حفاظت کرے اوراپنے مال سے اس پرخرچ کرے لیکن وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی وہ اس نفقہ سمیت مالک کے آنے پراسے واپس کی جائے گی۔

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(اسے پکڑلو،اس لیے کہ یاتووہ آپ کے لیے ہے یاپھرآپ کے بھائی کی یاپھربھیڑیا کھاجائے گا) صحیح بخاری ،صحیح مسلم۔

اس حدیث کامعنی یہ ہے کہ : بکری کمزورہے وہ ہلاک ہوجائے گی یاتواسے آپ پکڑلیں یاپھرکوئی اورپکڑلے وگرنہ اسے بھیڑیا کھاجائے گا۔

ابن قیم رحمہ اللہ تعالی اس حدیث پرکلام کرتے ہوئے کہتے ہیں:(اس حدیث میں بکری کے پکڑنے کاجوازپایا جاتا ہے،اگر بکری کامالک نہ آئے تووہ پکڑنے والے کی ملکیت ہونے کی بناپراسے اختیارہے کہ وہ اسے فی الحال کھالے اورقیمت اداکردے،یا پھراسے بیچ کراس کی قیمت محفوظ کرلے،یااسے اپنے پاس رکھے اوراپنے مال میں سے اسے چارہ کھلائے،علماء کااس پراتفاق ہے کہ اگرکھانے سے پہلے مالک آجائے توبکری لے جاسکتا ہے) ۔

دوسری قسم: جس کے ضائع ہونے کاخدشہ ہو : مثلاتربوز،اوردوسرے پھل وغیرہ تواس میں اٹھانے والے کومالک کے لیے بہترکام کرنا چاہیے کہ اسے کھالے اورمالک کوقیمت اداکردے،یاپھراسے بیچ دے اورمالک کے آنے تک اس کی قیمت محفوظ رکھے۔

تیسری قسم: اوپروالی قسموں کے علاوہ باقی سارامال : مثلانقدی،اوربرتن وغیرہ،اس میں ضروری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اوریہ اس پاس امانت رہے گی اوراسے لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں پراس کااعلان کرنا ہوگا۔ - کوئی بھی گری ہوئی چیز اس وقت تک اٹھاسکتا ہے جب اسے اپنے آپ پربھروسہ ہوکہ وہ اس کااعلان کرے گا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے زیدبن خالد جھنی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(اس کاتھیلی اوررسی کی پہچان کرلواوراس کاایک برس تک اعلان کرتے رہواگرمالک نہ آئے تواسے خرچ کرلولیکن وہ آپ کے پاس امانت ہے اگراس کامالک کسی دن تیرے پاس آجائے تواسے واپس کردو) ۔اورنبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے متعلق پوچھا گیاتو آپ نے فرمایا:(اسے پکڑلواس لیے کہ یاتووہ آپ کے لیے ہے یاپھرآپ کے بھائی کے لیےاوریاپھربھیڑیے کے لیے) اورجب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں سوال کیا گیاتوآپ نے فرمایا:(آپ کواس سے کیا؟ !اس کے پاس پینے کے لیے بھی ہے اورچلنے کیلیے بھی وہ پانی پرجائے گا اوردرختوں کے پتے کھاتا پھرے گاحتی کہ اس کامالک اسے حاصل کرلے) صحیح بخاری وصحیح مسلم۔

۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان (اس کی تھیلی اورتسمہ کی پہچان کرلو) کامعنی یہ ہے کہ :وہ رسی یاتسمہ جس سے رقم اورپیسے کی تھیلی کوباندھاجاتا ہے،اورعفاص اس تھیلی کوکہتے ہیں جس میں مال ورقم ہوتی ہے۔

اورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کےفرمان (پھرایک برس تک اس کااعلان کرتے رہو) یعنی لوگوں کےجمع ہونے کی جگہوں بازاروں

اور مساجد کے دروازوں کے پاس اور دوسری جمع ہونے والی جگہوں وغیرہ میں اس کا اعلان کرتے رہو۔

(ایک برس) یعنی پورے ایک سال تک، چیز ملنے کے پہلے ہفتہ میں روزانہ اعلان کرے، اس لیے کہ پہلے ہفتے میں مالک کے ڈھونڈتے ہوئے آنے کی زیادہ امید ہے، پھر اس ہفتہ کے بعد وہ لوگوں کی عادت کے مطابق اعلان کرتا رہے۔

(اور اگر یہ طریقہ گزشتہ ادوار میں موجود رہا ہے تو اب اسے آج کے دور کے مطابق اعلان کرنا چاہیے اہم یہ ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے کہ حتی الامکان اس کے مالک تک پہنچا جاسکے)

حدیث گمشدہ چیز کے اعلان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ پہچان لو) میں اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان کرنے کے وجوب کی دلیل پائی جاتی ہے، تا کہ جب اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے یہ مال واپس کیا جاسکے، اور اگر اس کی بتائی ہوئی نشانی صحیح نہ ہو تو وہ مال اسے دینا جائز نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اگر اس کے مالک کو نہ پائے تو اسے استعمال کرلو) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چیز اٹھانے والا ایک برس تک اعلان کرنے کے بعد اس کا مالک بنے گا، لیکن وہ اس کی نشانیوں کی پہچان سے قبل اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا: یعنی اسے اس کی تھیلی، باندھنے والی رسی، مال کی مقدار، اس کی جنس اور کس طرح کا ہے وغیرہ کی پہچان کرلینی چاہیے، اگر ایک برس کے بعد اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے ادا کردے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (اگر اس کا مالک کسی بھی روز آجائے تو اسے وہ مال ادا کردو)

لقطہ سے لازم ہونے والے احکام کا بیان

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے لقطہ یا گمشدہ چیز کے بارہ میں چند ایک امور لازم آتے ہیں۔

پہلا: اگر کوئی گری ہوئی چیز پائے تو اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ اور اس کے اعلان کرنے کی قوت نہ ہو تا کہ اس کے مالک تک وہ چیز پہنچ جائے، اور جس کو اپنے آپ پر بھروسہ ہی نہیں اس کے لیے اسے اٹھانا جائز نہیں، اگر اس کے باوجود وہ اٹھالے تو وہ غاصب جیسا ہی ہے اس لیے کہ اس نے کسی دوسرے کا مال ناجائز اٹھایا ہے اور پھر اس میں دوسرے کے مال کا ضیاع بھی ہے۔

دوسرا: اٹھانے سے قبل اس کی تھیلی اور تسمہ اور مال کی جنس اور مقدار وغیرہ کی معرفت و پہچان ضروری ہے، تھیلی سے مراد وہ کپڑا یا بٹوہ ہے جس میں رقم رکھی گئی ہو، اور (وکائھا) سے مراد وہ رسی یا ڈوری ہے جس سے اس تھیلی کو باندھا گیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پہچان کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

تیسرا: ایک برس تک مکمل اس کا اعلان کرنا ضروری ہے پہلے ہفتہ میں روزانہ اور اس کے بعد عادت کے مطابق اعلان ہوگا، اور اعلان میں یہ کہے کہ: جس کسی کی بھی کوئی چیز گم ہوئی ہو یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ، اور یہ اعلان لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں مثلاً بازار، اور نمازوں کے اوقات میں مساجد کے دروازوں پر اعلان کرے۔

گمشدہ چیز کا اعلان مساجد میں نہیں کیا جائے گا کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے: (جو بھی کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے وہ اسے یہ کہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لائے)

چوتھا : جب اس کا مالک تلاش کرتا ہوا آئے اور اس کے مطابق صفات اور نشانیاں بتائے تو اسے وہ چیز بغیر کسی قسم اور دلیل کے واپس کرنی واجب ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔

اور پھر وہ صفات ونشانیاں قسم اور دلیل کے قائم مقام ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی صفات کا بتانا دلیل اور قسم سے بھی پکی اور اظہر ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ اصل چیز کا نفع چاہے وہ متصل ہو یا منفصل واپس کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر مالک اس کی صفات اور نشانی نہ بتا سکے تو وہ چیز اسے واپس نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ وہ اس پاس امانت ہے جس کو مالک کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں۔

پانچواں : ایک برس تک اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو وہ چیز اٹھانے والے کی ملکیت ہوگی لیکن اس میں تصرف سے قبل اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان ضروری ہے تاکہ اگر کبھی اس کا مالک لینے آئے تو اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کی پہچان کرنے کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو واپس کی جائے وگرنہ اس کا بدل یا قیمت ادا کردی جائے اس لیے کہ مالک کے آنے سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔

لقطہ میں گواہی کی شرط کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَفِي الْأَصْلِ شَرْطُ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَصْبًا فِي يَدِهِ فَلَا يَأْمُرُ فِيهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيعَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ وَلَيْسَتْ الْبَيِّنَةُ تُقَامُ لِلْقَضَاءِ .

وَإِنْ قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي يَقُولُ الْقَاضِي لَهُ أَنْفِقْ عَلَيْهِ إِنْ كُنْت صَادِقًا فِيمَا قُلْت حَتَّى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا ، وَلَا يَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا .

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تُبَعْ اللُّقَطَةُ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوعَ عَلَى الْمَالِكِ ، وَهَذِهِ رِوَايَةٌ وَهُوَ الْأَصَحُّ .

ترجمہ

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں گواہی کی شرط بیان کی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ

ممکن ہے لقطہ اٹھانے والے کے حق میں غصب ہو اور قاضی غصب میں خرچ کا حکم نہ دے گا۔ کیونکہ یہ حکم قاضی کی ودیعت میں دیا جاتا ہے پس اس صورت میں وضاحت کے طور شہادت کا ہونا ضروری ہے جبکہ قاضی کے فیصلے کیلئے گواہی پیش نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ کہہ دے کہ میرے پاس گواہ نہیں ہے تو قاضی اس سے کہے اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو اس کا چارڈالا کرو حتیٰ کہ مالک کو واپس کر دو اور جب اٹھانے والا غصب ہو تو مالک اس کو واپس نہیں لے سکا گا۔

اور قدوری میں امام قدوری علیہ الرحمہ کا یہ قول ''' اس بات کی طرف اشارہ کرنے والا ہے کہ اٹھانے والا مالک کے آنے کے بعد اسی وقت اس سے خرچ شدہ رقم واپس لے گا جبکہ لقطہ فروخت نہ کیا گیا ہو اور قاضی نے مالک سے واپس لینے کی شرط لگائی ہو اور روایت یہ زیادہ صحیح ہے۔

لقطہ میں گواہ بنانے پر فائدے کا بیان

حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہئے کہ وہ کسی عادل شخص کو یا فرمایا کہ دو عادل شخصوں کو گواہ بنالے اور اس کی تشہیر و اعلان نہ کرے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے کسی دوسری جگہ بھیج کر غائب کر دے۔ پھر اگر مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالے کر دے اور اگر مالک ہاتھ نہ لگے تو پھر وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے غیب سے مال دیتا ہے (احمد ابو داؤد دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 257)

جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص مثلا مالک نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کمی بیشی کا دعوی کر سکے گواہ بنالینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہوگا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنالینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنالینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے اللہ کا دیا ہوا رزق ہے کہا گیا ہے لہذا ان دونوں سے مراد حلال ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کو خدا نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

خرچہ کی ادائیگی تک لقطہ روکنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا حَضَرَ) يَعْنِي (الْمَالِكُ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتَّى يُحْضِرَ النَّفَقَةَ) لِأَنَّهُ

حَيٌّ بِنَفَقَتِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ فَأَشْبَهَ الْمَبِيعَ ؛ وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ رَادُّ الْآبِقِ فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسَ لِاسْتِيفَاءِ الْجُعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا ، ثُمَّ لَا يَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهَلَاكِهِ فِي يَدِ الْمُلْتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ ، وَيَسْقُطُ إذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بِالْحَبْسِ شَبِيهَ الرَّهْنِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب مالک آگیا تو لقطہ اٹھانے والے کو حق حاصل ہے کہ وہ لقطہ جانور مالک کو دینے سے روک لے حتیٰ کہ مالک اس کو خرچہ کی رقم ادا کردے۔ کیونکہ اٹھانے والے کے خرچ کے سبب ہی وہ جانور زندہ رہا ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح اٹھانے والا مالک کی طرف ملکیت والا بنا ہے پس یہ مبیع کے مشابہ ہو جائے گا اور بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے والا بھی اسی کے قریب مشابہ ہے لہٰذا اس کو بھی اپنا خرچہ وصول کرنے تک روکنے کا حق حاصل ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس کے بعد اگر اٹھانے والے کے قبضے سے لقطہ کا جانور ہلاک ہو گیا ہے تو قرض والا خرچ ساقط نہ ہوگا اور اگر روکنے کے بعد ہلاک ہوا تو قرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ حبس کے سبب یہ رہن کے مشابہ ہو جائے گا۔

لقطہ اٹھانے والے کا مثل مزدور ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اسکو توڑ ڈالا دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی)۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 204)

اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد ومعاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد ومعاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لیے جو شخص اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد ومعاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جس طرح ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اسکی خرید وفروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے

دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس کا مول کھانے کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار رہو گا اور اس وعید میں داخل ہو گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفریں فعل ہے کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جس کو حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرائی مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

حل وحرم کے لقطہ کا بیان

قَالَ (وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجِبُ التَّعْرِيفُ فِي لُقَطَةِ الْحَرَمِ إلَى أَنْ يَجِيءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْحَرَمِ (وَلَا يَحِلُّ لُقَطَتُهَا إلَّا لِمُنْشِدٍ) وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلِأَنَّهَا لُقَطَةٌ ، وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةِ التَّعْرِيفِ إبْقَاءُ مِلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهٍ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي سَائِرِهَا ، وَتَأْوِيلُ مَا رُوِيَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الِالْتِقَاطُ إلَّا لِلتَّعْرِيفِ ، وَالتَّخْصِيصُ بِالْحَرَمِ لِبَيَانِ أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ التَّعْرِيفُ فِيهِ لِمَكَانِ أَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا .

ترجمہ

فرمایا: اور حل وحرام کا لقطہ برابر ہے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر واجب ہے حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے کیونکہ حرم کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حرم کا لقطہ اسی شخص کیلئے حلال ہے جو اس کا اعلان کرائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اس کے برتن اور بندھن کو محفوظ رکھو اس کے بعد سال بھر اس کا اعلان کراؤ۔ یہ ارشاد گرامی بغیر کسی تفصیل کے روایت کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی لقطہ ہے اور اعلان کرانے کی مدت کے بعد اس کو صدقہ کرنا یہ ایک طرح مالک کی طرف سے ملکیت کی بقاء ہے یعنی اٹھانے والا بھی ایک طرح کا مالک ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اعلان کرانے کیلئے حرم کا لقطہ اٹھانا حلال ہے اور حرم کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ وہ واضح ہو جائے کیونکہ وہاں پر بھی لقطہ کی تشہیر ساقط نہیں ہوتی اسی دلیل کے سبب کہ حرم عام طور پر مسافروں کی جگہ ہے۔

حل وحرم کے لقطہ میں فقہی مذاہب

حضرت عبدالرحمن بن عثمان تیمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع کیا ہے(مسلم ،مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 253)

گویا حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرم مکہ کی حدود میں پائے جانے والے لقطہ کا تشہیر واعلان کے بعد بھی مالک ہونا جائز نہیں ہے بلکہ اٹھانے والے کے لئے واجب ہے کہ وہ اسے اپنے پاس اس وقت تک جوں کا توں رہنے دے جب تک کہ اس کا مالک لینے نہ آئے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے چنانچہ امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن حنفیہ کے مسلک میں زمین حل اور زمین حرم کا لقطہ برابر ہے مکہ کے لقطہ میں اختلاف ہے۔بعضوں نے کہا مکہ کا لقطہ ہی اٹھانا منع ہے۔بعض نے کہا اٹھانا تو جائز ہے لیکن ایک سال کے بعد بھی پانے والے کی ملک نہیں بنتا،اور جمہور مالکیہ اور بعض شافعیہ کا قول یہ ہے کہ مکہ کا لقطہ بھی اور ملکوں کے لقطہ کی طرح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مکہ کا لقطہ بھی اٹھانا جائز ہے۔اور یہ باب لاکر انہوں نے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا جس میں یہ ہے کہ حاجیوں کی پڑی ہوئی چیز اٹھانا منع ہے۔

لقطہ حوالے کرنے میں گواہی کا بیان

(وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللُّقَطَةَ لَمْ تُدْفَعْ إلَيْهِ حَتَّى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ .فَإِنْ أَعْطَى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ فِي الْقَضَاءِ) .

وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تعالَى :يُجْبَرُ ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمِّيَ وَزْنَ الدَّرَاهِمِ وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا .

لَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ ، فَيُشْتَرَطُ الْوَصْفُ لِوُجُودِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ ، وَلَا تُشْتَرَطُ إقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ.

وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يُسْتَحَقُّ إلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ إلَّا أَنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ إصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إلَيْهِ) . وَهَذَا لِلْإِبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي) الْحَدِيثَ وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيلًا إذَا كَانَ يَدْفَعُهُ إلَيْهِ اسْتِيثَاقًا ، وَهَذَا بِلَا خِلَافٍ ، لِأَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيلَ لِنَفْسِهِ ، بِخِلَافِ التَّكْفِيلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ .

ترجمہ

اور جب کوئی بندہ حاکم کے پاس گیا اور اس نے لقطہ کا دعویٰ کر دیا تو جب تک وہ گواہ پیش نہ کرے اس وقت تک اسے لقطہ نہیں دیا جائے گا ہاں جب وہ کوئی علامت بیان کر دے تو اٹھانے والے کیلئے اس کا لقطہ دینا حلال ہے لیکن فیصلے کے طور پر اٹھانے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو مجبور کیا جائے گا۔ اور علامت یہ ہے کہ وہ دراہم کا وزن، ان کی تعداد، اس بندھن اور اس کا برتن بیان کرے۔ ان ائمہ فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا قبضہ سے متعلق مالک سے جھگڑا کرنے والا ہے مگر ملکیت کے بارے میں جھگڑا کرنے والا نہیں ہے پس اس میں لقطہ کا وصف بیان کرنا شرط ہوگا کیونکہ اس میں ایک طرح جھگڑا موجود ہے جبکہ گواہ پیش کرنا شرط نہ ہوگا کیونکہ ایک طرح سے جھگڑا نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ میں حق حاصل کرنا مقصد ہے پس اسکو ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے بغیر کسی دلیل کے یعنی گواہ پیش کیے بغیر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا البتہ علامت بیان کرنے کی حالت میں اٹھانے والے کیلئے لقطہ دینا حلال ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اس کا مالک آجائے تو وہ لقطہ کی تھیلی اور اس کی تعداد بیان کردے تو اٹھانے والا لقطہ مالک کے حوالے کردے۔ یہ حکم اباحت کے طور پر ہے جبکہ حدیث مشہور پر عمل کرتے ہوئے اور وہ حدیث مشہور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے اور اٹھانے والا جب مالک کو دینے لگے تو بہ طور ضامن ایک کفیل سے پکڑے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اٹھانے والا اپنی ذات کیلئے کفیل طلب کرنے والا ہے۔ بہ خلاف امام اعظم کے کیونکہ ان کے نزدیک غائب وارث کا کفیل لینا صحیح نہیں ہے۔

لقطہ سے فائدہ اٹھانے کا بیان

حضرت سوید بن غفلۃ بیان کرتے ہیں کہ میں ابی بن کعب سے ملا انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک سو دینار کی تھیلی لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے فرمایا اس کو ایک سال تک مشتہر کرو۔ میں اس کو ایک سال تک مشتہر کرتا رہا، لیکن اس کا پہچاننے والا مجھے کوئی نہ ملا، میں آپ کے پاس آیا، تو آپ نے فرمایا، ایک سال تک مشتہر کرو میں اس کو مشتہر کرتا رہا، لیکن اس کو پہچاننے والا مجھ کو نہ ملا، پھر تیسری بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے فرمایا، اس کا ظرف، گنتی اور سربندھن کو یاد رکھ اگر اس کا مالک آجائے تو خیر، ورنہ اس سے فائدہ اٹھا چنانچہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا (کام میں لایا) شعبہ کا بیان ہے۔ کہ میں اس کے بعد سلمہ سے مکہ میں ملا تو انہوں نے کہا مجھے یاد نہیں کہ تین سال تک یا ایک سال تک اعلان کرنے کو فرمایا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2283)

لقطہ کو غنی پر صدقہ کرنے کی ممانعت کا بیان

وَإِذَا صَدَّقَ قِيلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ إِذَا صَدَّقَهُ . وَقِيلَ يُجْبَرُ

لِأَنَّ الْمَالِكَ هَاهُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُودِعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا ، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلَى غَنِيٍّ لِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَإِنْ لَمْ يَأْتِ) يَعْنِي صَاحِبَهَا ، (فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ) وَالصَّدَقَةُ لَا تَكُونُ عَلَى غَنِيٍّ فَأَشْبَهَ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوضَةَ

ترجمہ

اور جب اٹھانے والے نے مالک کی تصدیق کردی تو ایک قول کے مطابق مالک کو دینے مجبور نہیں کیا جائے گا جس طرح قبضہ والی ودیعت میں وکیل ہے جبکہ مودع اس کی تصدیق کردے۔اور دوسرا قول یہ ہے اس کو دینے مجبور کیا جائے گا کیونکہ یہاں مالک ظاہر تو ہے نہیں۔حالانکہ امانت کا مالک ظاہر ہوتا ہے۔

اور اٹھانے والا شخص مالدار پر صدقہ نہ کرے کیونکہ صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب لقطہ کا مالک نہ آئے تو اٹھانے والے کو چاہیے کہ وہ اسکو صدقہ کردے اور غنی پر صدقہ نہیں کیا جاسکتا۔پس یہ صدقہ فرضیہ یعنی زکوٰۃ کے مشابہ ہو جائے گا۔

شرح

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے یا چاندی کے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تھیلی کے باندھنے کی ڈوری اور اس تھیلی کی پہچان کو یاد رکھو پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اگر کوئی اسے نہ پہچانے تو تو اس کو خرچ کر ڈال لیکن یہ تیرے پاس امانت ہوگی پھر اگر کسی زمانے کے کسی دن اس کا متلاشی آجائے تو تو اسے اس کو واپس کردے اور اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے اس اونٹ سے کیا غرض اسے چھوڑ کیونکہ اس کی جوتی اور اس کی مشک اس کے ساتھ ہے وہ پانی پر جائے گا اور درخت کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے گا اور پھر اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے پکڑ لے کیونکہ وہ بکری تیرے لئے یا تیرے بھائی کے لئے ہے یا بھیڑیے کے لئے ہے۔(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 5)

لقطہ اٹھانے والا مالدار ہو تو عدم انتفاع کا بیان

(وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجُوزُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ أُبَيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إلَيْهِ وَإِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا) وَكَانَ مِنْ الْمَيَاسِيرِ ، وَلِأَنَّهُ إنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيرِ حَمْلًا لَهُ عَلَى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْغَنِيُّ يُشَارِكُهُ فِيهِ .

وَلَنَا مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ لِإِطْلَاقِ النُّصُوصِ وَالْإِبَاحَةُ لِلْفَقِيرِ لِمَا رَوَيْنَاهُ ، أَوْ بِالْإِجْمَاعِ فَيَبْقَى مَا وَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ ، وَالْغَنِيُّ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَخْذِ لِاحْتِمَالِ افْتِقَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَانَى لِاحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهِ فِيهَا وَانْتِفَاعُ أُبَيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ (وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا) لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهَذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلَى فَقِيرٍ غَيْرِهِ (وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا) لِمَا ذَكَرْنَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور اگر لقطہ اٹھانے والا غنی ہو تو اس کیلئے لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر لقطہ کا مالک آجائے تو لقطہ اس کو دے دو ورنہ خود اس نے فائدہ اٹھاؤ۔ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ مالداروں میں سے تھے۔ کیونکہ فقیر کیلئے لقطہ اسی سبب سے مباح ہوتا ہے کہ اس کو اٹھا کر اسکی حفاظت کرتا ہے اور اس حکم میں غنی بھی شامل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تو دوسرے آدمی کا مال ہے پس اس کی رضامندی کے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں نصوص علی الاطلاق ہیں۔ اور فقیر کیلئے اباحت حدیث کی اسی دلیل سے ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ یا اجماع کے سبب سے ہے پس اس کے سوا حکم میں اصل ممانعت ہے جو باقی رہے گی۔

اور غنی کو اس کے اٹھانے پر تیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعلان میں مدت میں وہ فقیر ہو جائے اور کبھی فقیر بھی حفاظت سستی کرنے والا ہے کیونکہ ممکن ہے وہ اس وقت میں غنی ہو جائے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا فائدہ اٹھانا امام کی اجازت کے ساتھ تھا۔ اور امام کی اجازت کے ساتھ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اور جب اٹھانے والا فقیر ہو تو اس کیلئے لقطہ سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں دونوں اطراف سے رحمت ہے۔ اسی دلیل کے سبب اٹھانے والے کے سوا دوسرے کو دینا جائز ہے اگرچہ اٹھانے والا غنی ہو اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ نے کسی راستہ میں بطور لقطہ ایک دینار پایا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور پھر جب حضرت علی نے اس کے بارے میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے پھر اس دینار سے خریدی ہوئی چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی و فاطمہ نے بھی کھایا اس کے بعد جب ایک عورت اپنا دینار ڈھونڈتی ہوئی آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ علی اس عورت کو دینار دیدو۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 255)

روایت کے مفہوم سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علی نے تشہیر و اعلان کے بغیر اس دینار کو صرف کیا بلکہ احتمال یہی ہے کہ پہلے انہوں نے اس کی تشہیر کی پھر بعد میں اسے خرچ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس عورت کے محض کہنے پر اس کو دینار دلوایا تو اس کی سبب یہ ہے کہ یا تو اس عورت نے اس دینار کی علامت بیان کی ہوگی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور ذریعہ سے علم ہو گیا ہوگا کہ وہ دینار اسی عورت کا تھا۔

اگر ناجائز کمائی ہو اور اسے حقدار تک واپس نہ کیا جا سکتا ہو

اگر ناجائز کمائی ہو اور اسے حقدار تک واپس نہ کیا جا سکتا ہو تو اسے صدقہ کر دینا چاہیے (الفروق و اشباہ)

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لقطہ حلال نہیں ہے جس شخص نے کسی چیز کو اٹھایا وہ اس کا اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو واپس کر دے اور اگر نہ آئے تو اس چیز کو صدقہ کرے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو (صدقہ کرنے) کے اجر اور اس چیز کے (تاوان لینے میں) اختیار دے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۸، بیروت)

اس حدیث میں آیا ہے کہ لقطہ حلال نہیں لہذا اسے اس کے مالک تک پہنچایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اسے صدقہ کر دیا جائے اگرچہ لقطہ میں یہ صراحت نہیں کہ اسے اٹھانا حرام ہے لیکن اس قاعدہ کے ثبوت میں ہم استدلال یہ کر رہے ہیں کہ بعد از اٹھانے کے کیا اسے تصرف میں لایا جا سکتا ہے تو اس میں علمائے احناف کا اتفاق ہے کہ نہیں اسے بعد از عدم الحاق مالک صدقہ کر دیا جائے۔ اس کیلئے اسکا کھانا حلال نہیں۔ لہذا جب لقطہ جس کا ابتدائی سبب بھی ناجائز نہیں اسے حقدار تک نہ پہنچانے پر صدقہ کا حکم ہے تو پھر حرام کمائی والے میں بدرجہ اولی صدقہ کر دینا چاہیے جو اس قاعدے کا تقاضہ ہے۔

وراثتی رشوت یا سودی کمائی

اس طرح کی کمائی اگر اصل مالک تک پہنچانی ناممکن ہو جائے تو پھر اسے صدقہ کر دینا چاہیے۔

﴿یہ کتاب اباق کے بیان میں ہے﴾

کتاب اباق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب نہایہ علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ لقیط، لقطہ، اباق اور مفقود یہ ایسی کتابیں جو ایک دوسرے ملتی جلتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں زوال وہلاکت کا اندیشہ ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص، ۲۳۵ بیروت)

بھگوڑے غلام کو پکڑنے کا بیان

(الْآبِقُ أَخْذُهُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوَى عَلَيْهِ) لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَائِهِ ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيلَ كَذَلِكَ ، وَقَدْ قِيلَ تَرْكُهُ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ لَا يَبْرَحُ مَكَانَهُ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذَلِكَ الْآبِقُ ثُمَّ آخِذُ الْآبِقِ يَأْتِي بِهِ إلَى السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى حِفْظِهِ بِنَفْسِهِ ، بِخِلَافِ اللُّقَطَةِ ، ثُمَّ إذَا رُفِعَ الْآبِقُ إلَيْهِ يَحْبِسُهُ ، وَلَوْ رُفِعَ الضَّالُّ لَا يَحْبِسُهُ لِأَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَى الْآبِقِ الْإِبَاقُ ثَانِيًا ، بِخِلَافِ الضَّالِّ

ترجمہ

جس شخص بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو اس کیلئے اسکو پکڑنا افضل ہے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے آقا کے حق کی بقاء ہے اور ایک قول کے مطابق بھٹکے ہوئے غلام کا بھی یہی حکم ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ گمراہ غلام کو نہ پکڑنا افضل ہے کیونکہ وہ اپنے مقام سے زیادہ دور نہ جائے گا اور اس کو مالک آسانی سے تلاش کر لے گا۔ جبکہ آبق کی حالت اس طرح نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آبق کو پکڑ کر وہ بادشاہ کے پاس لائے کیونکہ بہ ذات خود پکڑنے والے کو اس کی حفاظت پر قدرت نہیں ہوتی بہ خلاف لقطہ کے۔ اس کے بعد جب آبق بادشاہ کے پاس لایا جائے تو وہ اس کا قید کردے جبکہ بھٹکے ہوئے غلام کو لایا جائے تو بادشاہ اس کو قید نہ کرے کیونکہ آبق کا دوبارہ بھاگنے کا خطرہ ہے جو کہ بھٹکے ہوئے غلام میں نہیں ہے۔

غلام کے بھاگنے کی ممانعت کا بیان

فقہاء کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ ایک مسلمان غلام کے لئے فرار ہو کر اپنے مالک سے چھٹکارا پانا جائز نہیں ہے۔ وہ اسے گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة .حدثنا حفص بن غياث، عن داود، عن الشعبي، عن جرير؛ قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :أيما عبد أبق فقد برئت منه الذمة ."(مسلم، كتاب الايمان، حديث (229)

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو غلام بھی فرار ہو جائے، وہ ذمہ داری سے نکل گیا۔"

حدثنا يحيى بن يحيى .أخبرنا جرير عن مغيرة، عن الشعبي؛ قال :كان جرير بن عبدالله يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال" :إذا أبق العبد لم تقبل له صلاة ."
(مسلم، كتاب الايمان، حديث (230)

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جب غلام فرار ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

یہ صحیح احادیث ہیں۔اس کی سبب یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے اوران کے حقوق کی ادائیگی کرنے کے جو احکام جاری فرمائے تھے،اس کے بعد کسی غلام کو فرار ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔جو غلام آزادی کا طالب ہوتا،وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر سکتا تھا اوراس کی رقم کی ادائیگی کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مدد طلب کر سکتا تھا۔جس غلام کو آزادی کی خواہش نہ ہوتی، اس کے حقوق کی ادائیگی اس کے آقا کے ذمہ تھی۔حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ غلاموں کو ان کے حقوق دلوائے۔ان حالات میں غلام اگر فرار ہوتا تو اس کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہ تھا کہ وہ مسلم کمیونٹی میں رہنا نہیں چاہتا۔ایسی صورت میں مسلم کمیونٹی اس کی ذمہ داریوں کی پابند کس طرح سے ہو سکتی ہے۔اس تفصیل کو مدنظر رکھا جائے تو غلام کے لئے فرار ہونے کی یہ ممانعت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

غلام کیلئے بھاگنے کی ممانعت اور آقا کی خدمت کرنے میں اجر کا بیان

حضرت سعید بن مسیب، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک بخت غلام کے لیے جو کسی کی ملکیت میں ہو دوہرا ثواب ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور حج اور ماں کے ساتھ احسان کرنا نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ کسی کا غلام ہو کر مروں۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2399)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور اس کو اچھی طرح پر ادب سکھائے اور اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور جس غلام نے

اللہ کا حق اور اپنے مالکوں کا حق ادا کیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2398)

آبق کو پکڑنے والے کی محنت ادا کرنے کا بیان

قَالَ ر وَمَنْ رَدَّ الْآبِقَ عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا ، وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَبِحِسَابِهِ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ شَيْءٌ إلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ .

وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ اتَّفَقُوا عَلَى وُجُوبِ أَصْلِ الْجُعْلِ ، إلَّا أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِينَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَا دُونَهَا ، فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِينَ فِي مَسِيرَةِ السَّفَرِ وَمَا دُونَهَا فِيمَا دُونَهُ تَوْفِيقًا وَتَلْفِيقًا بَيْنَهُمَا ، وَلِأَنَّ إيجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ إذْ الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صِيَانَةُ أَمْوَالِ النَّاسِ وَالتَّقْدِيرُ بِالسَّمْعِ وَلَا سَمْعَ فِي الضَّالِّ فَامْتَنَعَ ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إلَى صِيَانَةِ الضَّالِّ دُونَهَا إلَى صِيَانَةِ الْآبِقِ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَارَى وَالْآبِقُ يَخْتَفِي ، وَيُقَدَّرُ الرَّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّا دُونَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يُفَوَّضُ إلَى رَأْيِ الْقَاضِي وَقِيلَ تُقَسَّمُ الْأَرْبَعُونَ عَلَى الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ إذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے آبق کو پکڑ کر اس کے آقا کے پاس لائے تو لانے والے کیلئے آقا پر چالیس دراہم بطور محنت دینا واجب ہے۔اور اگر وہ اس مسافت سے کم سے لیکر آیا ہے تو پھر اسی حساب دینا ہوگا اور یہ حکم استحسان کے طور پر ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شرط کے بغیر لانے والے کیلئے کچھ نہ دینا ہوگا اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ لانے والا اس کے فائدے کے ساتھ احسان کرنے والا ہے۔پس یہ بھٹکے ہوئے غلام کی طرح ہوجائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصل خرچ دینے کے وجوب پر متفق ہیں جبکہ ان میں سے بعض حضرات نے چالیس دراہم کو واجب قرار دیا ہے اور بعض نے اس سے کم واجب قرار دیا ہے پس دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے مسافت سفر میں ہم چالیس کو واجب کیا اور تھوڑے میں تھوڑے کو واجب کیا ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ دینے کا وجوب انسان کو لانے پر تیار کرنے کی غرض سے ہے کیونکہ اجر کی غرض سے ایسا ہونا شاذ و نادر ہوتا ہے پس دینے کے سبب سے ہی لوگوں کے اموال کی حفاظت ہوتی ہے۔اور مال کا اندازہ سماعت پر موقوف ہے جبکہ بھٹکے ہوئے

کے بارے میں کوئی سماع ہی نہیں ہے پس بھٹکے ہوئے میں یہ اندازہ ممتنع ہوگا کیونکہ بھٹکے ہوئے کو پالینا بھاگے ہوئے کو پالینے سے آسان ہے۔ کیونکہ بھٹکا ہوا غلام چھپتا نہیں ہے جبکہ بھاگنے والا غلام چھپ جاتا ہے۔ اور جب مدت سفر سے تھوڑی واپس لائے تو مالک اور لانے کے اتفاق سے عطیہ مقرر ہوگا یا اس کی تعیین قاضی کے حوالے کردی جائے گی اور ایک قول یہ ہے چالیس دراہم کو تین دراہم پر تقسیم کیا جائے گا کیونکہ تین دن کم از کم سفر کی مدت ہے۔

مزدوری سے اخذ غلام کے معاوضے کا استدلال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اسکو توڑ ڈالا دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی) ۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 204)

اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد ومعاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد معاہدہ کی پاسداری بہرصورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد ومعاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لیے جو شخص اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد ومعاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جس طرح ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اسکی خرید وفروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس کا مول کھانے کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہوگا اور اس وعید میں داخل ہوگا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفریں فعل ہے کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جس کو حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرائی مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی نہ دے اللہ

تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

آبق غلام کی قیمت چالیس دراہم ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضَى لَهُ بِقِيمَتِهِ إلَّا دِرْهَمًا) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ :لَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا ، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقَلِّ لِأَنَّهُ حَطٌّ مِنْهُ .وَمُحَمَّدٌ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيَحْيَا مَالُ الْمَالِكِ فَيَنْقُصُ دِرْهَمٌ لِيَسْلَمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيقًا لِلْفَائِدَةِ ، وَأُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْقِنِّ إذَا كَانَ الرَّدُّ فِي حَيَاةِ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَاءِ مِلْكِهِ ؛ وَلَوْ رَدَّ بَعْدَ مَمَاتِهِ لَا جُعْلَ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا يُعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ الْقِنِّ ، وَلَوْ كَانَ الرَّادُّ أَبَا الْمَوْلَى أَوْ ابْنَهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ فَلَا جُعْلَ لِأَنَّ هَؤُلَاءِ يَتَبَرَّعُونَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاوَلُهُمْ إطْلَاقُ الْكِتَابِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب آبق غلام کی قیمت چالیس دراہم سے تھوڑی ہو تو لانے والے کو انتالیس دراہم ملیں گے۔ صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ قول امام محمد علیہ الرحمہ کا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو چالیس دراہم ہی دیئے جائیں گے۔ کیونکہ چالیس کا ثبوت نص سے ہے پس اس سے کم نہ کیا جائے گا کیونکہ چالیس سے زائد پر صلح جائز نہیں ہے بہ خلاف تھوڑے پر صلح کرنے کیونکہ یہ لانے والے کی طرف سے درہم کو تھوڑا کر دیا جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ دینے کا مقصد دوسرے کو واپس لانے پر تیار کرنا ہے کیونکہ مالک کا مال باقی رہ جائے۔ اور ایک درہم اس لئے کم کیا ہے کہ مالک کو بھی اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ اسی سبب سے کہ اس میں مالک کی ملکیت کا احیاء ہے اور جب آبق کو مالک کی موت کے بعد واپس لایا گیا تو مدبر اور ام ولد میں جعل یعنی دینے کا حکم نہ ہوگا کیونکہ آقا کی موت کے سبب وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ جبکہ عام غلام میں ایسا نہیں ہے۔ اور جب واپس لانے والا آقا کا باپ یا بیٹا ہو اور اسی آقا کے ماتحت رہنے والا ہو یا شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک لانے والا ہے تو ان تمام صورتوں جعل یعنی دینے کا حکم نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ عام طور پر احسان میں لانے والے ہیں اور کتاب میں مطلق ان کو شامل ہونے والا نہیں ہے۔

اختلاف اسباب کے سبب اختلاف جعل کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسب ذیل آثار ہیں جن کے سبب جعل میں اصل ہونے کا حکم ثابت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھاگنے والے غلام میں جعل ایک دینار یا بارہ دراہم ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بھاگنے والے غلام میں جعل ایک دینا یا دس دراہم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بھاگنے والے غلام میں جعل چالیس دراہم ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو مصر سے پکڑا کر لائے اس کیلئے دس دراہم ہیں اور جو خارج مصر سے لائے اس کیلئے چالیس دراہم ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۲۲۲، بیروت)

لانے والے سے غلام کے بھاگ جانے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِى رَدَّهُ فَلا شَىْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لَكِنَّ هَذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللُّقَطَةِ .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَنَّهُ لا شَىْءَ لَهُ ، وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْآبِقَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ بِحَبْسِ الْمَبِيعِ لاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ ، وَكَذَا إِذَا مَاتَ فِي يَدِهِ لَا شَىْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا .

قَالَ (وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتَاقِ) كَمَا فِي الْعَبْدِ الْمُشْتَرَى ، وَكَانَ إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ لَهُ ، وَالرَّادُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ .لَكِنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهٍ فَلا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ فَجَازَ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب غلام لانے والے سے بھاگ جائے تو لانے والے پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگا کیونکہ آبق غلام اس کے قبضے میں امانت ہے البتہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب لانے والے نے گواہ بنالیا ہے اور اس کو ہم کتاب لقطہ میں بیان کر چکے ہیں۔

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام قدوری کی قدوری کے بعض نسخہ جات میں جو اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ لانے والے کو کچھ نہ دیا جائے گا یہ بھی درست ہوگا کیونکہ لانے والا مالک کے ہاتھ میں بیچنے والے کے حکم میں ہوگا کیونکہ دینے میں وصول کرنے سے قبل اس کو آبق غلام کو روکنے کا حق حاصل ہے جس طرح بائع ثمن پوری کرنے کیلئے مبیع کو روک لیتا ہے اور جب غلام

لانے والے کے قبضے میں فوت ہو جائے تب بھی لانے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

فرمایا: اور جب آقا آبق کو دیکھتے ہی اس کو آزاد کر دے تو اعتاق کے سبب وہ قابض شمار ہو جائے گا جس طرح مشتری کے غلام میں ہوتا ہے اسی جب آقا لانے والے سے اس غلام کو بیچ دے۔ کیونکہ اس کے پاس بدل محفوظ ہے اور واپس کرنا اگر چہ بیع کے حکم میں ہے مگر یہ ایک طرح کی بیع ہی ہے پس یہ ان کے تحت داخل نہ ہوگا جو حکم کسی چیز پر قبضہ کیے بغیر اس کو بیچنے کی ممانعت کے بارے میں بیان ہوا ہے کیونکہ یہ صورت جائز ہو جائے گی۔

امانت کے ضیاع پر ضمان میں مذاہب اربعہ

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زر ہیں عاریۃً لیں انہوں نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زر ہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریۃً لے رہا ہوں جو کہ واپس کر دی جائیں گی (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 175)

غزوۂ حنین کے موقع پر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زر ہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زر ہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔

حضرت شریح، حضرت نخعی حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں اگر مستعار لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے والے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونۃ جو واپس کر دی جائیں گی کے یہ معنی ہیں تلف ہو جانے کی صورت میں ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔

بھاگ کر آنے والے غلاموں کو واپس نہ کرنے کا بیان

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ ﷺ ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔ "آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا، "وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث(2700)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بھاگ کر آنے غلام کی ضمان نہیں ہے کیونکہ تب ہی آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا تھا۔ جبکہ بعض روایات کے مطابق ضمان ہے۔جس مندرجہ ذیل روایت ہے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہوکر) ہجرت کرتیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہوکر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔ (بخاری، کتاب النکاح، حدیث(5286)

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

آبق غلام کی واپسی پر گواہ بنانے کا بیان

قَالَ (وَيَنْبَغِي إذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهِدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ) فَالْإِشْهَادُ حَتْمٌ فِيهِ عَلَيْهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، حَتَّى لَوْ رَدَّهُ مَنْ لَمْ يُشْهِدْ وَقْتَ الْأَخْذِ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةٌ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ وَصَارَ كَمَا إذَا اشْتَرَاهُ مِنْ الْآخِذِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرِثَهُ فَرَدَّهُ عَلَى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ رَدَّهُ لِنَفْسِهِ ، إلَّا إذَا أَشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِيَرُدَّهُ فَيَكُونُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی شخص آبق غلام کو پکڑ کر لائے تو اس کے لئے مناسب یہ ہوگا کہ وہ اس پر گواہ بنائے۔ کہ وہ اس کو واپس کرنے کی غرض سے پکڑنے والا ہے۔ پس طرفین کے نزدیک پکڑنے کیلئے گواہ بنانا ضروری ہے یہاں تک کہ جب کوئی شخص واپس

کرے جس نے پکڑتے وقت گواہ نہ بنایا ہوتو طرفین کے نزدیک وہ جعل یعنی کچھ لینے کا حقدار نہ ہوگا کیونکہ گواہ نہ بنانا اس بات کی دلیل ہے اس نے اپنی خاطر پکڑا ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی شخص نے پکڑنے والے سے وہ غلام خرید لیا یا ہبہ یا وراثت میں لیا ہے یا اس کے بعد اس کے مالک کو واپس کیا ہے لہٰذا اس کیلئے جعل یعنی کچھ محنت نہ ملے گی۔ کیونکہ اس نے یہ کام اپنے لئے کیا تھا مگر جب مشتری نے اس بات کا گواہ بنایا کہ اس نے مالک کو واپس کرنے کیلئے اس غلام کو خریدا ہے تو اس کو جعل یعنی کچھ ملے گا اور ثمن کی ادائیگی میں وہ احسان کرنے والا ہے۔

ادائے شہادت کے وجوب میں شرائط کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ادائے شہادت واجب ہونے کے لیے چند شرائط ہیں :(۱) حقوق العباد میں مدعی کا طلب کرنا اور اگر مدعی کو اس کا گواہ ہونا معلوم نہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ گواہی نہ دے گا تو مدعی کی حق تلفی ہو گی اس صورت میں بغیر طلب گواہی دینا واجب ہے۔ (۲) یہ معلوم ہو کہ قاضی اس کی گواہی قبول کرلے گا اور اگر معلوم ہو کہ قبول نہیں کریگا تو گواہی دینا واجب نہیں۔ (۳) گواہی کے لیے یہ معین ہے اور اگر معین نہ ہو یعنی اور بھی بہت سے گواہ ہوں تو گواہی دینا واجب نہیں جب کہ دوسرے لوگ گواہی دے دیں اور وہ اس قابل ہوں کہ اُن کی گواہی مقبول ہوگی۔ اور اگر ایسے لوگوں نے شہادت دی جن کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اس نے نہ دی تو یہ گنہگار ہے اور اگر اس کی گواہی دوسروں کی بہ نسبت جلد قبول ہوگی اگر چہ دوسروں کی بھی قبول ہو گی اور اُس نے نہ دی گنہگار ہے۔ (۴) دو عادل کی زبانی اس امر کا بطلان معلوم نہ ہوا ہو جس کی شہادت دینا چاہتا ہے مثلاً مدعی نے دَین کا دعویٰ کیا ہے جس کا یہ شاہد ہے مگر دو عادل سے معلوم ہوا کہ مدعیٰ علیہ دَین ادا کر چکا ہے یا زوج نکاح کا مدعیہ اور گواہ کو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دے چکا ہے یا مشتری غلام خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور گواہ کو معلوم ہوا ہے کہ مشتری اُسے آزاد کر چکا ہے یا قتل کا دعویٰ ہے اور معلوم ہے کہ ولی معاف کر چکا ہے ان سب صورتوں میں دَین و نکاح و بیع و قتل کی گواہی دینا درست نہیں۔ اور اگر خبر دینے والے عادل نہ ہوں تو گواہ کو اختیار ہے گواہی دے اور قاضی کے سامنے جو کچھ سنا ہے ظاہر کردے اور یہ بھی اختیار ہے کہ گواہی سے انکار کردے۔ اور اگر خبر دینے والا ایک عادل ہو تو گواہی سے انکار نہیں کرسکتا۔ نکاح کے دعوے میں گواہ سے دو عادل نے کہا کہ ہم نے خود معاینہ کیا ہے کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا۔ یا گواہوں نے دیکھا ہے کہ مدعی اُس چیز میں اُس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح مالک کیا کرتے ہیں اور دو عادل نے ان کے سامنے یہ شہادت دی کہ وہ چیز دوسرے شخص کی ہے تو گواہی دینا جائز نہیں۔
(۵) جس قاضی کے پاس شہادت کے لیے بلایا جاتا ہے وہ عادل ہو۔ (۶) گواہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ مقر نے خوف کی سبب سے اقرار کیا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو گواہی نہ دے مثلاً مدعیٰ علیہ سے جبراً ایک چیز کا اقرار کرایا گیا تو اس اقرار کی شہادت درست نہیں۔
(۷) گواہ ایسی جگہ ہو کہ وہ کچہری سے قریب ہو یعنی قاضی کے یہاں جا کر گواہی دے کر شام تک اپنے مکان کو واپس آسکتا ہو اور اگر زیادہ فاصلہ ہو کہ شام تک واپس نہ آسکتا ہو تو گواہی نہ دینے میں گناہ نہیں اور اگر بوڑھا ہے کہ پیدل کچہری تک نہیں جا سکتا اور خود اُسکے پاس سواری نہیں ہے مدعی اپنی طرف سے اُسے سوار کر کے لے گیا اس میں حرج نہیں اور گواہی مقبول ہے اور اگر اپنی سواری

پر جاسکتا ہو اور مدعی سوار کر کے لے گیا تو گواہی مقبول نہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الشہادات)

آبق غلام کے رہن ہونے کا بیان

(وَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ) لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ ، إذْ الِاسْتِيفَاءُ مِنْهَا وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ إحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ ، وَالرَّدُّ فِي حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِالْمَوْتِ ، وَهَذَا إذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَبِقَدْرِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُونِ فَصَارَ كَثَمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيصُهُ عَنْ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ ، وَإِنْ كَانَ مَدْيُونًا فَعَلَى الْمَوْلَى إنْ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ ، وَإِنْ بِيعَ بُدِءَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِي لِلْغُرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ وَالْمِلْكُ فِيهِ كَالْمَوْقُوفِ فَتَجِبُ عَلَى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ جَانِيًا فَعَلَى الْمَوْلَى إنْ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إلَيْهِ ، وَعَلَى الْأَوْلِيَاءِ إنْ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا إلَيْهِمْ ، وَإِنْ كَانَ مَوْهُوبًا فَعَلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ ، وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بِتَرْكِ الْمَوْهُوبِ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَعْدَ الرَّدِّ ، وَإِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ مِلْكِهِ ، وَإِنْ رَدَّهُ وَصِيُّهُ فَلَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيهِ .

ترجمہ

اور جب آبق غلام رہن ہے تو جعل یعنی کچھ دینا مرتہن پر ہوگا کیونکہ لانے والے نے واپس کر کے مرتہن کی مالیت کو قائم کیا ہے۔اور مالیت مرتہن کا حق ہے۔ کیونکہ اسی مالیت سے مرتہن کو حق دیا جائے گا اور جعل مالیت کو زندہ کرنے کی خاطر دیا جاتا ہے پس یہ جعل مرتہن پر ہوگا۔اور راہن کی زندگی اور اس کے بعد دونوں میں واپس کرنا برابر ہے کیونکہ راہن کی موت کے سبب رہن باطل نہ ہو گی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب مرہون غلام کی قیمت قرض کے برابر یا اس سے تھوڑی اور جب اس کی قیمت قرض سے زیادہ ہو تو قرض کی مقدار کے مطابق جعل مرتہن پر ہوگا۔اور باقی راہن پر ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا حق ضمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح دوا کی قیمت اور اس کو جنایت سے پاک کرنے کا فدیہ ہے۔

اور جب وہ غلام مدیون ہے اور آقا قرض کی ادائیگی پر راضی ہے تو اسی پر جعل ہے اور جب غلام کو بیچ دیا گیا تو جعل کو پہلے ادا کیا جائے گا۔اور بقیہ بچی ہوئی قیمت قرض خواہوں کو ملے گی کیونکہ جعل ملکیت کا تصرف ہے۔اور اس غلام میں ملکیت موقوف ہے

پس جس کیلئے ملکیت پکی ہے جعل بھی اسی پر واجب ہوگا۔

اور جب آبق غلام نے جنایت کی تو آقا پر جعل ہوگا اگر وہ اس کو فدیے میں دینے کو اختیار کرے کیونکہ لوٹانے کا فائدہ اسی کی جانب لوٹنے والا ہے اور جب آقا نے جنایت میں غلام دینا پسند کیا تو مقتول کے اولیاء پر جعل ہوگا کیونکہ اب فائدہ ان کی جانب لوٹنے والا ہے اور جب آبق غلام ہبہ کیا ہے تو موہوب لہ پر اس کا جعل ہوگا اگر چہ لانے والے کے بعد واہب نے اپنا ہبہ واپس لیا ہے کیونکہ لانے والے کو کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اس کو نفع اس وقت ہوگا جب موہوب لہ واپسی کے بعد اس میں تصرف چھوڑ دے۔

اور جب آبق غلام کسی بچے کا ہے تو جعل بھی اس بچے کے مال سے ہوگا کیونکہ جعل اسی کی ملکیت سے صرف ہونے والا ہے اور جب بچے کا وصی اس کو واپس کرنے والا ہے تو وصی کیلئے جعل نہ ہوگا کیونکہ غلام کی واپسی بھی تو وصی کی ذمہ داری ہے۔

شرح

غایۃ البیان میں اس پر نص کی گئی۔ یہی سبب ہے کہ اگر مرہون ہلاک ہوجائے تو وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہوجائے گا چاہے جتنی بھی قیمت ہوجائے نہ کہ قرض کے بدلے میں درمختار میں ہے کہ مرتہن مرہون کی کل قیمت کا ضامن ہوگا جبکہ وہ مرہون کو ودیعت رکھے، عاریت پر دے، اجارہ پر دے، اس سے خدمت لے یا تعدی کرے۔ ہندیہ میں ہے کہ مرہون شیء بعینہٖ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے جیسا کہ ودیعت۔ چنانچہ جس جگہ ودیعت میں کچھ تصرف کرنے سے اس شخص پر تاوان لازم نہیں آتا جس کے پاس ودیعت رکھی گئی اسی طرح وہاں رہن میں جب مرتہن کوئی تصرف کرے تو اس پر بھی تاوان لازم نہیں آئے گا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن)

رہن سے نفع اٹھانے کے سبب بھی مرتہن پر ذمہ داری کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیء دیتے وقت نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اگر یہ نفع اٹھانا مطلوب نہ ہوتو وہ قرض کے لئے دراہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا کیونکہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے اور یہ بات ممانعت کو معین کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک بعینہٖ یہی حال ہمارے زمانہ والوں کا ہے جس کو ہر باخبر شخص جانتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد کثرت سے واقع ہونے والے مروّج حال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیا جاتا جس میں جواز شاذ و نادر ہو۔ جیسا کہ اس پر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دیگر علماء کرام نے نص فرمائی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں مرہون سے نفع حاصل کرنے کی مطلقاً ممانعت کا حکم ہے، اور اس میں علم سے کچھ بھی تعلق رکھنے والے شخص کو شک نہیں ہوگا۔ یہاں گفتگو اگر چہ طویل ہے مگر اجمالی بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کردی۔

(ردمحتار، کتاب رہن، ج ۳، ص ۳۱۱، بیروت)

كِتَابُ الْمَفْقُودِ

﴿یہ کتاب مفقود آدمی کے بیان میں ہے﴾

کتاب مفقود کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے کتاب لقیط ولقطہ کے بیان کے سبب اس کی فقہی مطابقت تو واضح ہے۔کیونکہ مفقود آدمی کا بیان یہاں سے ہونا مناسب تھا۔اور مفقود فقد سے مشتق ہے لغت میں اس کو اضداد کہتے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے کہ'' فَقَدْتُ الشَّيْءَ ''یعنی چیز گم ہوگئی ہے اور اسی طرح وفقدته یعنی وہ مل گئی ہے اور مفقود میں یہ دونوں معانی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اہل سے گم ہو چکا ہے اور وہ یعنی اس کے گھر والے اس کی تلاش میں ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج)،ص،۹۰ بیروت)

کتاب المفقود کے شرعی ماخذ کا بیان

امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" :مفقود کی عورت جب تک بیان نہ آجائے (یعنی اُسکی موت یا طلاق نہ معلوم ہو) اُسی کی عورت ہے۔(سنن الدار قطنی"، کتاب النکاح، رقم الحدیث، ۳۸۰۶)

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفقود کی عورت کے متعلق فرمایا : کہ وہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کی گئی، اُس کو صبر کرنا چاہیے، جب تک موت یا طلاق کی خبر نہ آئے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث، ۱۲۳۷۸)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے، کہ اُس کو ہمیشہ انتظار کرنا چاہیے اور ابوقلابہ وجابر بن یزید شعبی وابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

(فتح القدیر، ج ۵،ص ۳۹۲)

غائب شخص کے اموال کی حفاظت کا بیان

(إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حَقَّهُ) لِأَنَّ الْقَاضِيَ نُصِبَ نَاظِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنْ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ وَالْمَفْقُودُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ ، وَفِي نَصْبِ الْحَافِظِ

لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ .

وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِي حَقَّهُ لِإِخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَّاتِهِ وَالدَّيْنَ الَّذِي أَقَرَّ بِهِ غَرِيمٌ مِنْ غُرَمَائِهِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ ، وَيُخَاصِمُ فِي دَيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهِ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي حُقُوقِهِ ، وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِي تَوَلَّاهُ الْمَفْقُودُ وَلَا فِي نَصِيبٍ لَهُ فِي عَقَارٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي يَدِ رَجُلٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ وَكِيلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِي وَأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ بِلَا خِلَافٍ ، إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمَ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ ، وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا رَآهُ الْقَاضِي وَقَضَى بِهِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ ، ثُمَّ مَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ يَبِيعُهُ الْقَاضِي لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُورَتِهِ وَمَعْنَاهُ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنَى (وَلَا يَبِيعُ مَا لَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ فِي نَفَقَةٍ وَلَا غَيْرِهَا) لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِي حِفْظِ مَالِهِ فَلَا يَسُوغُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الصُّورَةِ وَهُوَ مُمْكِنٌ .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص غائب ہوا اور اس کے رہنے کی جگہ کا پتہ نہ ہو اور نہ ہی یہ علم کہ وہ زندہ یا فوت ہو چکا ہے تو قاضی ایک بندے کو مقرر کرے گا جو اس کے مال کی حفاظت کریگا اور اس کی دیکھ بھال کرے گا۔ اور اس کے حق وصول کرے۔ کیونکہ قاضی کو ہر فرد کیلئے بطور نگران مقرر کیا گیا ہے۔ اور جو شخص اپنی ضرورت کی اشیاء کی دیکھ بھال سے بے بس ہو مفقود میں ایسی ہی باتیں موجود ہیں۔ پس مفقود، بچے اور پاگل کی طرح ہو جائے گا۔ اس کے مال کی خاطر نگران ومتولی کو مقرر کرنا اس کیلئے احسان ہے اور ماتن کا قول کہ وہ اس کا حق وصول کرے اسی بات کی توضیح کرنے والا ہے اور وہی نگران مفقود کے غلہ جات پر قبضہ کرے اور اس قرض پر بھی قبضہ کرے جس کے بارے میں مفقود کے قرض خواہوں میں سے کوئی اقرار کرنے والا ہے کیونکہ یہ بھی تحفظ میں داخل ہے اور یہ نگران ایسے قرض کے بارے میں بھی جھگڑا کرے گا جو خود اس کے عقد کے سبب واجب ہوا ہے۔ کیونکہ نگران اپنے حقوق میں اصلی ذمہ دار ہے اور قرض میں جھگڑا نہیں کر سکے گا جو مفقود کے سبب پیدا ہوا ہے اور نگران حضرات زمین میں مفقود کا حصہ یا کسی بندے کے پاس موجود اس کے سامان وغیرہ میں جھگڑا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نگران نہ تو اس کا مالک ہے اور نہ ہی مفقود کی جانب سے اس کا نائب ہے پس وہ صرف قاضی کی جانب قبضے والا وکیل ہے اور قاضی کے وکیل بہ قبض کا بغیر کسی اختلاف خصومت کا مالک نہیں بنے گا۔

اختلاف تو اصل وکیل میں ہے جو مالک کی جانب سے قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے اور جب معاملہ ہی اس طرح کا ہے تو

اس کا حکم قضائی طور پر غائب کو شامل ہوگا حالانکہ قضاء علی غائب جائز نہیں ہے مگر جب قاضی کی رائے میں یہ درست معلوم ہوا اور اس کا حکم دینے والا قاضی ہے تو درست ہے کیونکہ قاضی اس میں اجتہاد کرنے والا ہے۔

اس کے بعد وہ چیزیں جن کے خراب ہونے کا خطرہ ہو ان کو قاضی فروخت کر دے کیونکہ بطور صورت ان کی حفاظت کرنا ناممکن ہے۔ پس ان کی حفاظت معنوی طور کرنا ہوگی اور جس چیز کے خراب ہونے کا خطرہ ہی نہ ہو تو اس کو نفقہ وغیرہ میں فروخت نہیں کیا جائے گا اس لئے غائب پر اس کے مال کی حفاظت کی ولایت قاضی کو حاصل ہے پس قاضی کو تحفظ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ تحفظ ممکن ہے۔

مفقود کے مال کی عدم تقسیم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود خود اپنے حق میں زندہ قرار پائیگا، لہٰذا اُس کا مال تقسیم نہ کیا جائے اور اُسکی عورت نکاح نہیں کر سکتی اور اُس کا اجارہ فسخ نہ ہوگا اور قاضی کسی شخص کو وکیل مقرر کر دیگا کہ اُس کے اموال کی حفاظت کرے اور اُسکی جائداد کی آمدنی وصول کرے اور جن دیون کا قرضداروں نے خود اقرار کیا ہے اُنھیں وصول کرے اور اگر وہ شخص اپنی موجودگی میں کسی شخص کو ان امور کے لیے وکیل مقرر کر گیا ہے تو یہی وکیل سب کچھ کریگا قاضی کو بلاضرورت دوسرا وکیل مقرر کرنے کی حاجت نہیں۔ قاضی نے جس کو وکیل کیا ہے اُسکا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبضہ کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین یا ودیعت کا دعویٰ کیا یا اُسکی کسی چیز میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہی نہیں کر سکتا اور نہ خود کسی پر دعویٰ کر سکتا ہے ہاں اگر ایسا دَین ہو جو اسکے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب المفقود، ج ۶، ص ۴۵۰)

غائب کے مال سے بیوی واولاد پر خرچ کرنے کا بیان

قَالَ (وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ) وَلَيْسَ هَذَا الْحُكْمُ مَقْصُورًا عَلَى الْأَوْلَادِ بَلْ يَعُمُّ جَمِيعَ قَرَابَةِ الْوِلَادِ .

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِي مَالِهِ حَالَ حَضْرَتِهِ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ غَيْبَتِهِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِينَئِذٍ يَكُونُ إعَانَةً ، وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِي حَضْرَتِهِ إلَّا بِالْقَضَاءِ لَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ فِي غَيْبَتِهِ لِأَنَّ النَّفَقَةَ حِينَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ ، فَمِنْ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنْ الْكِبَارِ وَالزَّمْنَى مِنْ الذُّكُورِ الْكِبَارِ ، وَمِنْ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ .

وَقَوْلُهُ مِنْ مَالِهِ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَلْبُوسِ فَإِذَا لَمْ

يَكُنْ ذَلِكَ فِي مَالِهِ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ وَهِيَ النَّقْدَانِ وَالتِّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِي هَذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ قِيمَةً كَالْمَضْرُوبِ ، وَهَذَا إِذَا كَانَتْ فِي يَدِ الْقَاضِي ، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيعَةً أَوْ دَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمَا إِذَا كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ مُقِرَّيْنِ بِالدَّيْنِ الْوَدِيعَةِ وَالنِّكَاحِ وَالنَّسَبِ ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُونَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي ، فَإِنْ كَانَا ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرَ الْوَدِيعَةِ وَالدَّيْنِ أَوْ النِّكَاحِ وَالنَّسَبِ يُشْتَرَطُ الْإِقْرَارُ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ .

فَإِنْ دَفَعَ الْمُودِعُ بِنَفْسِهِ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي يَضْمَنُ الْمُودِعُ وَلَا يَبْرَأُ الْمَدْيُونُ لِأَنَّهُ مَا أَدَّى إِلَى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلَى نَائِبِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِي لِأَنَّ الْقَاضِي نَائِبٌ عَنْهُ ، وَإِنْ كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ جَاحِدَيْنِ أَصْلًا أَوْ كَانَا جَاحِدَيْنِ الزَّوْجِيَّةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَنْتَصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحِقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِي ذَلِكَ لِأَنَّ مَا يَدَّعِيهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَعَيَّنْ سَبَبًا لِثُبُوتِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ ، لِأَنَّهَا كَمَا تَجِبُ فِي هَذَا الْمَالِ تَجِبُ فِي مَالٍ آخَرَ لِلْمَفْقُودِ .

ترجمہ

فرمایا: نگران مفقود کے مال سے اس کی بیوی اور اولاد پر خرچ کرے اور یہ حکم صرف اولاد پر انحصار کرنے والا نہیں ہے بلکہ سب پیدائشی قریبی رشتہ داروں کیلئے عام ہے اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مفقود کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر اس کے مال سے خرچہ لینے والا تھا اور وہ غائب کے غائب ہونے کے بعد بھی اسی کے مال سے خرچہ لینے والا ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں قاضی کا فیصلہ صرف مدد کیلئے ہے اور جو لوگ قاضی کے فیصلے کے بغیر مستحق نہ تھے یہ نگران غائب کی عدم موجودگی میں ان نفقہ نہ دے گا کیونکہ اس وقت نفقہ کا وجوب قاضی کے فیصلے کے ساتھ ہوا ہے حالانکہ قضاء علی غائب منع ہے۔

پہلی قسم میں سے نابالغ لڑکے اور بالغہ لڑکیاں اور بالغ معذور بچے ہیں اور دوسری قسم میں سے بھائی، بہن، ماموں اور خالہ ہیں اور امام قدوری علیہ الرحمہ کے فرمان "مالہ" سے دراہم ودنانیر مراد ہیں کیونکہ حقداروں کا حق کھانے پینے اور کپڑے میں ہے۔

اور جب مفقود کے مال میں کھانے کی اشیاء اور پہننے کا لباس ہی نہ ہو تو قیمت دینے کا فیصلہ کیا جائے گا اور دراہم ودنانیر ہیں اور سکے کے ڈھلے ہوئے نہ ہونے میں وہ دراہم ودنانیر کے حکم میں ہوگا کیونکہ ڈھلے ہوئے سکے کی طرح وہ بھی سکہ بن سکتا ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب یہ مال قاضی کے پاس ہو مگر جب مفقود کا مال ودیعت یا کسی اور سبب سے دوسرے کے پاس بطور قرض ہو تو

اب اگر مودع اور مقروض ودیعت قرض کا اقرار کریں۔

مفقود کی بیوی اور اس کے بچوں کا نکاح اور نسب کا اقرار کر رہے ہوں تو مذکورہ دونوں اموال میں سے ان کو خرچہ دیا جائے گا مگر یہ بھی اسی حالت میں ہوگا جب ودیعت اور نکاح وغیرہ قاضی کے پاس ظاہر نہ ہوں اور جب یہ ظاہر ہوں تو ان کے اقرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور جب ان میں سے ایک ظاہر ہو گیا تو ظاہر نہ ہونے والے کیلئے اقرار شرط ہوگا صحیح روایت یہی ہے۔ لہذا جب مودع یا مدیون نے قاضی کے حکم کے بغیر ان کو مال دے دیا تو مودع ضامن ہوگا اور مدیون قرض سے بری نہ ہوگا کیونکہ اس نے قرض خواہ کو قرض نہیں کیا اور نہ ہی اس کے نائب کو دیا ہے بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے قاضی کے حکم سے دیا ہے کیونکہ مفقود کا نائب قاضی ہے۔

اور جب مودع اور مدیون قرض اور ودیعت کا انکار کریں یا وہ زوجیت اور نسب کا انکار کریں تو نفقہ کے حقداروں میں سے کوئی بھی جھگڑا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ خصم غائب کیلئے جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اس کے حق نفقہ ثابت کرنے کیلئے نہ ہوگا کیونکہ جس طرح مال میں قرض اور ودیعت کا خرچہ واجب ہو سکتا ہے اسی طرح دوسرے کے مال میں بھی واجب ہو سکتا ہے۔

مفقود پر عیال کے نفقہ کے وجوب کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اُسکی زوجہ کے سبب اور اصول و فروع اُن کو نفقہ اُسکے مال سے دیا جائیگا یعنی روپیہ اور اشرفی یا سونا چاندی جو کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دَین ہے ان سے نفقہ دیا جائے اور نفقہ کے لیے جائداد منقولہ یا غیر منقولہ بیچی نہ جائے ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو قاضی اُسے بیچ کر ثمن محفوظ رکھے گا اور اب اس میں سے نفقہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ (ردمحتار، کتاب مفقود)

قاضی نے جس کو وکیل کیا ہے اُسکا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبض کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین یا ودیعت کا دعویٰ کیا یا اُسکی کسی چیز میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہی نہیں کر سکتا اور نہ خود کسی پر دعویٰ کر سکتا ہے ہاں اگر ایسا دَین ہو جو اسکے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ (درمختار)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود کا مال جسکے پاس امانت ہے یا جس پر دَین ہے یہ دونوں خود بغیر حکم قاضی ادا نہیں کر سکتے اگر امین نے خود دیدیا تو تاوان دینا پڑیگا اور مدیون نے دیا تو دَین سے بَری نہ ہوا بلکہ پھر دینا پڑیگا۔

(بحرالرائق، کتاب مفقود، ج ٦، ص ۴۵۰)

مفقود شوہر بیوی کی تفریق کا بیان

قَالَ (وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ) وَقَالَ مَالِكٌ :إذَا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ يُفَرِّقُ الْقَاضِي

بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ مَنْ شَاءَتْ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هٰكَذَا قَضَى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجِنُّ بِالْمَدِينَةِ وَكَفَى بِهِ إمَامًا ، وَلِأَنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةٍ اعْتِبَارًا بِالْإِيلَاءِ وَالْعُنَّةِ ، وَبَعْدَ هٰذَا الِاعْتِبَارِ أُخِذَ الْمِقْدَارُ مِنْهُمَا الْأَرْبَعُ مِنَ الْإِيلَاءِ وَالسِّنِينَ مِنَ الْعُنَّةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ) وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهَا : هِيَ امْرَأَةٌ اُبْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَسْتَبِينَ مَوْتٌ أَوْ طَلَاقٌ خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُورِ فِي الْمَرْفُوعِ ، وَلِأَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوتُهُ وَالْغَيْبَةُ لَا تُوجِبُ الْفُرْقَةَ وَالْمَوْتُ فِي حَيِّزِ الِاحْتِمَالِ فَلَا يُزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَجَعَ إلَى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْإِيلَاءِ لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعَجَّلًا فَاعْتُبِرَ فِي الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوجِبًا لِلْفُرْقَةِ ، وَلَا بِالْعُنَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَةَ تَعْقُبُ الْأَوْبَةَ ، وَالْعُنَّةُ قَلَّمَا تَنْحَلُّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً .

ترجمہ

فرمایا: مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے گی۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب چار سال گزر جائیں قاضی ان میں تفریق کرائے۔ اور وہ عورت عدت وفات گزارنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے کیونکہ مدینہ منورہ میں جس شخص کو جن اٹھا کر لے گئے تھے اس کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا اور ان کا رہنما ہونا کافی ہے کیونکہ غائب شخص نے غائب ہوکر بیوی کے حق کو روک رکھا ہے پس ایک مدت کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق کرادے گا جس طرح ایلاء اور عنین میں ہوتا ہے اور اس قیاس کے بعد آقا اور عنین سے یہ اندازہ سمجھا گیا ہے پس ایلاء سے چار لیا گیا ہے اور عنین سے سال اور یہ چار سال مدت بنادی گئی ہے تاکہ دونوں مشابہات پر عمل کیا جائے۔

ہماری دلیل مفقود کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جب تک کوئی تحقیق نہ ہوجائے اس وقت تک یہ عورت مفقود کی بیوی رہے گی۔ اور مفقود شوہر بیوی کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایک عورت ہے وہ مصیبت میں مبتلاء کی گئی ہے اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے۔ حتیٰ کہ اس کے شوہر کی موت یا اس کی جانب سے طلاق کا حکم واضح ہوجائے۔ حدیث مرفوع میں بیان ہونے حکم کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بطور بیان ہے کیونکہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے پس غائب ہونا فرقت کی موجب نہ ہوگی جبکہ مفقود کی موت میں احتمال ہے۔ پس شک کے سبب نکاح زائل نہ ہوگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا اور ایلاء پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دور جاہلیت میں ایلاء طلاق معجل تھی جبکہ شریعت نے اسکو مؤجل بنادیا ہے پس یہ ایلاء موجب فرقت ہوااور عنین پر بھی اس کو قیاس نہ کیا جائے گا کیونکہ غائب ہونے میں رجعت اور واپسی کی امید باقی ہے جبکہ عنین بیماری جب سال بھر رہی ہے تو اس کے درست ہونے کی امید ختم ہو چکی ہے۔

غالب گمان کے وقت مفقود کی زوجہ میں تفریق کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود اور اُس کی بیوی میں تفریق اُس وقت کی جائیگی کہ جب ظن غالب یہ ہو جائے کہ وہ مرگیا ہوگا اور اُسکی مقدار یہ ہے کہ اُسکی عمر سے ستر ۷۰ برس گزر جائیں اب قاضی اُسکی موت کا حکم دیگا اور عورت عدت وفات گزار کر نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے اور جو کچھ املاک ہیں اُن لوگوں پر تقسیم ہونگے جو اس وقت موجود ہیں۔ دوسروں کے حق میں مفقود مردہ ہے یعنی اس زمانہ میں کسی کا وارث نہیں ہوگا مثلاً ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا اور اسکے بھی بیٹے اور بیٹیاں ہیں لڑکا مفقود ہوگیا اسکے بعد وہ شخص مرا تو آدھا مال لڑکیوں کو دیا جائے اور آدھا محفوظ رکھا جائے اگر مفقود آجائے تو یہ نصف اُسکا ہے ورنہ حکمِ موت کے بعد اس نصف کی ایک تہائی مفقود کی بہنوں کو دیں اور دو تہائیاں مفقود کی اولاد پر تقسیم کریں۔
(فتح القدیر، کتاب مفقود)

یعنی دوسروں کے اموال لینے کے لیے مفقود مردہ تصور کیا جائے مورث کی موت کے وقت جولوگ زندہ تھے وہی وارث ہونگے مفقود کو وارث قرار دیکر اسکے ورثہ کو وہ اموال نہیں ملیں گے۔ (درمختار، کتاب مفقود)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ اُسوقت ہے کہ جب سے گم ہوا ہے اُسکا اب تک کوئی پتہ نہ چلا ہو اور اگر درمیان میں کبھی اُسکی زندگی کا علم ہوا ہے تو اس وقت سے پہلے جولوگ مرے ہیں اُن کا وارث ہے بعد میں جو مریں گے اُن کا وارث نہیں ہوگا۔ (بحرالرائق)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے (قاعدہ فقہیہ)

اذا جاء الاحتمال بطل الاستد لا ل ۔(الاشباہ)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ ترجمہ: جولوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ کیوں نہیں لاتے، ان ۸۰ کوڑے مارو۔ (النور۴) اس آیت میں حدزنا کا نصاب بیان کیا گیا ہے لہذا استدلال کا تقاضہ یہ ہے کہ چار مرد جو شرعا گواہی کے قابل ہوں ان کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی گواہی زمان ومکان یا کیفیت میں مختلف ہوگئی تو یہ اس استدلال میں احتمال ہوگا اور اس طرح حد نافذ نہ ہوگی، بلکہ کسی ایک کے احتمال کی سبب سے گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔

حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، پھر دوسرے نے آکر شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، پھر تیسرے نے آکر شہادت دی، یہ گواہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت گراں گذری، پھر چوتھا شخص ہاتھ آگے پیچھے کرتا ہوا آیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے چیخ مار کر کہا اے جھلسانے والی آگ: تیرے پاس کیا ہے۔ حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ وہ اتنے زور کی چیخ تھی کہ میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ اس نے کہا اے امیرالمومنین! میں نے ایک برا کام دیکھا ہے (یعنی چوتھے گواہ نے زنا کی شہادت کو صراحت کے ساتھ بیان نہ کیا) تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب کو شیطان برے راستہ پر چلانے میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر آپ نے ان تینوں کو حد قذف لگائی۔ (المغنی مع الشرح ج ۱۰ص ۱۷۶، دارالفکر بیروت)

حد سرقہ کا نصاب

چوری کی حد کا نصاب بمطابق مسلک احناف دس درہم ہے اگر نصاب سے کم قیمت کی چوری ہوئی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت قاسم بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اس کی قیمت لگاؤ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی آٹھ درہم قیمت لگائی، تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف از عبدالرزاق ج ۱۰ص ۲۳۴، مکتب اسلامی بیروت)

حد قذف

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے خاند کو اپنی باندی ہبہ کردی وہ اس کے ساتھ ایک سفر میں گیا اس سے جماع کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور اسکی بیوی کو بھی اس کے حمل کی اطلاع پہنچ گئی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا میں نے اپنے خاند کے ساتھ ایک باندی خدمت اور کام کاج کیلئے بھیجی تھی اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب وہ شخص آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور فرمایا: تم نے فلاں لونڈی کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس کو حاملہ کردیا۔ اس نے کہا ہاں، فرمایا: کیا تم نے اس کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: کیا تمہاری بیوی نے اس کو ہبہ کردیا تھا اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا: تم اس ہبہ پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو اس پر رجم کردوں گا پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ اس کا خاند رجم کردیا جائے گا تو اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اقرار کرلیا کہ اس نے وہ باندی خاند کو ہبہ کردی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد قذف لگادی۔ (سنن کبریٰ ج ۸ص ۲۴۱، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

انتباہ:

وجود احتمال کیلئے بھی دلیل کا ہونا ضروری ہے یادر ہے احتمال سے مراد محض یہ نہیں ہے کہ خیالات ووسواسات پیدا ہوجائیں تو اسے احتمال کہہ دیا جائے، ایسا ہرگز نہیں بلکہ ثبوت احتمال کیلئے بھی دلیل شرعی مع القرائن کا ہونا ضروری ہے۔

یقین شک سے زائل نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

الیقین لا یزول بالشک .(الاشباہ)

یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔حضرت عباد بن تمیم از عم خود، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے یہ شکایت کی کہ اس کو نماز میں یہ خیال آتا ہے کہ نماز میں کچھ ہوگیا ہے (ہوا خارج ہوگئی ہے) آپ نے فرمایا: وہ نماز سے نہ مڑے حتی کہ وہ آواز سنے یا اس کو بدبو آئے۔ (بخاری، ج۱،ص۲۵ ،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

شک یا گمان کا معنی

اصحاب فقہ کے نزدیک ظن از قبیل شک ہے اور شک کا معنی ہے کہ شئے کے وجود یا عدم وجود میں تردد کا پایا جانا۔

۱۔جب شک دونوں اطراف سے برابر ہو:

فقہاء اسلام نے لکھا ہے کہ جب شک دونوں اطراف سے برابر ہو تو غالب گمان کو ترجیح دی جائے گی۔جس طرح کسی شخص کو وقوع طلاق یا عدم طلاق کا شک ہوجائے تو اسے اگر غالب گمان یہ ہو کہ طلاق واقع ہوچکی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

قاعدہ فقہیہ

شرط میں وقوع شک مشروط میں شک کو ثابت کرتا ہے۔(الاشباہ) اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی عمل کی شرط میں شک واقع ہوجائے تو شرط پر چونکہ وہ عمل موقوف ہوتا ہے اس لئے مشروط میں بھی شک ثابت ہوجائے گا۔جس طرح اگر کسی شخص کا بدن ناپاک ہو یا کپڑے ناپاک ہوں تو اس بدن کو پاک کرنے یا کپڑوں کو پاک کرنے کیلئے دھونا شرط ہے اور دھونے والے کو دھونے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے جس پانی سے دھویا ہے اس کی طہارت مشکوک ہے تو اس سے بدن اور کپڑوں کی طہارت بھی مشکوک ہوجائے گی۔لہذا اس مسئلے کا حل ظن غالب کے مطابق ہوگا۔جس کی اساس دوسرا قاعدہ فقہیہ ہے۔

گم شدہ شوہر کی بیوی کیلئے حکم فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا معاملہ ہے وہ یہ کہ "شوہر، بیوی کو چھوڑ کر اتنی دور چلا جائے کہ اسکا پتہ نہ چلے یا گم ہو، یا طویل مدت کیلئے اسیری میں ہو، ان اسباب کی بنا پر طلاق دلوانا، "ایسا غائب ہونا کہ پتہ نہ چلے " کا مطلب یہ ہیکہ، کسی کو اسکی موجودگی کا

علم نہ ہو، کہ کہاں ہے، اسکی کوئی خبر نہ ہو حتی کہ یہ تک پتہ نہ ہو کہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا، اور جب اسکے زندہ یا مردہ ہونے کی [illegible]
جگہ جانے کا کو، اعتبار نہیں، جس طرح کہ کوہ گم شدہ ہو، بر خلاف اس صورت کے، کہ جسمیں غائب ہونیوالے کے حالات [illegible]
تک پہنچتے رہتے ہیں، (تو اس صورت میں طلاق مانگنے کا حق بیوی کو حاصل نہیں رہے گا)۔

اس دفعہ نے ذکر کیا ہیکہ اسطرح کا غائب ہو جانا، ایسا سبب ہے جسکی بناپر عورت کو اس شرط پر طلاق لینے کا حق مل جاتا ہے کہ
شوہر نے کچھ عینی مال نہ چھوڑا ہو، کہ جس سے وہ خرچ چلا سکے، یا مال تو ہو، مگر دوری و جداء کی وجہ سے اسے اذیت ہو رہی ہے۔
آئین کی یہی پسند، مالکی اور حنبلی حضرات کا مذہب ہے، سبب اسکی یہ ہیکہ اسمیں نقصان صاف نظر آ رہا ہے، اور قرآنی حکم "بھلائی
سے روکے رکھو" پر عمل بھی نہیں ہو رہا ہے، جسکے لئے اس آئین نے کافی دلیلیں پیش کی ہیں۔

علیحدگی کیلئے بیوی کو کتنی مدت درکار؟

فقہ اسلامی میں گم شدہ کے انتظار کی جو مدت مناسب سمجھی گ ہے وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے سے چار سال تک کی
مدت ہے، ان چار سالوں کے گذر جانے کے بعد، اگر شوہر کے باحیات ہونیکا یقین نہ ہو، تو پھر بیوی متوفی شوہر کی عدت گذار یگی،
اس مدت کی ترجیح میں سلامتی، یا ہلاکت کے کسی عمومی معیار کو سامنے نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ گم شدہ شخص کی بیوی کیلئے اس مدت تک
انتظار کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو دلیل بناتے ہوئے، گمشدگی کے تمام حالات میں اسی محدد مدت کا اعتبار کیا گیا
ہے (30)، نیز یہ مدت، گم شدہ کی حالت کی تاکید کیلئے معقول حد تک مناسب مہلت دیتی ہے، تاکہ اگر زندگی کا یقین نہ ہو تو انتقال
کو ترجیح دیجائے۔

بعض اسلامی ممالک کے عائلی قوانین، گم شدگی کیاسباب کی بناپر اس مدت کی تحدید میں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں
جسمیں ہلاکت کا یقین ہو، یا صحیح سالم ہونیکا، خواہشمند حضرات ان قوانین کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک موجودہ دفعہ میں مذکور اسیر (قیدی) شخص کا مسئلہ ہے، تو اسکی زندگی اور موت کا مسئلہ تو واضح ہے، البتہ حالت
اسیری میں ہونیکی بناپر جبرا، بیوی سے دور ہے، چنانچہ اسکا حال اس غائب شخص کیطرح ہے، جسکا حال معلوم ہو، اسکے باوجود اسکا حکم
بناعذر کے غائب شخص جیسا ہوگا، اور اسکی اسیری کو عذر بھی نہیں سمجھا جائے گا، اسلئے کہ اسکو اپنے جرم کی بناپر جیل کی سزا ہوئی ہے۔

امام مالک اور امام احمد کا خیال ہیکہ اگر شوہر، بغیر کسی عذر کے طویل مدت کیلئے غائب ہو جائے، اور اسکی عدم موجودگی، بیوی
کیلئے نقصان دہ ثابت ہو رہی ہو، نیز گناہ میں مبتلا ہونیکا اندیشہ ہو، تو اسکو طلاق مانگنے کا حق ہے، چاہے اسکے پاس خرچ کیلئے مال ہو
یا نہ ہو، یہی حال بڑی مدت کیلئے اسیر شخص کا ہے۔

پھر اسکے بعد ان لوگوں میں طویل مدت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا، امام مالک کا کہنا ہیکہ یہ ایک سال ہے، جبکہ امام
احمد فرماتے ہیں کہ یہ چھ مہینے ہیں، اور حضرت عمر (رض) سے مروی اثر انکی دلیل ہے، جسمیں آپ نے بیوی سے شوہر کی دوری کی
زیادہ سے زیادہ مدت، چھ مہینے مقرر کی ہے، (صحیح اثر بیہقی، عبدالرزاق)۔

بعض اسلام ممالک نے اپنے قیدیوں کیلئے اپنی بیویوں کے ساتھ خلوت کا نظام شروع کیا ہے، جہاں قیدی اپنی بیوی کے ساتھ، بطور خلوت شرعی کے تھوڑا وقت گذار سکتا ھے، اگر ایسا ہو تو پھر بظاہر، قیدی کی بیوی کو طلاق مانگنے کا حق نہیں ھے، جبکہ بیوی کے پاس شوھر کا کچھ مال ہو جس سے وہ خرچ کر سکتی ہو۔

شوھر کی دوری کی بناپر علاحدگی اگر قاضی کروائے، تو حنبلی مذھب میں یہ علاحدگی بطور فسخ کے سمجھی جائیگی، جبکہ مالکی مذھب میں یہ علیحدگی، طلاق بائن شمار ہوگی نہ کہ فسخ۔ (المغنی، 487 /7)

مفقود الخبر شوہر کے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

اول یہ کہ اگر مفقود الخبر کا نکاح فسخ کر دیا جائے، اس نے دوسرا نکاح کر لیا پھر اس کا شوہر اول واپس آ جائے تو اب وہ عورت کس کی زوجیت میں رہے گی؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ شوہر اول کی بیوی سمجھی جائے گی اور اسی کی طرف واپس کردی جائے گی۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر شوہر ثانی کے دخول سے پہلے شوہر اوّل آ جائے تب تو بیوی شوہر اوّل کی طرف لوٹائی جائے گی اور اگر اس کے بعد آیا تو شوہر اول کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ :المیزان الکبریٰ :/، رحمۃ الامۃ ? :جب کہ ربیعۃ الرای کے نزدیک جب قاضی نے شوہر اول کا نکاح فسخ کر دیا تو اب شوہر ثانی کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔ ?المحلی :/ ?اس سلسلے میں حقیر کی رائے یہ ہے کہ اس ذیل میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے زیادہ قابل قبول ہے اور یہ اس صورت میں جب کہ مفقود الخبر شخص کوئی ایسی جائیداد چھوڑ کر گیا ہو، جس سے عورت کا نفقہ ادا ہو جاتا ہو۔ اگر شوہر نے نفقہ نہیں چھوڑا اور عدم نفقہ کی بنیاد پر نکاح فسخ ہوا ہو تو چوں کہ عدم نفقہ کی بنیاد پر تفریق فقہاء کے نزدیک طلاق بائن کے حکم میں ہے، اس لیے عورت کا دوسرا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، شوہر اول کا اب اس عورت پر کوئی حق نہیں۔

۱۲۰ سال یوم پیدائش پر گزریں تو موت کا فیصلہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ :وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْأَقْرَانِ ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ بِمِائَةِ سَنَةٍ ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِينَ ، وَالْأَقْيَسُ أَنْ لَا يُقَدَّرَ بِشَيْءٍ .

وَالْأَرْفَقُ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ ، وَإِذَا حُكِمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ (وَيُقَسَّمُ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ) كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً إذْ الْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيقِيِّ (وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ) لِأَنَّهُ

لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُومَةً (وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ أَحَدًا مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهِ) لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَا يَصْلُحُ حُجَّةً فِي الِاسْتِحْقَاقِ

ترجمہ

فرمایا: حضرت امام حسن نے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جب یوم پیدائش سے مفقود کو ۱۲۰ سال گزر جائیں تو ہم اس کی موت کا فیصلہ کریں گے۔ اور ظاہر مذہب کے مطابق اس کے ہم لوگوں کی موت سے اس کا اندازہ لگایا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے سو سال کی روایت بیان کی گئی ہے اور بعض فقہاء ۹۰ سال کا اندازہ لگاتے ہیں اور افضل قیاس یہ ہے کہ کسی طرح کی بھی مدت سے اندازہ نہ لگایا جائے
اور مفقود کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے تو اسکی بیوی عدت وفات گزارے اور اس وقت مفقود کے موجودہ ورثاء کے درمیان مال تقسیم کر دیا جائے لہذا یہ ایسا ہی ہوگا جس طرح مفقود ان کی نگاہوں کے سامنے فوت ہوا ہے کیونکہ موت حکمی کو موت حقیقی پر قیاس کیا گیا ہے اور جو بندہ اس سے پہلے فوت ہو چکا ہے وہ مفقود کا وارث نہ ہوگا کیونکہ مدت فقدان میں مفقود کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح اس کی زندگی معلوم ہے۔ اور اسی طرح مفقود بھی اپنے مورث کا وارث نہ ہوگا جو بندہ اس کے غائب ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے کیونکہ استصحاب حال کی دلیل کے سبب مفقود اس وقت زندہ ہے اور استصحاب استحقاق کیلئے دلیل بننے والا نہیں ہے۔

مفقود الشوہر بیوی کے نکاح ثانی کے حکم میں مذاہب اربعہ

جس عورت کا مرد پانچ سال سے زیادہ تک نامعلوم و بے نشان ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا شوہر کر لیوے۔ امام مالک شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بیچ ایک قول کے فرماتے ہیں کہ "جب گزر جائیں چار برس تو تفریق کرادے درمیان میں ان دونوں کے قاضی، بعد اس کے نکاح کریں زوج ثانی سے۔ "اور غرض مستفسر کی یہ ہے کہ برتقدیر جائز ہونے اس مسئلہ کے فسخ نکاح کی کیوں کر قاضی سے کرادی جائے، اس زمانہ پُر آشوب میں بباعث حکام غیر مذہب کے احکام قاضی کے بالکل مسدود ہو گئے ہیں پس ایسے وقت میں طریقہ اُس کے فسخ کرنے نکاح کے کیونکر عمل میں لائی جائے گی۔ دوسرے () یہ کہ بعد فسخ کرادینے نکاح قاضی کے، آیا اس کے لئے کوئی عدت طلاق یا وفات کی کرنا چاہئے یا کہ بغیر عدت کے نکاح ثانی کرلے۔ تیسرے () یہ کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت بعض مسئلوں میں امام شافعی و امام مالک کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں اس شخص کو ہمیشہ کے لئے کل مسئلوں میں اس امام کی تقلید لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ چوتھے () یہ کہ حنفیہ بھی اس فتوے کے موافق فتوی دے سکتے

ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہمارے مذہب میں وہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک شوہر کی عمر سے ستر ۷۰ سال گزر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدت وفات نکاح کر سکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی طرف امام شافعی نے رجوع فرمائی، امام مالک کہ چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے کی دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن دے سے خود امام مالک نے کتاب مدونہ میں تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگر چہ بیس ۲۰ برس گزر چکے ہوں اُن کا اعتبار نہیں، ادعائے ضرورت کا علاج تو اُن کے یہاں بھی نہ نکلا، آج تک تو جتنا زمانہ گزرا بیکار ہے اب قاضی شرع اگر ہو بھی اور اسکے یہاں مرافعہ کیا جائے اور وہ شوہر کا مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اُس کے بعد چار برس کی مہلت دے اور پھر اب تک مفقود رہنا تحقیق کرے اُس کے بعد تفریق کرے اور عورت عدت بیٹھے یہ ممتد زمانہ بے شوہر اور بے نان نفقہ کے کیسے گزرے گا، مذہب بھی چھوڑا اور کال بھی نہ کٹا، لہذا وہ کرے جو امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ھی امراۃ ابتلیت فلتصبر حتی یأتیھا موت او طلاق۔

یہ ایک عورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بلا میں مبتلا فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کی موت یا طلاق ظاہر ہو۔ مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ،۱۲۳۳۲) ضرورت صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمہ ثلثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امور واجبہ میں ضرور ہو گی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج ۱۲، باب طلاق، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفقود کے موصی کے مرنے پر وصیت مفقود کی عدم صحت کا بیان

(وَكَذَلِكَ لَوْ أَوْصَى لِلْمَفْقُودِ وَمَاتَ الْمُوصِي) ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُودِ وَارِثٌ لَا يُحْجَبُ بِهِ وَلَكِنَّهُ يَنْتَقِصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى أَقَلَّ النَّصِيبَيْنِ وَيُوقَفُ الْبَاقِي وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهِ لَا يُعْطَى أَصْلًا .بَيَانُهُ : رَجُلٌ مَاتَ عَنْ ابْنَتَيْنِ وَابْنِ مَفْقُودٍ وَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِي يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوا عَلَى فَقْدِ الِابْنِ وَطَلَبَتْ الِابْنَتَانِ الْمِيرَاثَ تُعْطَيَانِ النِّصْفَ لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيُوقَفُ النِّصْفُ الْآخَرُ وَلَا يُعْطَى وَلَدَ الِابْنِ لِأَنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْمَفْقُودِ ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَا يَسْتَحِقُّونَ الْمِيرَاثَ بِالشَّكِّ (وَلَا يُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إلَّا إذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ) وَنَظِيرُ هَذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ يُوقَفُ لَهُ مِيرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى ، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ آخَرُ إنْ كَانَ لَا يَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطَى كُلٌّ نَصِيبَهُ ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَا يُعْطَى ، وَإِنْ كَانَ

مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطِى الْأَقَلَّ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُودِ وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى بِأَتَمَّ مِنْ هَذَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ

اوراسی طرح جب کسی مفقود کیلئے کوئی وصیت کی گئی تھی کہ اس کا موصی فوت ہوگیا تو وصیت درست نہ ہوگی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مفقود کے ساتھ اس کا کوئی ایسا وارث ہے تو مفقود کے سبب سے وارثت سے محروم نہ ہوتا ہو مگر اس کے سبب سے اس کا حصہ تھوڑا بنتا ہے جس طرح اس کی بہن ہے تو اس وارث کو دونوں حصوں میں سے کم دیا جائے گا اور بقیہ رکھ لیا جائے گا اور جب مفقود کے ساتھ ایسا وارث ہو جو اس کے سبب محروم بن جاتا ہے جس طرح اس کا بیٹا اور اس کی بیٹی ہے تو اس وارث کو وراثت نہ دی جائے گی۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ جب ایک بندے کی دو بیٹیاں (۱) ابن مفقود (۲) پوتا اور ایک (۱) پوتی چھوڑ کر فوت ہوا ہے اور اس کا مال کسی غیر شخص کے پاس ہے اور ان لوگوں نے میت کے لڑکے گمشدگی پر اتفاق کرلیا ہے اور اس کی دونوں لڑکیوں نے میراث کا مطالبہ کیا تو ان کو پورے مال کا نصف دیا جائے گا کیونکہ نصف یقینی ہے اور دوسرا نصف روک لیا جائے گا اور مفقود کے بچوں کو کچھ نہ دیا جائے گا کیونکہ وہ مفقود کے سبب سے محروم ہو جائیں گے۔کیونکہ جب مفقود زندہ ہوتا پس شک کے سبب میراث میں ان کا حق نہ ہو گا۔

اور وہ مال اجنبی شخص سے لیا نہیں جائے گا ہاں جب اس کی جانب سے خیانت کا اندیشہ ظاہر ہو اور مفقود کی مثال حمل ہے جس طرح حمل کیلئے ایک لڑکے کی میراث کو روک لیا جاتا ہے جس طرح اس پر فتویٰ ہے اور جب حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو جو کسی حالت میں بھی ساقط ہونے والا نہ ہو اور حمل کے سبب اس کے حصے میں کوئی تبدیلی بھی نہ آتی ہو تو اس کو اس کا پورا حصہ دیا جائے گا۔

اور جب حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہے تو اس کا اس کا پورا حصہ دیا جائے گا اور جب حمل کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہے جس کا حصہ کے حمل کے سبب ساقط ہونے والا ہے تو اسکو کچھ نہ دیا جائے گا اور جب ایسا وارث ہے کہ جس کا حصہ حمل کے سبب سے کم ہونے والا ہے یا زیادہ ہونے والا ہے تو اس کو کم دیا جائے جائے گا کیونکہ تھوڑا یقینی ہے اور مفقود میں اسی طرح ہوتا ہے اور ہم نے اپنی کتاب '' کفایہ منتہی '' میں اس مسئلہ کو اس سے بھی زیادہ تفصیل کے بیان کیا ہے۔اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مفقود کے لیے کوئی شخص وصیت کر کے مرگیا تو مالِ وصیت محفوظ رکھا جائے اگر آ گیا تو اسے دیدیں ورنہ موصی کے ورثہ کو دینگے اسکے وارث کو نہیں ملے گا۔مفقود اگر کسی وارث کا حاجب ہو تو اُس محجوب کو کچھ نہ دینگے بلکہ محفوظ رکھیں گے مثلاً مفقود کا باپ مرا تو مفقود کے بیٹے محجوب ہیں اور اگر مفقود کی سبب سے کسی کے حصہ میں کمی ہوتی ہے تو مفقود کو زندہ فرض کر کے سہام نکالیں پھر مردہ فرض کر کے نکالیں دونوں میں جو کم ہو وہ موجود کو دیا جائے اور باقی محفوظ رکھا جائے۔(درمختار، کتاب مفقود)

كِتَابُ الشَّرِكَةِ

﴿یہ کتاب شرکت کے بیان میں ہے﴾

کتاب شرکت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب شرکت کی فقہی مطابقت سابقہ ابواب کے ساتھ اس طرح ہے کہ مفقود کے ساتھ شرکت کی مناسبت خاص ہے۔اور وہ اس طرح ہے کہ مفقود کے مال سے اس کی وراثت دوسرے کے حصے میں مکس ہونے والی ہے۔اور دو اموال میں یہ اختلاط اسی طرح ہے جس طرح شرکت میں ہوا کرتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۹۲، بیروت)

شرکت کا فقہی مفہوم

لغت میں شرکت کے معنی ہیں ملانا لیکن اصطلاح شریعت میں شرکت کہتے ہیں دو آدمیوں کے درمیان ایک ایسا مثلاً تجارتی عقد و معاملہ ہونا جس میں وہ اصل اور نفع دونوں میں شریک ہوں۔

شراکت، (partnership) کاروبار کی ایسی تنظیم جس میں دو یا زیادہ اشخاص (شراکت دار) بہ حیثیت مجموعی کاروبار کرتے ہیں۔شراکت دار (مالکان) مقررہ شرائط اور معاہدے کے مطابق ایک خاص نسبت سے زمین، محنت اور سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور باہمی طور پر کاروبار کے انتظامی امور سنبھالتے ہیں . نفع یا نقصان حصص کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔

شرکت کے ثبوت میں شرعی ماخذ کا بیان

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دو شریکوں (کے درمیان) میں تیسرا رہتا ہوں جب تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اپنے ساتھی کی خیانت نہ کرے پس جب ان میں سے کوئی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1607)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو انصار یعنی مدینہ کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں درختوں کو تقسیم نہیں کروں گا تم ہی لوگ ہماری یعنی مہاجرین کی طرف سے بھی محنت کر لیا کرو ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔انصار نے کہا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 150)

جب مکہ کے مسلمانوں پر ان کے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی اور خدا اور خدا کے رسول کے حکم پر وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو چونکہ انھوں نے اپنا سارا سامان و اسباب اور مال و متاع مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا اس لئے یہاں مدینہ میں ان کی معاشی زندگی

کا تکفل مدینہ کے مسلمانوں نے کہ جنہیں انصار کہا جاتا ہے اپنے ذمہ لیا اس کی شکل یہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان بھائی چارہ کرایا چنانچہ انصار مدینہ نے اپنے تمام مال واسباب میں مہاجرین کو برابر شریک بنالیا۔ اسی موقع پر انصار نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو بھی ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرمادیجئے تاکہ ہم اپنے اپنے حصہ کے درختوں میں محنت مشقت کریں اوران سے پھل پیدا کریں آپ نے ان سے فرمایا کہ میں درختوں کی تقسیم نہیں کروں گا بلکہ تمہیں لوگ ان درختوں کی دیکھ بھال کرواوران میں پانی وغیرہ دینے کی محنت ومشقت خود گوارہ کرلو کیونکہ تمہارے ان بیچارے مہاجرین بھائیوں سے یہ محنت ومشقت برداشت نہیں ہوگی۔

پھر جب پھل تیار ہوجائے گا تو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کردوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کو انصار نے رضاء ورغبت اور بسر وچشم قبول کرلیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اوران کی طرف سے محنت ومشقت کرنا مستحب ہے نیز یہ حدیث بھی شرکت کے صحیح ہونیکی دلیل ہے۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں لوگوں کے توشہ میں کمی پڑگئی، لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اُونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی (کہ اسی کو ذبح کرکے کھالینگے) حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اجازت دیدی۔ پھر لوگوں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی، اُنھوں نے خبر دی (کہ اونٹ ذبح کرنے کی ہم نے اجازت حاصل کرلی ہے) حضرت عمر نے فرمایا، اونٹ ذبح کرڈالنے کے بعد تمھاری بقا کی کیا صورت ہوگی یعنی جب سواری نہ رہےگی اور پیدل چلوگے، تھک جاؤگے اور کمزور ہوجاؤگے پھر دشمنوں سے جہاد کیونکر کرسکوگے اور یہ ہلاکت کا سبب ہوگا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اونٹ ذبح ہوجانے کے بعد لوگوں کی بقا کی کیا صورت ہوگی؟ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: کہ "اعلان کردو کہ جو کچھ توشہ لوگوں کے پاس بچا ہے، وہ حاضر لائیں۔" ایک دسترخوان بچھادیا گیا، لوگوں کے پاس جو کچھ توشہ بچا ہوا تھا لا کر اُس دسترخوان پر جمع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور دعا کی پھر لوگوں سے فرمایا": اپنے اپنے برتن لاؤ۔ "سب نے اپنے اپنے برتن بھرلیے پھر حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ (عزوجل) کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ (عزوجل) کا رسول ہوں۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ "قبیلہ اشعری کے لوگوں کا جب غزوہ میں توشہ کم ہوجاتا ہے یا مدینہ ہی میں اُنکے آل وعیال کے کھانے میں کمی ہوجاتی ہے تو جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے سب کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرلیتے ہیں پھر برابر برابر بانٹ لیتے ہیں (اس اچھی خصلت کی سبب سے) وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں۔ (صحیح بخاری شریف)

(۵) حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُنکی والدہ زینب بنت حُمید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر لائیں اور عرض کی، یارسول اللہ ا(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اسکو بیعت فرمالیجئے۔فرمایا" یہ چھوٹا بچہ ہے۔ "پھر ان کے سر پر حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا کی۔ انکے پوتے زہرہ بن معبد کہتے ہیں، کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام مجھے بازار لیجاتے اور وہاں غلہ خریدتے تو ابن عمر وابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُن سے ملتے اور کہتے ہمیں بھی شریک کرلو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمھارے لیے دعائے برکت کی ہے، وہ انھیں بھی شریک کرلیتے اور بسا اوقات ایک مسلم اونٹ نفع میں مل جاتا اور اُسے گھر بھیج دیا کرتے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے، کہ اگر ایک شخص دام ٹھہرا رہا ہے دوسرے نے اُسے اشارہ کردیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکے متعلق یہ حکم دیا کہ یہ اُسکا شریک ہوگیا یعنی شرکت کے لیے اشارہ کافی ہے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) حضرت سائب بن ابی السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، زمانہ جاہلیت میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے شریک تھے اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بہتر شریک تھے کہ نہ مجھ سے مدافعت کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔ (مستدرک حاکم)

(۷) امام بخاری وامام احمد علیہما الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ زید بن ارقم وبراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں شریک تھے اور انھوں نے چاندی خریدی تھی، کچھ نقد کچھ اُدھار۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو فرمایا : کہ "جو نقد خریدی ہے، وہ جائز ہے اور جو اُدھار خریدی، اُسے واپس کردو۔

شرکت کے جواز واقسام کا بیان

(الشَّرِكَةُ جَائِزَةٌ) (لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُونَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ) ،

قَالَ (الشَّرِكَةُ ضَرْبَانِ :شِرْكَةُ أَمْلَاكٍ ، وَشِرْكَةُ عُقُودٍ .فَشِرْكَةُ الْأَمْلَاكِ :الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ إلَّا بِإِذْنِهِ ، وَكُلٌّ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ) وَهَذِهِ الشَّرِكَةُ تَتَحَقَّقُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ فِي الْكِتَابِ كَمَا إذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا أَوْ مَلَكَاهَا بِالِاسْتِيلَاءِ أَوْ اخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعِ أَحَدِهِمَا أَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيزَ رَأْسًا أَوْ إلَّا بِحَرَجٍ ، وَيَجُوزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيبَهُ مِنْ شَرِيكِهِ فِي جَمِيعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ بِغَيْرِ إذْنِهِ إلَّا فِي صُورَةِ

الْخَلْطِ وَالِاخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي

ترجمہ

شرکت کا عقد جائز ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس لوگوں عقد شرکت کرتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اسی پر قائم رکھا ہے۔

فرمایا: شرکت کی دو اقسام ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔ شرکت املاک ایسے معین مال میں ہوتی ہے جس میں دو وارث ہوں یا دونوں اس کو خریدیں پس دونوں میں سے کسی ایک کیلئے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھی کیلئے غیر کی طرح ہوگا اور یہ شرکت قدوری میں بیان کردہ مال کے سوا میں بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

جس طرح جب دو بندوں نے کسی عین کا ہبہ قبول کرلیا یا طاقت کے سبب کسی عین کے وہ دونوں مالک بن گے یا ان میں سے کسی کے تصرف میں بغیر ان کو مال مل گیا یا ان دونوں نے اپنے اموال کو اس طرح ملایا جلایا کہ اس کو الگ کرنا ناممکن ہو گیا یا ممکن تو ہے لیکن پریشانی کے بعد ہے۔

ان تمام صورتوں میں دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کیلئے دوسرے شریک سے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز ہے اور شریک کی اجازت کے بغیر اس کے سوا سے جائز ہے جبکہ مکسنگ کی صورت شریک کی اجازت کے ساتھ جائز ہے اور کفایہ منتہی میں ہم نے اس کے فرق کو بیان کر دیا ہے۔

شرکت ملک وعقد کی تعریفات کا بیان

شرکت ملک کی تعریف یہ ہے، کہ چند شخص ایک شے کے مالک ہوں اور باہم عقد شرکت نہ ہوا ہو۔ شرکت عقد یہ ہے، کہ باہم شرکت کا عقد کیا ہو مثلاً ایک نے کہا میں تیرا شریک ہوں، دوسرے نے کہا مجھے منظور ہے۔

شرکت کی دو قسمیں ہیں شرکت ملک اور شرکت عقد شرکیت ملک اسے کہتے ہیں کہ دو آدمی یا کئی آدمی بذریعہ خرید یا ہبہ یا میراث کسی ایک چیز کے مالک ہوں یا دو شخص مشترک طور پر کسی مباح چیز کو حاصل کریں مثلاً دو آدمی مل کر شکار کریں اور وہ شکار دونوں کی مشترک ملکیت ہو یا دو آدمیوں کا ایک ہی جنس کا الگ الگ مال ایک دوسرے میں اس طرح مل جائے کہ ان دونوں کے مال کا امتیاز نہ ہو سکے۔ مثلاً زید کا دودھ بکر کے دودھ میں مل جائے یا وہ دونوں اپنے اپنے مال کو قصداً ایک دوسرے کے مال میں ملا دیں یہ سب شریک ملک کی صورتیں ہیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ، ہر شریک اپنے دوسرے شریک کے حصے میں اجنبی آدمی کی طرح ہے اور ہر شریک اپنا حصہ اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس شریک کو یا کسی دوسرے شخص یعنی غیر شریک کو فروخت کر سکتا ہے البتہ آخری دونوں صورتوں میں (یعنی ایک دوسرے کے مال کے آپس میں مل جانے یا اپنے اپنے مال کو ایک دوسرے کے مال

میں قصداً ملادینے کی صورت میں کوئی بھی شریک اپنا حصہ کسی دوسرے شخص یعنی غیر شریک کو اپنے دوسری شریک کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

شرکت ملک کے حکم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکتِ ملک میں ہر ایک اپنے حصہ میں تصرُّف کرسکتا ہے اور دوسرے کے حصہ میں بمنزلہ اجنبی ہے، لہٰذا اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے اس میں شریک سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اُسے اختیار ہے شریک کے ہاتھ بیع کرے یا دوسرے کے ہاتھ مگر شرکت اگر اس طرح ہوئی کہ اصل میں شرکت نہ تھی مگر دونوں نے اپنی چیزیں ملادیں یا دونوں کی چیزیں مل گئیں اور غیر شریک کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے تو شریک سے اجازت لینی پڑے گی یا اصل میں شرکت ہے مگر بیع کرنے میں شریک کو نقصان ہوتا ہے تو بغیر اجازتِ شریک غیر شریک کے ہاتھ بیع نہیں کرسکتا مثلاً مکان یا درخت یا زراعت مشترک ہے تو بغیر اجازت بیع نہیں کرسکتا کہ مشتری تقسیم کرانا چاہے گا اور تقسیم میں شریک کا نقصان ہے ہاں اگر زراعت طیار ہے یا درخت کاٹنے کے لائق ہوگیا اور پھلدار درخت نہیں ہے تو اب اجازت کی ضرورت نہیں کہ اب کٹوانے میں کسی کا نقصان نہیں۔ مشترک چیز اگر قابل قسمت نہ ہو جس طرح حمام، چکی، غلام، چوپایہ اسکی بیع بغیر اجازت بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت، ج ۶، ص ۴۶۷)

شرکت عقود کا فقہی بیان

(وَالضَّرْبُ الثَّانِي :شِرْكَةُ الْعُقُودِ ، وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارَكْتُك فِي كَذَا وَكَذَا وَيَقُولُ الْآخَرُ قَبِلْت) وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدَ الشَّرِكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُونَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ

ترجمہ

اور دوسری قسم شرکت عقود ہے جس کا رکن ایجاب وقبول ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص کہے میں نے تم سے فلاں فلاں اشیاء میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کرلیا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر عقد شرکت منعقد ہوا ہے وہ وکالت کے قابل ہوتا کہ تصرف سے حاصل کیا جانے والا مال ان کے درمیان مشترک ہو اور عقد شرکت کا مقصد حاصل ہوجائے۔

شرکت کے کاروبار میں برکت کا بیان

حضرت زہرہ ابن معبد رضی اللہ عنہ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو ان کے دادا حضرت عبداللہ بن ہشام بازار لے جایا کرتے تھے جہاں وہ غلہ خرید اکرتے تھے چنانچہ (جب وہ غلہ خرید لیتے تو) وہاں انکو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر

ملتے اور وہ دونوں ان سے کہتے کہ ہم کو اپنا شریک بنالو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (حضرت زہرہ کہتے ہیں کہ میرے دادا انکو شریک کرلیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے انکو بلا کی نقصان و خسارہ کے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ کا فائدہ ہوتا تھا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ اور انکے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام کی والدہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی۔

(صحیح بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 149)

شرکت عقد کا مطلب ہے شرکاء کا ایجاب وقبول کے ذریعے اپنے اپنے حقوق و اموال کو متحد کر دینا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے اپنے فلاں حقوق اور فلاں معاملات یعنی تجارت وغیرہ میں تمہیں شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا اس طرح شرکت عقد کا رکن تو ایجاب وقبول ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ معاہدہ شرکت میں ایسی کوئی دفعہ مطلقا شامل نہ ہو جو شرکت کے بنیادی اصولوں کو فوت کر دے جس طرح شرکاء میں سے کسی ایک کا فائدے میں سے کچھ حصے کو اپنے لئے متعین ومخصوص کر لینا مثلا کسی تجارت میں دو آدمی شریک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک یہ شرط عائد کر دے کہ اس تجارت سے حاصل ہونیوالے فائدے میں سے پانچ سو روپے ماہوار لیا کروں گا۔ یہ شرط مشترک و متحد معاملات کے بالکل منافی ہے جو شرکت کے بنیادی اصول و مقاصد ہی کو فوت کر دیتی ہے اس لیے معاہد شرکت میں ایسی کسی دفعہ کا شامل نہ ہونا شرکت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

شرکت عقد کے فقہی احکام کا بیان

شرکت عقد میں ایجاب وقبول ضرور ہے خواہ لفظوں میں ہوں یا قرینہ سے ایسا سمجھا جاتا ہو مثلاً ایک نے ہزار روپے دیے اور کہا تم بھی اتنا نکالو اور کوئی چیز خریدو نفع جو کچھ ہوگا دونوں کا ہوگا، دوسرے نے روپے لے لیے تو اگر چہ قبول لفظاً نہیں مگر روپیہ لے لینا قبول کے قائم مقام ہے۔ (درمختار)

شرکت عقد میں یہ شرط ہے کہ جس پر شرکت ہوئی قابل وکالت ہو، لہٰذا مباح اشیاء میں شرکت نہیں ہوسکتی مثلاً دونوں نے شرکت کے ساتھ جنگل کی لکڑیاں کاٹیں کہ جتنی جمع ہونگی دونوں میں مشترک ہونگی یہ شرکت صحیح نہیں ہر ایک اُسی کا مالک ہوگا جو اُس نے کاٹی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ ایسی شرط نہ کی ہو جس سے شرکت ہی جاتی رہے مثلاً یہ کہ نفع دس روپیہ میں لوں گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کُل دس ہی روپے نفع کے ہوں تو اب شرکت کس چیز میں ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ)

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نفع میں کم وبیش کے ساتھ بھی شرکت ہوسکتی ہے مثلاً ایک کی ایک تہائی اور دوسرے کی دو تہائیاں اور نقصان جو کچھ ہوگا وہ راس المال کے حساب سے ہوگا اسکے خلاف شرط کرنا باطل ہے مثلاً دونوں کے روپے برابر برابر ہیں اور شرط یہ کی کہ جو کچھ نقصان ہوگا اُسکی تہائی فلاں کے ذمہ اور دو تہائیاں فلاں کے ذمہ یہ شرط باطل ہے اور اس صورت میں

دونوں کے ذمہ نقصان برابر ہوگا۔ (ردمختار، کتاب شرکت)

عقد شرکت کی اقسام اربعہ کا بیان

(ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ :مُفَاوَضَةٌ ، وَعِنَانٌ ، وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ ، وَشِرْكَةُ الْوُجُوهِ .فَأَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِي مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا) لِأَنَّهَا شِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ التِّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشِّرْكَةِ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنْ الْمُسَاوَاةِ ، قَالَ قَائِلُهُمْ :لَا يُصْلِحُ النَّاسَ فَوْضَى لَا سُرَاةَ لَهُمْ وَلَا سُرَاةَ إِذَا جُهَّالُهُمْ سَادُوا أَيْ مُتَسَاوِيِينَ .

فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذَلِكَ فِي الْمَالِ ، وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيهِ ، وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا لَا يَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيهِ ، وَكَذَا فِي التَّصَرُّفِ ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَا يَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِي ، وَكَذَلِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، وَهَذِهِ الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا .

وَفِي الْقِيَاسِ لَا تَجُوزُ ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ .وَقَالَ مَالِكٌ :لَا أَعْرِفُ مَا الْمُفَاوَضَةُ .وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتْ الْوَكَالَةَ بِمَجْهُولِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُولٍ ، وَكُلُّ ذَلِكَ بِانْفِرَادِهِ فَاسِدٌ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَاوِضُوا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ) وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُونَهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمَّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَلَا تَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَةِ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامّ ، حَتَّى لَوْ بَيَّنَا جَمِيعَ مَا تَقْتَضِيهِ تَجُوزُ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنَى .

ترجمہ

پھر شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ شرکت مفاوضہ تو یہ ہے کہ دو بندے آپس میں شرکت کو قبول کریں اور وہ دونوں مال کے تصرف میں اور قرض میں برابر ہوں کیونکہ یہ شرکت تمام تجارات میں عام ہے اور ہر شریک مطلق طور پر اپنے ساتھی شریک کے حوالے کرنے والا ہے کیونکہ مفاوضہ مساوات کے

حکم میں ہے ایک شاعر کہتا ہے اور جب ان لوگوں کا کوئی سردار نہ ہو اور وہ سب برابر ومساوی ہوں اور جب جاہل لوگ سردار ہو جائیں تو کوئی حقیقی سردار نہ ہوگا اور فوضا سے مراد مساوی ہونا ہے پس ابتداء وانتہاء دونوں میں مساوات کا ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات ایسے مال میں ہوگی جس میں شرکت درست ہوگی۔

اور جس میں مال میں شرکت درست نہ ہو اس میں تفاضل کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ہاں تصرف میں بھی مساوات ضروری ہیں کیونکہ جب کوئی ایک شخص تصرف کا مالک ہوگا تو اس وقت دوسرا مالک نہ ہوگا جس کے سبب برابری ختم ہو جائے گی۔

اسی طرح قرض کے لین دین میں بھی برابری ضروری ہے اسی کے دلیل کے سبب جس کو ہم ان شاءاللہ بیان کریں گے۔اور شرکت بطور استحسان جائز ہے جبکہ قیاس کے طور پر جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں مفاوضہ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔قیاس کی دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت مجہول جنس وکالت اور مجہول کفالت دونوں کو لازم کرنے والا ہے حالانکہ اس طرح کی وکالت وکفالت منفرد طور پر فاسد ہیں۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عقد مفاوضہ کیا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے ہاں لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے مفاوضہ کا عقد کرتے رہے ہیں اور ایسے تعامل کے سبب قیاس کو ترک کر دیا جائے گا جبکہ وکالت وکفالت میں جہالت کو برداشت کیا جائے گا جس طرح مضاربت میں برداشت کی جاتی ہے۔

شرکت مفاوضہ لفظ مفاوضہ سے منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی شرائط عوامی ذہنوں سے دور ہیں جبکہ ضروری شرائط کی توضیح کی جائے تو جائز ہے کیونکہ معنی ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرکت عقد کی اقسام کی وضاحت

پھر شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع والتقبل (۴) اور شرکت وجوہ

شرکت مفاوضہ تو یہ ہے کہ دو شخص یہ شرط کریں یعنی آپس میں ٹھہرا لیں کہ مال میں تصرف میں مفاوضہ میں دونوں شریک رہیں گے لیکن اس شرکت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں دین ومذہب میں بھی یکساں اور برابر ہوں یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت اور کفالت کو لازم کر دیتی ہے یعنی شرکت مفاوضہ میں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں لہذا یہ شرکت مسلمان اور ذمی کے درمیان جائز نہیں ہوتی کیونکہ دین ومذہب کے اعتبار سے دونوں مساوی اور یکساں نہیں ہیں اسی طرح غلام اور آزاد کے درمیان اور بالغ ونابالغ کے درمیان بھی یہ شرکت جائز نہیں کیونکہ یہ تصرف میں مساوی ویکساں نہیں ہیں۔

اس شرکت کے معاہدہ وشرائط میں لفظ مفاوضت یا اس کے تمام مقتضیات کو بیان وواضح کر دینا ضروری ہے اس شرکت میں عقد ومعاہدہ کے وقت شرکاء کا اپنا اپنا مال دینا یا اپنے اپنے مال کو ملانا شرط نہیں ہے۔اس شرکت میں شرکاء چونکہ ایک دوسرے کے کفیل ووکیل ہوتے ہیں اس لئے اگر اس میں کوئی بھی اپنے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے علاوہ جو کچھ خریدے گا وہ تمام شرکاء

کی ملکیت ہوگا۔

حضرت امام محمد کے نزدیک شرکت مفاوضت اور عنان صرف ایسے سرمایہ اور مال میں صحیح ہوسکتی ہے جو روپے اشرفی اور رائج الوقت سکوں کی شکل میں ہو ہاں سونے اور چاندی کے ڈلوں اور ٹکڑوں میں بھی جائز ہے جبکہ ان کے ذریعے لین دین ہوتا ہو اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک وارث یا کسی اور ذریعے سے کسی ایسے مال کا مالک ہوا جس میں مفاوضت درست ہوسکتی ہے جس طرح روپے اور اشرفی وغیرہ تو شرکت مفاوضت باطل ہوکر شرکت عنان ہو جائے گی اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک کسی ایسے مال کا وارث ہوگیا جس میں شرکت مفاوضت نہیں ہوسکتی جس طرح اسباب مکان اور زمین وغیرہ تو شرکت مفاوضت باقی رہے گی۔
(فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

عقد مفاوضہ کے جواز کا بیان

قَالَ (فَتَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحَقُّقِ التَّسَاوِي ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا تَجُوزُ أَيْضًا)لِمَا قُلْنَا (وَلَا تَجُوزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ (لِانْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ ،لِأَنَّ الْحُرَّ الْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ ، وَالْمَمْلُوكُ لَا يَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى ، وَالصَّبِيُّ لَا يَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إلَّا بِإِذْنِ الْوَلِيِّ .

قَالَ (وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ) وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَجُوزُ لِلتَّسَاوِي بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِيِّ وَالْحَنَفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ .

وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ ، إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ لَا يَهْتَدِي إلَى الْجَائِزِ مِنْ الْعُقُودِ .وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَسَاوِيَ فِي التَّصَرُّفِ ، فَإِنَّ الذِّمِّيَّ لَوْ اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُورًا أَوْ خَنَازِيرَ صَحَّ ، وَلَوْ اشْتَرَاهَا مُسْلِمٌ لَا يَصِحُّ

ترجمہ

فرمایا: مفاوضہ کا عقد دو بالغ آزاد مسلمانوں یا اہل ذمہ میں جائز ہے۔ کیونکہ مساوات موجود ہیں۔اور جب ان میں سے ایک کتابی اور دوسرا مجوسی ہے تو بھی جائز ہے۔اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔اور آزاد،غلام میں اور بچے اور بالغ میں عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے کیونکہ برابری نہیں ہے کیونکہ آزاد اور بالغ تصرف اور کفالت میں مالک ہیں جبکہ غلام اپنے مالک کی

اجازت کے بغیر ان میں سے کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہے اور بچہ بھی کفالت کا مالک نہیں ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر وہ تصرف کا مالک بھی نہیں ہے۔

فرمایا: مسلمان اور کافر درمیان عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے یہ طرفین کا قول ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: جائز ہے کیونکہ ان کے درمیان وکالت وکفالت برابر ہیں اور ان میں تصرف کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کا ان میں سے ایک مالک ہو جس طرح حنفی اور شافعی کے درمیان مفاوضہ جائز ہے اگر چہ تصرف میں ترک تسمیہ میں ان کا اختلاف ہے مگر یہ مکروہ ہے کیونکہ ذمی کو جائز عقود کا راستہ ملنے والا نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تصرف میں برابری ضروری نہیں ہے کیونکہ جب ذمی نے اصل سے شراب وخنزیر کو خریدا تو صحیح ہے اور جب کوئی مسلمان خریدے تو صحیح نہیں ہے۔

شرکت مفاوضہ کے احکام کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسے دو شخص جن میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں اگر ایک شخص کوئی چیز خریدے تو دوسرا اُس میں شریک ہوگا البتہ اپنے گھر والوں کے لیے کھانا کپڑا خریدا یا کوئی اور چیز ضروریات خانہ داری کی خریدی یا کرایہ کا مکان رہنے کے لیے لیا یا حاجت کے لیے سواری کا جانور خریدا تو یہ تنہا خریدار کا ہوگا شریک کو اس میں سے لینے کا حق نہ ہوگا مگر بائع شریک سے بھی ثمن کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ یہ شریک کفیل ہے پھر اگر شریک نے مال شرکت سے ثمن ادا کردیا تو اُس خریدار سے اپنے حصہ کے برابر واپس لے سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

ان میں سے ایک کو اگر میراث ملی یا شاہی عطیہ یا ہبہ یا صدقہ یا ہدیہ میں کوئی چیز ملی تو یہ خاص اسکی ہوگی شریک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ شرکت سے پہلے کوئی عقد کیا تھا اور اِس عقد کی سبب سے بعد شرکت کسی چیز کا مالک ہوا تو اس میں بھی شریک حقدار نہیں مثلاً ایک چیز خریدی تھی جس میں بائع نے اپنے لیے خیار لیا تھا (یعنی تین دن تک مجھ کو اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا توڑ دوں) اور بعد شرکت بائع نے اپنا خیار ساقط کردیا اور چیز مشتری کی ہوگئی مگر چونکہ یہ بیع پہلے کی ہے اس لیے یہ چیز تنہا اسی کی ہے شرکت کی نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

حرام کی بیع کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "اور جب وہ اس سے خریداری کرے جس کا مال حلال اور حرام دونوں ہیں، مثلا ظالم بادشاہ، اور سود خور تو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فروخت کردہ چیز اس کے حلال مال میں سے ہے تو وہ حلال ہے، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حرام مال میں سے ہے تو وہ حرام ہوگی۔

اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کونسے مال میں سے ہے تو ہم اسے ناپسند اور مکروہ جانیں گے؛ کیونکہ اس میں حرام ہونے کا

احتمال پایا جاتا ہے، لیکن حلال کا احتمال ہوتے ہی، اور یہ باطل نہیں ہوگی، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اور یہ شبہ ہے، اور حرام مال کی کثرت یا قلت کے حساب سے شبہ بھی بڑا اور چھوٹا ہوگا۔ (المغنی ابن قدامہ(4 /.(180)

اور قلیوبی اور عمیرۃ کے حاشیہ میں ہے "اگرچہ مکروہ بھی ہو تو شراکت صحیح ہوگی، جس طرح کہ ذمی اور سودخور اور جس کا اکثر مال حرام کا ہو۔ (حاشیہ قلیوبی وعمیرۃ(2 /.(418)

اور دسوقی کے حاشیہ میں ہے۔ "یہ علم میں رکھیں کہ جس کا اکثر مال حلال ہو اور حرام کا مال قلیل ہو تو اس میں معتبر یہی ہے کہ اس کے ساتھ لین دین کرنا اور اس سے معاملات کرنا اور اس کے مال سے کھانا جائز ہے، جیسا کہ ابن قاسم کا کہنا ہے، اور یہ اصبغ کے خلاف ہے، کیونکہ وہ اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ (حاشیۃ الدسوقی(3 /.(277)

لیکن جس کا اکثر مال حرام ہو اور حلال قلیل ہو تو اس میں ابن قاسم کا مسلک یہ ہے کہ اس سے لین دین اور معاملات کرنا اور اس کے مال سے کھانا مکروہ ہے، اور یہی اصبغ اور اصبغ کے خلاف ہے جو کہ اسے حرام کہتے ہیں۔

اور جس کا سارا مال حرام کا ہو اور یہی مستغرق ذمہ سے مراد ہے تو اس کے ساتھ لین دین اور معاملات نہیں کیے جائیں گے، اور اس سے مالی تصرف وغیرہ نہیں کیا جائیگا۔

دو غلاموں، دو بچوں کے درمیان عقد مفاوضہ کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيَّيْنِ وَلَا بَيْنَ الْمُكَاتَبَيْنِ) لِانْعِدَامِ صِحَّةِ الْكَفَالَةِ ، وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِ شَرْطِهَا ، وَلَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الْعِنَانِ كَانَ عِنَانًا لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْعِنَانِ ، إذْ هُوَ قَدْ يَكُونُ خَاصًّا وَقَدْ يَكُون عَامًّا .

ترجمہ

دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں کے درمیان مفاوضہ کا عقد جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی کفالت معدوم ہے اور ان کے ہاں ہر مقام پر مفقود شرط کے سبب مفاوضہ درست نہ ہوگا اور جب وہ عنان میں نہ ہو تو وہ عقد عنان بن جائے گا کیونکہ اس میں عنان کی شرائط بھی جمع ہیں کیونکہ شرکت عنان کبھی عام ہوتی ہے اور کبھی خاص ہوتی ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل وکفیل ہو یعنی ہر ایک کا مطالبہ دوسرا وصول کر سکتا ہے اور ہر ایک پر جو مطالبہ ہوگا دوسرا اُسکی طرف سے ضامن ہے اور شرکتِ مفاوضہ میں یہ ضرور ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں اور نفع میں دونوں برابر کے شریک ہوں اور تصرف و دین میں بھی مساوات ہو، لہٰذا آزاد و غلام میں اور نابالغ و بالغ میں اور مسلمان و کافر میں اور عاقل و مجنون میں اور دو نابالغوں میں اور دو غلاموں میں شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

وکالت وکفالت پر عقد مفاوضہ کے منعقد ہونے کا بیان

قَالَ (وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ) أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشَّرِكَةُ فِي الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ :فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا هُوَ مِنْ مُوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيعًا .

قَالَ (وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَكُونُ عَلَى الشَّرِكَةِ إلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَكِسْوَتَهُمْ) وَكَذَا كِسْوَتُهُ ، وَكَذَا الْإِدَامُ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاةُ ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ ، وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا ، إلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ ، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّهُ مُسْتَثْنًى عَنْ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُورَةِ ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّاتِبَةَ مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ ، وَلَا يُمْكِنُ إيجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا التَّصَرُّفُ مِنْ مَالِهِ ، وَلَا بُدَّ مِنْ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ ضَرُورَةً .

وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الشَّرِكَةِ لِمَا بَيَّنَّا (وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ) الْمُشْتَرِي بِالْأَصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ ، وَيَرْجِعُ الْكَفِيلُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِحِصَّتِهِ مِمَّا أَدَّى لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا .

ترجمہ

فرمایا: وکالت اور کفالت پر عقد مفاوضہ منعقد ہو جاتا ہے وکالت پر منعقد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وکالت اس کا مقصد یعنی شرکت مال میں ہوتا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں اور کفالہ میں اس لئے منعقد ہوتا ہے کہ تجارات کے لوازمات میں برابری ثابت ہو جائے۔اوران دونوں مطالبہ برابر ہو۔

فرمایا: اوران دونوں میں سے جو بھی کوئی چیز خریدے گا وہ ان میں مشترک ہوگی سوائے اس کے گھر والوں کے کھانے ،ان کے لباس اور سالن کے کیونکہ عقد برابری کا تقاضہ کرنے والا ہے اور دونوں شرکاء میں سے ہرایک کا تصرف اپنے ساتھی کے قائم مقام ہے اور ایک کی خریداری دونوں کی خریداری کے قائم مقام ہے سوائے ان اشیاء کے جن کا کتاب میں استثنیٰ بیان کیا گیا ہے۔اور یہی استحسان ہے کیونکہ ضرورت کے سبب ان چیزوں کا استثنیٰ کیا گیا ہے۔اس لئے روزمرہ کی ضرورت معلوم ہوا کرتی ہے۔

اور اس کو اپنے شریک پر لازم کرنا اور اس کے مال سے پورا کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان میں خریداری ضروری ہے لہذا ضرورت کے سبب وہ خاص ہوگی جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بھی مشترکہ ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس سے چاہے قیمت کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ وہ مشتری سے اصیل ہونے کے سبب سے اور بائع سے کفیل ہونے کے سبب سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ اور کفیل مشتری کی جانب سے دی ہوئی چیز قیمت کے حصے کے مطابق وصول کرے گا کیونکہ کفیل نے مال مشترک سے مشتری کا قرض (قیمت) ادا کی ہے۔

شرکت مفاوضہ میں وکیل وکفیل کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل وکفیل ہو یعنی ہر ایک کا مطالبہ دوسرا وصول کرسکتا ہے اور ہر ایک پر جو مطالبہ ہوگا دوسرا اُسکی طرف سے ضامن ہے اور شرکت مفاوضہ میں یہ ضرور ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں اور نفع میں دونوں برابر کے شریک ہوں اور تصرف و دَین میں بھی مساوات ہو، لہٰذا آزاد و غلام میں اور نابالغ و بالغ میں اور مسلمان و کافر میں اور عاقل و مجنون میں اور دو نابالغوں میں اور دو غلاموں میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوسکتی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب شرکت)

جس قسم کے مال میں شرکت مفاوضہ جائز ہے اُس قسم کا مال علاوہ اس راس المال کے جس میں شرکت ہوئی ان دونوں میں سے کسی کے پاس کچھ اور نہ ہو اگر اسکے علاوہ کچھ اور مال ہو تو شرکت مفاوضہ جاتی رہے گی اور اب یہ شرکت عنان ہوگی، جس کا بیان آگے آتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ)

شرکت مفاوضہ میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بوقتِ عقدِ شرکت لفظ مفاوضہ بولا جائے مثلاً دونوں نے یہ کہا کہ ہم نے باہم شرکت مفاوضہ کی اگرچہ بعد میں ان میں کا ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں لفظ مفاوضہ کے معنے نہیں جانتا تھا کہ اس صورت میں بھی شرکت مفاوضہ ہو جائیگی اور اُسکے احکام ثابت ہو جائینگے اور معنی کا نہ جاننا عذر نہ ہوگا۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر لفظ مفاوضہ نہ بولیں تو تمام وہ باتیں جو مفاوضہ میں ضروری ہیں ذکر کر دیں مثلاً دو ایسے شخص جو شرکت مفاوضہ کے اہل ہوں یہ کہیں کہ جس قدر نقد کے ہم مالک ہیں اُس میں ہم دونوں باہم اس طرح پر شرکت کرتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کو پورا پورا اختیار دیتا ہے کہ جس طرح چاہے خرید و فروخت میں تصرف کرے اور ہم میں ہر ایک دوسرے کا تمام مطالبات میں ضامن ہے۔ (درمختار)

شرکت کے سبب ضمانت ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ الدُّيُونِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الِاشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ) تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ ، فَمِمَّا يَصِحُّ الِاشْتِرَاكُ فِيهِ الشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالِاسْتِئْجَارُ ، وَمِنْ الْقِسْمِ الْآخَرِ الْجِنَايَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَعَنْ النَّفَقَةِ .

قَالَ (وَلَوْ كَفَلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَلْزَمُهُ) لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنْ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَالْمُكَاتَبِ ، وَلَوْ صَدَرَ مِنْ

الْمَرِيضِ يَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّي عَلَى الْمَكْفُولِ عَنْهُ إذَا كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ ، فَبِالنَّظَرِ إلَى الْبَقَاءِ تَتَضَمَّنُهُ الْمُفَاوَضَةُ ، وَبِالنَّظَرِ إلَى الِابْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِمَّنْ ذَكَرَهُ وَتَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ مِنَ الْمَرِيضِ ، بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ ؛ لِأَنَّهَا تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً .وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ ، وَلَوْ سَلِمَ فَهُوَ إعَارَةٌ فَيَكُونُ لِمِثْلِهَا حُكْمُ عَيْنِهَا لَا حُكْمُ الْبَدَلِ حَتَّى لَا يَصِحَّ فِيهِ الْأَجَلُ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةً ، وَلَوْ كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ .وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ ، وَضَمَانُ الْغَصْبِ وَالِاسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ انْتِهَاءً .

ترجمہ

فرمایا: جس مال میں شرکت درست ہو اسی کے بدلے ان میں سے ہر ایک پر جو قرض لازم ہوا ہے دوسرا ساتھی بھی اس کا ضامن ہوگا تا کہ برابری ثابت ہو جائے اور وہ عقود جن میں شرکت درست ہے وہ یہ ہیں، شراء، بیع، استیجار اور دوسری قسم میں سے جنایت ہے، نکاح، خلع، دم عمد اور نفقہ پر صلح کرنا ہے۔

فرمایا: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس دوسرے ساتھی پر وہ مال لازم ہے اور جب دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے اجنبی کی جانب سے مال کی کفالت کر لے۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ ساتھی پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ احسان ہے۔ کیونکہ اجنبی کاماً ذون غلام اور مکاتب کی جانب سے کفالہ صحیح نہیں ہے۔ اور جب مریض نے کفالہ کیا تو تہائی مال سے درست ہوگا اور یہ قرض دینے اور جان کا کفالہ کرنے کی طرح ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ کفالت ابتدائی طور پر احسان ہے اور بقاء کے اعتبار سے مفاوضہ ہے کیونکہ جب کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے ہوا ہے تو مکفول عنہ پر اس کی جانب سے ادا کردہ رقم کا ضمان واجب ہوگا پس بقاء کی جانب نظر کرتے ہوئے اس کو مفاوضہ میں شامل کریں گے اور اس کا ابتدائی معاملہ احسان کی جانب نظر کرتے ہوئے یہ بچے اور غلام کی جانب سے درست نہ ہوگا جبکہ مریض کے تہائی مال سے درست ہوگا۔ بہ خلاف کفالہ بہ نفس کے کیونکہ وہ ابتداء وانتہاء کے اعتبار سے احسان ہے۔

البتہ قرض کی ادائیگی کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ بھی دوسرے ساتھی پر لازم ہوگا اور جب یہ

تسلیم کیا جائے کہ دوسرے ساتھی پر لازم نہ ہوگا تو اس میں اعارہ ہے اور اس طرح اس کی مثل کو عین کا حکم ہوگا بدل کا حکم نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کی میعاد بھی درست نہیں ہے اور اس طرح مفاوضہ ثابت نہ ہو سکے گا۔

اور جب یہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ہے تو قول صحیح کے مطابق کفیل کے ساتھی پر لازم نہ ہوگا کیونکہ اس میں مفاوضہ کا معنی نہیں پایا جا رہا۔ جبکہ جامع صغیر میں بیان کردہ مطلق حکم کو مقید پر محمول کیا گیا ہے اور غصب و ہلاک کرنے کا ضمان بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کفالہ کے مرتبے میں ہے کیونکہ وہ انتہائی طور پر مفاوضہ ہے۔

شرکت مفاوضہ کے احکام کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسے دو شخص جن میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں اگر ایک شخص کوئی چیز خریدے تو دوسرا اُس میں شریک ہوگا البتہ اپنے گھر والوں کے لیے کھانا کپڑا خریدا یا کوئی اور چیز ضروریات خانہ داری کی خریدی یا کرایہ کا مکان رہنے کے لیے لیا یا حاجت کے لیے سواری کا جانور خریدا تو یہ تنہا خریدار کا ہوگا شریک کو اس میں سے لینے کا حق نہ ہوگا مگر بائع شریک سے بھی ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ یہ شریک کفیل ہے پھر اگر شریک نے مال شرکت سے ثمن ادا کر دیا تو اُس خریدار سے اپنے حصہ کے برابر واپس لے سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

ان میں سے ایک کو اگر میراث ملی یا شاہی عطیہ یا ہبہ یا صدقہ یا ہدیہ میں کوئی چیز ملی تو یہ خاص اسکی ہوگی شریک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ)

شرکت سے پہلے کوئی عقد کیا تھا اور اس عقد کی سبب سے بعد شرکت کسی چیز کا مالک ہوا تو اس میں بھی شریک حقدار نہیں مثلاً ایک چیز خریدی تھی جس میں بائع نے اپنے لیے خیار لیا تھا (یعنی تین دن تک مجھ کو اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا توڑ دوں) اور بعد شرکت بائع نے اپنا خیار ساقط کر دیا اور چیز مشتری کی ہوگئی مگر چونکہ یہ بیع پہلے کی ہے اس لیے یہ چیز تنہا اسی کی ہے شرکت کی نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

کسی ایک کو ہبہ کے سبب مفاوضہ کے باطل ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَا لَا يَصِحُّ فِيهِ الشَّرِكَةُ أَوْ وَهَبَ لَهُ وَوَصَلَ إلَى يَدِهِ بَطَلَتْ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا) لِفَوَاتِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا يَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ إذْ هِيَ شَرْطٌ فِيهِ ابْتِدَاءً وَبَقَاءً ، وَهَذَا لِأَنَّ الْآخَرَ لَا يُشَارِكُهُ فِيمَا أَصَابَهُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِي حَقِّهِ ، إلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِلْإِمْكَانِ ، فَإِنَّ الْمُسَاوَاةَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ ، وَلِدَوَامِهِ حُكْمَ الِابْتِدَاءِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ (وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرَضًا فَهُوَ لَهُ وَلَا تَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ) وَكَذَا الْعَقَارُ لِأَنَّهُ لَا تَصِحُّ فِيهِ الشَّرِكَةُ فَلَا تُشْتَرَطُ الْمُسَاوَاةُ فِيهِ .

ترجمہ

فرمایا: جب دونوں عقد مفاوضہ والوں میں سے کسی ایک کو اس طرح کا مال مل گیا جس میں شرکت درست ہے یا کسی کو ہبہ کا مال ملا ہے اور وہ مال اس کے پاس پہنچ گیا ہے تو مفاوضہ باطل ہو جائے گا اور یہ شرکت عنان بن جائے گی کیونکہ رأس المال میں برابری ختم ہو چکی ہے جبکہ اس عقد میں ابتدائی وانتہائی طور برابری ضروری ہے۔

اور اس کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس شریک کو یہ مال مل گیا ہے اس میں دوسرا شریک بطور شریک نہ ہوگا کیونکہ اس کے حق میں شرکت کا سبب معدوم ہے۔ پس یہ شرکت، شرکت عنان بن جائے گی کیونکہ عنان میں برابری شرط نہیں ہے اور اس کے دوام کو ابتداء کا حکم حاصل ہے کیونکہ عنان غیر لازم عقد ہے اور جب دونوں شرکاء میں سے کوئی کسی سامان کا وارث بنا ہے تو وہ اسی کا ہوگا اور عقد مفاوضہ فاسد نہ ہوگا اور عقار کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں بھی شرکت درست نہیں ہے پس اس میں برابری بھی شرط نہ ہوگی۔

شرکت مفاوضہ کے باطل ہونے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کی ملک میں اگر کوئی ایسی چیز آئی جس میں شرکت ہوسکتی ہے خواہ وہ چیز اسے کسی نے ہبہ کی یا میراث میں ملی یا وصیت سے یا کسی اور طریق پر حاصل ہوئی تو اب شرکت مفاوضہ جاتی رہی کہ اس میں برابری شرط ہے اور اب برابری نہ رہی اور اگر میراث میں ایسی چیز ملی جس میں شرکت مفاوضہ نہیں مثلاً سامان واسباب ملے یا مکان اور کھیت وغیرہ جائداد غیر منقولہ ملی یا دَین ملا مثلاً مورث کا کسی کے ذمہ دین ہے اور اب یہ اُسکا وارث ہوا تو شرکت باطل نہیں مگر دین سونا چاندی کی قسم سے ہو تو جب وصول ہوگا شرکت مفاوضہ باطل ہو جائیگی اور مفاوضہ باطل ہو کر اب شرکت عنان ہو جائیگی۔ (درمختار، کتاب شرکت)

ایک نے اپنا کوئی سامان وغیرہ اس قسم کی چیز بیچ ڈالی جس میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی یا ایسی کوئی چیز کرایہ پر دی تو ثمن یا اُجرت وصول ہونے پر شرکت مفاوضہ باطل ہو جائیگی۔ (فتاویٰ ہندیہ)

شرکت عنان کو باطل کرنے والے اسباب مفاوضہ کو بھی باطل کرنے والے ہیں

علامہ علاؤ الدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت عنان کے باطل ہونے کے جو اسباب ہیں اُن سے شرکت مفاوضہ بھی باطل ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، شرکت کے احکام)

شرکت مفاوضہ وعنان دونوں نقود (روپیہ اشرفی) میں ہوسکتی ہیں یا ایسے پیسوں میں جن کا چلن ہو اور اگر چاندی سونے غیر مضروب ہوں (سکہ نہ ہوں) مگر ان سے لین دین کا رواج ہو تو اس میں بھی شرکت ہوسکتی ہے۔ (درمختار)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں کے پاس روپے اشرفی نہ ہوں صرف سامان ہو اور شرکت مفاوضہ یا

شرکت عنان کرنا چاہتے ہوں تو ہر ایک اپنے سامان کے ایک حصہ کو دوسرے کے سامان کے ایک حصہ کے مقابل یا روپے کے بدلے بیچ ڈالے اسکے بعد اس بچے ہوئے سامان میں عقد شرکت کرلیں۔ اگر دونوں میں ایک کا مال غائب ہو (یعنی نہ وقت عقد اُس نے مال حاضر کیا اور نہ خریدنے کے وقت اُس نے اپنا مال دیا اگرچہ وہ مال جس پر شرکت ہوئی اُسکے مکان میں موجود ہو) تو شرکت صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر اُس مال سے شرکت کی جو اُسکے قبضے میں بھی نہیں بلکہ دوسرے پر دین ہے جب بھی شرکت صحیح نہیں۔ (درمختار)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

جس قسم کا مال شرکت مفاوضہ میں اسکے پاس موجود ہے اُس جنس سے جو چیز چاہے خریدے یہ خریدی ہوئی چیز شرکت کی قرار پائیگی اگرچہ جتنا مال موجود ہے اُس سے زیادہ کی خریدے اور اگر دوسری جنس سے خریدی تو یہ چیز شرکت کی نہ ہوگی بلکہ خاص خریدنے والے کی ہوگی مثلاً اسکے پاس روپیہ ہے تو روپیہ سے خریدنے میں شرکت کی ہوگی اور اشرفی سے خریدے تو خاص اسکی ہے، اسی طرح اسکا عکس۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

فصل

﴿یہ فصل شرکت میں راس المال بننے کے بیان میں ہے﴾

فصل شرکت میں راس المال بننے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شرکت مفاوضہ کے انعقاد کی بحث بیان کردی گئی ہے تو یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ ایسی شرکت جس میں عقد درست ہو اس کو بیان کررہے ہیں جو اس کے سوا ہے۔ لہذا اس کی فقہی مطابقت اپنی حد کے مطابق درست ہے اور اس کا بیان شرکت مفاوضہ کے بعد ہی آنا چاہیے تھا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۵۰، بیروت)

شرکت مفاوضہ کی انعقادی اجناس کا بیان

(وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ إِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ) وَقَالَ مَالِكٌ :تَجُوزُ بِالْعُرُوضِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ أَيْضًا إِذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا ؛ لِأَنَّهَا عُقِدَتْ عَلَى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُومٍ فَأَشْبَهَ النُّقُودَ ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَا لِمَا فِيهَا مِنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ .فَيُقْتَصَرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ .

وَلَنَا أَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَتَفَاضَلَ الثَّمَنَانِ فَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَحَدُهُمَا مِنْ الزِّيَادَةِ فِي مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحُ مَا لَمْ يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يَضْمَنْ ، بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ لِأَنَّ ثَمَنَ مَا يَشْتَرِيهِ فِي ذِمَّتِهِ إِذْ هِيَ لَا تَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحُ مَا يَضْمَنُ ، وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُودِ الشِّرَاءُ ، وَبَيْعُ أَحَدِهِمَا مَالَهُ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ شَرِيكًا فِي ثَمَنِهِ لَا يَجُوزُ ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْمَبِيعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ .

وَأَمَّا الْفُلُوسُ النَّافِقَةُ فَلِأَنَّهَا تَرُوجُ رَوَاجَ الْأَثْمَانِ فَالْتَحَقَتْ بِهَا .قَالُوا :هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُودِ عِنْدَهُ حَتَّى لَا تَتَعَيَّنَ بِالتَّعْيِينِ ، وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلَى مَا عُرِفَ ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَتَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيرُ سِلْعَةً .

وَرُوِیَ عَنْ أَبِی یُوسُفَ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ ، وَالْأَوَّلُ أَقْیَسُ وَأَظْهَرُ ، وَعَنْ أَبِی حَنِیفَةَ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور شرکت مفاوضہ دراہم ودنانیر اور رائج شدہ وقتی سکوں سے منعقد ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ سامان اور تولی جانے والی اور وزن کی جانے والی چیزیں جب ایک جنس سے ہوں تو ان میں شرکت مفاوضہ منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ ایسی شرکت معلوم اور معین رأس المال پر منعقد ہوئی ہے پس یہ اشیاء نقدیوں کے مشابہ ہو جائیں گی۔ بہ خلاف مضاربت کے کیونکہ قیاس اس کا انکار کرنے والا ہے۔ اور کیونکہ اس میں ایسے مال سے نفع لیا جاتا ہے جس میں ضمان نہیں ہے پس مضاربت کے جواز کا حکم شریعت کے بیان کردہ مورد تک رہے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان میں شرکت کا عقد ایسے مال سے فائدہ اٹھانے کا سبب ہے جس میں ضمان نہیں ہے کیونکہ جب دونوں شرکاء میں سے ہر ایک شریک اپنا راس المال بیچ دے اور دونوں کی قیمت میں کمی وبیشی بھی ہو تو اب ان میں سے ہر ایک شریک اپنے ساتھی کے مال میں جس میں زیادتی کا وہ حقدار ہے ایسے مال نفع اٹھانے والا ہے جو نہ مملوک ہے اور نہ ضمان والا ہے بہ خلاف دراہم ودنانیر کے کیونکہ خریدی گئی چیز کی قیمت مشتری کے ذمہ پر ہوتی ہے کیونکہ قیمتیں معین نہیں ہوا کرتیں پس یہ ایسے مال کا فائدہ ہو جائے گا جس میں ضمان ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ سامان میں پہلا تصرف بیع ہے جبکہ نقدی میں پہلا تصرف خریداری ہے اور جب دونوں شرکاء میں سے ہر ایک شریک اس شرط پر اپنا مال بیچے کہ دوسرا شریک قیمت میں اس کا شریک بنے یہ جائز نہیں ہے اور جب دونوں شرکاء میں سے ہر ایک اس شرط پر کوئی چیز خریدے کہ مبیع اس کے درمیان اور اس کے ساتھی کے درمیان مشترکہ ہوگی تو اس طرح کرنا جائز ہے۔

البتہ رائج سکے یہ ثمنوں کی طرح چلنے والے ہیں پس ان کو اثمان کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے کیونکہ ان کے نزدیک فلوس کو نقدی کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ معین کرنے سے بھی معین نہ ہوں گے اور ان میں سے معین کردہ کو ایک معین کردہ کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ ساعت بہ ساعت ان کی قیمت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ سامان بن جانے والے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت امام محمد علیہ الرحمہ کے فرمان ہی کی طرح روایت کی گئی ہے جبکہ پہلا قول زیادہ ظاہر اور قیاس کی مطابقت کرنے والا ہے اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فلوس کے بدلے مضاربت درست ہے۔

شرکت مفاوضہ میں ایک کی خریداری پر شریک کے عدم حق کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسے دو شخص جن میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں اگر ایک شخص کوئی چیز خریدے تو دوسرا اُس میں شریک ہوگا البتہ اپنے گھر والوں کے لیے کھانا کپڑا خریدا یا کوئی اور چیز ضروریات خانہ داری کی خریدی یا کرایہ کا مکان رہنے کے لیے لیا یا حاجت کے لیے سواری کا جانور خریدا تو یہ تنہا خریدار کا ہوگا شریک کو اس میں سے لینے کا حق نہ ہوگا مگر بائع شریک سے بھی ثمن کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ یہ شریک کفیل ہے پھر اگر شریک نے مال شرکت سے ثمن ادا کر دیا تو اُس خریدار سے اپنے حصہ کے برابر واپس لے سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت، ج۶، ص ۴۷۰، بیروت)

شرکتِ مفاوضہ میں اگر دونوں کے مال ایک جنس اور ایک نوع کے ہوں تو عدد میں برابری ضرور ہے۔ مثلاً دونوں کے روپے ہیں یا دونوں کی اشرفیاں ہیں اور اگر دو جنس یا دو نوع کے ہوں تو قیمت میں برابری ہو مثلاً ایک کے روپے ہیں دوسرے کی اشرفیاں یا ایک کے روپے ہیں دوسرے کی اٹھانیاں، چوانیاں ہیں۔ (عالمگیری، کتاب شرکت)

جن اموال میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے

قَالَ (وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ إلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ) وَالنُّقْرَةُ فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ بِهِمَا ، هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :وَلَا تَكُونُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَثَاقِيلِ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ) وَمُرَادُهُ التِّبْرُ ، فَعَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ التِّبْرُ سِلْعَةٌ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَالشَّرِكَاتِ .

وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النُّقْرَةَ لَا تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ حَتَّى لَا يَنْفَسِخُ الْعَقْدُ بِهَا بِهَلَاكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ ، فَعَلَى تِلْكَ الرِّوَايَةِ تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِيهِمَا ، وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّهُمَا خُلِقَا ثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ ، إلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ ؛ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتِّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لَكِنَّ الثَّمَنِيَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوصِ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ لَا تُصْرَفُ إلَى شَيْءٍ آخَرَ ظَاهِرًا إلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَنَزَلَ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُونُ ثَمَنًا وَيَصْلُحُ رَأْسُ الْمَالِ .

ترجمہ

فرمایا: مذکورہ اموال کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے لیکن جب لوگ سونے کی ڈلی پگھلائے بغیر لائیں اور پگھلائی ہوئی چاندی سے شرکت کا عقد کریں تو ان دونوں سے بھی شرکت درست ہوگی اور قدوری میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔

جامع صغیر میں ہے سونے اور چاندی کے مثاقیل سے شرکت مفاوضہ کا انعقاد نہیں ہوتا اور امام محمد علیہ الرحمہ کی مراد ڈلی ہے پس اس روایت کے مطابق تبر ایک سامان ہے جو معین کرنے سے معین ہونے والا ہے جبکہ یہ عقد شرکت مفاوضہ اور مضاربت میں راس المال بننے کے قابل نہیں ہے۔

جامع صغیر کی کتاب الصرف میں یہ ذکر کیا گیا ہے نقرہ معین نہیں ہوتا یہاں تک اس کو حوالے کرنے سے پہلے ہلاک ہونے سے عقد فسخ نہ ہوگا تو اس روایت کے مطابق تبر اور نقرہ دونوں شرکت ومضاربت میں راس المال بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا چاندی اصل ثمن کیلئے بنائے گئے ہیں۔مگر خاص طور پر ان کی ڈھلائی کے سبب ان کی قیمت خاص ہوجاتی ہے کیونکہ ان کو ظاہری طور کسی دوسرے کام کیلئے بنایا جاتا ہے۔البتہ جب غیر مضروب ہونے کی حالت میں ان کو بطور ثمن استعال کرنا عرف بن جائے تو اس تعامل کو ڈھلائی کے قائم مقام کردیا جائے گا پس یہ ثمن بن جائیں گے اور راس المال ہونے کے قابل بن جائیں گے۔

شرح

صاحب ہدایہ کا قول تعامل ناس سے مراد اہل عرف میں رائج سکہ یا وہ اشیاء جو بطور قیمت رائج ہیں وہ مراد ہیں۔لہذا اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے عرف کے متعلق بعض احکام فقہی سمجھنا ضروری ہوگا لہذا ہم اپنی کتاب قواعد فقہیہ سے بعض اقتباسات پیش کررہے ہیں۔

عادت اور عام دستور کے مطابق حکم قاعدہ فقہیہ

العادة محكمة .(الاشباه والنظائر ص ٤٦)

عادت اور عام دستور کے مطابق حکم دیا جائے گا۔

یعنی وہ اعمال جو عرف میں دستور کے مطابق ہوں وہ شریعت کے مطابق بھی درست ہوتے ہیں۔اس قاعدہ کا ثبوت یہ اثر ہے

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا أبوبكر ثنا عاصم عن زربن حبيش عن عبد الله بن مسعود قال :إن الله نظر في قلوب العباد فوجد قلب محمد صلى الله عليه وسلم خير قلوب العباد فاصطفاه لنفسه برسالته ، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراء نبيه يقاتلون على دينه فما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوا سيئا فهو عند الله سيء (مسند امام احمد ،مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه) .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو اس نے حضرت محمد ﷺ کے قلب کو بہترین پایا لہذا اسے اپنی نبوت (محبوبیت) کیلئے منتخب فرمایا۔اس کے بعد پھر اس نے اپنے بندوں کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب کو

آپ کے بعد بہتر پایا تو انہیں آپ کی صحبت کیلئے منتخب فرمادیا۔لہذا جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے (ردالمحتار ج۱ص۱۳۲،مطبوعہ منیریہ مصر)(الطرق الحکمیہ ص۹۱،دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور،سنن ابن ماجہ،مسند احمد)

عرف وعادت کی تعریف

وہ عمل جو بار بار کرنے کی سبب سے لوگوں میں پختہ ہو جائے اور وہ کام سلیم الفطرت یعنی اچھے لوگوں کے ہاں مقبول وپسندیدہ ہو۔(الاشباہ ص۴۶)

عرف کی اقسام:

عرف کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔عرف عام ۲۔عرف خاص ۳۔عرف شرعی

عرف عام

وہ الفاظ جن کے معانی عرف (عام معاشرے) میں متعارف ہوں اگرچہ ان الفاظ کے وہ لغوی معانی کے مطابق ہوں یا نہ ہوں ایسے الفاظ کے وہ معانی مراد ہوتے ہیں جو عام لوگوں میں پہنچانے جاتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ وہ سری نہیں کھائے گا تو عرف عام میں اس سری سے مراد بکری یا گائے کی سری ہوگی یا وہ سری جو اس معاشرے میں رائج ہو اور جسکی بازاروں میں خرید وفروخت کی جاتی ہے اگر اس نے کبوتر یا چڑیا کی سری کھالی تو اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عام معاشرے میں کبوتر یا چڑیا کی سری کی خرید وفروخت یا اس کا کھانا بالکل رائج ہی نہیں۔(اصول شاشی)

عرف خاص

وہ الفاظ جو کسی خاص شعبہ یا فن،طبقہ یا گروہ کی اصطلاح ہوں وہ الفاظ عرف خاص کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جس طرح رفع،نصب اور جر" یہ علمائے نحات کی اصطلاح میں اعراب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جبکہ ان کے لغوی معنی کو چھوڑ کر نحویوں کی خاص اصطلاح بن چکی ہے اور اس اصطلاح سے طلباء نحات فوراً استاذ کے کلام کا منشاء ومقصد سمجھ جاتے ہیں۔

عرف شرعی

وہ اصطلاحات جو شرعی احکام کے ساتھ خاص ہوں اس سبب سے ان کے لغوی معانی کو ترک کردیا گیا ہو اور انہیں شرعی اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو۔اسکی مثال جس طرح صلوٰۃ وصوم،زکوۃ وحج وغیرہ کے لغوی معانی کو چھوڑ کر ان کا استعمال شرعی اصطلاحات میں عبادات کے ساتھ خاص ہو چکا ہے اب جب بھی ان الفاظ کو بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ خاص عبادات ہی ہوتی ہیں نہ کہ ان کے لغوی معانی کی طرف تسبب کی جاتی ہے۔(الاشباہ)

جاری پانی کی تعریف:

جاری پانی کی صحیح تعریف یہ ہوگی کہ وہ پانی جس کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ جاری ہے تو اسے جاری پانی کہا جائے گا۔

حیض ونفاس کا حکم:

اگر کسی عورت کو حیض ونفاس عادت سے زائد دنوں تک آئے تو حیض ونفاس کو ایام عادت کی طرف لوٹایا جائے گا جبکہ زائد دنوں میں آنے والا خون استحاضہ کا خون کہلائے گا کہ اس میں نماز روزہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

عمل کثیر کا اعتبار:

عمل کثیر جو کہ مفسد صلوۃ ہوتا ہے اسکی تعریف میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اسے عرف پر محمول کیا جائے گا یعنی جس عمل کو دیکھنے والے یہ گمان کریں کہ یہ شخص نماز سے خارج ہے تو اس کو عمل کثیر کہیں گے اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

خرید وفروخت کی اشیاء میں عرف کی اہمیت:

خرید وفروخت کی تمام اشیاء کو معاشرے میں رائج پیانوں پر محمول کیا جائے گا یعنی اگر کسی شخص نے کپڑا خریدنا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ دوکاندار اسے کپڑے کا وزن کر کے دے بلکہ اسے میٹر یا گز سے ماپ کر دینا ہوگا کہ عرف میں یہی رائج ہے اسی طرح باقی تمام اشیاء کو ان کے مطابق پیانوں کے ساتھ ہی ماپ، تول، گنتی وغیرہ کے ساتھ دیا جائے گا۔

قاضی کے تحائف:

وہ قاضی جس کو عہدہ قضاء سے پہلے اس کے دوست واحباب تحائف دیا کرتے تھے تو عہدہ قضاء پر فائز ہونے کے بعد بھی وہی دوست اتنی مقدار میں تحائف پیش کر سکتے ہیں اور قاضی انہیں قبول کر سکتا ہے کیونکہ یہ عرف سے ثابت ہیں البتہ زائد تحائف کا قبول کرنا قاضی کیلئے منع ہے۔ کیونکہ یہ اس کے پہلے سے جاری کردہ عرف کے خلاف ہیں۔

سکھائے ہوئے شکاری کتے کا اعتبار:

عرف میں وہ کتا جو تین مرتبہ سے زائد شکار کرے اور اسے نہ کھائے تو وہ شکاری کتا کہلاتا ہے لہذا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے جو بھی کتا تین مرتبہ شکار کو مار لینے کے بعد بھی اسے نہ کھائے وہ کتا شکاری کتوں کے احکام میں داخل ہو جائے گا۔ (الاشباہ)

قاعدہ فقہیہ

عرف ومعاشرہ میں جب کئی امور جمع ہو جائیں تو حکم کو غالب واکثر کی طرف پھیرا جائے گا۔

اسکی وضاحت یہ ہے اگر کسی شہر میں دراہم، دنانیر اور دوسرے کئی سکے رائج ہوں اور مشتری مطلقا کہے کہ وہ بائع کو اس چیز کے بدلے

میں ایک ہزار دے گا تو اس صورت میں اس شہر میں جو غالب سکہ رائج ہو گا اس کا اعتبار کیا جائے گا کہ دلیل عرف کا تقاضی یہی ہے۔

دینی مدارس اور تعطیلات کا اعتبار:

دینی مدارس عرف کے مطابق عیدین، یوم عاشورہ، عید میلاد النبی ﷺ اور کئی دوسرے دنوں میں تعطیلات ہوتی ہیں یہ ایام استراحت ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایام بلند ہمت والے لوگوں کیلئے مطالعہ وتحریر کے ایام ہوتے ہیں علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں ہمارے زمانے میں تو ایام تدریس تھوڑے ہوتے ہیں جبکہ تعطیلات غالب رہتی ہیں اور کئی مدرسین احتجاجاً رخصت لیکر چلے جاتے ہیں کہ گھر والوں کی زیارت باعث ثواب ہے حالانکہ ایک مدرس کے جانے سے مدرسہ میں طلباء کو اس سبق سے چھٹی کرنے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح ائمہ مساجد بھی عرف کو دلیل بناتے ہوئے ہر ماہ میں ایک ہفتہ برائے استراحت گھر چلے جاتے ہیں تو یہ بھی دلیل عرف سے ثابت ہے۔

مدرس اور امام کی چھٹی میں فرق یہ ہے کہ مدرس کے جانے سے مدرسہ میں چھٹی ہو جاتی ہے جبکہ مسجد کا نظام تو چلتا ہی رہتا ہے۔ بہر حال دلیل عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ائمہ مساجد اور مدرسین کیلئے اگرچہ درست ہے تاہم تعطیلات کی سبب سے ہونے والے نقصان سے زیادہ سے زیادہ بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

دروس حدیث کیلئے وقف مدارس:

کئی لوگ مدارس وقف کرتے ہیں کہ وہاں پر دروس حدیث ہوں اور ان پر اخراجات کا معنی ومطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ درس حدیث ہوں۔ حالانکہ مدارس میں قرآن وسنت کے علاوہ کئی دوسرے علوم جس طرح صرف، نحو، فقہ، معانی، بیان وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات مدرسین شہریوں کے خلاف بھی لیکچر دیتے ہیں تو یہاں بھی عرف کا اعتبار کیا جائے گا کہ تمام ذیلی علوم اصلی علوم کے تابع ہوئے اور یہ بھی واضح رہے کہ غالب تدریس حدیث ہی کی ہوتی ہے۔ (ماخوذ من الاشباہ)

فائدہ؛ یہ دونوں مسائل فقہ شافعیہ کے مطابق ہیں۔ (حاشیہ الاشباہ)

انتباہ:

عرف وعادت شرعی احکام کی بنیاد بن سکتے ہیں لیکن درج ذیل شرائط کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

۱۔ وہ عرف کسی نص صریح کے خلاف نہ ہو۔

۲۔ رسم ورواج کا وہ طریقہ عام ہو۔ لہذا خاص قسم کے دستور اور رواج کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح کوئی رسم یا رواج کسی شہر یا قوم یا علاقے تک محدود ہو، اور مخصوص لوگ اس کے پابند ہوں اور عام لوگ اس کے پابند نہ ہوں اس قدر تنگ دائرہ میں کسی عرف

ورواج کا حکم کیلئے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اگر ثابت کر دیا جائے تو عرف خاص معتبر ہو جانے کا حالانکہ عرف خاص حجت نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض علماء کے نزدیک عرف خاص معتبر ہے۔ (اصول قرانی، بحث، باب العرف، مطبوعہ تونس، مصر)

بچے کو دودھ پلانے کیلئے ملازمہ:

اگر کوئی شخص بچے کو دودھ پلانے کیلئے ملازمہ رکھتا ہے تو عرف ورواج کے مطابق اسی ملازمہ کا کھانا ،لباس بھی ملازمہ رکھنے والے کے ذمہ ہوگا۔

عاریت کے جہیز کا فیصلہ

اگر باپ نے جہیز تیار کر کے اپنی بیٹی کو دے دیا اور پھر یہ دعوی کیا کہ یہ جہیز کا سامان عاریتا تھا مگر اس دعوے کے ثبوت میں کوئی گواہ نہ ہو تو اس مسئلہ میں کے بارے میں فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر اس کا باپ امیر اور اشراف طبقے سے تعلق رکھتا ہے تو پھر اس کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس کا تعلق درمیانی طبقہ سے ہے تو پھر اس کا قول مانا جائے گا لیکن فتوی اس پر ہے کہا گر اس زمانے کے رسم ورواج میں یہ ہو کہ بیٹی کا جہیز عاریت کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ خود باپ کی ملکیت سے دیا جاتا ہے تو باپ کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اگر رسم ورواج دونوں طریقوں سے ہوں تو پھر باپ کا قول تسلیم کیا جائے گا۔

صنعتی اشیاء کی تیاری اور عرف

اگر کوئی شخص صنعتی چیز بنوانا چاہتا ہے اور وہ کسی صناع کاری گر سے کہے کہ فلاں چیز میرے لئے تیار کر دو تو اسکی قیمت یہ ہو گی اور اس کے بعد وہ مصنوعہ چیز کا پورا حال بتائے تو عرف کے مطابق اسی طرح کی چیز بنانا اس کیلئے ضروری ہوگا۔

بیوی کا دعوی

ابن قیم نے دعوے کا تیسرا درجہ یہ لکھا ہے کہ جس کے بارے میں عرف اور عام حالات یہ فیصلہ کر دیں کہ وہ جھوٹا ہے تو وہ قابل سماعت نہ ہوگا اسکی مثال یہ ہے کہ ایک عورت بہت عرصے کے بعد اپنے شوہر کے خلاف یہ دعوی کرے کہ اس کے شوہر نے کبھی موسم گرما یا سرما میں کوئی کپڑا اسے نہیں دیا تھا تو ایسا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ کیونکہ عرف ودستور کے مطابق یہ جھوٹا ہے خاص طور پر جبکہ عورت غریب ہو اور شوہر امیر ہو۔

فاسق آدمی کا دعوی

اگر ایک مشہور ومعروف فاسق وفاجر آدمی جو لوگوں کو تکلیف پہنچا کر رسوائے زمانہ ہو چکا ہو۔ وہ اگر کسی نیک سیرت و پرہیزگار کے خلاف یہ دعوی کرے کہ اس نے اسکے گھر میں نقب لگائی اور اس کا سامان چرا لیا یا وہ کسی دیندار بزرگ ہستی کے خلاف یہ دعوی کرے کہ اس نے اسکی بیوی سے بدکلامی کی ہے یا اس کے لڑکے کے ساتھ بدکلامی کی ہے تو ایسے دعوے نا قابل سماعت ہوں

سے پیسے بھی وصول کیے جائیں گے کیونکہ اس نے ایک نیک شخص کی عزت کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے

یتیم پر مال خرچ کرنے کا دعویٰ

اگر یتیم کا وصی یہ کہتا ہے کہ اس نے یتیم پر اتنا مال خرچ کیا ہے تو اس صورت میں عرف اور عام حالات کا اعتبار کیا جائے گا اگر عرف و عام حالات کے مطابق اس کا دعویٰ درست ہے تو اس کے قول کو تسلیم کرلیا جائے گا اور اگر عام دستور کے مطابق وہ رقم زیادہ خرچ کی گئی ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا۔

شرکت مفاوضہ میں اختیار کردہ اشیاء کا بیان

ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَا تَجُوزُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيلَ وَالْمَوْزُونَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحُ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيعَتُهُ، وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَكَا فَكَذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَالشَّرِكَةُ شَرِكَةُ مِلْكٍ لَا شَرِكَةُ عَقْدٍ.

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ شَرِكَةُ الْعَقْدِ. وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِي فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطِ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ بَعْدَ الْخَلْطِ كَمَا تَعَيَّنَ قَبْلَهُ. وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهٍ حَتَّى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ، وَمَبِيعٌ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إلَى الْحَالَيْنِ، بِخِلَافِ الْعُرُوضِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ

ترجمہ

اس کے بعد امام قدوری علیہ الرحمہ کا یہ قول کہ ان کے سوا شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے اور یہ قول تولی جانے والی چیزیں، وزن کی جانے والی چیزیں اور عددی متقارب کو شامل ہے اور ملانے سے قبل اس میں ہمارے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور جب شرکاء میں سے ہر ایک کیلئے اسی کے سامان کا فائدہ ہے اور اسی کے مطابق نقصان کا بھی انحصار ہوگا اور جب دونوں نے مال کو ملانے کے بعد عقد شرکت کیا ہے تو اب امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اسی طرح حکم ہے اور ایسی شرکت ملک کی شرکت ہوسکتی ہے نہ کہ شرکت عقد ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک شرکت عقد درست ہوگا اور اختلاف کا نتیجہ دونوں اموال میں برابری کے وقت اور فائدے میں کمی بیشی کی شرط لگانے کے وقت ظاہر ہو جائے گا اور ظاہر الروایت وہی ہے جس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا

ہے کیونکہ مکسنگ کے بعد یہ مال معین کرنے سے معین ہو جاتا ہے جس طرح مکس کرنے سے قبل معین ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مکیل وموزون ایک طرح سے ثمن ہے یہاں تک کے اس کے بدلے میں قرض رکھ کر بیچ کرنا جائز ہے اور یہ چیزیں ایک طرح کی مبیع بھی ہیں۔ اسی سبب سے کہ معین کرنے سے معین ہو جاتی ہیں پس دونوں اجانب کی طرف اضافت کرتے ہوئے ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کر دیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ وعنان دونوں نقود (روپیہ اشرفی) میں ہو سکتی ہیں یا ایسے پیسوں میں جن کا رواج ہو اور اگر چاندی سونے غیر مضروب ہوں (سکہ نہ ہوں) مگران سے لین دین کا رواج ہو تو ان میں بھی شرکت ہو سکتی ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

مکیلی وموزونی میں اختلاف جنس کا بیان

وَلَوْ اخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمْنِ فَخَلَطَا لَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ بِهَا بِالِاتِّفَاقِ .وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَخْلُوطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ، وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَتَتَمَكَّنُ الْجَهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ ، وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ فَحُكْمُ الْخَلْطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ .

ترجمہ

اور جب تولی جانے والی اور وزنی کی جانے والی اشیاء کی جنس مختلف ہو جائے جس طرح گندم، جو، روغن، زیتون اور گھی ہے پھر ان دونوں نے ان کو مکس کر دیا ہے تو ان سے بہ اتفاق شرکت کا عقد منعقد نہ ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کیلئے فرق کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی مکس شدہ چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں اور دو اجناس کی مکس چیزیں ذوات القیم میں سے ہوتی ہیں پس سامان کی مانند ان میں بھی جہالت پیدا ہو چکی ہے لہذا شرکت درست نہ ہو گی اور اس میں مکسنگ کا حکم ہم کتاب القضاء میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس قسم کا مال شرکت مفاوضہ میں اسکے پاس موجود ہے اُس جنس سے جو چیز چاہے خریدے یہ خریدی ہوئی چیز شرکت کی قرار پائیگی اگر چہ جتنا مال موجود ہے اُس سے زیادہ کی خریدے اور اگر دوسری جنس سے خریدی تو یہ چیز شرکت کی نہ ہوگی بلکہ خاص خریدنے والے کی ہوگی مثلاً اسکے پاس روپیہ ہے تو روپیہ سے خریدنے میں شرکت کی ہوگی اور اشرفی سے خریدے تو خاص اسکی ہے، اسی طرح اسکا عکس۔ (عالمگیری)

شرکت بہ عروض کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَرَادَ الشَّرِكَةَ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ، ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِكَةَ) قَالَ (وَهَذِهِ الشَّرِكَةُ مِلْكٌ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوضَ لَا تَصْلُحُ رَأْسَ مَالِ الشَّرِكَةِ ، وَتَأْوِيلُهُ إذَا كَانَ قِيمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ ، وَلَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ يَبِيعُ صَاحِبُ الْأَقَلِّ بِقَدْرِ مَا تَثْبُتُ بِهِ الشَّرِكَةُ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی شخص شرکت بہ عروض کا معاملہ کرنا چاہے تو ہر شخص اپنا نصف مال دوسرے کے آدھے مال سے بیچ دے اسکے بعد شرکت کرے۔اور یہی شرکت ملک ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ عروض شرکت کا راس المال نہیں بن سکتے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ان کے سامان کی قیمت برابر ہو جائے اور جب قیمت میں کمی یا زیادتی ہو تو تھوڑی مقدار والا اپنا سامان بیچ دے جس سے شرکت ثابت ہو جائے گی۔

شرح

دو شخصوں کے ایک شخص پر ہزار روپے دین ہیں اُن میں ایک نے پورے ہزار سے سو روپیہ میں صلح کر لی اور یہ سو روپے اُس سے لے بھی لیے اسکے بعد شریک نے جو کچھ اُس نے کیا جائز رکھا تو سو میں سے پچاس اُسے ملیں گے اور اگر قابض کہتا ہے کہ وہ روپے میرے پاس سے ضائع ہو گئے تو شریک کو اسکا تاوان نہیں ملے گا کہ جب اُس نے سب کچھ جائز کر دیا تو یہ امین ہوا اور امین پر تاوان نہیں اور اگر شریک نے صلح کو جائز رکھا مگر یہ نہیں کہا کہ جو کچھ اُس نے کیا میں نے سب جائز رکھا تو یہ شریک مدیون سے اپنے حصہ کے پچاس وصول کر سکتا ہے اور مدیون یہ پچاس اُس سے واپس لے گا جس کو سو روپے دیے ہیں کہ اس صورت میں صلح کی اجازت ہے قبضہ کی نہیں تو امین نہ ہوا۔(عالمگیری)

شرکت عنان کا فقہی بیان

قَالَ (وَأَمَّا شَرِكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُونَ الْكَفَالَةِ ، وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعِ بُرٍّ أَوْ طَعَامٍ ، أَوْ يَشْتَرِكَانِ فِي عُمُومِ التِّجَارَاتِ وَلَا يَذْكُرَانِ الْكَفَالَةَ) ، وَانْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُودِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَا تَنْعَقِدُ عَلَى الْكَفَالَةِ ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنْ الْأَعْرَاضِ يُقَالُ عَنَّ لَهُ : أَيْ عَرَضَ ، وَهَذَا لَا يُنْبِئُ عَنْ الْكَفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ . (وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ) لِلْحَاجَةِ إلَيْهِ

وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ .

ترجمہ

فرمایا: بہرحال شرکت عنان وکالت پر منعقد ہو جاتی ہے جبکہ کفالت پر منعقد نہیں ہوتی اور اس کی مثال یہ ہے کہ دو بندے کسی قسم کے کپڑے یا غلہ میں شرکت کریں یا عام تجارت میں شرکت کریں اور وہ کفالہ کا ذکر نہ کریں اور شرکت یہ قسم وکالت پر اس لئے منعقد ہوتی ہے کیونکہ اسی سے اسکا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ شرکت کفالہ پر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ عنان کا لفظ اعراض سے مشتق ہوا ہے لہذا کہا جاتا ہے کہ عَنَّ لہ اس نے اعراض کیا اور معنی کفالت میں ظاہر ہونے والے نہیں ہیں اور کسی لفظ کے تقاضہ کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوا کرتا اور جب کسی شریک کے مال میں کمی یا زیادتی درست ہے کیونکہ وہ اس کی ضرورت ہے اور برابری کا لفظ عنان کا تقاضہ کرنے والا نہیں ہے۔

شرح

شرکت عنان یہ ہے کہ دو آدمی ایک خاص طور کے معاملے مثلاً تجارت میں شریک ہوں اور وہ دونوں مذکورہ بالا چیزوں یعنی تصرف اور دین و مذہب وغیرہ میں یکساں و برابر ہوں یا یکساں و برابر نہ ہوں یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت کو تو لازم کرتی ہے مگر کفالت کو لازم نہیں کرتی۔ ہاں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ کفیل و امین بھی ہوتے ہیں مگر اسی کام میں جس میں وہ شریک ہوں۔

دونوں شرکاء کا مال میں برابر ہونے کا بیان

.(وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ) وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ :لَا تَجُوزُ لِأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ ، فَإِنَّ الْمَالَ إذَا كَانَ نِصْفَيْنِ وَالرِّبْحَ أَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِلَا ضَمَانٍ ، إذْ الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ ، وَلِأَنَّ الشَّرِكَةَ عِنْدَهُمَا فِي الرِّبْحِ لِلشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ ، وَلِهَذَا يَشْتَرِطَانِ الْخَلْطَ ، فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيُسْتَحَقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ (الرِّبْحُ عَلَى مَا شَرَطَا ، وَالْوَضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ) " وَلَمْ يَفْصِلْ ، وَلِأَنَّ الرِّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ ؛ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقَ وَأَهْدَى وَأَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقْوَى فَلَا يَرْضَى بِالْمُسَاوَاةِ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ إلَى التَّفَاضُلِ ، بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا

لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشَّرِكَةِ وَمِنَ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلَى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلَى بِضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ ، وَهَذَا الْعَقْدُ يُشْبِهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِيكِ ، وَيُشْبِهُ الشَّرِكَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمِلْنَا بِشَبَهِ الْمُضَارَبَةِ . وَقُلْنَا : يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ وَيُشْبِهُ الشَّرِكَةَ حَتَّى لَا تَبْطُلُ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا .

ترجمہ

اور دونوں شرکاء جب مال میں برابر ہوں تو یہ بھی صحیح ہے۔ اور نفع میں ان کے ہاں کمی و بیشی ہو۔ حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ نفع میں زیادتی ایسے سود کی طرف لے جانے والی ہے جس میں ضمان نہیں ہے پس جب مال نصف نصف ہو اور نفع دو ثلث اور ایک ثلث ہے تو زیادہ بغیر کسی ضمان کے اس کا حقدار نہیں ہے۔ حالانکہ راس المال کے مطابق ضمان واجب ہے کیونکہ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک نفع کی شرکت اصل یعنی راس المال کی شرکت کے سبب ہوتا ہے پس دونوں ائمہ مکسنگ کی شرط لگاتے ہیں پس مال کا نفع اصل میں زیادتی کی طرح ہو جائے گا پس ہر شریک اپنے مال کی مقدار کے برابر نفع کا حقدار ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے نفع دونوں شرکاء کی شرط کے مطابق ہوگا اور نقصان اموال کی مقدار کے مطابق ہوگا اور آپ ﷺ نے برابری اور زیادتی میں کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ کیونکہ جس طرح شریک مال کے سبب سے فائدے کا حقدار ٹھہرتا ہے اسی طرح کام کرنے کے سبب بھی فائدے کا حقدار بنتا ہے۔ جس طرح مضاربت میں ہوتا ہے اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ دونوں شرکاء میں سے ایک کام کرنے میں زیادہ ماہر اور ہوشیار و چالاک ہوتا ہے اسی سبب سے وہ برابر نفع لینے پر راضی نہ ہو گا پس زیادتی کی ضرورت ہوگی۔ بہ خلاف اس کے کہ جب ان میں سے ایک مکمل نفع کی شرط لگائے کیونکہ ایسی شرط کے سبب وہ عقد شرکت و مضاربت ہونے سے خارج ہو جائے گا۔ اور جب عامل کیلئے نفع کی شرط لگائی تو یہ قرض ہو جائے گا اور جب اس نے رب المال کیلئے مکمل نفع کی شرط لگائی تو یہ عقد جمع پونجی اور سرمایہ بن جائے گا۔

اور یہ عقد مضاربت کے مشابہ ہے اس دلیل کے سبب سے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال سے کام کرنے والا ہے اور یہ نام اور کام کے ذریعے شرکت کے مشابہ ہے کیونکہ دونوں کام آنے والے ہیں۔ پس ہم نے مضاربت کی مشابہت کے سبب اس پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ بغیر ضمان کے نفع کی شرط درست ہے اور شرکت کی مشابہت ہم عمل کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ دونوں شرکاء عمل کی شرط لگانے سے یہ عقد باطل نہ ہوگا۔

شرکت عنان کے نفع میں کمی وبیشی کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نفع میں یہاں بھی برابری ضروری نہیں اگر شرکت عنان ہے تو نفع میں برابری یا کم و بیش جو چاہیں شرط کرلیں مگر یہ ضرور ہے کہ نفع میں وہی صورت ہو جو خرید کی ہوئی چیز میں ملک کی صورت میں ہو مثلاً اگر وہ چیز ایک کی دو تہائی ہوگی اور ایک کی ایک تہائی تو نفع بھی اسی حساب سے ہوگا اور اگر ملک میں کم وبیش ہے مگر نفع میں مساوات یا نفع کم وبیش ہے اور ملک میں برابری تو یہ شرط باطل وناجائز ہے اور نفع اُسی ملک کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ (درمختار، کتاب شرکت)

شرکت عنان کے فقہی احکام کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُونَ الْبَعْضِ) لِأَنَّ الْمُسَاوَاةَ فِي الْمَالِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ إذْ اللَّفْظُ لَا يَقْتَضِيهِ (وَلَا يَصِحُّ إلَّا بِمَا بَيَّنَّا) أَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ (وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ أَحَدِهِمَا دَنَانِيرُ وَمِنْ الْآخَرِ دَرَاهِمُ ، وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بِيضٌ وَمِنْ الْآخَرِ سُودٌ) وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي مُخْتَلِفِي الْجِنْسِ ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

قَالَ (وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُولِبَ بِثَمَنِهِ دُونَ الْآخَرِ لِمَا بَيَّنَّا) أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ دُونَ الْكَفَالَةِ ، وَالْوَكِيلُ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْحُقُوقِ .

قَالَ (ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ) مَعْنَاهُ إذَا أَدَّى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِي حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ ، فَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ ذَلِكَ إلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي وُجُوبَ الْمَالِ فِي ذِمَّةِ الْآخَرِ وَهُوَ يُنْكِرُ ، وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ

ترجمہ

فرمایا: ہر شرکت کرنے والے بندے کیلئے یہ جائز ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ شرکت پر لگائے اور کچھ نہ لگائے کیونکہ عنان میں مال میں برابری شرط نہیں ہے کیونکہ عنان کا لفظ برابری کا تقاضہ کرنے والا نہیں ہے اور شرکت عنان انہی اشیاء میں درست ہوگی جن میں شرکت مفاوضہ درست ہوتی ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور شرکت عنان میں یہ بھی جائز ہے۔ کہ ایک شرکت والے کی جانب سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی جانب سے دراہم ہوں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان میں سے ایک کی جانب

سے مفید دراہم ہوں اور دوسرے کی جانب سے سیاہ دراہم ہوں۔

حضرت امام زفر اور حضرت شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔اور ان کا یہ اختلاف مال کو مکس کرنے کی شرائط لگانے یا نہ لگانے پر ہے۔پس ان کے نزدیک مکس کرنا شرط ہے کیونکہ اختلاف جنس میں مکسنگ ثابت نہیں ہوا کرتی۔اور اس کو ہم بعد میں ان شاءاللہ بیان کر دیں گے۔

اور جب شرکاء میں سے ہر ایک شرکت کیلئے کوئی چیز خریدے گا تو اسی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا دوسرے سے مطالبہ نہ کیا جائے گا۔اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔کیونکہ یہ عقد صرف وکالت کو لازم کرنے والا ہے کفالت کو لازم کرنے والا نہیں ہے اور حقوق کے مطالبہ میں اصل وکیل ہوا کرتا ہے اس کے بعد مشتری اس کے حصے کے مطابق وہ قیمت واپس لے یعنی جس وقت اس نے اپنا مال ادا کر دیا ہے کیونکہ دوسرے شریک کی جانب سے اس کے حصہ کا یہ شخص وکیل ہے پس جب اس نے اپنے مال سے اس کی جانب کچھ ادا کیا ہے تو اب وہی اس سے واپس لے گا۔اور جب خریداری ایسی ہے کہ صرف مشتری کی بات سے اس کا علم ہے تو اس پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے کیونکہ مشتری دوسرے شخص کی ذمہ داری پر وجوب مال کا دعویٰ کرنے والا ہے جبکہ وہ انکار کرنے والا ہے اور انکار کرنے والی کی بات کا اعتبار قسم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

شریک سے بائع کے مطالبہ ثمن کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک نے کوئی چیز خریدی تو بائع ثمن کا مطالبہ اسی سے کر سکتا ہے اسکے شریک سے نہیں کر سکتا کیونکہ شریک نہ عاقد ہے نہ ضامن پھر اگر خریدار نے مال شرکت سے ثمن ادا کیا جب تو خیر اور اگر اپنے مال سے ثمن ادا کیا تو شریک سے بقدر اُسکے حصہ کے رجوع کر سکتا ہے اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ مال شرکت نقد کی صورت میں موجود ہو اور اگر شرکت کا مال جو کچھ تھا وہ سامان تجارت خریدنے میں صَرف کیا جا چکا ہے اور نقد کچھ باقی نہیں ہے تو اب جو کچھ خریدیگا وہ خاص خریدار ہی کی ہے شرکت کی چیز نہیں اور اسکا ثمن خریدار کو اپنے پاس سے دینا ہوگا اور شریک سے رجوع کرنے کا حقدار نہیں۔

ایک نے کوئی چیز خریدی اسکا شریک کہتا ہے کہ یہ شرکت کی چیز ہے اور یہ کہتا ہے میں نے خاص اپنے واسطے خریدی اور شرکت سے پہلے کی خریدی ہوئی ہے تو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہے اور اگر عقد شرکت کے بعد خریدی اور یہ چیز اُس نوع میں سے ہے جسکی تجارت پر عقد شرکت واقع ہوا ہے تو شرکت ہی کی چیز قرار پائیگی اگر چہ خریدتے وقت کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اپنے لیے خریدتا ہوں کیونکہ جب اِس نوع تجارت پر عقد شرکت واقع ہو چکا ہے تو اسے خاص اپنی ذات کے لیے خریداری جائز ہی نہیں جو کچھ خریدے گا شرکت میں ہوگا اور اگر وہ چیز اُس جنس تجارت سے نہ ہو تو خاص اسکے لیے ہوگی۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک شریک اپنی شرکت کی دوکان سے چیزیں خریدتا ہے یہ خریداری جائز ہے اگر چہ بظاہر اپنی ہی چیز خریدنا ہے۔(ردمختار، کتاب شرکت)

شرکت عنان میں یہ ہو سکتا ہے کہ اسکی میعاد مقرر کر دیجائے مثلاً ایک سال کے لیے ہم دونوں شرکت کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال کم وبیش ہوں برابر نہ ہوں اور نفع برابر یا مال برابر ہوں اور نفع کم وبیش اور کل مال کے ساتھ بھی شرکت

ہوسکتی ہے اور بعض مال کے ساتھ بھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کے مال دو قسم کے ہوں مثلاً ایک کا روپیہ ہو دوسرے کی اشرفی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صفت میں اختلاف ہو مثلاً ایک کے کھوٹے روپے ہوں دوسرے کے کھرے اگر چہ دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کے مال ایک میں خلط کردیے جائیں۔ (درمختار، کتاب شرکت)

اگر دونوں نے اسطرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہوگا مگر کام فقط ایک ہی کریگا اور نفع دونوں لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی یا برابر لیں گے یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو جائز ہے اور اگر کام نہ کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو شرکت ناجائز۔ اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کل نفع ایک شخص لے گا تو شرکت نہ ہوئی اور اگر کام دونوں کریں گے مگر ایک زیادہ کام کریگا دوسرا کم اور جو زیادہ کام کریگا نفع میں اُس کا حصہ زیادہ قرار پایا یا برابر قرار پایا یہ بھی جائز ہے۔ ٹھہرا یہ تھا کہ کام دونوں کریں گے مگر صرف ایک نے کیا دوسرے نے بسبب عذر یا بلا عذر کچھ نہ کیا تو دونوں کا کرنا قرار پائے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب شرکت)

ہلاکت مال کے سبب شرکت کے باطل ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا هَـلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ) لِأَنَّ الْـمَـعْـقُـودَ عَـلَـيْهِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ الْمَالُ ، فَإِنَّهُ يَتَعَيَّنُ فِيهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ ، وَبِهَلَاكِ الْـمَـعْـقُـودِ عَـلَـيْـهِ يَـبْـطُـلُ الْعَقْدُ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْـمُفْرَدَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِيهِمَا بِالتَّعْيِينِ ، وَإِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا إذَا هَلَكَ الْمَالَانِ ، وَكَذَا إذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا ؛ لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِشَرِكَةِ صَـاحِبِـهِ فِي مَالِهِ إلَّا لِيُشْرِكَهُ فِي مَالِهِ ، فَإِذَا فَاتَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشَرِكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ ، وَأَيُّهُمَا هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ ؛ إنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ فَظَاهِرٌ ، وَكَـذَا إذَا كَـانَ هَـلَكَ فِـي يَدِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشَّرِكَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَالِكُ مِنْ الْمَالَيْنِ

ترجمہ

فرمایا: جب شرکت کے مال سے کوئی چیز خریدنے سے قبل شرکت کا سارا مال ہلاک ہوگیا ہے یا کسی ایک شریک کا مال ہلاک ہوا ہے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ شرکت کے عقد میں مال معقود علیہ ہوا کرتا ہے اور وہ مال اس عقد میں معین ہوتا ہے جس طرح ہبہ اور وصیت میں معین ہوتا ہے اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے کے سبب عقد باطل ہو جائے گا جس طرح بیع میں ہوتا ہے یہ خلاف مضاربت و وکالت منفردہ کے کیونکہ ان دونوں میں معین کرنے کے سبب ثمن معین نہیں ہوتی بلکہ قبضہ کے سبب ثمن معین ہوتے ہیں

جس طرح معلوم کیا جاچکا ہے۔

اور جب دونوں اموال کے ہلاک ہونے کے سبب شرکت کا باطل ہونے واضح ہو چکا ہے کیونکہ شرکت تو ایک کے مال کے ہلاک ہونے کے سبب بھی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ جس شریک کا مال ہلاک نہیں ہوا ہے وہ اپنے ساتھ شریک کو اسی مال میں شریک رہنے پر راضی ہوا ہے اور وہ شریک اس کو بھی اپنے مال میں شامل کرلے مگر جب اس کا شریک ہی فوت ہو گیا ہے تو یہ شریک اپنے مال میں اس کی شرکت پر راضی نہ ہوگا کیونکہ اس طرح عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ اس میں صحیح رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور دونوں اموال میں سے جو مال بھی ہلاک ہوا ہے جب وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا اور اسی طرح جب دوسرے کے قبضہ میں ہلاک ہوا ہے تب بھی وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ مال اس کے پاس امانت ہے بہ خلاف مکس کرنے کے کیونکہ اس حالت میں ہلاک شرکت پر ہی ہے کیونکہ مکس کرنے کے بعد فرق کرنا ممکن نہیں ہے پس ہلاکت کا اعتبار دونوں اموال میں کیا جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں کے مال خریداری کے پہلے ہلاک ہوگئے یا ایک کا مال ہلاک ہوا تو شرکت باطل ہوگئی پھر مال مخلوط تھا تو جو کچھ ہلاک ہوا ہے دونوں کے ذمہ ہے اور مخلوط نہ تھا تو جس کا تھا اُسکے ذمہ اور اگر عقد شرکت کے بعد ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کا مال ہلاک ہو گیا اور ابھی اس سے کوئی چیز خریدی نہیں گئی ہے تو شرکت باطل نہیں اور وہ خریدی ہوئی چیز دونوں میں مشترک ہے مشتری اپنے شریک سے بقدر شرکت اُسکے ثمن سے وصول کرسکتا ہے۔اور اگر عقد شرکت کے بعد خریدا مگر خریدنے سے پہلے شریک کا مال ہلاک ہو چکا ہے تو اسکی دوصورتیں ہیں اگر دونوں نے باہم صراحۃً ہر ایک کو وکیل کردیا ہے یہ کہدیا ہے کہ ہم میں جو کوئی اپنے اس مال شرکت سے جو کچھ خریدیگا وہ مشترک ہوگی تو اس صورت میں وہ چیز مشترک ہوگی کہ اُسکے حصہ کی قدر چیز دیدے اور اِس حصہ کا ثمن لے لے اور اگر صراحۃً وکیل نہیں کیا ہے تو اِس چیز میں دوسرے کی شرکت نہیں کہ مال ہلاک ہونے سے شرکت باطل ہو چکی ہے اور اُسکے ضمن میں جو وکالت تھی وہ بھی باطل ہے اور وکالت کی صراحت نہیں کہ اسکے ذریعہ سے شرکت ہوتی۔(درمختار،کتاب شرکت)

شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی کا بیان

حضرت صہیب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن میں برکت یعنی بہت زیادہ خیر وبھلائی) حاصل ہوتی وعدہ پر بیچنا یعنی خریدار کو ادائیگی قیمت میں مہلت دینا ۲ مضاربت ۳ گیہوں میں جوملانا گھر کے خرچ کے لئے بیچنے کے لئے نہیں (ابن ماجہ،مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 155)

مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا مال تجارت کے لئے دے اور وہ اپنی محنت سے کاروبار کرے پھر اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہو وہ دونوں آپس میں تقسیم کرلیں۔گھر کے خرچ کے لیے گیہوں میں جوملانا ایک فائدہ مند چیز ہے کیونکہ اس

طرح گھر کی غذائی ضرورت کی تکمیل کفایت کے ساتھ ہو جاتی ہے البتہ بیچے جانیوالے گیہوں میں جو ملا دینا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ یہ گناہ وفریب ہے۔

حضرت حکیم ابن حزام کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دیکر بھیجا تا کہ وہ اس دینار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کا جانور خرید لیں چنانچہ انہوں نے اس دینار کے عوض ایک مینڈھا یا دنبہ خریدا اور پھر اسے دو دینار میں بیچ دیا اس سے فارغ ہو کر انہوں نے قربانی کا جانور ایک دینار میں خریدا اور اس جانور کے ساتھ وہ دینار بھی لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا جو پہلے خریدے گئے جانور کی وصول شدہ قیمت میں سے بچ گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دینار کو تو صدقہ کر دیا۔

اور حضرت حکیم ابن حزام کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی تجارت میں برکت عطاء فرمائے (ترمذی ابوداؤد)

کسی ایک کی خرید سے پہلے مال کے ہلاک ہونے کا بیان

(وَإِنْ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا) لِأَنَّ الْمِلْكَ حِينَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا لِقِيَامِ الشَّرِكَةِ وَقْتَ الشِّرَاءِ فَلَا يَتَغَيَّرُ الْحُكْمُ بِهَلَاكِ مَالِ الْآخَرِ بَعْدَ ذَلِكَ ، ثُمَّ الشَّرِكَةُ شَرِكَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ ، حَتَّى إنَّ أَيَّهُمَا بَاعَ جَازَ بَيْعُهُ ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرَى فَلَا يَنْتَقِضُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا .

ترجمہ

اور جب دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے اپنے مال سے کسی چیز کو خریدا اور دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہو گیا ہے تو وہ خرید شدہ چیز ان درمیان شرائط کے مطابق مشترک ہوگی کیونکہ جب مشتری میں ملکیت واقع ہوئی ہے تو بقائے شرکت کے سبب وہ مشترکہ ہی واقع ہوئی ہے پس خریدنے کے بعد دوسرے کا مال ہلاک ہونے کے سبب حکم نہ بدلے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ شرکت عقد ہوگا جبکہ حسن بن زیاد علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے یہاں تک جب ان میں سے کسی ایک نے مشتری کو بیچ دیا تو جائز ہے کیونکہ مشتری میں شرکت مکمل ہو چکی ہے۔ پس شرکت مکمل ہونے کے بعد وہ ہلاکت مال سبب ختم نہ ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں کے مال خریداری کے پہلے ہلاک ہو گئے یا ایک کا مال ہلاک ہوا تو شرکت باطل ہوگئی پھر مال مخلوط تھا تو جو کچھ ہلاک ہوا ہے دونوں کے ذمہ ہے اور مخلوط نہ تھا تو جس کا تھا اُسکے ذمہ اور اگر عقد شرکت

کے بعد ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کا مال ہلاک ہوگیا اور ابھی اس سے کوئی چیز خریدی نہیں گئی ہے تو شرکت باطل نہیں اور وہ خریدی ہوئی چیز دونوں میں مشترک ہے مشتری اپنے شریک سے بقدر شرکت اُسکے ثمن سے وصول کرسکتا ہے۔ اور اگر عقد شرکت کے بعد خرید اگر خریدنے سے پہلے شریک کا مال ہلاک ہو چکا ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں اگر دونوں نے باہم صراحۃً ہر ایک کو وکیل کردیا ہے یہ کہدیا ہے کہ ہم میں جو کوئی اپنے اس مال شرکت سے جو کچھ خریدیگا وہ مشترک ہوگی تو اس صورت میں وہ چیز مشترک ہوگی کہ اُسکے حصہ کی قدر چیز دیدے اور اس حصہ کا ثمن لے لے اور اگر صراحۃً وکیل نہیں کیا ہے تو اس چیز میں دوسرے کی شرکت نہیں کہ مال ہلاک ہونے سے شرکت باطل ہوچکی ہے اور اُسکے ضمن میں جو وکالت تھی وہ بھی باطل ہے اور وکالت کی صراحت نہیں کہ اسکے ذریعہ سے شرکت ہوتی ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

مشتری کا شریک سے مقدار حصہ قیمت وصول کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّةٍ مِنْ ثَمَنِهِ) لِأَنَّهُ اشْتَرَى نِصْفَهُ بِوَكَالَتِهِ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ ، هَذَا إذَا اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوَّلًا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ .

أَمَّا إذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْآخَرُ بِمَالِ الْآخَرِ ، إنْ صَرَّحَا بِالْوَكَالَةِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ فَالْمُشْتَرَى مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ إنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمُصَرَّحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرَكًا بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ ، وَيَكُونُ شَرِكَةَ مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّاهُ ، وَإِنْ ذَكَرَا مُجَرَّدَ الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَنُصَّا عَلَى الْوَكَالَةِ فِيهَا كَانَ الْمُشْتَرَى لِلَّذِي اشْتَرَاهُ خَاصَّةً ؛ لِأَنَّ الْوُقُوعَ عَلَى الشَّرِكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِي تَضَمَّنَتْهَا الشَّرِكَةُ ، فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِي ضِمْنِهَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُودَةٌ .

ترجمہ

فرمایا: اور مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کے برابر قیمت واپس لے کیونکہ اس نے اس شریک کی جانب سے وکالت کرتے ہوئے اس چیز کا نصف خریدا ہے۔ اور اپنے مال سے نقد قیمت ادا کی ہے اور ہم تو اس کو بیان کرچکے ہیں۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے ایک سال پہلے کوئی چیز خریدی ہے تو جب ان دونوں نے شرکت کے عقد میں وکالت کی تصریح کی ہے تو خرید شدہ چیز ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی۔ اگرچہ شرکت باطل ہو چکی ہے مگر ذکر کردہ وکالت تو

موجود ہے اور یہ شرکت بھی شرکت ملک ہو جائے گی اور مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کے مطابق قیمت واپس لے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جب دونوں نے صرف شرکت کا ذکر کیا ہے اور اس میں وکالت کی وضاحت نہیں کی ہے تو خریدی ہوئی چیز صرف مشتری کی ہوگی۔ کیونکہ خریدی ہوئی چیز اسی وقت شرکت پر ہوگی جب شرکت کا عقد وکالت کو لازم کرنے والا ہو۔ (قاعدہ فقہیہ) مگر جب شرکت ہی باطل ہو چکی ہے تو جو چیز اس کے ضمن میں ہے وہ بھی باطل ہو جائے گی۔ (قاعدہ فقہیہ) یہ خلاف اس حالت کے کہ جب وکالت کی وضاحت کر دی تھی کیونکہ اب وکالت ہی مقصود بن گئی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت عنان میں یہ ہوسکتا ہے کہ اسکی میعاد مقرر کر دیجائے مثلاً ایک سال کے لیے ہم دونوں شرکت کرتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کے مال کم وبیش ہوں برابر نہ ہوں اور نفع برابر یا مال برابر ہوں اور نفع کم وبیش اور کل مال کے ساتھ بھی شرکت ہوسکتی ہے اور بعض مال کے ساتھ بھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کے مال دو قسم کے ہوں مثلاً ایک کا روپیہ ہو دوسرے کی اشرفی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صفت میں اختلاف ہو مثلاً ایک کے کھوٹے روپے ہوں دوسرے کے کھرے اگر چہ دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کے مال ایک میں خلط کر دیے جائیں۔

(درمختار، کتاب شرکت)

مال مخلوط نہ ہونے پر جواز شرکت کا بیان

قَالَ (وَتَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ) وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ :لَا تَجُوزُ لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ ، وَلَا يَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشَّرِكَةِ إلَّا بَعْدَ الشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهَذَا يُضَافُ إلَيْهِ ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِينُ رَأْسِ الْمَالِ ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرِكَةٍ ، وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عِمَالَةً عَلَى عَمَلِهِ ، أَمَّا هُنَا بِخِلَافِهِ ، وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ لَهُمَا حَتَّى يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ .

وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَا يَجُوزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِي فِي الْمَالِ .وَلَا تَجُوزُ شَرِكَةُ التَّقَبُّلِ وَالْأَعْمَالِ لِانْعِدَامِ الْمَالِ .

وَلَنَا أَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتَنِدَةٌ إلَى الْعَقْدِ دُونَ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمَّى شَرِكَةً فَلَا

بُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ مَعْنَى هَذَا الِاسْمِ فِيهِ فَلَمْ يَكُنْ الْخَلْطُ شَرْطًا ، وَلِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ لَا يَتَعَيَّنَانِ فَلَا يُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ ، وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيلٌ .

وَإِذَا تَحَقَّقَتْ الشَّرِكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُونِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُونِهِ ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوِي فِي الرِّبْحِ ، وَتَصِحُّ شَرِكَةُ التَّقَبُّلِ .

ترجمہ

فرمایا: شرکت جائز ہے خواہ شرکاء کے مال میں مکسنگ نہ ہوئی ہو جبکہ امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نزدیک ایسی شرکت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نفع مال کی فرع ہے اور اصل میں شرکت کرنا بغیر فرع کے مشترک نہ ہوگا۔ اور اصل میں شرکت مکس کرنے سے ہوگی۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے مال ہی شرکت کا محل ہے کیونکہ عقد کو مال کی جانب منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں راس المال کو معین کرنا ضروری ہے یہ خلاف مضاربت کے کیونکہ اس میں شرکت نہیں ہوتی۔ اور مضارب رب المال کیلئے کام نہیں کرتا اور اس کے بعد اپنے کام کی اجرت پاتا ہے۔ جبکہ یہاں اس کے خلاف صورت حال ہے اور یہی دلیل ان ائمہ فقہاء کی مضبوط دلیل ہے یہاں تک کہ اتحاد جنس ضروری ہے اور مکسنگ (ملانا) شرط ہے۔ اور مال میں برابری کے ہوتے ہوئے نفع میں کمی وبیشی کرنا جائز نہیں ہے اور مال نہ ہونے کے سبب شرکت کو قبول کرنا اور اعمال درست نہیں ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع کی شرکت یہ عقد کی جانب منسوب ہے مال کی جانب اس کی اضافت نہیں ہے کیونکہ عقد ہی کو شرکت کہا جاتا ہے پس عقد میں اس کے نام کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ ملانا شرط نہیں ہے کیونکہ اسی سبب سے دراہم ودنانیر معین نہیں ہوتے پس راس المال سے نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا نفع تصرف سے حاصل ہونے والا ہے کیونکہ ہر ایک شریک آدھے مال میں اصیل ہے اور آدھے میں وکیل ہے اور جب مکسنگ کے بغیر تصرف میں شرکت پائی جائے تو ملانے کے بغیر نفع میں شرکت ثابت ہوجائے گی اور یہ مضاربت کی طرح ہوجائے گا۔ پس جنس کا متحد ہونا اور نفع میں برابر ہونا شرط نہ ہوگا اور شرکت تقبل درست ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں نے اسطرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہوگا مگر کام فقط ایک ہی کریگا اور نفع دونوں لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی یا برابر لیں گے یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو جائز ہے اور اگر کام نہ کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو شرکت ناجائز۔ اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کل نفع ایک شخص لے گا تو شرکت نہ ہوئی اور اگر کام دونوں کریں گے مگر ایک زیادہ کام کریگا دوسرا کم اور جو زیادہ کام کریگا نفع میں اُس کا حصہ زیادہ قرار پایا یا برابر قرار پایا یہ بھی جائز ہے۔ اور

جب مقرر یہ تھا کہ کام دونوں کریں گے مگر صرف ایک نے کیا دوسرے نے بسبب عذر یا بلا عذر کچھ نہ کیا تو دونوں کا نفع برابر ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

نفع کیلئے تعین کی شرط سے فساد شرکت کا بیان

قَالَ (وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ إذَا شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ مِنْ الرِّبْحِ) لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُوجِبُ انْقِطَاعَ الشَّرِكَةِ فَعَسَاهُ لَا يُخْرِجُ إلَّا قَدْرَ الْمُسَمَّى لِأَحَدِهِمَا ، وَنَظِيرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ .

قَالَ (وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الْمُتَفَاوِضَيْنِ وَشَرِيكَيْ الْعِنَانِ أَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ) لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ ، وَلِأَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ عَلَى الْعَمَلِ ، وَالتَّحْصِيلُ بِغَيْرِ عِوَضٍ دُونَهُ فَيَمْلِكُهُ ، وَكَذَا لَهُ أَنْ يُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَا يَجِدُ التَّاجِرُ مِنْهُ بُدًّا .

قَالَ (وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً) ؛ لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِكَةِ فَتَتَضَمَّنُهَا . وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شَرِكَةٍ ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ ، وَهُوَ رِوَايَةُ الْأَصْلِ ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِيلُ الرِّبْحِ كَمَا إذَا اسْتَأْجَرَهُ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ تَحْصِيلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِي ذِمَّتِهِ ، بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُهَا لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ .

قَالَ (وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ) لِأَنَّ التَّوْكِيلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَالشَّرِكَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طُلِبَ مِنْهُ تَحْصِيلَ الْعَيْنِ فَلَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ قَالَ (وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ) لِأَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ بِإِذْنِ الْمَالِكِ لَا عَلَى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ

ترجمہ

فرمایا: جب دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے نفع کیلئے کچھ معین کردیا اور اس میں خاص دراہم کی شرط لگادی تو شرکت کا عقد درست نہ ہوگا کیونکہ یہ اس طرح کی شرط ہے۔ جو شرکت کو ختم کرنے والی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے اتنے ہی دراہم کا نفع ہو جو ایک شریک کیلئے معین کے گئے ہیں۔ اور اس کی مثال مزارعت میں پائی جاتی ہے۔

فرمایا: شرکت عنان اور مفاوضہ کرنے والے دونوں شرکاء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا مال تجارت دے دیں کیونکہ عقد شرکت میں مال کو تجارت پر دینا معتاد ہے۔ کیونکہ شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام کی غرض سے کسی مزدور کو اجرت پر رکھ لے اور بدلے کے بغیر کام کرنے والا ملنا یہ شاذ و نادر ہے۔ پس شریک اس کا مالک ہوگا اور شریک کا مال امانت کے طور پر دینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایسا معتاد ہے جس سے تاجر بچنے والا نہیں ہے۔ شریک کو مضاربت پر مال دینے کا حق بھی ہے کیونکہ مضاربت شرکت سے تھوڑے درجے کی ہے۔ اور شرکت مضاربت کو شامل ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ مضاربت بھی ایک طرح کی شرکت ہے اور پہلا قول درست ہے اور یہ مبسوط کی روایت ہے کیونکہ مضاربت سے شرکت کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ نفع حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے جس طرح اجرت پر مزدور کو رکھ لینا ہے۔ ہاں مضاربت بدرجہ اولی جائز ہے کیونکہ اس میں اپنے ذمہ پر کچھ لازم کیے بغیر نفع حاصل کرنا ہے بہ خلاف اس شرکت کے کیونکہ شریک اس کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا کوئی چیز بھی اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوا کرتی۔ (قاعدہ فقہیہ)

فرمایا: ہر شرکت والا اپنے مال کے تصرف میں اپنا وکیل بنا سکتا ہے کیونکہ خرید و فروخت کیلئے وکیل بنانا تجارت کے اصولوں میں سے ہے۔ اور شرکت کا عقد تجارت کی غرض سے منعقد ہونے والا ہے بہ خلاف وکیل شراء کے کیونکہ اس میں دوسرے کو وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے کیونکہ وہ خاص عقد ہے۔ جس عین کو حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی چیز بھی اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوا کرتی۔

فرمایا: ہر شرکت والے کے قبضے میں دوسرے کا مال امانت ہے کیونکہ جب ایک شریک مالک کی اجازت کے بغیر بدل اور بغیر وثوق کے اس کے مال پر قبضہ کرتا ہے تو یہ ودیعت کی طرح ہو جائے گا۔

تعین نفع کے سبب فساد شراکت میں فقہی مذاہب

اور اگر وہ رقم کے مالک کے لیے معلوم مقدار میں روپے مقرر کرنے کی شرط رکھتا ہے، یا راس المال میں سے معلوم تناسب کی شرط تو شراکت کا یہ معاہدہ باطل اور حرام ہوگا۔

اس پر سب علماء کرام متفق ہیں، اور ان میں کسی بھی قسم کا کوئی اختلاف نہیں، الحمد للہ. ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں ": اہل علم اس پر جمع ہیں کہ کام کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ مال کے مالک کو نفع میں سے تیسرا حصہ، یا نفع کا نصف یا جس پر ان دونوں کا اتفاق ہو دینے کی شرط رکھے، اس کے بعد کے وہ اجزاء میں سے ایک جزء ہو۔ (المغنی ابن قدامہ (7 / (138)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی "المغنی" میں رقمطراز ہیں ": جب بھی شراکت داروں میں سے کسی ایک نے معلوم رقم مقرر کی یا اپنے حصہ کے ساتھ رقم بنائی، مثلا وہ اپنے لیے شرط رکھے کہ ایک جزء اور دس درہم تو یہ شراکت باطل ہو جائیگی۔

ابن منذر کا کہنا ہے: اہل علم میں سے جس سے بھی ہم نے علم حاصل کیا ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مضاربت

کے شراکت داروں میں سے کوئی ایک یا دونوں اپنے لیے معلوم دراہم کی شرط رکھیں تو یہ مضاربت باطل ہوگی، اور جس سے ہم نے علم حاصل کیا ہے وہ امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، اور ابوثور اور اصحاب الرائے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ دو معنوں کی بنا پر صحیح نہیں : پہلا یہ کہ: جب وہ معلوم درہم مقرر کریگا تو اس کا احتمال ہے کہ دوسرے شریک کو نفع حاصل نہ ہو، اور سارا نفع وہ خود ہی حاصل کر لے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے نفع ہی نہ ہو اور وہ راس المال سے مقرر کردہ درہم لے لے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ نفع ہو تو جس نے مقررہ درہم کی شرط رکھی ہے اسے نقصان اٹھانا پڑے۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: عامل یعنی کام کرنے والا کا حصہ مقدار میں معلوم ہونا مشکل ہے تو پھر اجزاء میں معلوم ہونا ضروری ہے، اور جب اجزاء ہی معلوم نہ ہوں تو پھر شراکت فاسد ہو جائیگی۔ (المغنی ابن قدامہ (7 / . (146)

' شراکت کی یہ قسم علماء کے ہاں مضاربت کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ :ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لیے مال دے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حسب اتفاق تقسیم کیا جائیگا، اور تجارت کرنے والے کو مضارب کا نام دیا جاتا ہے"

(الموسوعة الفقهية (8 / . (116)

اور شراکت کی اس قسم کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ نفع معلوم تناسب کے ساتھ تقسیم کیا جائے، مثلا نصف، یا ایک تہائی وغیرہ اور یہ جائز نہیں کہ یہ نسبت راس المال میں سے معلوم ہو، مثلا اگر کوئی شخص آپ سے کچھ رقم تجارت کرنے کے لیے لیتا ہے اور اس پر متفق ہوا کہ وہ مثلا آپ کو ہر ماہ راس المال میں سے دس فیصد دیگا کہ یہ نفع ہے، تو یہ جائز نہیں۔

اور اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ منافع کی مقدار رقم میں معلوم ہو مثلا ہر برس یا ہر ماہ ایک ہزار، بلکہ واجب اور ضروری تو یہ ہے کہ منافع میں سے نسبت اس حساب کے مطابق دی جائے جس پر ان کا اتفاق ہوا ہو۔

﴿یہاں شرکت صنائع کا بیان ہوگا﴾

شرکت صنائع کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت بہ عمل اور اسی کو شرکت بالابدان اور شرکت تقبل و شرکت صنائع بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دو کاریگر لوگوں کے یہاں سے کام لائیں اور شرکت میں کام کریں اور جو کچھ مزدوری ملے آپس میں بانٹ لیں۔ (درمختار، کتاب شرکت، ج ۶، ص ۴۹۶)

شرکت صنائع کے احکام کا بیان

قَالَ (وَأَمَّا شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ) وَتُسَمَّى شَرِكَةَ التَّقَبُّلِ (كَالْخَيَّاطِينَ وَالصَّبَّاغِينَ يَشْتَرِكَانِ عَلَى أَنْ يَتَقَبَّلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُونَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوزُ ذَلِكَ) وَهَذَا عِنْدَنَا .وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ :لَا تَجُوزُ لِأَنَّ هَذِهِ شَرِكَةٌ لَا تُفِيدُ مَقْصُودَهَا وَهُوَ التَّثْمِيرُ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ تُبْتَنَى عَلَى الشَّرِكَةِ فِي الْمَالِ عَلَى أَصْلِهِمَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ .

وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ التَّحْصِيلُ وَهُوَ مُمْكِنٌ بِالتَّوْكِيلِ ، لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ وَكِيلًا فِي النِّصْفِ أَصِيلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتْ الشَّرِكَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ

وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرَ فِيهِمَا ؛ لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشَّرِكَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ لَا يَتَفَاوَتُ

ترجمہ

فرمایا: شرکت صنائع جس شرکت تقبل بھی کہا جاتا ہے جس طرح دو درزیوں اور رنگ کرنے والوں نے اس بات پر شرکت کی کہ وہ دونوں کام کریں گے اور کمائی ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ تو یہ جائز ہے۔ اور یہ حکم ہمارے نزدیک ہے،

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک اس قسم کی شرکت ہے جس سے مقصد حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ یعنی مال کا بڑھ جانا ہے کیونکہ اس میں راس المال کا ہونا ضروری ہے اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے ان ائمہ فقہاء کے نزدیک نفع میں شرکت مال میں شرکت پر مبنی ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس عقد شرکت سے مقصود مال کا حصول ہے اور یہ مقصود تو کیل سے ممکن ہے کیونکہ جب ہر ایک نصف میں وکیل اور نصف میں اصیل ہے تو بڑھنے والے مال میں شرکت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس میں کام و مقام کا ایک ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ اور ان دونوں میں امام مالک اور امام زفر علیہما الرحمہ کا اختلاف ہے کیونکہ شرکت کو جائز قرار دینے والا حصول نفع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرکت صنائع کی تعریف وحکم کا بیان

شرکت صنائع یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگریز اس شرط پر شرکت میں کام کریں کہ دونوں شریک کام لیں گے اور دونوں اس کام کو مل جل کر کریں گے اور پھر جو اجرت حاصل ہوگی اسے دونوں تقسیم کریں گے۔ اگر ان کے معاہدہ شرکت میں یہ شرط ہو کہ کام تو دونوں ادھوں آدھ کریں گے مگر نفع میں سے ایک تو دو تہائی لے گا اور دوسرا ایک تہائی تو یہ شرط جائز ہے۔ دونوں شرکاء میں سے جو بھی کسی کا کام لے گا اس کو کرنا دونوں کے لئے ضروری ہوگا یہ نہیں کہ جس شریک نے کام لیا ہو وہی اسے کرے بھی اسی طرح ان کے یہاں کام کرانے والا دونوں شرکاء میں سے کسی سے بھی اپنا کام طلب کر سکتا ہے ایسے ہی دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو مساوی طور پر یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی کام کی اجرت حاصل کرلے اور ان میں سے کسی ایک کو اجرت دینے والا بری الذمہ ہو جائیگا۔ کام کے منافع اور کمائی میں دونوں شریک حصہ دار ہوں گے خواہ کام دونوں کریں یا صرف ایک کرے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس شرکت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی کام کے کاریگر ہوں بلکہ دو مختلف کاموں کے کاریگر بھی باہم یہ شرکت کر سکتے ہیں مثلاً ایک درزی ہے دوسرا رنگریز، دونوں کپڑے لاتے ہیں وہ سیتا ہے یہ رنگتا ہے اور سلائی رنگائی کی جو کچھ اُجرت ملتی ہے اُس میں دونوں کی شرکت ہوتی ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ دونوں ایک ہی دوکان میں کام کریں بلکہ دونوں کی الگ الگ دوکانیں ہوں جب بھی شرکت ہوسکتی ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ کام ایسے ہوں کہ عقد اجارہ کی سبب سے اُس کام کا کرنا ان پر واجب ہو اور اگر وہ کام ایسا نہ ہو مثلاً حرام کام پر اجارہ ہوا جس طرح دونوحہ کرنے والیاں کہ اُجرت لیکر نوحہ کرتی ہوں ان میں باہم شرکت عمل ہو تو نہ ان کا اجارہ صحیح ہے نہ ان میں شرکت صحیح ہے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

کام کرنے میں شرکاء کی شرط کا بیان

(وَلَوْ شَرَطَا الْعَمَلَ نِصْفَيْنِ وَالْمَالَ أَثْلَاثًا جَازَ) وَفِي الْقِيَاسِ :لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ ، فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَمْ يَجُزْ الْعَقْدُ لِتَأْدِيَتِهِ إِلَيْهِ ، وَصَارَ كَشَرِكَةِ الْوُجُوهِ ، وَلَكِنَّا نَقُولُ :مَا يَأْخُذُهُ لَا يَأْخُذُهُ رِبْحًا لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ ، وَقَدْ اخْتَلَفَ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحَ مَالٌ فَكَانَ بَدَلَ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ يَتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قُوِّمَ بِهِ فَلَا يَحْرُمُ ، بِخِلَافِ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ ؛ لِأَنَّ جِنْسَ

الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ ، وَرِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ لَا يَجُوزُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ .

ترجمہ

اور جب دونوں نے نصف نصف کام کرنے کی شرط لگائی اور نفع میں دو ثلث کی شرط لگائی تو جائز ہے مگر قیاس کے مطابق جائز نہیں ہے اس لئے ضمان کام کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے پس کام سے زائد نفع ایسا ہوگا جس میں ضمان لازم نہ ہوگا لہذا یہ عقد جائز نہ ہوگا ہاں البتہ یہ عقد نفع کی جانب لے جانے والا ہے پس یہ شرکت وجوہ کی طرح ہو جائے گا۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ زیادہ لینے والا نفع کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ نفع متحد بہ جنس ہونے کے سبب سے ہے حالانکہ یہاں اصل اور نفع مختلف ہیں کیونکہ یہاں راس المال کام ہے اور نفع مال ہے پس اس نے جو لیا ہے وہ کام کا بدلہ لیا ہے اور تقویم کے سبب عمل مضبوط ہوا کرتا ہے پس جس مقدار سے اس کی قیمت لگائی گئی ہے وہی مقدار ثابت کی جائے گی اور اس پر زیادتی حرام نہ ہوگی۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس میں یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ کمائیں اُس میں برابر کے شریک ہوں بلکہ کم وبیش کی بھی شرط ہو سکتی ہے اور باہم جو کچھ شرط کرلیں اُسی کے موافق تقسیم ہوگی۔ اسی طرح عمل میں بھی برابری شرط نہیں بلکہ اگر یہ شرط کرلیں کہ وہ زیادہ کام کریگا اور یہ کم جب بھی جائز ہے اور کم کام والے کو آمدنی میں زیادہ حصہ دینا ٹھہرالیا جب بھی جائز ہے۔
(ردمحتار، کتاب شرکت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں اور جب یہ مقرر ہوا ہے کہ آمدنی میں سے میں دو تہائی لوں گا اور تجھے ایک تہائی دوں گا اور اگر کچھ نقصان و تاوان دینا پڑے تو دونوں برابر برابر دینگے تو آمدنی اُسی شرط کے بموجب تقسیم ہوگی اور نقصان میں برابری کی شرط باطل ہے اس میں بھی اُسی حساب سے تاوان دینا ہوگا یعنی ایک تہائی والا ایک تہائی تاوان دے اور دوسرا دو تہائیاں دینے والا ہوگا۔
(فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

شریک کے قبول عمل کے سبب لزوم حکم کا بیان

قَالَ (وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ) حَتَّى إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُطَالَبُ بِالْعَمَلِ وَيُطَالِبُ بِالْأَجْرِ (وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ) وَهَذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ .

وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذَلِكَ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ الشَّرِكَةَ (مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ) ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ

وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُونٌ عَلَى الْآخَرِ ، وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهِ عَلَيْهِ فَجَرَى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ الْبَدَلِ .

ترجمہ

فرمایا: اور شرکاء میں سے ہر شریک جو عمل بھی قبول کرے گا وہی عمل اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہو جائے گا یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک سے کام کا مطالبہ کیا جائے گا اور ہر شریک اجرت کا مطالبہ کرے گا۔ اور اجرت دینے والا ایک شریک کو دینے سے بری الذمہ ہو جائے گا مفاوضہ میں یہ ظاہر ہے اور مفاوضہ کے سوا میں یہ بطور استحسان جائز ہے جبکہ قیاس اس کے خلاف ہے کیونکہ شرکت مطلق طور پر واقع ہوئی تھی۔ کفالت مفاوضہ کا تقاضہ کرنے والی ہے اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شرکت ضمان کا تقاضہ کرتی ہے کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر ایک شریک جس کام کو بھی قبول کرتا ہے پس کام ضمان اور اجرت کے مطالبے میں یہ مفاوضہ والے عقد کے قائم مقام ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو کام اُجرت کا ان میں ایک شخص لائیگا وہ دونوں پر لازم ہوگا، لہٰذا جس نے کام دیا ہے وہ ہر ایک سے کام کا مطالبہ کر سکتا ہے شریک یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ کام وہ لایا ہے اُس سے کہو مجھے اُس سے تعلق نہیں۔ اسی طرح ہر ایک اُجرت کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اور کام والا ان میں جس کو اُجرت دیدیگا بَری ہو جائیگا، دوسرا اُس سے اب اُجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتا نہیں کہہ سکتا کہ اُس کو تم نے کیوں دیا۔ دونوں میں سے ایک نے کام کیا ہے اور دوسرے نے کچھ نہ کیا مثلاً بیمار تھا یا سفر میں چلا گیا تھا جسکی سبب سے کام نہ کر سکا یا بلا سبب قصداً اُس نے کام نہ کیا جب بھی آمدنی دونوں پر معاہدہ کے موافق تقسیم ہوگی۔ (درمختار، کتاب شرکت)

شرکت صنائع کا عنان ومفاوضہ ہونے کا بیان

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ شرکت عمل کبھی مفاوضہ ہوتی ہے اور کبھی شرکت عنان، لہٰذا اگر مفاوضہ کا لفظ یا اسکے معنے کا ذکر کر دیا یعنی کہہ دیا کہ دونوں کام لائینگے اور دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں اور نفع نقصان میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور شرکت کی سبب سے جو کچھ مطالبہ ہوگا اُس میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے تو شرکت مفاوضہ ہے اور اگر کام اور آمدنی یا نقصان میں برابری کی شرط نہ ہو یا لفظ عنان ذکر کر دیا ہو تو شرکت عنان ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

شرکت وجوہ کا فقہی بیان

قَالَ (وَأَمَّا شَرِكَةُ الْوُجُوهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَا مَالَ لَهُمَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِهِمَا وَيَبِيعَا فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ عَلَى هَذَا) سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّهُ لَا يَشْتَرِي بِالنَّسِيئَةِ إلَّا

مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ ، وَإِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَحْقِيقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْأَبْدَالِ ، وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُونُ عِنَانًا لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شَرِكَةِ التَّقَبُّلِ .

ترجمہ

شرکت وجوہ یہ ہے کہ ایسے دو آدمی جن کے پاس اپنا کوئی سرمایہ اور مال نہ ہو اس شرط پر مشترک کاروبار کریں کہ دونوں اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے اعتبار پر قرض سامان لا کر فروخت کریں گے۔ تو یہ شرکت درست ہو جائے گی اور اس کو شرکت وجوہ کہتے ہیں کہ اس میں وہی شخص ادھار خریدے گا جس کا لوگوں میں اچھا وقار ہوگا اور یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اس لئے درست ہے۔ کہ ابدال یعنی اثمان میں کفالت و وکالت کو ثابت کرنا ممکن ہے۔

اور جب اس شرکت کو مطلق رکھا جائے تو یہی شرکت عنان بن جائے گی کیونکہ مطلق شرکت عنان کی جانب لوٹنے والی ہے اور ہمارے نزدیک یہ شرکت جائز ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے دونوں فقہاء کے دلائل ہم نے شرکت تقبل میں بیان کر دیے ہیں۔

شرکت وجوہ کی تعریف وحکم کا بیان

شرکت وجوہ یہ ہے کہ ایسے دو آدمی جن کے پاس اپنا کوئی سرمایہ اور مال نہ ہو اس شرط پر مشترک کاروبار کریں کہ دونوں اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے اعتبار پر قرض سامان لا کر فروخت کریں گے اور اس کا نفع آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر ان دونوں کی شرکت میں مفاوضت کی شرط ہوگی تو وہ صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ شرکت کو بلا شرط مفاوضت یعنی مطلق رکھیں گے تو ان کی یہ شرکت بطور عنان ہوگی یہ شرکت تجارت کے لئے خریدے گئے مال میں وکالت کو لازم کرتی ہے یعنی وہ اپنے یہاں فروخت کرنے کے لئے جو مال خرید کر لائیں گے اس میں وہ ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے لہذا اگر دونوں میں یہ شرط طے پائی ہو کہ تجارت کے لیے جو مال خریدا جائیگا وہ دونوں کا آدھوں آدھ ہوگا تو اس کے نفع میں بھی دونوں آدھوں آدھ کے حقدار ہوں گے اور اگر یہ شرط طے پائے کہ جو مال خرید کر لایا جائے گا اس میں سے ایک تو نفع میں دو حصے لے لے اور دوسرا ایک حصہ لے اور اس کی سبب یہ ہے کہ نفع کا استحقاق ضمان یعنی ذمہ داری کی سبب سے ہوتا ہے اور ضمان اس خریدی ہوئی چیز کی ملک کے تابع ہے مثلاً اگر ان میں سے کوئی مال کے نصف حصہ کا مالک بنا ہے تو اسے نصف قیمت ادا کرنی ہوگی اور جو دو حصوں کا مالک بنا ہے اسے دو حصوں کی قیمت ادا کرنی ہوگی اس لیے نفع بھی ملکیت کے مطابق ہی قرار پائیگا جو جتنے حصہ کا مالک بنے گا اسے اتنا ہی نفع ملے گا اور اس چیز میں شرکت جائز نہیں ہے جس میں وکالت صحیح نہ ہوتی ہو جس طرح لکڑی کاٹنا گھاس کھودنا، شکار کرنا اور پانی لانا دونوں میں سے جو شخص پانی لائے گا وہی اس کا مالک ہوگا اگر دوسرا اس میں اس کی مدد کرے گا تو وہ رائج اجرتوں کے مطابق اپنی اجرت پانے کا مستحق ہوگا۔

وکالت کے معنی ہیں اپنے حقوق ومال کے تصرف یعنی لینے دینے میں کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مؤکل یعنی کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنانیوالا) تصرف یعنی لین دین کا مالک ہو اور جس شخص کو وکیل بنایا جارہا ہو وہ اس معاملہ کو جانتا ہو جس میں وہ وکیل بنایا گیا ہے۔

قاعدہ فقہیہ

اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز نہیں ہے اس میں وکیل کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلا کوئی شخص شراب یا سور وغیرہ حرام چیزوں کی خرید وفروخت کے لئے کسی کو وکیل کردے تو یہ درست نہیں ہوگا تمام حقوق کو ادا کرنے اور ان کے حاصل کرنے میں وکیل کرنا جائز ہے اسی طرح حقوق پر قبضہ کرنے کے لئے بھی وکیل کرنا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی انجام دہی پر باوجود مؤکل کے اس جگہ موجود نہ ہونے کے لئے وکالت درست نہیں ہوتی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے ہاں اگر مؤکل بیمار ہو یا تین منزل کی مسافت یا اس سے زائد کی دوری پر ہو تو جائز ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کہتے ہیں کہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی حقوق کی جاب دہی کے لئے وکیل کرنا جائز ہے

وکالت، ولایت کے بغیر عدم تصرف کا بیان

قَالَ (وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيلُ الْآخَرِ فِيمَا يَشْتَرِيهِ) لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ إلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِوِلَايَةٍ وَلَا وِلَايَةَ فَتَتَعَيَّنُ الْوَكَالَةُ (فَإِنْ شَرَطَا أَنَّ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحَ كَذَلِكَ يَجُوزُ ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَفَاضَلَا فِيهِ ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُونَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذَلِكَ) ، وَهَذَا لِأَنَّ الرِّبْحَ لَا يُسْتَحَقُّ إلَّا بِالْمَالِ أَوْ الْعَمَلِ أَوْ بِالضَّمَانِ فَرَبُّ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ ، وَالْأُسْتَاذُ الَّذِي يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التِّلْمِيذِ بِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ ، وَلَا يُسْتَحَقُّ بِمَا سِوَاهَا ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ تَصَرَّفْ فِي مَالِكَ عَلَى أَنَّ لِي رِبْحَهُ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ هَذِهِ الْمَعَانِي .

وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِي شَرِكَةِ الْوُجُوهِ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَالضَّمَانُ عَلَى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرَى وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحَ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُهُ إلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ وَالْوُجُوهُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا ، بِخِلَافِ الْعِنَانِ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهَا مِنْ

حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِي مَالِ صَاحِبِهِ فَيُلْحَقُ بِهَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

فرمایا: جب دونوں شرکاء میں سے ہر ایک جو کچھ بھی خرید لائے گا اس میں وہ دوسرے کیلئے وکیل بن جائے گا۔ کیونکہ وکالت یا ولایت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہوتا اور یہاں ولایت تو ہے نہیں پس وکالت معین ہو جائے گی۔ اس کے بعد جب ان دونوں نے یہ شرط بیان کی کہ خریدی ہوئی چیز ان کے درمیان نصف نصف ہوگی اور نفع بھی نصف نصف ہوگا۔ تو اس طرح کرنا جائز ہے مگر اس میں کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

اور جب انہوں نے یہ شرط بیان کی کہ خریدی ہوئی چیز ان کے درمیان نصف نصف ہوگی تو منافع پر بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ منافع کا حق یا مال کے سبب سے ہوتا ہے یا پھر کام کرنے کے سبب سے ہوتا ہے یا ضمان کے سبب سے ہوتا ہے۔ لہذا رب المال کے سبب بھی منافع کا حقدار بنتا ہے اور مضارب کام کرنے کے سبب منافع کا حقدار بنتا ہے۔

اور وہ استاذ محترم جو نصف وغیرہ کی شرط کے ساتھ اپنے طالب علم کو کسی کام پر لگائے تو وہ ضمان کے سبب حق منافع ہوگا۔ ان احوال کے سوا میں منافع کا حق نہیں ہے کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ جب کسی نے دوسرے دے کہا کہ تم اپنے مال میں تجارت کرو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا منافع میرے لئے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی اسباب ہی نہیں ہیں۔ اور شرکت وجوہ میں منافع کا سبب ضمان ہوا کرتا ہے۔ جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور ضمان خریدی ہوئی چیز میں ملکیت کی مقدار کے مطابق ثابت ہوتی ہے اور جو منافع اس سے زیادہ ہوتا ہے اس میں ضمان نہیں ہوتا ہے۔ لہذا مضارب کے علاوہ میں منافع کی شرط بغیر ضمان صحیح نہیں ہے۔ اور شرکت وجوہ مضارب کے حکم میں نہیں ہے۔ بہ خلاف عنان کے کیونکہ وہ مضارب کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ساتھی اپنے مال سے کام کرنے والا ہے پس عنان کو مضاربت کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرکت وجوہ کے احکام کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت وجوہ یہ ہے کہ دونوں بغیر مال عقد شرکت کریں کہ اپنی وجاہت اور آبرو کی سبب سے دوکانداروں سے اُدھار خرید لائینگے اور مال بیچ کر اُن کے دام دینگے اور جو کچھ بچے گا وہ دونوں بانٹ لینگے اور اسکی بھی دو قسمیں مفاوضہ وعنان ہیں اور دونوں کی صورتیں بھی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں اور مطلق شرکت مذکور ہو تو عنان ہوگی اور اس میں بھی اگر مفاوضہ ہے تو ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہے اور کفیل بھی اور عنان ہے تو صرف وکیل ہی ہے کفیل نہیں۔ (درمختار، کتاب شرکت)

فَصْلٌ فِي الشَّرِكَةِ الْفَاسِدَةِ

﴿یہ فصل شرکت فاسدہ کے بیان میں ہے﴾

فصل شرکت فاسدہ کی فقہی مطابقت کا بیان

اس سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے شرکت کے احکام کو بیان کیا ہے۔ جن کی تکمیل سے حکم ثابت ہوتا ہے۔ کسی چیز کے ثبوت کے بعد ہی اس کا نقض پایا جاتا ہے۔ کیونکہ نقض کسی بھی عدم چیز پر وارد نہیں ہوتا۔ لہذا مصنف نے وجود شئی کو ثابت کرنے کیلئے پہلے شرکت کے احکام کو ذکر کیا اوران کے بعدان کے مفاسد کو بیان کیا ہے۔

اس کی دوسری سبب یہ ہے کہ شرکت اپنے ثبوت حکم میں ارکان کی محتاج ہے کیونکہ کوئی چیز ارکان کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی اس لئے شرکت کے احکام کو مقدم ذکر کرنا ضروری تھا۔ جبکہ نواقض ہمیشہ بعض میں وارد ہوتے ہیں۔

اس کی تیسری سبب یہ ہے کہ مفاسد شرکت، شرکت کے عوارض ہیں جبکہ شرکت ان کی ذات ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ عوارض ہمیشہ ذات سے مؤخر ہوتے ہیں۔

وہ اشیاء جن میں شرکت جائز نہیں ہے

(وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ فِي الِاحْتِطَابِ وَالِاصْطِيَادِ ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوْ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُونَ صَاحِبِهِ) ، وَعَلَى هَذَا الِاشْتِرَاكُ فِي أَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ ، وَالتَّوْكِيلُ فِي أَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ لِأَنَّ أَمْرَ الْمُوَكِّلِ بِهِ غَيْرُ صَحِيحٍ ، وَالْوَكِيلُ يَمْلِكُهُ بِدُونِ أَمْرِهِ فَلَا يَصْلُحُ نَائِبًا عَنْهُ ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ ، فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلْ الْآخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ ، وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بِأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ ، أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِلْمُعِينِ أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ .وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُجَاوَزُ بِهِ نِصْفُ ثَمَنِ ذَلِكَ ، وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ :

ترجمہ

ایندھن کو جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں میں سے جو شخص جتنا شکار کرے گا یا جس

قدر لکڑیوں کو جمع کرے گا وہی اس کیلئے ہوگا اس میں ساتھی کا حصہ نہ ہوگا اور ہر قسم کی جائز چیز کے حصول میں اشتراک کا یہی حکم ہے کیونکہ شرکت وکالت کے حکم کو لازم کرنے والی ہے اور مال مباح کے لینے میں وکیل بنانا باطل ہے لہذا موکل بہ کو حکم دینا ہی درست نہ ہوگا اور وکیل موکل کے حکم کے بغیر بھی لے سکتا ہے پس وہ موکل کا نائب بننے کے قابل نہ رہا اور جائز اشیاء کو لینے اور جمع کرنے کے سبب ان میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

اور جب ان دونوں ایک ساتھ ہی چیز کو حاصل کیا تو وہ دونوں میں آدھی آدھی ہوگی کیونکہ دونوں کے لئے حق کا سبب برابر ہے اور جب ان دونوں میں سے کسی ایک نے کوئی چیز لی اور دوسرے نے کوئی کام کر دیا ہے تو وہ چیز عامل کی ہوگی اور جب ایک نے کوئی کام کیا اور دوسرے نے کام میں اس کی مدد کی ہے مثال کے طور ایک نے درخت کو کاٹا ہے اور دوسرے نے اس کو اکٹھا کیا ہے یا ایک اکھاڑ کر جمع کر دیا اور دوسرے نے اس کو لادا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نزدیک مدد کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی وہ جتنی بھی ہوگی۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو اس چیز کی نصف قیمت سے زیادہ اجرت نہ مل سکے گی اور یہ اختلاف یہاں نہایت واضح ہو چکا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ مباح چیز کے حاصل کرنے کے لیے شرکت کی یہ نا جائز ہے مثلاً جنگل کی لکڑیاں یا گھاس کاٹنے کی شرکت کی کہ جو کچھ کاٹیں گے وہ ہم دونوں میں مشترک ہوگی یا شکار کرنے یا پانی بھرنے میں شرکت کی یا جنگل اور پہاڑ کے پھل چننے میں شرکت کی یا جاہلیت (یعنی زمانہ کفر) کے دفینہ نکالنے میں شرکت کی یا مباح زمین سے مٹی اُٹھالانے میں شرکت کی یا ایسی مٹی کی اینٹ بنانے یا اینٹ پکانے میں شرکت کی یہ سب شرکتیں فاسد و نا جائز ہیں۔ اور اِن سب صورتوں میں جو کچھ جس نے حاصل کیا ہے اُسی کا ہے اور اگر دونوں نے ایک ساتھ حاصل کیا اور معلوم نہ ہو کہ کس کا حاصل کردہ کتنا ہے کہ جو کچھ حاصل کیا وہ ملا دیا ہے اور پہچان نہیں ہے تو دونوں برابر کے حصہ دار ہیں چاہے چیز کی تقسیم کر لیں یا بیچ کر دام برابر برابر بانٹ لیں اِس صورت میں اگر کوئی اپنا حصہ زیادہ بتاتا ہو تو اِسکا اعتبار نہیں جب تک گواہوں سے ثابت نہ کر دے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

خچر و مشکیزے والے کی شراکت کا بیان

قَالَ (وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلِأَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى ، وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الرَّاوِيَةِ إنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ) أَمَّا فَسَادُ الشَّرِكَةِ فَلِانْعِقَادِهَا عَلَى إحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَ الْمَاءُ ، وَأَمَّا وُجُوبُ الْأَجْرِ فَلِأَنَّ الْمُبَاحَ إذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرِزِ وَهُوَ الْمُسْتَقِي ، وَقَدْ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مِلْكِ الْغَيْرِ وَهُوَ الْبَغْلُ أَوْ

الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أَجْرُهُ

ترجمہ

فرمایا: اور جب ایسے دو بندوں نے شرکت کی کہ ان میں سے ایک کے پاس خچر ہے اور دوسرے کے پاس مشکیزہ ہے اور اس میں پانی بھر کر خچر پر لادا جائے اور اس کو لوگوں میں فروخت کیا جائے۔ اور حاصل ہونے آمدنی دونوں میں مشترک ہو تو یہ ایسی شرکت صحیح نہ ہوگی اور مکمل آمدنی پانی بھرنے والے کیلئے ہوگی اور اس پر اس مشکیزے کی اجرت مثلی واجب ہوگی اور جب خچر والے نے پانی بھرا اور مشکیزے والے نے بھی پانی بھرا ہے تو اس پر خچر کی مثلی اجرت واجب ہو جائے گی۔

البتہ شرکت کا فساد اس سبب سے ہے کہ یہ مال مباح میں شرکت ہے جو پانی کے احراز پر منعقد ہوئی ہے اور وجوب اجرت اس سبب سے ہے کہ نال مباح جب محرز یعنی بھرنے والے کا مملوک ہو چکا ہے تو یہ عقد فاسد دوسرے کی ملکیت سے نفع حاصل کرنے والا ہوگا اور وہ خچر یا مشکیزہ ہے۔ کیونکہ اس پر اجرت لازم ہو چکی ہے۔

شرکت عمل کا فقہی بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اونٹ ہے دوسرے کے پاس خچر، دونوں نے انھیں اُجرت پر چلانے کی شرکت کی یہ شرکت فاسد ہے اور جو کچھ اُجرت ملے گی اُس کو خچر اور اونٹ پر تقسیم کر دینگے اونٹ کی اُجرت مثل اونٹ والے کو اور خچر کی اُجرت مثل خچر والے کو ملے گی اور اگر خچر اور اونٹ کو کرایہ پر چلانے کی جگہ خود ان دونوں نے بار برداری پر شرکت عمل کی کہ بار برداری کریں گے اور آمدنی بحصہ مساوی بانٹ لیں گے تو یہ شرکت صحیح ہے اب اگر چہ ایک نے خچر لا کر بوجھا لادا اور دوسرے نے اونٹ پر بار کیا دونوں کو حسب شرط برابر حصہ ملے گا۔ (ردمحتار، کتاب شرکت)

شکار کرنے میں دونوں نے شرکت کی اور دونوں کا ایک ہی کتا ہے جس کو دونوں نے شکار پر چھوڑا یا دونوں نے ملکر جال تانا تو شکار دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا اور اگر کتا ایک کا تھا اور اُسی کے ہاتھ میں تھا مگر چھوڑا دونوں نے تو شکار کا مالک وہی ہے جس کا کتا ہے مگر اس نے اگر دوسرے کو بطور عاریت کتا دیدیا ہے تو دوسرا مالک ہوگا اور اگر دونوں کے دو کتے ہیں اور دونوں نے ملکر ایک شکار پکڑا تو برابر برابر بانٹ لیں اور ہر ایک کتے نے ایک ایک شکار پکڑا تو جس کے کتے نے جو شکار پکڑا اُسکا وہی مالک ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے

(وَكُلُّ شَرِكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيهِمَا عَلَى قَدْرِ الْمَالِ ، وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ) لِأَنَّ الرِّبْحَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ ، كَمَا أَنَّ الرِّيعَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِ فِي الزِّرَاعَةِ ، وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ ، وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الِاسْتِحْقَاقُ عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ

ترجمہ

اور شرکت فاسدہ میں نفع مال کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے اور زیادتی کی شرط باطل ہوتی ہے کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے۔پس نفع مال ہی کے مطابق مقرر ہوگا جس طرح زراعت میں پیداوار بیج کے تابع ہوتی ہے اور زیادتی ذکر کرنے کے سبب سے معین ہوتی ہے حالانکہ شرکت فاسد ہو چکی ہے پس راس المال کی مقدار کے برابر حق باقی رہتا ہے۔

شرکت فاسدہ میں اجرت نہ ملنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر شرکت فاسدہ میں دونوں شریکوں نے مال کی شرکت کی ہے تو ہر ایک کو نفع بقدر مال کے ملے گا اور کام کی کوئی اُجرت نہیں ملے گی، مثلاً دونوں نے ایک ایک ہزار کے ساتھ شرکت کی اور ایک نے یہ شرط لگادی ہے کہ میں دس ۱۰ روپیہ نفع کے لوں گا، اس شرط کی سبب سے شرکت فاسد ہوگئی اور چونکہ مال برابر ہے، لہٰذا نفع برابر تقسیم کرلیں اور فرض کرو کہ صورت مذکورہ میں ایک ہی نے کام کیا ہو جب بھی کام کا معاوضہ نہ ملے گا۔(درمختار، کتاب شرکت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت فاسدہ میں اگر ایک ہی کا مال ہو تو جو کچھ نفع حاصل ہوگا اسی مال والے کو ملے گا اور دوسرے کو کام کی اُجرت دی جائیگی مثلاً ایک شخص نے اپنا جانور دوسرے کو دیا کہ اس کو کرایہ پر چلاؤ اور کرایہ کی آمدنی آدھی آدھی دونوں لینگے یہ شرکت فاسد ہے اور کل آمدنی مالک کو ملے گی اور دوسرے کو اجر مثل۔اسی طرح کشتی چند شخصوں کو دیدی کہ اس سے کام کریں اور آمدنی مالک اور کام کرنے والوں پر برابر برابر تقسیم ہو جائیگی تو یہ شرکت فاسد ہے اور اسکا حکم بھی وہی ہے۔(ردمختار، کتاب شرکت)

موت وارتداد کے سبب شرکت کے فساد کا بیان

(وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ) لِأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِتَتَحَقَّقَ الشَّرِكَةُ عَلَى مَا مَرَّ ، وَالْوَكَالَةُ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ ، وَكَذَا بِالِالْتِحَاقِ مُرْتَدًّا إذَا قَضَى الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا عَلِمَ الشَّرِيكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ، وَإِذَا بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا فَسَخَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الشَّرِكَةَ وَمَالُ الشَّرِكَةِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ عَزْلٌ قَصْدِيٌّ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ: اور جب دونوں شرکاء میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے یا مرتد ہو دارالحرب میں چلا جائے تو شرکت فاسد ہو جائے

کی کیونکہ شرکت وکالت کو لازم کرنے والی ہے اور یہاں وکالت ممکن نہیں ہے کہ شرکت کو ثابت کیا جائے جس طرح ہم پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ موت اور مرتد ہو کر دارالحرب میں چلے جانے کے سبب وکالت باطل ہو جاتی ہے ہاں البتہ اس شرط کے ساتھ کہ جب قاضی نے اسکو دارالحرب میں جانے سے روک دینے کا فیصلہ کر دیا ہو۔ کیونکہ دارالحرب میں جانا موت کی طرح ہے جس طرح ہم اس سے پہلے اسکو بیان کر چکے ہیں۔

البتہ اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک اپنے ساتھی کی موت کو جانتا ہے یا نہیں جانتا کیونکہ یہ حکمی دوری ہے اور اب جب وکالت باطل ہوگئی تو شرکت بھی باطل ہو جائے گی بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے شرکت کو فسخ کر دیا ہے تو وہ دوسرے کے جاننے پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ یہ عزل ارادی ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

ارتداد کے سبب فاسد ہونے والی شرکت میں عدم عود کا حکم

دونوں شریکوں میں سے معاذ اللہ کوئی مرتد ہو کر دارالحرب کو چلا گیا اور قاضی نے اُسکے دارالحرب میں لحوق کا حکم بھی دیدیا تو یہ حکماً موت ہے اور اُس سے بھی شرکت باطل ہو جاتی ہے کہ اگر وہ پھر مسلم ہو کر دارالحرب سے واپس آیا تو شرکت عود نہ کرے گا اور اگر مرتد ہوا مگر ابھی دارالحرب کو نہیں گیا یا چلا بھی گیا مگر قاضی نے اب تک لحوق کا حکم نہیں دیا ہے تو شرکت باطل ہونیکا حکم نہ دینگے بلکہ ابھی موقوف رکھیں گے اگر مسلمان ہو گیا تو شرکت بدستور ہے اور اگر مر گیا یا قتل کیا گیا تو شرکت باطل ہوگئی۔ (فتاویٰ ہندیہ)

دونوں میں ایک نے شرکت کو فسخ کر دیا اگر چہ دوسرا اِس فسخ پر راضی نہ ہو جب بھی شرکت فسخ ہوگئی جبکہ دوسرے کو فسخ کرنے کا علم ہو اور دوسرے کو معلوم نہ ہوا تو فسخ نہ ہوگی اور یہ شرط نہیں کہ مال شرکت روپیہ اشرفی ہو بلکہ اگر تجارت کے سامان موجود ہیں جو فروخت نہیں ہوئے اور ایک نے فسخ کر دیا جب بھی فسخ ہو جائے گی۔ (درمختار)

ایک شریک نے شرکت سے انکار کر دیا یعنی کہتا ہے میں نے تیرے ساتھ شرکت کی ہی نہیں تو شرکت جاتی رہی اور جو کچھ شرکت کا مال اُسکے پاس ہے اُس میں شریک کے حصہ کا تاوان دینا ہوگا کہ شریک امین ہوتا ہے اور امانت سے انکار خیانت ہے اور تاوان لازم اور اگر شرکت سے انکار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ کام نہ کرونگا تو یہ بھی فسخ ہی ہے شرکت جاتی رہیگی اور اموال شرکت کی قیمت اپنے حصہ کے موافق شریک سے لیگا اور شریک نے اموال کو بیچ کر کچھ منافع حاصل کیے تو منفعت سے اسے کچھ نہ ملے گا۔ (درمختار، فتاویٰ ہندیہ)

اگر ایک شریک پاگل ہو گیا اور جنوں بھی مُمتد ہے تو شرکت جاتی رہی اور دوسرے شریک نے بعد امتداد جنون جو کچھ تصرف کیا یعنی شرکت کی چیزیں فروخت کیں اور نفع ملا تو سارا نفع اسی کا ہے مگر مجنون کے حصہ میں جو نفع آتا اُسے تصدق کر دینا چاہیے کہ ملک غیر میں بغیر اجازت تصرف کر کے نفع حاصل کیا ہے اور بطلان شرکت کی دوسری صورتوں میں بھی ظاہر یہی ہے کہ شریک کے حصہ کے مقابل میں جو نفع ہے اُسے تصدق کر دے۔ (ردمحتار، کتاب شرکت)

فصل

﴿یہ فصل مال شریک میں تصرف کے بیان میں ہے﴾

فصل تصرف مال شریک کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس فصل میں مصنف علیہ الرحمہ نے شرکت کے وہ مسائل بیان کیے ہیں جو احکام شرکت سے بعید ہیں لیکن وہ شرکت کے ہی قبیل سے ہیں اور وہ احکام تجارت میں سے نہیں ہیں پس ان مسائل کی فصل کو ان کی حد کے مطابق اس فصل میں مؤخر کیا ہے۔ (اور عام فقہ کی اردو کتب میں ایسے مسائل کو شرکت کے مسائل متفرقہ کہا جاتا ہے)۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۶۸، بیروت)

شریک کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کی ممانعت کا بیان

وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالِ الْآخَرِ إلَّا بِإِذْنِهِ ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التِّجَارَةِ ، فَإِنْ أَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ .فَإِنْ أَدَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ عَلِمَ بِأَدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْ لَمْ يعلمْ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .

وَقَالَا :لَا يَضْمَنُ إذَا لَمْ يَعْلَمْ وَهَذَا إذَا أَدَّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ ، أَمَّا إذَا أَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيبَ صَاحِبِهِ .وَعَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ الْمَأْمُورُ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ إذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ بَعْدَمَا أَدَّى الْآمِرُ بِنَفْسِهِ .

لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالتَّمْلِيكِ مِنْ الْفَقِيرِ ، وَقَدْ أَتَى بِهِ فَلَا يَضْمَنُ لِلْمُوَكِّلِ ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي وُسْعِهِ التَّمْلِيكَ لَا وُقُوعَهُ زَكَاةً لِتَعَلُّقِهِ بِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ ، وَإِنَّمَا يَطْلُبُ مِنْهُ مَا فِي وُسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُورِ بِذَبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إذَا ذَبَحَ بَعْدَمَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحَجَّ الْآمِرُ لَمْ يَضْمَنْ الْمَأْمُورُ عَلِمَ أَوْ لَا .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَالْمُؤَدَّى لَمْ يَقَعْ زَكَاةً فَصَارَ مُخَالِفًا ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ الْأَمْرِ إخْرَاجُ نَفْسِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْوَاجِبِ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ ، وَهَذَا الْمَقْصُودُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرِيَ أَدَاءُ الْمَأْمُورِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُولًا

عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ، لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ . وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ . وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَزُولَ الْإِحْصَارُ . وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتُبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُودًا فِيهِ دُونَ دَمِ الْإِحْصَارِ .

ترجمہ

اور دونوں شرکاء میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے کیونکہ یہ جنس تجارت میں سے نہیں ہے ہاں البتہ جب ہر ایک شریک نے اپنے ساتھی کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے تو پھر جب ان میں سے ایک زکوٰۃ دے گا تو دوسرا ضامن ہوگا اگر چہ وہ پہلے کی ادائیگی کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے فرمایا: کہ جب دوسرے کو معلوم نہ ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب انہوں نے یکے بعد دیگرے ادا کی ہو اور جب انہوں نے ایک ساتھ ادا کی تو ان میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا۔ اور اسی اختلاف پر وہ شخص بھی ہے جس کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب حکم دینے والے نے بہ ذات خود ادا کرنے کے بعد اس نے بھی فقیر کو صدقہ کر دیا ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس بندے کو تو فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا گیا تھا جو اس نے پورا کر دیا ہے پس وہ مؤکل کیلئے ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کی حیثیت میں صرف مالک بنانا تھا زکوٰۃ واقع کرنا نہ تھا۔ کیونکہ اس کا تعلق مؤکل کی نیت کے ساتھ ہے اور انسان سے وہی چیز طلب کی جاتی ہے جو اس کی پہنچ میں ہو۔

اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح دم احصار میں ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ اس نے احصار ختم ہونے کے بعد اور حاکم کے حج کرنے کے بعد اس نے ذبح کیا ہے تو وہ بھی ضامن نہ ہوگا اگر چہ انحصار کے ختم ہونے کا علم اس کو ہے یا نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس نے اسی پر عمل کیا ہے پس وہ زکوٰۃ واقع نہ ہوئی تو وکیل حکم دینے والے کی مخالفت کرنے والا ہوا اور یہ اسی دلیل کے سبب ہے کہ وکیل بنانے سے مؤکل کا مقصد اپنے آپ کو واجب کی ادائیگی سے بری الذمہ کرنا ہے کیونکہ ظاہر یہی تھا۔ کیونکہ نقصان کو دور کرنے کیلئے نقصان برداشت کیا جاتا ہے (قاعدہ فقہیہ) اور یہ مقصد خود مؤکل کی ادائیگی کے سبب حاصل ہو چکا ہے اور جس کو حکم دیا گیا ہے وہ اس مقصد سے محروم ہے۔ پس وہ معزول ہو جائے گا اگر چہ اس کو مؤکل کی ادائیگی کا علم یا نہ ہو۔ اور کیونکہ عزل بھی حکمی ہے۔

البتہ دم احصار ایک قول کے مطابق تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے اور دوسرے قول کے مطابق فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ

احصار والے پر قربانی واجب نہیں ہے کیونکہ اس کیلئے صبر کرنا ممکن ہے حتیٰ کہ احصار ختم ہو جائے جبکہ اس مسئلہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ پس اس میں اسقاط مقصد ہے لہذا اس کا اعتبار کیا جائے گا جبکہ دم احصار میں اسقاط مقصود نہیں ہے۔

ما مور کی ادائیگی کے صحیح نہ ہونے پر تاوان کا بیان

علامہ فخر الدین زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی شریک کو یہ اختیار نہیں کہ بغیر اسکی اجازت کے اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے اگر زکاۃ دیگا تاوان دینا پڑے گا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر ہر ایک نے دوسرے کو زکاۃ دینے کی اجازت دی ہے اپنی اور شریک دونوں کی زکاۃ دیدی تو اگر یہ دینا بیک وقت ہو تو ہر ایک کو دوسرے کی زکاۃ کا تاوان دینا ہوگا اور دونوں باہم مقاصہ (ادلا بدلا) کر سکتے ہیں کہ نہ میں تم کو تاوان دوں نہ تم مجھ کو جبکہ دونوں نے ایک مقدار سے زکاۃ ادا کی ہو یعنی مثلاً اس نے اسکی طرف سے دس ۱۰ روپے دیے اور اس نے اسکی طرف سے دس ۱۰ روپے دیے اور اگر ایک نے دوسرے کی طرف سے زیادہ دیا ہے اور دوسرے نے اسکی طرف سے کم تو زیادہ کو واپس لے اور باقی میں مقاصہ کرلیں اور اگر بیک وقت دینا نہ ہوا ایک نے پہلے دیدی دوسرے نے بعد کو تو پہلے والا کچھ نہ دیگا اور بعد والا تاوان دے بعد والے کو معلوم ہو کہ اس نے خود زکاۃ دیدی ہے یا معلوم نہ ہو بہر حال تاوان اُسکے ذمہ ہے۔ اسی طرح علاوہ شریک کے کسی اور کو زکاۃ یا کفارہ کے لیے اس نے ما مور کیا تھا اور اس نے خود اس کے پہلے یا بیک وقت ادا کر دیا تو ما مور کا ادا کرنا صحیح نہ ہوگا اور تاوان دینا پڑیگا۔ (تبیین الحقائق، کتاب شرکت، ج ۴، ص ۵۰۲)

شریک کی اجازت کے سبب مال میں تصرف کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ لِصَاحِبِهِ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَأَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ) لِأَنَّهُ أَدَّى دَيْنًا عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ بِنَصِيبِهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ (وَهَذَا) لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لَهُ خَاصَّةً وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ .

وَلَهُ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشَّرِكَةِ عَلَى الْبَتَاتِ جَرْيًا عَلَى مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ إذْ هُمَا لَا يَمْلِكَانِ تَغْيِيرَهُ فَأَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ ، غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةَ نَصِيبِهِ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ لَا يَحِلُّ إلَّا بِالْمِلْكِ ، وَلَا وَجْهَ إلَى إثْبَاتِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُخَالِفٌ مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ فَأَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِي ضِمْنِ الْإِذْنِ ، بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ مُسْتَثْنًى عَنْهَا لِلضَّرُورَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ فَكَانَ مُؤَدِّيًا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشَّرِكَةِ . وَفِي مَسْأَلَتِنَا قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا (وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا

شَاءَ) بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ ، وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتْ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ .

ترجمہ

فرمایا: جب شرکت مفاوضہ کرنے والوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو یہ اجازت دی کہ ایک باندی خریدے اور اس سے وطی کرے لہذا اس نے اسی طرح کر دیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ باندی ضمان وعوض کے بغیر اسی کی ہو جائے گی۔

صاحبین نے فرمایا: کہ اجازت دینے والا آدھی قیمت لے گا کیونکہ مشتری نے مال مشترک میں سے اپنا قرض ادا کیا ہے جو صرف اسی پر واجب تھا۔ پس اس کا ساتھی اس سے اپنا حصہ واپس لے گا جس اہل وعیال کیلئے غلہ وکپڑے خریدے میں ہوا کرتا ہے اور یہ اس دلیل کے سبب سے ہے کہ ملکیت تو صرف مشتری کو حاصل ہے اور قیمت ملکیت ہی کے مقابلے میں واجب ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ شرکت کے تقاضہ پر عمل کرتے ہوئے وہ باندی یقینی طور پر مشترکہ طور پر مملوک ہوئی ہے کیونکہ شرکت کے تقاضے کو دونوں شرکاء نہیں بدل سکتے تو یہ عدم اجازت کے مشابہ ہو جائے گا۔ جبکہ اجازت دینا اذن شدہ کو اپنا حصہ ہبہ کرنے کو لازم کرنے والا ہے کیونکہ ملکیت کے بغیر وطی حلال نہیں ہوتی۔ جبکہ بیع کے ذریعے ملکیت ثابت ہونے کا کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور یہ شرکت کے تقاضے کے خلاف ہے پس ہم نے اجازت کے ضمن میں ثابت ہونے والے ہبہ کے ذریعے ملکیت کو ثابت کر دیا ہے بہ خلاف کھانے اور پہننے کے کیونکہ وہ ضرورت کی سبب سے شرکت سے مستثنیٰ ہیں۔

پس ان میں نفس عقد ہی سے مشتری کیلئے ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور مشتری مال شرکت سے ہی اپنا قرض ادا کرنے والا ہے اور اسی مسئلہ میں مشتری نے ایسا قرض ادا کیا ہے جو ان دونوں پر لازم تھا۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دونوں میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ یہ قیمت ایسا قرض ہے جو تجارت کی سبب سے واجب ہوا ہے۔ کیونکہ کفالہ مفاوضہ کو لازم کرنے والی ہے پس یہ کھانے و پہننے کی طرح ہو جائے گا۔

قبضہ سے شرکت کے صحیح ہونے کا بیان

ایک شخص نے کوئی چیز خریدی ہے کسی دوسرے شخص نے اُس سے یہ کہا مجھے اس میں شریک کر لے مشتری نے کہا شریک کر لیا اگر یہ باتیں اُسوقت ہوئیں کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا ہے تو شرکت صحیح ہے اور قبضہ نہ کیا ہو تو شرکت صحیح نہیں کیونکہ اپنی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا اُسکے ہاتھ بیع کرنا ہے اور بیع اُسی چیز کی ہو سکتی ہے جو قبضہ میں ہو اور جب شرکت صحیح ہو گی تو نصف ثمن دینا لازم ہوگا کہ دونوں برابر کے شریک قرار پائیں گے البتہ اگر بیان کر دیا ہے کہ ایک تہائی یا چوتھائی یا اتنے حصہ کی شرکت ہے تو جو کچھ بیان کیا ہے اُتنی ہی شرکت ہو گی اور اُسی کے موافق ثمن دینا لازم ہوگا۔ (ردمحتار، کتاب شرکت)

ایک شخص نے کوئی چیز خریدی ہے دوسرے نے کہا مجھے اس میں شریک کرلے اُسنے منظور کرلیا پھر تیسرا شخص اُسے ملا اسنے بھی کہا مجھے اس میں شریک کرلے اور اسکو شریک کرنا بھی منظور کیا تو اگر اس تیسرے کو معلوم تھا کہ ایک شخص کی شرکت ہو چکی ہے تو تیسرا ایک چوتھائی کا شریک ہے اور دوسرا نصف کا اور اگر معلوم نہ تھا تو یہ بھی نصف کا شریک ہو گیا یعنی دوسرا اور تیسرا دونوں شریک ہیں اور پہلا شخص اب اُس چیز کا مالک نہ رہا اور یہ شرکت شرکتِ ملک ہے۔ (درمختار)

شرکت کے ایجاب وقبول کے شرعی احکام

ایک شخص نے دوسرے سے کہا جو کچھ آج یا اس مہینے میں میں خریدوں گا اُس میں ہم دونوں شریک ہیں یا کسی خاص قسم کی تجارت کے متعلق کہا مثلاً جتنی گائیں یا بکریاں خریدوں گا اُن میں ہم دونوں شریک ہیں اور دوسرے نے منظور کیا تو شرکت صحیح ہے۔

دو شخصوں کا قرض ایک شخص پر واجب ہوا اور ایک ہی سبب سے ہو تو وہ دَین مشترک ہے مثلاً دونوں کی ایک مشترک چیز تھی اور اسے کسی کے ہاتھ اُدھار بیچا یا دونوں نے اپنی چیز ایک عقد کے ساتھ کسی کے ہاتھ بیع کی تو یہ دین مشترک ہے یا دونوں نے اُسے ایک ہزار قرض دیا یا دونوں کے مورث کا کسی پر دین ہے یہ سب دین مشترک کی صورتیں ہیں اسکا حکم یہ ہے کہ جو کچھ اِس دَین میں کا ایک نے وصول کیا تو اس میں دوسرا بھی شریک ہے اپنے حصہ کے موافق تقسیم کرلیں اور جو چیز وصول کی ہے اُسکی جگہ پر اپنے شریک کو دوسری چیز دینا چاہتا ہے تو بغیر اُسکی مرضی کے نہیں دے سکتا یا یہ دوسری چیز لینا چاہتا ہے تو اسکی مرضی کے بغیر نہیں لے سکتا اور جس نے وصول نہیں کیا ہے اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وصول کنندہ سے نہ لے بلکہ مدیون سے یہ بھی وصول کرے مگر جبکہ مدیون نے تمام مطالبہ ادا کردیا ہے تو اب مدیون سے وصول نہیں کرسکتا بلکہ شریک ہی سے لے گا۔ دو شخصوں کا دین کسی پر واجب ہے مگر دونوں کا ایک سبب نہ ہو بلکہ دو سبب خواہ حقیقۃً دو ہوں یا حکماً تو یہ دین مشترک نہیں مثلاً دونوں نے اپنی دو چیزیں ایک شخص کے ہاتھ بیچیں اور ہر ایک نے اپنی چیز کا ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کردیا یا دونوں کی ایک مشترک چیز تھی وہ بیچی اور اپنے اپنے حصہ کا ثمن بیان کردیا تو اب دین مشترک نہ رہا اور ایک نے مشتری سے کچھ وصول کیا تو دوسرا اس سے اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ (فتاویٰ ہندیہ)

وصولی میں دوسرے شریک کے شامل ہونے کا بیان

ایک شخص پر ہزار روپیہ دَین تھا دو شخصوں نے اسکی ضمانت کی اور ضامنوں نے اپنے مشترک مال سے ہزار ادا کردیے پھر ایک ضامن نے مدیون سے کچھ وصول کیا تو دوسرا بھی اس میں شریک ہے اور اگر ضامن نے اُس سے روپیہ وصول نہیں کیا بلکہ اپنے حصہ کے بدلے میں مدیون سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرا اُس چیز کا نصف ثمن اُس سے وصول کرسکتا ہے اور اگر دونوں چاہیں تو اُس چیز میں شرکت کرلیں اور اگر ایک ضامن نے چیز نہیں خریدی بلکہ اپنے حصہ دین کے مقابل میں اُس چیز پر مصالحت کی اور چیز لے لی اب دوسرا مطالبہ کرتا ہے تو پہلے کو اختیار ہے کہ آدھی چیز دیدے یا اُسکے حصہ کا آدھا دینا ادا کردے اور مال مشترک سے ادا نہ کیا ہو تو دوسرا اُس میں شریک نہیں اور اب جو کچھ اپنا حق وصول کریگا دوسرے کو اُس سے تعلق نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

شرکت میں کسی معاملہ پر صلح کرنے کا بیان

دو شخصوں کے ایک شخص پر ہزار روپے دَین تھے ان میں [illegible] پچاس [illegible]
سے لے بھی لیے اسکے بعد شریک نے جو کچھ اس نے کیا جائز رکھا تو سو میں سے پچاس اسے ملیں گے اور اگر قابض کہتا ہے کہ وہ روپے میرے پاس سے ضائع ہوگئے تو شریک کو اسکا تاوان نہیں ملے گا کہ جب اُس نے سب کچھ جائز کردیا تو یہ امین ہوا اور امین پر تاوان نہیں اور اگر شریک نے صلح کو جائز رکھا مگر یہ نہیں کہا کہ جو کچھ اُس نے کیا میں نے سب جائز رکھا تو یہ شریک مدیون سے اپنے حصہ کے پچاس وصول کرسکتا ہے اور مدیون یہ پچاس اُس سے واپس لے گا جس کو سو روپے دیے ہیں کہ اس صورت میں صلح کی اجازت ہے قبضہ کی نہیں تو امین نہ ہوا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت)

ایک مکان دو شخصوں میں مشترک ہے ایک شریک غائب ہوگیا تو دوسرا بقدر اپنے حصہ کے اُس مکان میں سکونت کرسکتا ہے اور اگر وہ مکان خراب ہوگیا اور اسکی سکونت کی سبب سے خراب ہوا ہے تو اسکا تاوان دینا پڑے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، درمختار)

مکان دو شخصوں میں مشترک تھا اور تقسیم ہوچکی ہے ہر ایک کا حصہ ممتاز ہے اور ایک حصہ کا مالک غائب ہوگیا تو دوسرا اُس میں سکونت نہیں کرسکتا اور نہ بغیر اجازت قاضی اُسے کرایہ پر دے سکتا ہے اور اگر خالی پڑا رہنے میں خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو قاضی اُسکو کرایہ پر دیدے اور کرایہ مالک کے لیے محفوظ رکھے اور دو شخصوں میں مشترک کھیت ہے اور ایک شریک غائب ہوگیا تو اگر کاشت کرنے سے زمین اچھی ہوتی رہے گی تو پوری زمین میں کاشت کرے جب دوسرا شریک آجائے تو جتنی مدت اُس نے کاشت کی ہے وہ کرلے اور اگر کاشت سے زمین خراب ہوگی یا کاشت نہ کرنے میں اچھی ہوگی تو کُل زمین میں کاشت نہ کرے بلکہ اپنے ہی حصہ کی قدر میں زراعت کرے۔ غلہ یا روپیہ مشترک ہے اور ایک شریک غائب ہے اور جو موجود ہے اُسے ضرورت ہے تو اپنے حصہ کے لائق لے کر خرچ کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

دو شخص شریک ہوں اور ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہو اور شریک کو کام کرنا اور اُس پر خرچ کرنا ضروری ہو، اگر بغیر اجازت شریک خرچ کریگا تو یہ خرچ کرنا احسان ہوگا اور اسکا معاوضہ کچھ نہ ملے گا، مثلاً چکی دو شخصوں میں مشترک ہے اور عمارت خراب ہوگئی مرمت کی ضرورت ہے اور بغیر اجازت ایک نے مرمت کرادی تو اُس کا خرچہ شریک سے نہیں لے سکتا یا شریک سے اس نے اجازت طلب کی اُس نے کہہ دیا کہ کام چل سکتا ہے مرمت کی ضرورت نہیں اور اس نے صرف کردیا تو کچھ نہیں پائیگا یا کھیت مشترک ہے اور اُس پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے یا غلام مشترک ہے اُس کو نفقہ وغیرہ دینا ضروری ہے ان میں بھی بغیر اجازت صرف کرنے پر کچھ نہیں پائے گا کیونکہ ان سب شریکوں کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اگر وہ اجازت نہیں دیتا قاضی کے پاس دعویٰ کردے قاضی اُسے خرچ کرنے پر مجبور کریگا پھر اسے خرچ کرنے کی کیا حاجت رہی، لہٰذا تبرع ہے۔ اور اگر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور یہ بغیر خرچ کیے اپنا کام نہیں چلا سکتا تو بغیر اجازت خرچ کرنا تبرع نہیں مثلاً دو منزلہ مکان ہے اوپر کا ایک شخص کا ہے اور نیچے کا دوسرے کا، نیچے کا مکان گر گیا اور یہ اپنا حصہ نہیں بنواتا کہ بالا خانہ والا اسکے اوپر تعمیر کرائے اور نیچے والا بنوانے پر

مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اگر بالا خانہ والے نے نیچے کے مکان کی تعمیر کرائی تو متبرع نہیں۔ اسی طرح مشترک دیوار ہے جس پر ایک شریک نے کڑیاں ڈال کر اپنے مکان کی چھت پاٹی ہے اور یہ دیوار گرگئی شریک جب تک یہ دیوار تعمیر نہ کرائے اُسکا کام نہیں چل سکتا تو دیوار بنانا تبرع نہیں اور اگر شریک کو اس کام کا کرنا ضروری نہ ہو اور بغیر اجازت کریگا تو تبرع ہے۔ جس طرح دو شخصوں میں مکان مشترک ہے اور خراب ہو رہا ہے اسکی تعمیر ضروری ہے مگر بغیر اجازت جو خرچ کریگا اُس کا معاوضہ نہیں ملے گا کہ ہوسکتا ہے مکان تقسیم کرا کے اپنے حصہ کی مرمت کرالے پورے مکان کی مرمت کرانے کی اُسکو کیا ضرورت ہے۔ (درمختار)

شرکت سے جبری تقاضہ کرنے کے مواقع

تین جگہوں میں شریک کو مرمت و تعمیر پر مجبور کیا جائے گا۔ 1 وصی و 2 ناظرِ اوقاف اور اُس چیز کے قابل قسمت نہ ہونے میں۔ وصی کی صورت یہ ہے کہ دو نابالغ بچوں میں دیوار مشترک ہے جس پر چھت پٹی ہے اور دیوار کے گرنے کا اندیشہ ہے اور دونوں نابالغوں کے دو وصی ہیں ایک وصی مرمت کرانے کو کہتا ہے دوسرا انکار کرتا ہے قاضی ایک امین بھیجے گا اگر یہ بیان کرے کہ مرمت کی ضرورت ہے تو جو انکار کرتا ہے اُسے مرمت کرانے پر قاضی مجبور کریگا۔ اسی طرح اگر مکان دو وقفوں میں مشترک ہے جسکی مرمت کی ضرورت ہے اور ایک کا متولی انکار کرتا ہے تو قاضی اُسے مجبور کریگا۔ اور غیر قابل قسمت مثلاً نہر یا کوآں یا کشتی اور حمام اور چکی کہ ان میں مرمت کی ضرورت ہوگی تو قاضی جبراً مرمت کرائے گا۔ (ردمحتار، کتاب شرکت)

ایک شخص نے دوسرے کو اس طور پر مال دیا کہ اس میں کا آدھا اُسے بطور قرض دیا ہے اور دونوں نے اس روپیہ سے شرکت کی اور مال خریدا اور جس نے روپیہ دیا ہے وہ اپنے قرض کا روپیہ طلب کر رہا ہے اور ابھی تک مال فروخت نہیں ہوا کہ روپیہ ہوتا اگر فروخت تک انتظار کرے تو اچھا ہے ورنہ مال کی جو اس وقت قیمت ہو اُسکے حساب سے اپنے قرض کے بدلے میں مال لے لے۔ (درمختار، کتاب شرکت)

مشترک سامان لاد کر ایک شریک لے جا رہا ہے اور دوسرا شریک موجود نہیں ہے راستے میں بار برداری کا جانور تھک کر گر پڑا اور مال ضائع ہونے یا نقصان کا اندیشہ ہے اس نے شریک کی عدم موجودگی میں بار برداری کا دوسرا جانور کرایہ پر لیا تو حصہ کی قدر شریک سے کرایہ لے گا اور اگر مشترک جانور تھا جو بیمار ہوگیا شریک کی عدم موجودگی میں ذبح کر ڈالا اگر اُسکے بچنے کی اُمید تھی تو تاوان لازم ہے ورنہ نہیں اور شریک کے علاوہ کوئی اجنبی شخص ذبح کردے تو بہرحال تاوان ہے۔ اسی طرح چرواہے نے بیمار جانور کو ذبح کر ڈالا اور اچھے ہونے کی اُمید نہ تھی تو چرواہے پر تاوان نہیں ورنہ تاوان ہے۔ اور اجنبی پر بہرحال تاوان ہے۔
(خانیہ، کتاب شرکت)

حرام اشیاء کی خرید و فروخت کی ممانعت کا بیان

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں فتح مکہ والے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

فرماتے ہوئے سنا ":بلاشبہ اللہ تعالی اوراس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب، اور مردار، اور خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کردی ہے "تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مردار کی چربی کے متعلق بتائیں کیونکہ یہ چربی کشتیوں کولگائی جاتی ہے، اوراس سے چمڑا رنگا جاتا ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کرتے ہیں؟

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ": نہیں یہ حرام ہے" پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا ": اللہ تعالی یہودیوں کو تباہ و برباد کرے جب اللہ تعالی نے اس کی چربی حرام کی تو انہوں نے چربی کو پگھلایا اور فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔(صحیح بخاری حدیث نمبر(1212) صحیح مسلم حدیث نمبر(1581) جملوہ : کا معنی ہے کہ انہوں نے چربی کو پگھلالیا.

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: مردار، اور شراب، اور خنزیر کے بارہ میں مسلمان اس میں سے ہر ایک کی حرمت پر متفق ہیں اوراس کی حرمت پر اجماع ہے. قاضی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اس حدیث کے ضمن میں یہ بھی آتا ہے کہ : جس چیز کا کھانا اوراس سے نفع حاصل کرنا جائز نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اور نہ ہی اس کی قیمت کھانی جائز ہوگی، جیسا کہ حدیث میں مذکور چربی کے متعلق ہے۔(شرح مسلم(11 / .(8)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالی شراب کی حرمت میں احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ان سب احادیث سے حاصل یہ ہوا کہ : اللہ تعالی نے جس چیز سے نفع اٹھانا حرام کیا تو اس کی خرید وفروخت اوراس کی قیمت کھانی بھی حرام ہوگی، جیسا کہ اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا : بلاشبہ جب اللہ تعالی نے کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی قیمت بھی حرام کردی "اور یہ عام اور جامع کلمہ ہے جو ہر اس چیز کو دور کر دیتا ہے جس سے نفع حاصل کرنا حرام ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جس سے نفع حاصل ہو اور وہ چیز بھی بعینہ باقی رہے، مثلا بت، اس سے مقصود منفعت اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے اور یہ علی الاطلاق سب سے بڑی معصیت اور گناہ ہے، اوراس کے ساتھ شرکیہ کتب، اور جادو، اور بدعت وگمراہی بھی ملحق ہوتی ہے، اور اسی طرح حرام تصاویر اور حرام کردہ لہو ولعب کے آلات موسیقی وغیرہ بھی، اوراسی طرح گانے والی لونڈیوں کی خریداری بھی...

دوسری قسم: جس چیز سے نفع حاصل کیا جائے اور وہ چیز بھی ختم ہو جائے، جب اس کا سب سے بڑا مقصد حرام ہو تو اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہوگی، جیسا کہ خنزیر اور شراب اور مردار کی خرید وفروخت حرام ہے، باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض اشیاء میں۔ مثلا مجبور اور لاچار شخص کا مردار کھانا، اور شراب سے غصہ ختم کرنا، اور اوراس سے آگ بجھانا، اور کچھ لوگوں کے ہاں خنزیر کے بالوں سے سلائی کرنا، اور خنزیر کے بالوں اور چمڑے سے نفع اٹھانا اسے جائز کہنے والوں کے ہاں، - لیکن جب یہ مقصود نہ تھے تو اسے مدنظر نہیں رکھا گیا اوراس خرید وفروخت حرام کردی گئی. لیکن خنزیر اور مردار کا سب سے بڑا مقصد کھانا تھا، اور شراب کا مقصد پینا ہے، تو ان میں اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف التفات بھی نہیں کیا گیا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا گیا کہ : یہ بتائیں کہ یہ چربی کشتیوں کولگائی جاتی ہے، اوراس سے چمڑا رنگا جاتا ہے، اور لوگ اس سے چراغ روشن کرتے ہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ": نہیں یہ حرام ہے۔(جامع العلوم والحکم(1 / .(416 -415)

کتاب الوقف

﴿یہ کتاب وقف کے بیان میں ہے﴾

کتاب وقف کی فقہی مطابقت کا بیان

امام ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرکت کے بعد وقف کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں ایسے مال سے فائدہ حاصل کرنا ہے جو اصل مال سے زائد ہے۔ اور وقف مصدر ہے جس طرح "وقفت الدابة"

شمس الائمہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ غیر کی ملکیت سے مملوک کو روکنا ہے۔ اور اس کا سبب کامیابی حاصل کرنا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ واقف آزاد، بالغ، عاقل اور اس محل کا غیر منقول ہونا ہے اور اس کا رکن یہ ہے کہ یہ زمین صدقہ کے طور پر مساکین کیلئے وقف ہے (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۴۳۲، بیروت)

کتاب الوقف کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1730)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کا مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی ہے کہ اس جیسا مال مجھے کبھی نہیں ملا اور میرے نزدیک وہ سب سے محبوب چیز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین اپنے پاس روک رکھو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اس شرط پر وقف کیا کہ اس کی ملکیت نہ فروخت کی جائے نہ خریدی جائے اور نہ میراث بنے اور نہ ہبہ کی جائے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فقراء اور رشتہ داروں اور آزاد کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مہمانوں میں صدقہ کر دیا اور جو اس کا منتظم ہو وہ اس میں سے نیکی کے ساتھ کھائے یا اپنے دوستوں کو جمع کیے بغیر کھلائے راوی نے کہا میں نے یہ حدیث جب محمد بن سیرین کے سامنے بیان کی تو جب میں غیر متمول فیہ میں پہنچا تو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے غَیْرَ مُتَأَثِّلٍ فرمایا ابن عون نے کہا مجھے اس نے خبر دی جس نے یہ کتاب پڑھی کہ اس میں غَیْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا تھا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1731)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال غنیمت کے حصے کے طور پر ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خیبر میں اپنے حصے کی ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر وعمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں دیدوں اس لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمایئے (کہ میں اس بارے میں کیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کردو اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کردو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دیدیا یعنی اسے وقف کردیا کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں قرابتداروں کو نفع پہنچایا جائے غلاموں کی مدد کی جائے یعنی جس طرح مکاتب کو زکوۃ دیدی جاتی ہے تا کہ وہ اس کے ذریعے اپنے مالک کو بدل کتابت دے کر آزاد ہو جائے اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کی جائے اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال وزر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے۔

اور اس زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل وعیال کو کہ جو مستطیع نہ ہونے کی سبب سے اس کے زیر کفالت ہوں کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جبکہ وہ متولی اس وقف کی آمدنی سے مالدار نہ بنے یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو مذکورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی معمور کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں البتہ اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعے مالدار و متمول بن جائے چنانچہ ابن سیرین نے غیر متمول کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال وزر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 225)

یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائیداد مثلا زمین ومکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ وقف کرنیوالا بیشمار اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف جائیداد نہ فروخت کی جاسکتی ہے اور نہ ہبہ ہوسکتی ہے اور نہ کسی کی میراث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث وقف کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب وقف کرنیوالے کو برابر ملتا رہتا ہے۔

خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریبا ۶۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے اس علاقے میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس بستی پر مسلمانوں نے عنوۃ یعنی بزور طاقت فتح اور غلبہ حاصل کیا تھا

اسی موقع پر غانمین یعنی مال غنیمت لینے والے اس کی زمین و باغات کے مالک قرار پائے اور انہوں نے اسے آپس میں تقسیم کیا جس کا ایک حصہ حضرت عمر فاروق کو بھی ملا اپنے اسی حصے کی زمین کو انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کرنیوالے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس وقف سے بقدر ضرورت نفع حاصل کرے بایں طور کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی پر خرچ کرے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے مذکورہ وقف نامہ کی شرائط کی گویا توثیق فرما کر وقف کی آمدنی میں سے بقدر ضرورت حصہ اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اس کا متولی ہو اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وقف کرنیوالا اپنے وقف کا متولی ہوتا ہے۔

نیز اس بات کی دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ فرمایا کہ ایسا کوئی شخص ہے جو بیر رومہ مدینہ کا ایک کنواں جو ایک یہودی کی ملکیت تھا) خریدے جو شخص اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو اس کنویں میں اس شخص کا ڈول مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہوگا یعنی جس طرح عام مسلمان اس کنویں سے پانی حاصل کریں گے اسی طرح وہ شخص بھی اس سے پانی حاصل کرتا رہے گا چنانچہ حضرت عثمان غنی نے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

وقف کے صحیح ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ :لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْ الْوَقْفِ إلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُولَ إذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْت دَارِي عَلَى كَذَا .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ (يَزُولُ مِلْكُهُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا يَزُولُ حَتَّى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إلَيْهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :الْوَقْفُ لُغَةً .هُوَ الْحَبْسُ تَقُولُ وَقَفْت الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتهَا بِمَعْنًى .وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ :حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَّةِ .

ثُمَّ قِيلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُومَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُومِ لَا يَصِحُّ ، فَلَا يَجُوزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهُ ، وَهُوَ الْمَلْفُوظُ فِي الْأَصْلِ .وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَّةِ ، وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى حُكْمِ مُلْكِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهٍ تَعُودُ مَنْفَعَتُهُ إلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ .وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيحُ بِالدَّلِيلِ .

لَهُمَا (قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تُدْعَى ثَمْغًا :تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ) " وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ إلَى أَنْ يَلْزَمَ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ إلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ ، وَقَدْ أَمْكَنَ دَفْعُ حَاجَتِهِ بِإِسْقَاطِ الْمِلْكِ وَجَعْلِهِ لِلَّهِ تَعَالَى .إذْ لَهُ نَظِيرٌ فِي الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ فَيُجْعَلُ كَذَلِكَ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا حَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللَّهِ تَعَالَى) " وَعَنْ شُرَيْحٍ :جَاءَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِبَيْعِ الْحَبِيسِ لِأَنَّ الْمِلْكَ بَاقٍ فِيهِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ زِرَاعَةً وَسُكْنَى وَغَيْرَ ذَلِكَ وَالْمِلْكُ فِيهِ لِلْوَاقِفِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيهِ بِصَرْفِ غَلَّاتِهِ إلَى مَصَارِفِهَا وَنَصْبِ الْقُوَّامِ فِيهَا إلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِيهَ الْعَارِيَّةِ ، وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَا تَصَدُّقَ عَنْهُ إلَّا بِالْبَقَاءِ عَلَى مِلْكِهِ ، وَلِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ أَنْ يَزَالَ مِلْكُهُ ، لَا إلَى مَالِكٍ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ .بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إتْلَافٌ ، وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ ، وَهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :قَالَ فِي الْكِتَابِ :لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ ، وَهَذَا فِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيحٌ ؛ لِأَنَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ ، أَمَّا فِي تَعْلِيقِهِ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَزُولُ مِلْكُهُ إلَّا أَنَّهُ تَصَدَّقَ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًا فَيَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا فَيَلْزَمُ ، وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلَى ، فَأَمَّا الْمُحَكَّمُ فَفِيهِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقف سے وقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ حاکم اس کے ختم ہونے کا حکم جاری کردے۔ یا پھر وقف کرنے والا اس کو اپنی موت سے معلق کرتے ہوئے اس طرح کہہ دے کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا گھر فلاں شخص کیلئے وقف ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا وقف کرتے ہی اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا جب تک وقف کرنے والا کسی متولی بنا کر اس کے سپرد نہ کرے گا اس وقت ملکیت ختم نہ ہوگی۔

وقف کا لغوی معنی ہے روکنا۔لہذا'' وَقَفتُ الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتهَا '' دونوں کا ایک ہی معنی ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وقف کا شرعی معنی یہ ہے کہ کسی عین چیز کو واقف کی ملکیت سے روک کر اس کے منافع کو صدقہ کرنا وقف ہے جس طرح عاریت میں ہوتا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے منفعت معدوم ہوتی ہے اور معدوم کا صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے۔پس امام صاحب کے نزدیک وقف کرنا صحیح نہ ہوا اسی طرح مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے۔حالانکہ زیادہ صحیح یہ ہے وقف امام صاحب کے نزدیک بھی صحیح ہے مگر ضروری نہیں ہے جس طرح عاریت جائز ہے لیکن ضروری نہیں ہے۔

صاحبین کے نزدیک شرعی وقف کا معنی یہ ہے کہ کسی عین مال کو اللہ کی ملکیت پر روک رکھنا پس وقف شدہ چیز کی ملکیت وقف کرنے والے سے ختم ہو کر اللہ کی منتقل ہو جاتی ہے اس سبب کے ساتھ کہ اس کا نفع لوگوں کی طرف لوٹنے والا ہے۔پس ان ائمہ کے نزدیک وقف لازم ہو جائے گا جس طرح بیچنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا درست نہ ہوگا اور وقف کا لفظ دونوں معانی کو شامل ہے جبکہ ترجیح دلیل کی بنیاد پر ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر کے مقام پر واقع ایک ثمغ نامی شخص نے اپنی زمین کو صدقہ کرنا چاہا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اس زمین کی اصل صدقہ کر دو تا کہ اس کو دوبارہ فروخت نہ کیا جائے اور نہ ہی وراثت میں جائے اور نہ ہی ہبہ کی جا سکے۔کیونکہ بھی وقف کرنے والے کو وقف لازم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔تا کہ اس کو ہمیشہ اجر ملتا رہے۔اور اس کی ذات سے ملکیت کو ختم کرتے ہوئے اللہ کی ملکیت کو ثابت کرنا اس ضرورت کے تحت ممکن بھی ہے کیونکہ شریعت میں اس کی مثال مسجد کی شکل میں موجود ہے پس اسی طرح کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارکہ ہے کہ اللہ کے فرائض میں سے کسی بھی چیز میں روکنا نہیں ہے۔

حضرت شریح سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے آئے حبس کو بیچ دیا تھا کیونکہ موقوف چیز میں واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی دلیل کے سبب کہ کاشتکاری اور رہائش کے اعتبار سے واقف کیلئے وقف شدہ میں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔اور اس کی ملکیت واقف ہی کی رہے گی۔کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ واقف کو موقوف زمین کی آمدنی ان کے مصارف میں صرف کرنے کا حق حاصل ہے اور اوقاف کے مصارف کیلئے ناظم مقرر کرنے کا اختیار ہے البتہ واقف وقف کے منافع کو صدقہ کرتا ہے پس یہ عاریت کے مشابہ ہو جائے گا۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ وقف کرنے والا وقف کی آمدنی ہمیشہ صدقہ کرنے کا ضرورت مند ہوا کرتا ہے۔جبکہ وقف سے اس کی ملکیت نہ ہونے کے سبب وہ صدقہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔اور اسی طرح بغیر کسی مالک کے ملکیت کا زوال بھی ممکن نہیں ہے۔کیونکہ کسی

چیز کا باقی ہونا اور اس کا مالک نہ ہو تو اس طرح مشروع ہی نہیں ہے۔ جس طرح سانڈ وغیرہ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے بہ خلاف اتفاق کے کیونکہ اتلاف ہے۔ بہ خلاف مسجد کے کیونکہ مسجد اللہ کیلئے بنائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے جب تک وقف چیز سے واقف کا حق ختم نہ ہو جائے پس وقف اللہ کیلئے نہ ہوا۔

امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول'' لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ '' یہ حاکم کیلئے درست ہے کیونکہ یہ اختلافی مسئلہ کا فیصلہ ہے البتہ موت پر معلق کرنے کی صورت میں یہ صحیح ہے کہ واقف کی ملکیت ختم نہ ہوگی جبکہ اس نے ہمیشہ کیلئے اس کا نفع صدقہ کر دیا ہے پس یہ ہمیشہ کیلئے صدقہ وصیت کے مرتبے میں ہو جائے گا پس اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی لازم ہو جائے گا۔ اور حاکم سے مراد وہ بندہ ہے جس کو بادشاہ کی جانب سے فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہو البتہ وہ حاکم جس کو لوگوں نے منتخب کیا ہے تو اس کے بارے میں مشائخ فقہاء کا اختلاف ہے۔

وقف کے سبب عدم زوال ملکیت میں جمہور فقہاء کا مؤقف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خیبر کی اپنی زمین) وقف کی اور فرمایا کہ اگر اس میں سے اس کا متولی بھی کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں آپ نے اس کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی کہ خود آپ ہی اس کے متولی ہوں گے یا کوئی دوسرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنی زمین (باغ بیرحاء صدقہ کرنا چاہتے ہو تو) اپنے عزیزوں کو دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عزیزوں اور چچا کے لڑکوں میں بانٹ دیا۔

تو معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا اپنے وقف کو اپنے قبضہ میں بھی رکھ سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے

اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک وقف اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک مال وقف کو اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضے میں نہ دے۔ جمہور کی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے افعال ہیں ان سب نے اپنے اوقاف کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا۔ اس کا نفع خیرات کے کاموں میں صرف کرتے۔ باب کے تحت ذکر کردہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی متولی رہ سکتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ متولی ہو سکے تو ان کو اس میں سے کھانا بھی درست ہوگا، باب کا یہی مطلب ہے۔ اس لئے وقف کو عام اور خاص دو قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے جس سے مراد وہ اوقاف ہوتے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ تو امور دینی اور کارہائے خیر میں امداد کرنا ہے اور کچھ خاص اشخاص یا خاص کسی جماعت کی نفع رسانی ہے۔ وقف خاص جن کا مقصود اصلی واقف کے عیال و اطفال یا اقرباء کے لئے آذوقہ مہیا کرنا ہو، لغوی معنی وقف کے باندھ دینا، حبس کر دینا ہے اور اصل میں یہ لفظ گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کے باندھنے میں استعمال کیا جاتا ہے اور علمائے اسلام کی اصطلاح میں وقف سے مراد کسی کار خیر کے لئے اپنا مال دے دینا۔ وقف کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ کسی جائداد مثل اراضی و مکانات وغیرہ کے حق ملکیت سے دست بردار ہو کر راہ خدا میں اس کو اس طرح سے دے دینا کہ بندگان خدا کو

اس سے فائدہ ہو جبکہ مال موقوف وقف کرنے کے وقت واقف کا اپنا ہو۔ واقف اپنے قبض وملک کی شرط بھی لگا سکتا ہے۔ کسی دوسرے مقام پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کے جانور کو ہانک رہا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قربانی کا جانور ہے، آپ نے تیسری بار یا چوتھی بار فرمایا کہ اے بیوقوف !اس پر سوار ہو جا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 27)

وقف کی تعریف

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وقف کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی ملک کر دینا اسطرح کہ اُسکا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔ (فتاویٰ عالم گیری، کتاب الوقف)

اصل چیز روک کر اس سے حاصل ہونے والا نفع خرچ کرنا وقف کہلاتا ہے. اصل سے مراد وہ چیز ہے جو بعینہ بچی رہے اور اس کا نفع خرچ کیا جا سکے، مثلا گھر، اور دوکانیں، اور باغات وغیرہ. اور نفع سے مراد وہ غلہ ہے جو اصل سے حاصل ہو مثلا پھل اور اجرت اور گھروں میں رہائش وغیرہ کرنا۔

کسی بھی چیز کی اصل کو روک کر رکھنے اور اس میں ہبہ یا وراثت کے تصرف نہ کرنے بلکہ کسی بھی قسم کا تصرف نہ کرنے کو وقف کہا جاتا ہے تاکہ اس چیز کے نفع کو وقف کرنے والے کی ارادہ کے مطابق خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جا سکے۔

وقف کا حکم کا بیان

یہ ایسی نیکی ہے جو اسلام میں مستحب ہے، اس کی دلیل صحیح حدیث میں موجود ہے۔ صحیحین میں عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر کا کچھ مال ملا ہے، مجھے اس سے بہتر مال کبھی حاصل نہیں ہوا، آپ اس کے متعلق مجھے کیا حکم دیتے ہیں: تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ":اگر تم چاہو تو اس کی اصل روکے رکھو اور اسے صدقہ کر دو، لیکن یہ ہے کہ اس اصل کو نہ تو ھبہ کیا جائے گا، اور نہ وہ وراثت بنے گا" تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے فقراء و مساکین اور رشتہ داروں اور اللہ کے راستے، اور مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ":جب آدم کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل رک جاتے ہیں، صرف تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے اس کے بعد نفع بھی حاصل کیا جاتا رہے، یا نیک اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے"

اور جابر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ: (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی وقف کے علاوہ کسی کی بھی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:(بلند و بالا عمارتیں اور خاص مساجد وقف کرنے میں آئمہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں،اس کے علاوہ میں ان کا اختلاف ہے۔

وقف کی شرائط کا بیان

وقف کرنے کے لیے شرط ہے کہ وہ جائز التصرف ہو،یعنی اس کا تصرف کرنا جائز ہو؛وہ اس طرح کہ وقف کرنے والا شخص بالغ،آزاد،اور عقلمند و سمجھدار ہو،لھذا بچے،بیوقوف،اور غلام کا وقف صحیح نہیں ہوگا.

وقف دو امور میں سے ایک کے ساتھ ہوگا:

پہلا :وقف پر دلالت کرنے والا قول؛مثلا وہ یہ کہیکہ :میں نے یہ جگہ وقف کی یا اسے مسجد بنایا.

دوسرا:انسان کے عرف میں وقف پر دلالت کرنے والا کام :مثلا اس شخص کی طرح جس نے اپنے گھر کو مسجد بنا دیا،اور اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے دی،یا اس نے اپنی زمین کو قبرستان بنا کر لوگوں کو وہاں دفن کرنے کی اجازت دے دی.

وقف کے الفاظ کی اقسام

پہلی قسم:صریح الفاظ:مثلا وہ یہ کہے کہ :وقفت (وقف کر دیا) حبست،(میں نے روک لیا) سبلت (میں نے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا) سمیت (میں نے اللہ کے نام دیا) یہ صریح الفاظ ہیں؛کیونکہ وقف کے علاوہ کسی معنی کا احتمال نہیں؛لھذا جب ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی ادا کیا تو اس کے ساتھ کوئی اور معاملہ زیادہ کیے بغیر ہی وقف ہو جائے گا.

دوسری قسم: کنایہ کے الفاظ:مثلا وہ یہ کہے :تصدقت (میں نے صدقہ کیا) حرمت (میں نے حرام کیا) ابدت (میں نے ہمیشہ کر دیا) یہ کنایہ کے الفاظ ہیں،کیونکہ یہ وقف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی محتمل ہے.

لھذا جب بھی اس نے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بولا تو اس کے ساتھ وقف کی نیت کی شرط لگائی جائے گی،یا اس کے ساتھ کوئی صریح لفظ بولا جائے گا،یا اس کے ساتھ کنایہ کیدوسرے الفاظ میں سے کئی لفظ.

صریح الفاظ کے ساتھ ملا کر بولنے کی مثال یہ ہے کہ مثلا وہ اس طرح کہے:

تصدقت بكذا صدقة موقوفة او محبسة او مسبلة اور مؤبدة (میں نے وقف صدقہ کیا،یا روکا ہوا یا خیرات کیا ہوا،یا ہمیشہ کے لیے

اور کنایہ کا لفظ وقف کے حکم کے ساتھ ملانے کی مثال یہ ہے کہ وہ اس طرح کہے:تصدقت بكذا صدقة لا تباع و لا تورث میں نے ایسا صدقہ کیا جو نہ تو فروخت ہو سکتا ہے اور نہ ہی وراثت بن سکتا ہے۔

وقف صحیح ہونے کی شرائط کا بیان

اول: جس طرح بیان کیا جا چکا ہے کہ وقف کرنے والا تصرف کرنے کا اہل اور مجاز ہو.

دوم: وقف کی جانے والی چیز ایسی ہو جس کا فائدہ مستقل طور پر اٹھایا جائے، اور اس کی اصل باقی رہے؛ لھذا ایسی چیز وقف کرنی صحیح نہیں جو فائدہ حاصل کرنے کے بعد باقی نہ رہے، مثلا کھانا، اور غلہ وغیرہ

سوم: وقف کی جانے والی چیز معین ہو؛ لھذا غیر معین چیز وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا، جس طرح کوئی یہ کہے: میں نے اپنے غلاموں اور عمارتوں میں سے کوئی غلام اور گھر وقف کیا۔

چہارم: وقف نیکی پر ہو؛ کیونکہ وقف کا مقصد اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا ہے؛ مثلا مساجد اور عمارتیں، اور رہائش گاہیں، اور کنویں اور نل وغیرہ، علمی کتب، مشکیں، لھذا نیکی کے علاوہ کسی اور کام کے لیے وقف کرنا صحیح نہیں؛ مثلا کفار کی عبادت گاہوں کے لیے وقف کرنا، اور ملحدوں زندیق اور بے دین لوگوں کی کتابیں، اور درباروں کی روشنی یا اسے تعمیر کرنے کے لیے وقف کرنا، اور کیونکہ یہ سب کچھ معصیت و شرک اور کفر میں معانت ہے.

پنجم: وقف کے صحیح ہونے میں شرط ہے کہ اگر معین چیز ہو تو اس معین چیز کی ملکیت کا ثبوت ہونا شرط ہے، کیونکہ وقف ملکیت ہوتی ہے، لھذ. جو مالک ہی نہیں اس پر وقف صحیح نہیں، مثلا میت اور جانور.

ششم: وقف صحیح ہونے میں شرط یہ ہے کہ: وقف پورا ہو، لھذا معلق اور مؤقت وقف کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی اپنی موت کے ساتھ وقف معلق کرتا ہے تو یہ جائز ہوگا.

مثلا وہ یہ کہے: جب میں مر جاؤں تو میرا گھر فقراء پر وقف ہے. اس کی دلیل ابوداود کی مندرجہ ذیل حدیث ہے: عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے وصیت کی کہ اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ان کی ثمغ نامی زمین صدقہ ہے. اور یہ مشہور ہو گیا اور کسی نے بھی اس پر انکار نہیں کیا، تو یہ اجماع تھا، اور موت پر معلق وقف مال کے ثلث میں سے ہونا چاہیے، کیونکہ یہ وصیت کے حکم میں ہوگا.

اور وقف کے احکام میں یہ شامل ہے کہ: وقف کرنے والے کی شرط کے مطابق اس وقف میں کام کرنا واجب ہے، لیکن اگر شریعت کے مخالف ہو تو پھر نہیں، بلکہ اسے نیکی کے کام میں صرف کیا جائے گا، اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "مسلمان اپنی شروط پر قائم رہتے ہیں، لیکن ایسی شرط جو حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کر دے" (یعنی اس پر عمل نہیں ہوگا)

اور اس لیے بھی کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے وقف کیا اور اس کے لیے شرط بھی رکھی، اور اگر اس کی شرط پر عمل کرنا واجب نہ ہو تو اس میں کوئی فائدہ ہی نہیں، اور اگر اس میں اس نے مقدار یا مستحقین میں سے کسی کو کسی ایک یا سب پر مقدم رکھنے کی شرط رکھی، یا مستحق میں کسی وصف کے معتبر ہونے کی شرط لگائی، یا کسی وصف کے نہ ہونے کی شرط لگائی، یا وقف پر نگرانی کی شرط رکھی، یا اس کے علاوہ تو جب تک وہ شرط کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اس شرط پر عمل کیا جائے گا. اور اگر وہ کوئی شرط نہ رکھے تو پھر مالدار اور فقیر مرد و عورت، سب وقف کی گئی چیز میں برابر ہونگے.

اور جب وقف کرنے والا وقف نے نگران کی تعیین نہ کرے، یا اس نے کسی شخص کو متعین کیا اور مر گیا، تو متعین ہونے کی صورت میں نگرانی ہوگی، اور اگر وقف کسی ادارے وغیرہ پر ہو یعنی مساجد یا ان کے لیے وقف ہو جن کا شمار ممکن نہ ہو مثلا مساکین، تو پھر نگرانی حاکم وقت خود کرے گا، یا جس کو وہ مقرر کرے.

نگران کو اللہ تعالی کا ڈر اور تقوی اختیار کرتے ہوئے وقف کی نگرانی اچھے اور احسن انداز میں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اس کے ذمہ امانت ہے.

اور جب وہ اپنی اولاد پر وقف کرے تو اس کے مستحقات میں مرد وعورت سب برابر ہونگے، کیونکہ یہ ان سب میں مشترکہ ہے، اور شراکت کا اطلاق استحقاق میں برابری کا متقاضی ہے؛ جس طرح اگر اس نے ان کے لیے کوئی چیز مقرر کر دی تو وہ ان کے درمیان برابر ہوگی؛ تو اسی طرح جب اس نے ان پر کوئی چیز وقف کی، پھر اس کی صلبی اولاد کے بعد وقف ان کے بیٹوں کی اولاد پوتے پوتیوں میں منتقل ہو جائے گا، نہ کہ بیٹی کی اولاد میں، کیونکہ وہ تو کسی اور آدمی کی اولاد میں سے ہیں، لھذا تو اپنے باپ کی طرف منسوب ہونگے، اور اس لیے بھی کہ وہ مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی کے تحت نہیں:

فرمان باری تعالی ہے: (اللہ تعالی تمہیں تمہاری اولاد کے بارہ میں وصیت کرتا ہے).

اور کچھ علماء کرام ایسے بھی ہیں جو انہیں لفظ اولاد میں شامل کرنے کی رائے رکھتے ہیں؛ کیونکہ بیٹیاں بھی اولاد ہیں، تو اس طرح طرح اولاد کی اولاد اس کی حقیقی اولاد ہے . واللہ تعالی اعلم

اور اگر وہ یہ کہے: میرے بیٹوں پر وقف ہے، یا فلاں کے بیٹوں پر، وقف کو ان کے صرف مردوں کے خاص کر دیا؛ کیونکہ لفظ بنین حقیقتا اسی کے وضع کیا گیا ہے.

فرمان باری تعالی ہے: (کیا اس کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے).

لیکن یہ ہے کہ جن کے لیے وقف کیا گیا ہے اگر وہ قبیلہ ہو؛ مثلا بنو ہاشم، اور بنو تمیم، تو اس میں عورتیں بھی داخل ہونگی؛ کیونکہ قبیلے کا نام مرد وعورت دونوں کو شامل ہے۔

لیکن اگر اس نے جماعت، اور گروہ جن کا شمار ممکن ہو کے لیے وقف کیا؛ تو انہیں عام رکھنا، اور ان میں برابری قائم کرنا واجب ہے، اور اگر ان کا شمار ناممکن ہو مثلا بنو ہاشم، ار بنو تمیم؛ تو پھر انہیں عام رکھنا واجب نہیں؛ کیونکہ یہ ناممکن ہے، اور ان کے بعض افراد پر ہی اقتصار کرنا، اور کچھ کو دوسروں پر فضیلت دینا جائز ہے۔

اور وقف ایسی چیز ہے جو ان معاہدوں میں سے ہے جو صرف قول سے ہی لازم ہو جاتا ہے، جس کا فسخ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ":اس کی فروخت نہیں کی جائے، اور نہ ہبہ ہوگی اور نہ ہی وراثت بنے گی."

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اہل علم کے ہاں اس حدیث پر عمل ہے.

لھذا اس کا فسخ اور ختم کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے، اور نہ ہی فروخت کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی آپس میں اسے

منتقل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اس کا فائدہ مکمل طور پر تعطل کا شکار ہو جائے، مثلاً گھر منہدم ہو گیا، اور وقف کی آمدن سے اسے تعمیر کرنا ناممکن ہو، یا زرعی زمین خراب ہو جائے، اور بے آباد ہو جائے، جس کو وادی کے کناروں کے ساتھ آباد کرنا بھی ناممکن ہو، یا وقف کی آمدن میں بھی اتنا کچھ نہ ہو جو اسے آباد کر سکے، تو اس حالت میں ہو جانے والا وقف فروخت کر دیا جائے گا، اور اس کی قیمت اسی طرح کے وقف میں صرف کی جائے گی؛ کیونکہ یہ وقف کرنے والے کے مقصد کے زیادہ قریب ہے، اور اگر مکمل اس جس طرح کا حصول ناممکن ہو، تو پھر اس سے ملتے جلتے میں صرف کر دیا جائے؛ اور اس کے بدلے میں دوسری چیز صرف خریدنے سے ہی وقف بن جائے گی۔

مریض کا حالت مرض میں وقف کرنے کا بیان

وَلَوْ وَقَفَ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ: هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ إلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنْ الثُّلُثِ وَالْوَقْفُ فِي الصِّحَّةِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَإِذَا كَانَ الْمِلْكُ يَزُولُ عِنْدَهُمَا يَزُولُ بِالْقَوْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إسْقَاطُ الْمِلْكِ.

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا بُدَّ مِنْ التَّسْلِيمِ إلَى الْمُتَوَلِّي لِأَنَّهُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِيهِ فِي ضِمْنِ التَّسْلِيمِ إلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُودًا، وَقَدْ يَكُونُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ.

ترجمہ

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا اور جب مریض مرض الموت میں وقف کیا ہے تو یہ موت کے بعد وصیت کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ وقف لازم نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ وقف لازم ہے۔ البتہ اس کا اعتبار تہائی سے کیا جائے گا جبکہ حالت صحت کا وقف پورے مال میں نافذ ہوا کرتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف وقفت (میں نے وقف کیا) کہنے سے ہی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

کیونکہ اعتاق کی طرح یہ ملکیت کو ساقط کرنے والا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ملکیت کے ختم ہونے کیلئے متولی کے ہاں سپرد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وقف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور بندے کی جانب سے ضمنی طور پر اس میں اللہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ لہذا اس ذات کا

بطور ارادہ مالک بنانا درست نہیں ہے۔ پس بندے کے ذریعے سے اللہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس میں تملیک کا حکم ہوگا جس طرح صدقہ اور زکوۃ میں تملیک کا حکم ہوا کرتا ہے۔

موت کے وقف کو معلق کرنے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مریض نے کہا اگر میں اس مرض سے مر جاؤں تو میری یہ زمین وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں اور اگر یہ کہا کہ میں مر جاؤں تو میری اس زمین کو وقف کر دینا یہ وقف کے لیے وکیل کرنا ہے اس کے مرنے کے بعد وکیل نے وقف کیا تو صحیح ہو گیا کہ وقف کے لیے توکیل درست ہے اور توکیل کو شرط پر معلق کرنا بھی درست ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر میں اس گھر میں جاؤں تو میرا مکان وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں اور اگر یہ کہتا کہ میں اس گھر میں جاؤں تو تم میرے مکان کو وقف کر دینا تو وقف صحیح ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الوقف)

یعنی اُس صورت میں صحیح ہے کہ وہ زمین اس کے ترکہ کی تہائی کے اندر ہو یا ورثہ اس وقف کو جائز کر دیں اور ورثہ جائز نہ کریں تو ایک تہائی وقف ہے باقی میراث کہ یہ وقف وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت تہائی تک جاری ہوگی بغیر اجازت ورثہ تہائی سے زیادہ میں وصیت جاری نہیں ہو سکتی۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے کہا اگر میں مر جاؤں تو میرا مکان فلاں پر وقف ہے یہ وقف نہیں بلکہ وصیت ہے یعنی وہ شخص اگر اپنی زندگی میں باطل کرنا چاہے تو باطل ہو سکتی ہے اور مرنے کے بعد یہ وصیت ایک تہائی میں لازم ہوگی ورثہ اس کو رد نہیں کر سکتے اگرچہ وارث ہی پر وقف کیا ہو مثلاً یہ کہا کہ میں نے اپنے فلاں لڑکے اور نسلاً بعد نسل اُسکی اولاد پر وقف کیا اور جب سلسلہ نسل منقطع ہو جائے تو فقرا و مساکین پر صرف کیا جائے تو اس صورت میں دو تہائی ورثہ لینگے اور ایک تہائی کی آمدنی تنہا موقوف علیہ لے گا اُس کے بعد اُس کی اولاد لیتی رہے گی۔ (درمختار، کتاب الوقف)

ایک تہائی پر وقف کے اطلاق کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرض الموت میں اپنے اموال کی ایک تہائی وقف کر سکتا ہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ تہائی سے زیادہ کا وقف کیا اور اسکا کوئی وارث نہیں تو جتنا وقف کیا سب جائز ہے اور وارث ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر ورثہ جائز کر دیں تو جو کچھ وقف کیا سب صحیح و نافذ ہے اور ورثہ انکار کریں تو ایک تہائی کی قدر کا وقف درست ہے اس سے زیادہ کا باطل اور اگر ورثہ میں اختلاف ہوا بعض نے وقف کو جائز رکھا اور بعض نے رد کر دیا تو ایک تہائی وقف ہے اور اس سے زیادہ میں جس نے جائز رکھا اُس کا حصہ وقف ہے اور جس نے رد کر دیا اُس کا حصہ وقف نہیں، مثلاً ایک شخص کی نو بیگھہ زمین تھی اور کل وقف کر دی، اُسکے تین لڑکے ہیں ایک لڑکا باپ کے وقف کو جائز رکھتا ہے اور دو نے رد کر دیا تو پانچ بیگھے وقف کے ہوئے اور چار بیگھے دو لڑکوں کو ترکہ میں ملیں گے کہ تین بیگھے تو تہائی کی سبب سے وقف ہوئے اور دو بیگھے اُس لڑکے کے حصہ کے جس نے جائز رکھا ہے

اور اگر اس صورت میں چھ بیگھے وقف کرے تو چار بیگھے وقف ہونگے۔ (ردالمحتار، کتاب وقف)

مریض نے وقف کیا تھا ورثہ نے جائز نہیں رکھا اس سبب سے ایک تہائی میں قاضی نے وقف کو جائز کیا اور دو تہائی میں باطل کر دیا اسکے بعد واقف کے کسی اور مال کا پتہ چلا کہ یہ کل جائداد جس کو وقف کیا ہے اُسکی تہائی کے اندر ہے تو اگر وہ دو تہائیاں جو ورثہ کو دی گئی تھیں ورثہ کے پاس موجود ہوں تو کل وقف ہے اور اگر وارثوں نے بیع کر ڈالی ہے تو بیع درست ہے مگر اتنی ہی قیمت کی دوسری جائداد خرید کر وقف کر دی جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، خانیہ)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مریض نے اپنی کل جائداد وقف کر دی اور اُسکی وارث صرف زسبب ہے اگر اس نے وقف کو جائز کر دیا جب تو کل جائداد وقف ہے ورنہ کل مال کا چھٹا حصہ زسبب پائیگی باقی پانچ حصے وقف ہیں۔ (بحرالرائق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مریض پر اتنا دَین ہے کہ اُسکی تمام جائداد کو گھیرے ہوئے ہے اس نے اپنی جائداد وقف کر دی تو وقف صحیح نہیں بلکہ تمام جائداد بیچ کر دَین ادا کیا جائے گا اور تندرست پر ایسا دَین ہوتا تو وقف صحیح ہوتا مگر جبکہ حاکم کی طرف سے اُسکے تصرفات روک دیے ہوں تو اس کا وقف بھی صحیح نہیں۔ راہن نے جائداد مرہونہ وقف کر دی اگر اسکے پاس دوسرا مال ہے تو اُس سے دین ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور وقف صحیح ہوگا اور دوسرا مال نہ ہو تو مرہون کو بیع کر کے دین ادا کیا جائے گا اور وقف باطل ہے۔ (درمختار، کتاب وقف)

مریض نے ایک جائداد وقف کی جو تہائی کے اندر تھی مگر اُسکے مرنے سے پہلے مال ہلاک ہو گیا کہ اب تہائی سے زائد ہے یا مرنے کے بعد مال کی تقسیم ہو کر ورثہ کو نہیں ملا تھا کہ ہلاک ہو گیا تو اس کی ایک تہائی وقف ہوگی۔ اور دو تہائیوں میں میراث جاری ہوگی۔ مریض نے زمین وقف کی اور اس میں درخت ہیں جن میں واقف کے مرنے سے پہلے پھل آئے تو پھل وقف کے ہیں اور اگر جس دن وقف کیا تھا اُسی دن پھل موجود تھے تو یہ پھل وقف کے نہیں بلکہ میراث ہیں کہ ورثہ پر تقسیم ہونگے۔

مریض نے بیان کیا کہ میں وقف کا متولی تھا اور اُسکی اتنی آمدنی اپنے صرف میں لایا، لہذا یہ رقم میرے مال سے ادا کر دی جائے یا یہ کہا کہ میں نے اتنے سال کی زکاۃ نہیں دی ہے میری طرف سے زکاۃ ادا کی جائے اگر ورثہ اُسکی بات کی تصدیق کرتے ہوں تو وقف کا روپیہ جمیع مال سے ادا کیا جائے یعنی وقف کا روپیہ ادا کرنے کے بعد کچھ بچے تو وارثوں کو ملے گا ورنہ نہیں اور زکاۃ تہائی مال سے ادا کی جائے یعنی اِس سے زیادہ کے لیے وارث مجبور نہیں کیے جاسکتے اپنی خوشی سے کل مال ادائے زکاۃ میں صرف کر دیں تو کر سکتے ہیں اور اگر وارث اسکے کلام کی تکذیب کرتے ہیں کہتے ہیں اس نے غلط بیان کیا تو وقف اور زکاۃ دونوں میں تہائی مال دیا جائے گا مگر تکذیب کی صورت میں وقف کا متولی و منتظم وارثوں پر حلف دے گا کہ قسم کھائیں ہمیں نہیں معلوم ہے کہ جو کچھ مریض نے بیان کیا وہ سچ ہے اگر قسم کھالیں گے تہائی مال تک وقف کے لیے لیا جائے گا اور قسم سے انکار کریں تو وقف کا روپیہ جمیع مال سے لیا جائے گا اور زکاۃ بہرصورت ایک تہائی سے ادا کرنی ضروری ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

صحت میں وقف کیا تھا اور متولی کے سپرد کر دیا تھا مگر اُس کی آمدنی کو صرف کرنا اپنے اختیار میں رکھا تھا کہ جس کو چاہے

گا دے گا واقف نے مرتے وقت وصی سے یہ کہا کہ اسکی آمدنی کا پچاس روپیہ فلاں کو دینا اور سو روپیہ فلاں کو دینا اور وصی سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم جو مناسب دیکھنا کرنا اور واقف مرگیا اور اُسکا ایک لڑکا تنگدست ہے تو بہ نسبت اوروں کے اس لڑکے کو دینا بہتر ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

موقوف کا واقف کی ملکیت سے نکل جانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ) وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ :وَإِذَا اُسْتُحِقَّ مَكَانَ قَوْلِهِ إذَا صَحَّ (خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهُ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ ، وَلِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَهُ لَمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرْطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :قَوْلُهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُمَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَبَقَ تَقْرِيرُهُ .

ترجمہ

فرمایا: جب اختلاف فقہاء کے باوجود وقف درست ہے تو موقوف چیز واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی مگر وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہوگئی تو اس پر موقوف نہ رہے گا البتہ اس میں بیع نافذ ہو جائے گی۔ جس طرح دوسری املاک میں نافذ ہوا کرتی ہے کیونکہ جب موقوف علیہ وقف کا مالک بن جائے تو پہلے مالک وہ وقف شرط کے سبب موقوف علیہ کی طرف منتقل نہ ہوتا جس طرح اس کی دوسری املاک منتقل نہیں ہوتیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول واقف کی ملکیت سے خارج ہونا یہ صاحبین کے موقف کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ اسی اختلاف کے سبب جس کی تقریر پہلے ذکر کردی گئی ہے۔

مشترکہ زمین وقف کرنے کی تقسیم کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مشترک زمین وقف کی اور تقسیم یوں ہوئی کہ ایک حصہ کے ساتھ کچھ روپیہ بھی ملتا ہے اگر وقف میں یہ حصہ مع روپیہ کے لیا جائے کہ شریک اتنا روپیہ بھی دیگا تو وقف میں یہ حصہ لینا جائز نہ ہوگا کہ وقف کو بیع کرنا لازم آتا ہے اور اگر وقف میں دوسرا حصہ لیا جائے اور واقف اپنے شریک کو وہ روپیہ دے تو جائز ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وقف کے علاوہ اُس روپے سے کچھ زمین خرید لی اور اس روپے کے مقابل جتنا حصہ ملے گا وہ اسکی ملک ہے وقف نہیں ہے۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب وقف)

اصل کی ملکیت پر فرع وقف کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو خیبر میں جو ایک سو حصے ملے ہیں اس قسم کا مال و دولت آج تک مجھ کو نصیب نہ ہو سکا اور وہ مال و دولت مجھ کو بہت پسندیدہ بھی ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس کو صدقہ خیرات کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اصل اپنے پاس رکھو اور پھل راہ خدا میں دے دو۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1544)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اس قسم کی دولت مل گئی ہے کہ آج تک اس قسم کا مال و دولت کبھی حاصل نہیں ہوا۔ میرے پاس سو اونٹ وغیرہ تھے جن کو دے کر میں نے اہل عرب سے کچھ زمین خریدی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے اللہ کا تقرب حاصل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمین کو اپنے پاس رکھو اور اس کے منافع کو راہ خدا میں وقف کردو۔

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1545)

مشترکہ چیز کے وقف کا بیان

قَالَ (وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ) لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتُهُ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَا مَا يَتِمُّ بِهِ ، وَهَذَا فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ، وَأَمَّا فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوزُ مَعَ الشُّيُوعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ بِالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ ، فَإِنَّهُ لَا يَتِمُّ مَعَ الشُّيُوعِ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّرِكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوصَ لِلَّهِ تَعَالَى ، وَلِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ فِيهِمَا فِي غَايَةِ الْقُبْحِ بِأَنْ يُقْبَرَ فِيهِ الْمَوْتَى سَنَةً ، وَيُزْرَعَ سَنَةً وَيُصَلَّى فِيهِ فِي وَقْتٍ وَيُتَّخَذَ إِصْطَبْلًا فِي وَقْتٍ ، بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الِاسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ .

ترجمہ

فرمایا: حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک مشترکہ چیز کا وقف جائز ہے کیونکہ تقسیم کرنا یہ قبضہ مکمل ہونے میں سے ہے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک مشاع پر قبضہ شرط نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لوازمات ضروری ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مشاع کا وقف جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں اصل میں قبضہ شرط ہے پس اس کو پورا کرنے والی چیز پر بھی قبضہ شرط ہوگا۔ اور یہ اختلاف اس چیز کے بارے میں جو تقسیم کے لائق ہو مگر جب جو چیز تقسیم کے قابل ہی نہیں ہے اس میں امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی مشاع کا وقف جائز ہے۔ کیونکہ آپ نے اس میں حوالے کردہ ہبہ اور صدقہ پر قیاس کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک مسجد اور قبرستان کا استثنیٰ کیا گیا ہے کیونکہ وہ تقسیم کے قابل نہیں ہیں اور ان کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے مشاع کے جواز کے باوجود وقف جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شرکت کا باقی رکھنا یہ اللہ کیلئے خاص کرنے کو مانع ہے۔ کیونکہ مسجد و مقبرہ میں مہایات کا معین نہایت بری بات ہے کیونکہ ایک سال میں مردوں کا دفن کیا جائے اور ایک سال اس میں زراعت کی جائے اور ایک وقت اس میں نماز پڑھی جائے اور دوسرے وقت میں اس کو اصطبل بنا دیا جائے۔ بہ خلاف وقف کے کیونکہ اس میں کرایہ اور غلہ تقسیم ممکن ہے۔

مشاع کا فقہی مفہوم

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ مشاع اُس چیز کو کہتے ہیں جسکے ایک جزو غیر متعین کا یہ مالک ہو یعنی دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو یعنی دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابل قسمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابل انتفاع باقی رہے جس طرح زمین، مکان۔ دوسری غیر قابل قسمت کہ تقسیم کے بعد اس قابل نہ رہے جس طرح حمام، چکی، چھوٹی سی کوٹھری کہ تقسیم کر دینے سے ہر ایک کا حصہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔ مشاع غیر قابل قسمت کا وقف بالا تفاق جائز ہے اور قابل قسمت ہو اور تقسیم سے پہلے وقف کرے تو صحیح یہ ہے کہ اسکا وقف جائز ہے اور متاخرین نے اِسی قول کو اختیار کیا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ میں) مسجد بنانے کا حکم دیا اور بنی نجار سے فرمایا تم اپنے اس باغ کا مجھ سے مول کرلو۔ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم ہم تو اللہ ہی سے اس کا مول لیں گے۔

(بخاری، رقم الحدیث، 6771 :)

گویا نجار نے اپنی مشترکہ زمین مسجد کیلئے وقف کر دی تو باب کا مطلب نکل آیا لیکن ابن سعد نے طبقات میں واقدی سے یوں روایت کی ہے کہ آپ نے یہ زمین دس دینار میں خریدی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کی۔ اس صورت میں بھی باب کا مقصد نکل آئے گا اس طرف سے کہ پہلے بنی نجار نے اس کو وقف کرنا چاہا اور آپ نے اس پر انکار نہ کیا۔ واقدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے قیمت اسلئے دی کہ دو یتیم بچوں کا بھی اس میں حصہ تھا۔

وقف کے بعد حقدار کے حصے کا بیان

وَلَوْ وَقَفَهُ الْكُلَّ ثُمَّ اُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِي عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الشُّيُوعَ مُقَارِنٌ كَمَا فِي الْهِبَةِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثُّلُثَيْنِ

بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيضِ وَقَدْ وَهَبَهُ أَوْ أَوْقَفَهُ فِي مَرَضِهِ وَفِي الْمَالِ ضِيقٌ ، لِأَنَّ الشُّيُوعَ فِي ذَلِكَ طَارِئٌ . وَلَوْ اسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِي لِعَدَمِ الشُّيُوعِ وَلِهَذَا جَازَ فِي الِابْتِدَاءِ ، وَعَلَى هَذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوكَةُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایک مکمل چیز وقف کردی اس کے بعد اس کے ایک حصے کا کوئی حقدار نکل آیا تو امام محمد علیہ الرحمہ نزدیک باقی میں بھی وقف باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ مشاع ملا ہوا تھا جس طرح ہبہ میں ہوتا ہے بہ خلاف اس صورت کے کہ جب ہبہ کرنے والا کچھ حصہ واپس لے یا مریض کی موت کے بعد ورثاء نے دو تہائی واپس لیا ہے حالانکہ مریض نے مرض الموت میں پوری زمین ہبہ یا وقف کی تھی۔ اور مال میں تنگی ہوگئی ہے کیونکہ اس کا شیوع طاری ہے اور جب حقدار کسی ایسے حصے کا حقدار بنا جو معین اور علیحدہ ہے تو بقیہ وقف باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ شیوع نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدائی طور بھی اس کا وقف جائز ہے اور ہبہ اور ملکیت والے صدقے کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

مشترکہ زمین کے وقف کا بیان

زمین مشترک میں اس نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو اسکا بٹوارہ شریک سے خود یہ واقف کرائے گا اور واقف کا انتقال ہوگیا ہو تو متولی کا کام ہے اور اگر اپنی نصف زمین وقف کردی تو وقف وغیر وقف میں تقسیم یوں ہوگی کہ وقف کی طرف سے قاضی ہوگا اور غیر وقف کی طرف سے یہ خود یا یوں کرے کہ غیر وقف کو فروخت کردے اور مشتری کے مقابلہ میں وقف کی تقسیم کرائے۔

ایک زمین دو شخصوں میں مشترک تھی دونوں نے اپنے حصے وقف کر دیے تو باہم تقسیم کر کے ہر ایک اپنے وقف کا متولی ہوسکتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی کُل زمین وقف کردی تھی اس پر کسی نے نصف کا دعویٰ کیا اور قاضی نے مدعی کو نصف زمین دلوادی تو باقی نصف بدستور وقف رہے گی اور واقف اس شخص سے زمین تقسیم کرالے گا۔

دو شخصوں میں زمین مشترک تھی اور دونوں نے اپنے حصے وقف کر دیئے خواہ دونوں نے ایک ہی مقصد کے لیے وقف کیے یا دونوں کے دو مقصد مختلف ہوں مثلاً ایک نے مساکین پر صرف کرنے کے لیے دوسرے نے مدرسہ یا مسجد کے لیے اور دونوں نے الگ الگ اپنے وقف کا متولی مقرر کیا یا ایک ہی شخص کو دونوں نے متولی بنایا یا ایک شخص نے اپنی کل جائداد وقف کی مگر نصف ایک مقصد کے لیے اور نصف دوسرے مقصد کے لیے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ (عالمگیری)

زمین مشاع میں اپنا حصہ وقف کیا جسکی مقدار ایک جریب ہے مگر تقسیم میں اُس زمین کا اچھا ٹکڑا اسکے حصہ میں آیا اس سبب سے ایک جریب سے کم ملا یا خراب ٹکڑا ملا اس سبب سے ایک جریب سے زیادہ ملا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، چند مکانات میں اسکے حصے ہیں اس نے اپنے کُل حصے وقف کر دیئے اب تقسیم میں یہ چاہتا ہے کہ ایک ایک جز نہ لیا جائے بلکہ سب حصوں کے عوض میں

ایک پورا مکان وقف کے لیے لیا جائے ایسا کرنا جائز ہے۔ (عالمگیری، کتاب الوقف)

مشترک زمین وقف کی اور تقسیم یوں ہوئی کہ ایک حصہ کے ساتھ کچھ روپیہ بھی ملتا ہے اگر وقف میں یہ حصہ مع روپیہ کے لیا جائے کہ شریک اتنا روپیہ بھی دیگا تو وقف میں یہ حصہ لینا جائز نہ ہوگا کہ وقف کو بیع کرنا لازم آتا ہے اور اگر وقف میں دوسرا حصہ لیا جائے اور واقف اپنے شریک کو وہ روپیہ دے تو جائز ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وقف کے علاوہ اُس روپے سے کچھ زمین خرید لی اور اس روپے کے مقابل جتنا حصہ ملے گا وہ اسکی ملک ہے وقف نہیں۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب وقف)

وقف کرتے ہوئے مصرف بیان کرنے کا حکم

قَالَ: وَلَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ حَتَّى يَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إذَا سَمَّى فِيهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ. لَهُمَا أَنَّ مُوجَبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعِتْقِ، فَإِذَا كَانَتْ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَا يَتَوَفَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ، فَلِهَذَا كَانَ التَّوْقِيتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالتَّوْقِيتِ فِي الْبَيْعِ. وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّقَرُّبُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مُوَفَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُونُ فِي الصَّرْفِ إلَى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إلَى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ وَقِيلَ إنَّ التَّأْبِيدَ شَرْطٌ بِالْإِجْمَاعِ، إلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إزَالَةُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ شَرْطٌ لِأَنَّ هَذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ، وَذَلِكَ قَدْ يَكُونُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُونُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهُ لَا يَنْصَرِفُ إلَى التَّأْبِيدِ فَلَا بُدَّ مِنْ التَّنْصِيصِ.

ترجمہ

فرمایا: طرفین کے نزدیک وقف اسی وقت مکمل ہوگا جب اس کے آخر میں یہ بتادیا جائے کہ اس کا مصرف یہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا جب اس کا مصرف معین ہو چکا ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے تو یہ جائز ہے اور اس کے بعد وقف فقراء کیلئے ہوگا۔ اگر چہ وقف کرنے والا ان کا تعین نہ بھی کرے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقف کو واجب کرنے والا زوال ملکیت ہے خواہ ملکیت زائل ہو یا نہ ہو زوال ملک میں تابید ہوا کرتی ہے جس طرح عتق میں تابید ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب اس کا مصرف ایسا ہے جس کے ختم ہونے کا وہم ہو تو اس سے بھی وقف کا مقصد کما حقہ پورا نہ ہوگا پس توقیت اس کو باطل کرنے والی ہے جس طرح بیع کی توقیت اس کو باطل کرنے والی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد صرف اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اور یہ مقصد صرف وقف سے ہی پورا ہونے والا ہے کیونکہ یہ قرب کبھی ختم ہونے والے مصرف سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ہمیشہ مصرف میں وقف کرنے سے بھی قرب حاصل ہو جاتا ہے پس دونوں صورتوں میں وقف درست ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تابید بہ اتفاق شرط ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تابید کی شرط ذکر کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ لفظ وقف اور صدقہ تابید کی خبر دینے والے ہیں۔ اسی دلیل کے سبب جس ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ وقف بغیر تملیک کے ازالہ ملکیت ہے۔ جس طرح عتق ہے اسی لئے امام قدوری علیہ الرحمہ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ قول ذکر کرنے کے بعد کہا ہے''' اور صحیح بھی یہی ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک تابید کی شرط کا ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ نفع یا آمدنی کا صدقہ ہے اور کبھی یہ موقت ہوا کرتا ہے اور کبھی موبد ہوا کرتا ہے کیونکہ مطلق وقف تابید کی طرف لوٹنے والا نہیں ہے پس تابید کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

عمومی فوائد کیلئے وقف کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو خیبر میں سے کچھ زمین ملی تو میں ایک روز خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو ایسی چیز ملی ہے یعنی ایسی زمین ملی ہے کہ مجھ کو اس سے زیادہ عمدہ اور اعلی مال آج تک حاصل نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو صدقہ کردو اس پر میں نے اس کو اس طرح سے خیرات کر دیا کہ نہ تو یہ فروخت ہو سکتی ہے اور نہ ہبہ کی جا سکتی ہے بلکہ اس کو فقیروں رشتہ داروں غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرانے اور کمزور افراد کی امداد کرنے اور مسافروں کی ضروریات کے واسطے خرچہ کیا جائے اس کے علاوہ اس کے متولی کو بھی اس میں سے کھانے (اور استعمال) کرنے میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ معروف مقدار (یعنی جس قدر مقدار کو گراں نہ سمجھا جائے) اس قدر کھائے (یا استعمال کرے) نہ کہ مال دولت اکٹھا کرنے کے واسطے بلکہ اس میں سے لوگوں کو کھلائے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1538)

غیر منقولہ جائیداد کے وقف کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ وَقْفُ الْعَقَارِ) لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنْ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَفُوهُ (وَلَا يَجُوزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :وَهَذَا عَلَى الْإِرْسَالِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :إذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأُكْرَتِهَا وَهُمْ عَبِيدُهُ جَازَ) وَكَذَا سَائِرُ

آلَاتِ الْحِرَاسَةِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَرْضِ فِي تَحْصِيلِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُودًا كَالشُّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ ، وَمُحَمَّدٌ مَعَهُ فِيهِ ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُولِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلَأَنْ يَجُوزَ الْوَقْفُ فِيهِ تَبَعًا أَوْلَى .

ترجمہ

فرمایا: اور غیر منقولہ جائیداد کا وقف جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسا وقف کیا ہے جبکہ منتقل ہو جانے والی اشیاء کا وقف جائز نہیں ہے صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ مطلق طور پر وقف نا جائز ہونے کا قول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جب کوئی شخص ہل چلانے والے بیل اور ہمع کاشت کار اپنا کھیت وقف کرے اور وہ کاشت کار وقف کرنے والا غلام ہو تو یہ وقف جائز ہے اور کاشتکاری کے دوسرے آلات کا حکم بھی اسی طرح ہے کیونکہ یہ مقصود یعنی غلے کے تابع ہیں اور کئی اشیاء تابع ہو کر ثابت ہوا کرتی ہیں۔ جبکہ مقصود بن کر ثابت نہیں ہوتیں جس طرح زمین بیچنے میں اس کا کھالہ داخل ہے اور زمین کے وقف میں اس کی عمارت داخل ہو جاتی ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا مؤقف بھی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے کیونکہ امام محمد علیہ الرحمہ نزدیک کچھ منقولہ جائیداد کا اکیلے وقف جب جائز ہے تو غیر منقولہ کے تابع ہو کر بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

شرح

جائداد غیر منقولہ جس طرح زمین، مکان، دوکان ان کا وقف صحیح ہے اور جو چیزیں منقول ہوں مگر غیر منقول کے تابع ہوں اُن کا وقف غیر منقول کا تابع ہو کر صحیح ہے، مثلاً کھیت کو وقف کیا تو ہل بیل اور کھیتی کے جملہ آلات اور کھیتی کے غلام یہ سب کچھ تبعاً وقف ہو سکتے ہیں یا باغ وقف کیا تو باغ کے جملہ سامان بیل اور چرسا وغیرہ کو تبعاً وقف کر سکتا ہے۔ (خانیہ)

کھیت کے ساتھ ساتھ ہل بیل وغیرہ بھی وقف کیے تو انکی تعداد بھی بیان کر دینی چاہیے کہ اتنے غلام اور اتنے بیل اور اتنی اتنی فلاں چیزیں اور یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ بیل اور غلام کا نفقہ بھی اسی جائداد موقوفہ سے دیا جائے اور اگر یہ شرط نہ بھی ذکر کرے جب بھی انکے مصارف اُسی سے دیے جائیں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

ہتھیار اور گھوڑے کو اللہ کی راہ میں وقف کرنے کا بیان

(وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَجُوزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ) وَمَعْنَاهُ وَقْفُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِيهِ عَلَى مَا قَالُوا ، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ . وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ لِمَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ . وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ الْآثَارُ الْمَشْهُورَةُ فِيهِ : مِنْهَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَأَمَّا خَالِدٌ

فَقَدْ حَبَسَ أَدْرُعًا وَأَفْرَاسًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَطَلْحَةُ حَبَسَ دُرُوعَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى) " وَيُرْوَى أَكْرَاعَهُ .وَالْكُرَاعُ :الْخَيْلُ .

وَيَدْخُلُ فِي حُكْمِهِ الْإِبِلُ ؛ لِأَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُونَ عَلَيْهَا ، وَكَذَا السِّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ وَقْفُ مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ الْمَنْقُولَاتِ كَالْفَأْسِ وَالْمَرِّ وَالْقَدُومِ وَالْمِنْشَارِ وَالْجِنَازَةِ وَثِيَابِهَا وَالْقُدُورِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمَصَاحِفِ .

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّ الْقِيَاسَ إِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ .وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ :الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الِاسْتِصْنَاعِ ، وَقَدْ وُجِدَ التَّعَامُلُ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ .

وَعَنْ نُصَيْرِ بْنِ يَحْيَى أَنَّهُ وَقَفَ كُتُبَهُ إِلْحَاقًا لَهَا بِالْمَصَاحِفِ ، وَهَذَا صَحِيحٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسَكُ لِلدِّينِ تَعْلِيمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً ، وَأَكْثَرُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ ، وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا وَقْفُهُ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :كُلُّ مَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ وَقْفُهُ ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ ، فَأَشْبَهَ الْعَقَارَ وَالْكُرَاعَ وَالسِّلَاحَ .

وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِيهِ لَا يَتَأَبَّدُ ، وَلَا بُدَّ مِنْهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ ، بِخِلَافِ الْعَقَارِ ، وَلَا مُعَارِضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعُ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلُ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ .وَهَذَا لِأَنَّ الْعَقَارَ يَتَأَبَّدُ ، وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّينِ ، فَكَانَ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِيهِمَا أَقْوَى فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: گھوڑے اور ہتھیار کو اللہ کی راہ میں وقف کرنا جائز ہے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے اور یہ استحسان ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان وقف درست نہ ہو اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ وہ آثار جو اس کے جائز ہونے میں نقل کیے گئے ہیں وہ مشہور ہیں اور ان میں سے ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: خالد نے اپنی زرہیں اور گھوڑے کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور طلحہ نے اپنی زرہیں اور گھوڑے کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق '' واکراعہ'' بھی ہے اور کراع سے گھوڑا مراد ہے۔ اور اونٹ بھی گھوڑے کے حکم میں ہے کیونکہ عرب انہوں سے بھی جہاد کرتے تھے اور ان پر سامان لادا کرتے تھے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جن منقولی جائیدادوں کے لین دین کرنے کا رواج ہے۔ ان میں وقف جائز ہے جس طرح کہلاڑی، پھوڑا اور بسولا، آرہ، تابوت اور اسکے کپڑے کی ہانڈیاں اور پیتل کی پتیلیاں اور کلام مجید ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ نص کے سبب قیاس کو ترک کر دیں گے اور نص صرف الکراع اور السلاح کے بارے میں وارد ہوئی ہے پس اس کا انحصار اسی میں ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کبھی کبھی ترک قیاس تعامل کے سبب ہوا کرتا ہے جس طرح استصناع میں ہوا کرتا ہے اور ان اشیاء کے وقف میں تعامل (لوگوں کا رواج) جاری ہے۔

نصیر بن یحیٰ سے روایت ہے کہ قرآن مجید پر قیاس کرتے ہوئے فقہاء نے اپنی کتابیں وقف کر دی تھیں اور یہ صحیح ہے کیونکہ دینی کتب اور مصحف یہ علم حاصل کرنے اور سکھانے کیلئے وقف کی جاتی ہیں۔ اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمد علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور جن منقولات کا لین دین کرنے میں تعامل نہیں ہے ہمارے نزدیک ان کا وقف جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس چیز کی اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو اور اس کی بیع کرنا جائز ہو تو اس کو وقف کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ پس یہ عقار، کراع اور سلاح کے مشابہ ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا وقف ہمیشہ نہیں ہوا کرتا، اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ پس یہ دراہم و دنانیر کے مشابہ ہو جائے گا بہ خلاف عقار کے کیونکہ اس میں ایسا نہیں ہے۔ اور یہاں کوئی حدیث، اثر اور تعامل بھی معارضہ کرنے والا نہیں ہے پس حکم قیاس پر باقی رہے گا اور یہ حکم اس دلیل کے سبب ہے کہ عقار ہمیشہ باقی رہتے ہیں جبکہ جہاد دین کا اعلیٰ رکن ہے پس گھوڑا اور اسلحہ میں قربت کا معنی زیادہ قریب ہے اور ان کے سوا دوسری اشیاء میں یہ معنی نہیں ہے۔

شرح

حضرت زہری رحمہ اللہ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا تھا۔ جس نے ہزار دینار اللہ کے راستے میں وقف کر دیئے اور انہیں اپنے ایک تاجر غلام کو دے دیا تھا کہ اس سے کاروبار کرے اور اس کے نفع کو اس شخص نے محتاجوں اور ناطے والوں کے لئے صدقہ کیا کیا وہ شخص ان اشرفیوں کے نفع میں سے کچھ کھا سکتا ہے، اس نے اس نفع کو محتاج پر صدقہ نہ کیا ہو جب بھی اس میں سے کھا نہیں سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا مقصد جائداد منقولہ کا وقف کرنا ہے۔ کراع کاف کے ضمہ کے ساتھ گھوڑوں کو کہا جاتا ہے۔ لفظ عروض نقدی کے علاوہ دیگر اسباب پر بولا جاتا ہے اور صامت سونے چاندی پر مستعمل ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری)

خلاصہ یہ کہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ بشرائط معلومہ سب کا وقف کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ اشرفیاں اللہ کی راہ میں نکالیں تو گویا صدقہ کر دیں، اب صدقے کا مال اپنے خرچ میں کیونکر لا سکتا ہے، اس اثر کو ابن وہب نے اپنے مؤطا میں وصل کیا ہے۔

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن قطان نے بیان کیا، کہا ہم سے عبیداللہ بن عمری نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے نافع نے بیان کیا، اور ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے کے لئے) ایک آدمی کو دے دیا۔ یہ گھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا تا کہ آپ جہاد میں کسی کو اس پر سوار کریں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ گھوڑا ملا تھا وہ اس گھوڑے کو بازار میں بیچ رہا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وہ اسے خرید سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز اسے نہ خرید۔ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس نہ لے۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6775 :)

بطور تابع وقف کرنے کا فقہی بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ گھوڑے اور اسلحہ کا وقف جائز ہے اور انکے علاوہ دوسری منقولات جنکے وقف کا رواج ہے اُن کو مستقل طور پر وقف کرنا جائز ہے۔ نہیں تو نہیں۔ رہا تبعاً وقف کرنا وہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ جائز ہے۔ بعض وہ چیزیں جن کے وقف کا رواج ہے یہ ہیں : مردہ لے جانے کی چارپائی اور جنازہ پوش، میت کے غسل دینے کا تخت، قرآن مجید، کتابیں، دیگ، دری، قالین شامیانہ، شادی اور برات کے سامان کہ ایسی چیزوں کو لوگ وقف کر دیتے ہیں کہ اہل حاجت ضرورت کے وقت ان چیزوں کو کام میں لائیں پھر متولی کے پاس واپس کر جائیں۔ اسی طرح بعض مدارس اور یتیم خانوں میں سرمائی کپڑے اور لحاف گدے وغیرہ وقف کر کے دیدیے جاتے ہیں کہ جاڑوں میں طلبہ اور یتیموں کو استعمال کے لیے دیدیے جاتے ہیں اور جاڑے نکل جانے کے بعد واپس لے لیے جاتے ہیں۔ (تبیین الحقائق، کتاب الوقف)

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسجد پر قرآن مجید وقف کیا تو اس مسجد میں جس کا جی چاہے اُس میں تلاوت کر سکتا ہے دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں کہ اسطرح پر وقف کرنے والے کا منشاء یہی ہوتا ہے اور اگر واقف نے تصریح کر دی ہے کہ اسی مسجد میں تلاوت کی جائے جب تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ اُسکی شرط کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ (ردمحتار، کتاب الوقف)

مدارس میں کتابیں وقف کر دی جاتی ہیں اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جس مدرسہ میں وقف کی جاتی ہیں اُسی کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ہوتی ہیں ایسی صورت میں وہ کتابیں دوسرے مدرسہ میں نہیں لیجائی جاسکتیں۔ اور اگر اس طرح پر وقف کی ہیں کہ جن کو دیکھنا ہو وہ کتب خانہ میں آ کر دیکھیں تو وہیں دیکھی جاسکتی ہیں اپنے گھر پر دیکھنے کے لیے نہیں لا سکتے۔ (ردمحتار، کتاب وقف)

وقف کو بیچنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ ، إلَّا أَنْ يَكُونَ مَشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

فَيَطْلُبُ الشَّرِيكُ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ) أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِيكِ فَلِمَا بَيَّنَّا . وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمْيِيزٌ وَإِفْرَازٌ ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِي غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ ، إلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرًا لِلْوَقْفِ فَلَمْ تَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا ؛ ثُمَّ إنْ وَقَفَ نَصِيبَهُ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ ؛ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إلَى وَصِيِّهِ ، وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِي مِنْ رَجُلٍ ، ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذَلِكَ مِنْهُ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا ، وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلُ دَرَاهِمَ إنْ أَعْطَى الْوَاقِفَ لَا يَجُوزُ لِامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ ، وَإِنْ أَعْطَى الْوَاقِفَ جَازَ وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءً

ترجمہ

فرمایا: اور جب وقف لازم ہو جائے تو اس کو بیچنا یا کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے البتہ یہ کہ جب وہ وقف مشاع ہو تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دوسرے شریک کے حصے پر اس کی تقسیم درست ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور تقسیم کرنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کرنے سے علیحدگی اور فرق ہو جاتا ہے۔ اور اس سے زیادہ زیادہ یہی لازم آئے گا کہ تولی جانے والی اور وزنی کی جانے والی چیزوں کے سوا میں مبادلہ کا حکم غالب آئے گا پس ہم نے وقف کرنے پر مہربانی کے سبب وقف میں افراز کا معنی غالب کر دیا ہے تاکہ یہ بیع اور تملیک نہ بنے۔

اس کے بعد جب مشترکہ عقار سے کسی نے اپنا حصہ وقف کر دیا ہے تو وقف کرنے والا ہی اپنے شریک سے اپنا حصہ الگ کر کرلے۔ کیونکہ وقف پر ولایت واقف کی ہوتی ہے اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے ولی کو ملے گی۔ اور جب کسی نے خاص زمین کا آدھا حصہ وقف کیا تو قاضی اس سے تقسیم کرائے گا یا پھر وہ بقیہ ماندہ حصہ کسی کو بیچ دے تو مشتری اس سے تقسیم کرائے گا اور اس کے بعد واقف مشتری سے خریدے گا کیونکہ ایک ہی بندے کا مقاسم اور مقاسم ہونا جائز نہ ہوگا۔

اور جب تقسیم میں کچھ دراہم زیادہ ہوں تو وہ دراہم مشتری واقف کو دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ وقف کردہ چیز کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ اور جب واقف نے مشتری کو دے دیا ہے تو جائز ہے اور دراہم کے مطابق شراء ہوگا۔

شرح

وقف کا حکم یہ ہے کہ نہ خود وقف کرنے والا اس کا مالک ہے نہ دوسرے کو اس کا مالک بنا سکتا ہے نہ اسکو بیع کر سکتا ہے۔ نہ

عاریت دے سکتا ہے نہ اسکو رہن رکھ سکتا ہے۔مکان موقوف کو بیع کر دیا یا رہن رکھ دیا اور مشتری یا مرتھن نے اُس میں سکونت کی بعد کو معلوم ہوا کہ یہ وقف ہے تو جب تک اس مکان میں رہے اس کا کرایہ دینا ہوگا۔(درمختار، کتاب الوقف)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ وقف والی زمین بیچ ڈالی اور ثمن پر قبضہ بھی کر لیا اس کے بعد مر گیا اور ثمن کی نسبت بیان نہیں کیا کہ کیا ہوا تو یہ ثمن اُس پر دَین ہے اُس کے ترکہ سے وصول کریں گے۔اسی طرح اگر معلوم ہے کہ اُس نے ہلاک کر دیا جب بھی دَین ہے اور اگر اُس نے خود نہیں ہلاک کیا ہے بلکہ اُس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو تاوان نہیں اور اب وقف باطل ہو گیا۔وقف کو بیع کیا تھا مگر کسی سبب سے بیع جاتی رہی تو دوبارہ پھر بیع کر سکتا ہے اور اگر پھر اسی نے اُسے خرید لیا تو دوبارہ بیع نہیں کر سکتا مگر جبکہ عموم کے ساتھ تبادلہ کا اختیار ہو تو دوبارا بھی کر سکتا ہے۔(فتاویٰ ہندیہ)

وقف کی آمدنی کے مصرف کا بیان

قَالَ (وَالْوَاجِبُ أَنْ يُبْتَدَأَ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَلِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ) لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْغَلَّةِ مُؤَبَّدًا ، وَلَا تَبْقَى دَائِمَةً إلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيَثْبُتُ شَرْطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ ، فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِهَا .

ثُمَّ إنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ لَا يَظْفَرُ بِهِمْ ، وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هَذِهِ الْغَلَّةُ فَتَجِبُ فِيهَا .

وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِي مَالِهِ :أَيَّ مَالٍ شَاءَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ .

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ الْغَلَّةِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمْكِنُ مُطَالَبَتُهُ ، وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمَوْقُوفُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي وَقَفَهُ ، وَإِنْ خَرِبَ يَبْنِي عَلَى ذَلِكَ الْوَصْفِ ؛ لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوفَةً إلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ .

فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحَقَّةٍ عَلَيْهِ وَالْغَلَّةُ مُسْتَحَقَّةٌ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا إلَى شَيْءٍ آخَرَ إلَّا بِرِضَاهُ ، وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ ، وَعِنْدَ الْآخَرِينَ يَجُوزُ ذَلِكَ ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ الصَّرْفَ إلَى الْعِمَارَةِ ضَرُورَةُ إبْقَاءِ الْوَقْفِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي الزِّيَادَةِ .

ترجمہ: فرمایا: وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے اس کی تعمیر پر لگایا جائے گا۔اگرچہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو نہ لگائی

ہو۔ کیونکہ واقف کا مقصد اس کی آمدنی کو ہمیشہ رکھنا ہے اور عمارت کے سبب ہی اس کی آمدنی ہمیشگی والی بنتی ہے۔ پس قدرت کے مطابق تعمیر کیا جانا شرط ہے۔ کیونکہ منافع کے مطابق خرچ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح خدمت کیلئے وصیت کردہ غلام کا خرچہ وصیت شدہ پر واجب ہے۔ اسکے بعد جب وقف فقراء کیلئے ہے اور ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا اور ان کے مالوں میں وقف کی آمدنی زیادہ آسانی سے حاصل ہونے والی ہے تو تعمیر کرنا واجب ہے۔

اور جب کسی معین بندے کیلئے وقف کیا ہے جبکہ بعد میں وہی فقراء کیلئے ہوگیا ہے تو وقف کی تعمیر اسی بندے کے مال سے واجب ہوگی۔ اگر چہ وہ جس مال سے چاہے اپنی زندگی میں تعمیر کرے۔ اور تعمیر کا خرچہ صرف وقف سے نہ لیا جائے گا کیونکہ وقف تو ایک معین آدمی پر ہے۔ اور اس سے تعمیر کا مطالبہ کرنا بھی ممکن ہے۔

وقف کی تعمیر اتنی ہی ضروری ہے جتنی تعمیر میں وہ اس حالت رہے جو واقف کے وقف کرتے وقت اس کی تھی۔ اور جب وہ خراب ہو جائے تو اس پر اتنا ہی بنا دیا جائے گا کیونکہ اسی وصف کے مطابق اس کی آمدنی موقوف علیہ پر خرچ کرنے کے سبب وقف کی گئی تھی۔ لہٰذا اس زائد تعمیر موقوف علیہ پر واجب نہ ہوگی۔ اور موقوف علیہ ہی اس کی آمدنی کا حقدار ہے کیونکہ اس کی رضامندی کے سوا اس کی آمدنی کو دوسرے کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے اور جب وقف فقراء پر کیا جائے تو بعض مشائخ فقہاء کے نزدیک حکم اسی طرح ہے اور دیگر بعض مشائخ فقہاء کے نزدیک زیادہ تعمیر کرنا جائز ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ تعمیر پر آمدنی کو خرچ کرنا وقف کو باقی رکھنے کی ضرورت پر ہوا کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کی زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وقف کی آمدنی سے مرمت و دیگر نگرانی کے کاموں پر خرچ کرنا

وقف کی آمدنی کا سب میں بڑا مصرف یہ ہے کہ وہ وقف کی عمارت پر صرف کی جائے اسکے لیے یہ بھی ضرور نہیں کہ واقف نے اس پر صرف کرنیکی شرط کی ہو یعنی شرائط وقف میں اسکو نہ بھی ذکر کیا ہو جب بھی صرف کریں گے کہ اسکی مرمت نہ کی تو وقف ہی جاتا رہے گا عمارت پر صرف کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُسکو خراب نہ ہونے دیں اُس میں اضافہ کرنا عمارت میں داخل نہیں مثلاً مکان وقف ہے یا مسجد پر کوئی جائداد وقف ہے تو اولاً آمدنی کو خود مکان یا جائداد پر صرف کریں گے اور واقف کے زمانہ میں جس حالت میں تھی اُس پر باقی رکھیں۔ اگر اُسکے زمانہ میں سپیدی یا رنگ کیا جاتا تھا تو اب بھی مال وقف سے کریں ورنہ نہیں۔ اسی طرح کھیت وقف ہے اور اس میں کھاد کی ضرورت ہے ورنہ کھیت خراب ہو جائے گا تو اُسکی درستی مستحقین سے مقدم ہے۔

عمارت کے بعد آمدنی اس چیز پر صرف ہو جو عمارت سے قریب تر اور باعتبار مصالح مفید تر ہو کہ یہ معنوی عمارت ہے جس طرح مسجد کے لیے امام اور مدرسہ کے لیے مدرس کہ ان سے مسجد و مدرسہ کی آبادی ہے ان کو بقدر کفایت وقف کی آمدنی سے دیا جائے۔ پھر چراغ بتی اور فرش اور چٹائی اور دیگر ضروریات میں صرف کریں جو اہم ہو اُسے مقدم رکھیں اور یہ اُس صورت میں ہے کہ وقف کی آمدنی کسی خاص مصرف کے لیے معین نہ ہو۔ اور اگر معین ہے مثلاً ایک شخص نے وقف کی آمدنی چراغ بتی کے لیے معین کردی ہے یا وضو کے پانی کے لیے تعین کردی ہے تو عمارت کے بعد اُسی مد میں صرف کریں جسکے لیے معین ہے۔

عمارت میں صرف کرنے کی ضرورت تھی اور ناظر اوقاف نے وقف کی آمدنی عمارت وقف میں صرف نہ کی بلکہ دیگر مستحقین کو دے دی تو اس کو تاوان دینا پڑیگا یعنی جتنا مستحقین کو دیا ہے اُسکے بدلے میں اپنے پاس سے عمارت وقف پر صرف کرے۔ (درمختار)

گھر کو اولاد کیلئے وقف کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلَى سُكْنَى وَلَدِهِ فَالْعِمَارَةُ عَلَى مَنْ لَهُ سُكْنَى) لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ (فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْ ذَلِكَ ، أَوْ كَانَ فَقِيرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأُجْرَتِهَا ، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ السُّكْنَى) لِأَنَّ فِي ذَلِكَ رِعَايَةَ الْحَقَّيْنِ حَقِّ الْوَاقِفِ وَحَقِّ صَاحِبِ السُّكْنَى ، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمِّرْهَا تَفُوتُ السُّكْنَى أَصْلًا ، وَالْأَوَّلُ أَوْلَى ، وَلَا يُجْبَرُ الْمُمْتَنِعُ عَلَى الْعِمَارَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ إتْلَافِ مَالِهِ فَأَشْبَهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ فَلَا يَكُونُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلَانِ حَقِّهِ لِأَنَّهُ فِي حَيِّزِ التَّرَدُّدِ ، وَلَا تَصِحُّ إجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنَى لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی وقف کرنے والے نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش کیلئے وقف کیا ہے تو اس گھر کی تعمیر اسی پر ضروری ہوگی جو اس میں رہنے والا ہے کیونکہ آمدنی ضمان کے بدلے میں ہوتی ہے۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح جب کسی خدمت کیلئے غلام کی وصیت کی تو اس غلام کا خرچہ خدمت لینے والے پر ہوگا۔

اس کے بعد جب موقوف علیہ کی تعمیر رک جائے یا وہ شخص فقیر ہو جائے تو حاکم اس کو اجرت دیکر اس کی اجرت سے تعمیر کرائے گا اور تعمیر کے بعد وہ اسی رہنے والے کو واپس کردے گا۔ کیونکہ اس طرح کرنے میں واقف اور رہنے والا دونوں کے حق میں فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر حاکم نے اس کو تعمیر نہ کرایا تو وہ بالکل رہائش گر کر ختم ہو جائے گی۔ پس تعمیر کرانا اولی ہے۔ ہاں البتہ تعمیر کا انکار کرنے والے پر زبردستی نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس طرح کرنے میں مال کی بربادی لازم آنے والی ہے۔ تو یہ کاشتکاری میں صاحب بذر کے امتناع کے مشابہ ہو جائے گا پس اس کا انکار کرنا اس کے اپنے ہی حق کو باطل کرنے پر عدم رضامندی ہے۔ کیونکہ وہ شک میں گھومنے والا ہے اور جو اس میں رہنے والا ہے اس کیلئے کرائے پر دینا جائز صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک مکان قبرستان پر وقف ہے یہ مکان منہدم ہو کر کھنڈر ہو گیا اور کسی کام کا نہ رہا پھر کسی شخص نے اپنے مال سے اِس جگہ میں مکان بنایا تو صرف عمارت اسکی ہے، زمین کا مالک نہیں۔ (ردمحتار، باب الوقف)

وقف شدہ عمارت کے منہدم ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهِ) صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِي عِمَارَةِ الْوَقْفِ إِنْ احْتَاجَ إِلَيْهِ ، وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْهُ أَمْسَكَهُ حَتَّى يَحْتَاجَ إِلَى عِمَارَتِهِ فَيَصْرِفَهُ فِيهِمَا ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْعِمَارَةِ لِيَبْقَى عَلَى التَّأْبِيدِ فَيَحْصُلَ مَقْصُودُ الْوَاقِفِ .

فَإِنْ مَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيهَا ، وَإِلَّا أَمْسَكَهَا حَتَّى لَا يَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذَلِكَ أَوَانَ الْحَاجَةِ فَيَبْطُلُ الْمَقْصُودُ ، وَإِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلَى مَوْضِعِهِ بِيعَ وَصُرِفَ ثَمَنُهُ إِلَى الْمَرَمَّةِ صَرْفًا لِلْبَدَلِ إِلَى مَصْرِفِ الْمُبْدَلِ (وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقْسِمَهُ) يَعْنِي النَّقْضَ (بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ) لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنْ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِلْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ فِيهِ : وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَصْرِفُ إِلَيْهِمْ غَيْرَ حَقِّهِمْ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب وقف کی عمارت گر جائے اور اس کے حصوں میں سے کچھ ٹوٹ پھوٹ جائیں تو اب اگر ان کی ضرورت ہے یہ حاکم اس سامان وقف کو تعمیر پر لگائے گا اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو حاکم اس کو روک دے حتیٰ کہ اس کی بنانے کی ضرورت پیش آئے۔ اور اس کے بعد وہ اس کو بنانے میں صرف کرے گا۔ کیونکہ وقف کے دوام میں عمارت ضروری ہے تا کہ واقف کا مقصد حاصل ہو جائے۔

اس کے بعد جب اس کی فوری طور پر ضرورت ہو تو اس کے بنانے میں لگائے ورنہ اس کو روک دے تا کہ مشکل وقت میں پریشانی نہ ہو اور مقصود باطل ہو جائے۔

اور جب من وعن اسکو وہاں لگانا ممکن نہ ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت اس کی مرمت میں لگائے تا کہ مبدل کی جگہ بدل کام آ جائے۔ اور ٹوٹے ہوئے سامان کو وقف کے حقداروں پر خرچ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سامان عین وقف کا حصہ ہے اور اس میں موقوف علیہم کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ ان کا حق نفع میں ہے اور عین کا حق اللہ تعالی کا ہے پس ان کو دوسرے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

شرح

وقف کی عمارت منہدم ہو گئی پھر اسکی تعمیر ہوئی اور پہلے کا کچھ سامان بچا ہوا ہے تو اگر یہ خیال ہو کہ آئندہ ضرورت کے وقت اسی وقف میں کام آ سکتا ہے جب تو محفوظ رکھا جائے ورنہ فروخت کر کے قیمت کو مرمت میں صرف کریں اور اگر رکھ چھوڑنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے جب بھی فروخت کر ڈالیں اور ثمن کو محفوظ رکھیں یہ چیزیں خود ان لوگوں کو نہیں دی جا سکتیں جن پر وقف

ہے۔ (درمختار، فتاوی ہندیہ)

متولی نے وقف کے کام کرنے کے لیے کسی کو اجیر رکھا اور واجبی اُجرت سے چھٹا حصہ زیادہ کر دیا مثلاً چھ آنے کی جگہ سات آنے دیے تو ساری اُجرت متولی کو اپنے پاس سے دینی پڑے گی اور اگر خفیف زیادتی ہے کہ لوگ دھوکا کھا کر اتنی زیادتی کر دیا کرتے ہیں تو اسکا تاوان نہیں بلکہ ایسی صورت میں وقف سے اُجرت دلائی جائیگی۔ (درمختار)

واقف کا وقف کی آمدنی اپنے لئے خاص کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ إلَيْهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ)
قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :ذَكَرَ فَصْلَيْنِ شَرْطَ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهِ وَجَعْلَ الْوِلَايَةِ إلَيْهِ .

أَمَّا الْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ، وَلَا يَجُوزُ عَلَى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ .وَقِيلَ إنَّ الِاخْتِلَافَ بَيْنَهُمَا بِنَاءٌ عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ .

وَقِيلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ ، وَالْخِلَافُ فِيمَا إذَا شَرَطَ الْبَعْضَ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ ، وَفِيمَا إذَا شَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سَوَاءٌ ؛ وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ مَا دَامُوا أَحْيَاءً ، فَإِذَا مَاتُوا فَهُوَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ ، فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ ،وَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ أَيْضًا وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِي حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ.

وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيكِ بِالطَّرِيقِ الَّذِي قَدَّمْنَاهُ ، فَاشْتِرَاطُهُ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ يُبْطِلُهُ ؛ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَتَحَقَّقُ فَصَارَ كَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ ، وَشَرْطِ بَعْضِ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ .

وَلِأَبِي يُوسُفَ مَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ) " وَالْمُرَادُ مِنْهَا صَدَقَتُهُ الْمَوْقُوفَةُ ، وَلَا يَحِلُّ الْأَكْلُ مِنْهَا إلَّا بِالشَّرْطِ ، فَدَلَّ عَلَى صِحَّتِهِ ، وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إزَالَةُ الْمِلْكِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ ، فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوكًا لِلَّهِ تَعَالَى لِنَفْسِهِ لَا أَنَّهُ يَجْعَلُ مِلْكَ

نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ ، وَهٰذَا جَائِزٌ ، كَمَا إِذَا بَنَى خَانًا أَوْ سِقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً ، وَشَرَطَ أَنْ يَنْزِلَهُ أَوْ يَشْرَبَ مِنْهُ أَوْ يُدْفَنَ فِيهِ ، وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ الْقُرْبَةُ وَفِي الصَّرْفِ إِلَى نَفْسِهِ ذٰلِكَ ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى نَفْسِهِ صَدَقَةٌ). "

ترجمہ

فرمایا: اور جب وقف کرنے والے نے وقف کی آمدنی اپنے لئے وقف کرلی یا اس نے وقف کی ولایت کو اپنے لئے خاص کرلیا ہے تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے۔ صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام قدوری رضی اللہ عنہ نے اس میں دو مسائل کو ذکر کیا ہے۔ (۱) اپنے لئے پیداوار کی شرط بیان کردینا (۲) ولایت کو اپنے لئے خاص کرلینا۔ پہلی شرط کے مطابق تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول قیاس کے مطابق جائز نہیں ہے۔ ہلال رازی اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس اختلاف پر مبنی ہے جس میں متولی کا قبضہ ہونے کی شرط لگانے اور افراز کو متعلق کرنے میں ان کا اختلاف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جدید اور مستقل مسئلہ ہے کیونکہ وہ اگر چہ اپنے زندگی میں کچھ آمدنی اپنے لئے خاص کرکے موت کے بعد فقراء کیلئے وقف کردے۔ دونوں صورتوں میں یہ مسئلہ صاحبین کے درمیان اختلاف والا ہے۔

اور جب کسی نے وقف کرکے یہ شرط بیان کی کہ کچھ آمدنی یا مکمل آمدنی اس کی امہات اولاد اور اس کے مدبر غلاموں کیلئے ہوگی اور جب تک وہ زندہ ہیں اور ان کے فوت ہونے کے بعد وہ فقراء اور مسکینوں کیلئے وقف ہے تو ایک قول کے مطابق یہ باتفاق جائز ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس میں بھی اختلاف ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے جب واقف نے اپنی زندگی میں امہات اولاد وغیرہ کے شرط بیان کرنے والا ہے تو اس کی اپنی ذات کی طرح ہوجائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے فرمان کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا اصل میں قرب کی نیت کے ساتھ بطور احسان مالک بنانا ہے پس بعض یا کل کی شرط کے ساتھ اپنے آمدنی کو خاص کرنا یہ وقف کو باطل کرے گا۔ کیونکہ اپنی ذات کیلئے اپنے ہی مال کا مالک بنانا ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ نافذ شدہ صدقہ اور مسجد کے بعض حصے کو اپنے لئے لینے کی شرط کی مانند ہوجائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے فرمان کی دلیل وہ حدیث ہے جس اس طرح روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صدقہ کے مال سے تناول فرمالیا کرتے تھے۔ اور اس سے وقف مراد ہے۔ حالانکہ شرط کے بغیر وقف کے مال سے کھانا جائز نہیں ہے پس یہ حدیث شرط کے درست ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے وقف کرنے سے ملکیت ختم ہوجاتی ہے جس کا نام وقف ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اور جب واقف بعض آمدنی یا مکمل آمدنی میں اپنے لئے شرط لگائے تو جو چیز اللہ کے مملوک ہوچکی تھی اس کو اس نے اپنے خاص

کیا ہے۔اور یہ جائز ہے جس طرح کسی نے سرائے خانہ یا سبیل بنایا اور اپنی زمین میں قبرستان بنایا ہے تو اب وہ سرائے خانہ میں ٹھہرنے اور سبیل سے پانی پینے اور قبرستان میں دفن ہونے کی شرط لگائے تو یہ اس کیلئے جائز ہے۔کیونکہ وقف والے کا مقصد اللہ کا قرب ہے۔اور اپنی ذات پر خرچ کے سبب بھی اس کو مقصد حاصل ہونے والا ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

شوافع کے نزدیک اپنی ذات کیلئے وقف کے باطل ہونے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی (اپنے وقف۔کے لئے) کہ جو شخص اس کا متولی ہو اس کے لئے اس وقف میں سے کھالینے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔(دستور کے مطابق) واقف خود ہی وقف کا مہتمم ہوسکتا ہے اور دوسرا شخص بھی۔اسی طرح اگر کسی شخص نے اونٹ یا کوئی اور چیز اللہ کے راستے میں وقف کی تو جس طرح دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں خود وقف کرنے والا بھی اٹھا سکتا ہے اگر چہ (وقف کرتے وقت) اس کی شرط نہ لگائی ہو۔(صحیح بخاری، کتاب الوصایا)

واقف اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب اس چیز کو خود اپنے اوپر اور نیز دوسروں پر وقف کردیا ہو یا وقف میں ایسی شرط کرلی ہو یا اس میں سے ایک حصہ اپنے لئے خاص کرلیا ہو یا متولی کو کچھ دلایا ہو اور خود ہی متولی ہو۔

علامہ قسطلانی نے کہا شافعیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اپنی ذات پر وقف کرنا باطل ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر کتاب الشروط میں موصولاً گزر چکا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ نکالا کہ جب وقف کے متولی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھانے کی اجازت دی تو خود وقف کرنے والے کو بھی اس میں سے کھانا یا کچھ فائدہ لینا درست ہوگا۔کیونکہ کبھی وقف کرنے والا خود اس جائداد کا متولی ہوتا ہے۔آخری مضمون میں اختلاف ہے۔بعضوں نے کہا کہ اگر کوئی چیز فقیروں پر وقف کی اور وقف کرنے والا فقیر نہیں ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔البتہ اگر وہ فقیر ہو جائے یا اس کی اولاد میں سے کوئی فقیر ہو جائے تو فائدہ اٹھا سکتا ہے یہی مختار ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط لگائی تھی کہ اس کا متولی اس میں سے کھا سکتا ہے اور اپنے دوست کو کھلا سکتا ہے پر وہ دولت نہ جوڑے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۷۷۷)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ جب کسی نے یہ شرط لگائی کی ہے کہ اپنے اوپر اور اپنی اولاد وخدام پر خرچ کروں گا اور وقف کا غلہ آیا اسے بیچ ڈالا اور ثمن پر قبضہ بھی کرلیا مگر خرچ کرنے سے پہلے مرگیا تو یہ رثم کہ ہے وارثوں کا حق ہے فقرا اور وقف والوں کا حق نہیں۔(فتح القدیر، کتاب الوقف)

عدم تابید کے باوجود صدقہ موقوف ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب واقف نے یہ شرط کی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں کل آمدنی یا اسکے اتنے

جز کا میں مستحق ہوں اور میرے بعد فقرا کو ملے یا یہ شرط کی آمدنی سے میرا قرض ادا کیا جائے پھر تم ... یا یہ کہ میری زندگی تک میں لوں گا پھر قرض ادا ہوگا پھر فقرا کو ملے فقط اتنا ہی کہا کہ اللہ (عزوجل) کے لیے یہ صدقہ موقوفہ ہے۔ اس شرط پر کہ جب تک میں زندہ رہوں آمدنی میں لوں گا تو وقف صحیح ہے کہ اگرچہ اس میں تابید نہیں ہے نہ فقرا کا ذکر ہے مگر لفظ صدقہ سے تابید اور بعد میں فقرا ہی کے لیے ہونا سمجھا جاتا ہے۔ واقف نے اپنے لیے شرط کی کہ اس کی آمدنی میں خود بھی کھاؤں گا اور دوست احباب کو بھی کھلاؤں گا اس سے جو بچے فقرا کے لیے ہے اور اسی طرح اپنی اولاد کے لیے اپنے بعد نسل کی شرط کی تو وقف و شرط دونوں جائز ہیں۔

اور جب وقف میں یہ شرط کی کہ فلاں وارث کو وقف کی آمدنی سے بقدر کفایت دیا جائے تو جب تک وہ تنہا ہے تنہا کے مصارف دیے جائیں اور جب بال بچوں والا ہو جائے تو اتنا دیا جائے کہ سب کے لیے کافی ہو کہ ان سب کے مصارف اسی کے ساتھ شمار ہوں گے۔ واقف نے یہ شرط کی کہ اس کی آمدنی صرف کرنے کا مجھے اختیار ہے میں جہاں چاہوں گا صرف کروں گا تو شرط جائز ہے اور اُسے اختیار ہے کہ مساکین کو دے یا اس سے حج کرائے یا کسی نادار شخص کو دے ڈالے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

وقف کرنے کے بعد اپنی اولاد کو اجازت تصرف دینے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک گھر وقف کیا تھا (مدینہ میں) جب کبھی مدینہ آتے اس گھر میں قیام کیا کرتے تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھروں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی ایک مطلقہ لڑکی سے فرمایا تھا کہ وہ اس میں قیام کریں لیکن اس گھر کو نقصان نہ پہنچائیں اور نہ اس میں کوئی دوسرا نقصان کرے اور جو خاوند والی بیٹی ہوتی اس کو وہاں رہنے کا حق نہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے (وقف کردہ) گھر میں رہنے کا حصہ اپنی محتاج اولاد کو دے دیا تھا۔

عبدان نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے خبر دی انہیں شعبہ نے انہیں ابواسحاق نے انہیں ابوعبدالرحمن نے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محاصرے میں لئے گئے تو (اپنے گھر کے) اوپر چڑھ کر آپ نے باغیوں سے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے قسمیہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیئر رومہ کو کھودے گا اور اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے ہی اس کنویں کو کھودا تھا۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا تھا کہ جیش عسرت (غزوۂ تبوک پر جانے والے لشکر) کو جو شخص ساز و سامان سے لیس کر دے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے ہی اسے مسلح کیا تھا۔ راوی نے بیان کیا کہ آپ کی ان باتوں کی سب نے تصدیق کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کے متعلق فرمایا تھا کہ اس کا منتظم اگر اس میں سے کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ منتظم خود واقف بھی ہو سکتا ہے اور کبھی دوسرے بھی ہو سکتے ہیں اور ہر ایک کے لئے یہ جائز ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6778 :)

یعنی کسی نے اپنے وقف سے خود بھی فائدہ اٹھانے کی شرط لگائی تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ابن بطال نے کہا کہ اس مسئلے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے کوئی چیز وقف کرتے ہوئے اس کے منافع سے خود یا اپنے رشتہ داروں کے نفع (اٹھانے)

کی بھی شرط لگائی تو جائز ہے مثلاً کسی نے کوئی کنواں وقف کیا اور شرط لگائی کہ عام مسلمانوں کی طرح میں بھی اس میں سے پانی پیا کروں گا تو وہ پانی بھی لے سکتا ہے اور اس کی یہ شرط جائز ہوگی۔

حضرت زبیر بن عوام کے اثر کو دارمی نے اپنی مسند میں وصل کیا ہے۔آپ خاوند والی بیٹی کو اس میں رہنے کی اس لئے اجازت نہ دیتے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں رہ سکتی ہے یہ اثر ترجمہ باب سے اس طرح مطابق ہوتا ہے کہ کوئی بیٹی ان کی کنواری بھی ہوگی اور صحبت سے پہلے اس کو طلاق دی گئی ہوگی تو اس کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اس کا رہنا گویا خود باپ کا وہاں رہنا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن سعد نے وصل کیا ہے یہ وہ گھر تھا جس کو عمر رضی اللہ عنہ وقف کر گئے تھے تو اثر ترجمہ باب کے مطابق ہوگیا۔عبدان امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ تھے تو یہ تعلیق نہ ہوگی اور دار قطنی اور اسماعیل نے اس کو وصل بھی کیا ہے۔دوسری روایتوں میں یوں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں خرید کر کے وقف کیا تھا کھدوانا مذکور نہیں ہے لیکن شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو کچھ وسیع کرنے کے لئے کھدوایا بھی ہو۔

یہ روایت لاکر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا جس کو ترمذی نے نکالا۔اس میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی رومہ کا کنواں خرید لے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنا ڈول بھی اس میں ڈالے اس کو بہشت میں اس بھی عمدہ کنواں ملے گا۔نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں بیس ہزار یا پچیس ہزار میں خریدا تھا۔مذکور جیش عسرۃ یعنی تنگی کا لشکر جس سے مراد وہ لشکر ہے جو جنگ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا تھا اس جنگ کا سامان مسلمانوں کے پاس بالکل نہ تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر سب سامان اپنی ذات سے فراہم کردیا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی زیادہ اظہار مسرت فرماتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے زندہ جنتی ہونے کی بشارت پیش فرمائی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنی آزمائش کے دنوں میں صحابہ کرام کو اس طرح مخاطب فرمایا جو اثر میں مذکور ہے تو بیشتر صحابہ نے آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی جن میں حضرت علی، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے۔اس حدیث کے ذیل میں حضرت عثمان کے مناقب سے متعلق حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے کئی ایک احادیث کو نقل کیا ہے **المحتاج الی ذلك لدفع مضرة اوتحصل منفعة و انما یکره ذلك عندالمفاخرة والکاثرة والعجب** (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

یعنی اس سے اس امر کا جواز ثابت ہوا کہ کسی نقصان کو دفع کرنے یا کوئی نفع حاصل کرنے کے لئے آدمی خود اپنے مناقب بیان کرسکتا ہے، لیکن فخر اور خود پسندی کے طور پر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وقف شدہ زمین کو دوسری زمین سے بدلنے کا بیان

وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَبْدِلَ بِهِ أَرْضًا أُخْرَى إِذَا شَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ .وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فِي

الْوَقْفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَقْفُ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ بَاطِلٌ ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا .

وَأَمَّا فَصْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ ، وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ .وَذَكَرَ هِلَالٌ فِي وَقْفِهِ وَقَالَ أَقْوَامٌ :إنْ شَرَطَ الْوَاقِفُ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ لَمْ تَكُنْ لَهُ وِلَايَةٌ .

قَالَ مَشَايِخُنَا :الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ ، لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ التَّسْلِيمَ إلَى الْقَيِّمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَقْفِ ، فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهُ وِلَايَةٌ فِيهِ .

وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلِّي إنَّمَا يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهِ بِشَرْطِهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ الْوِلَايَةُ وَغَيْرُهُ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إلَى هَذَا الْوَقْفِ فَيَكُونُ أَوْلَى بِوِلَايَتِهِ ، كَمَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُونُ أَوْلَى بِعِمَارَتِهِ وَنَصْبِ الْمُؤَذِّنِ فِيهِ ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوَلَاءُ لَهُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إلَيْهِ .

وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وِلَايَتَهُ لِنَفْسِهِ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُونٍ عَلَى الْوَقْفِ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهِ نَظَرًا لِلْفُقَرَاءِ ، كَمَا لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظَرًا لِلصِّغَارِ ، وَكَذَا إذَا شَرَطَ أَنْ لَيْسَ لِلسُّلْطَانِ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهِ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهُ لِأَنَّهُ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِحُكْمِ الشَّرْعِ فَبَطَلَ

ترجمہ

اور جب وقف کرنے والے نے یہ شرط لگائی کہ وہ جب چاہے گا وقف شدہ زمین کو دوسری زمین کے ساتھ بدل دے گا۔تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے لیکن شرط باطل ہے۔اور جب وقف کرنے والے اپنے لئے تین دن کی شرط لگائی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وقف اور شرط دونوں جائز ہیں۔جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وقف باطل ہے اور یہ اختلاف بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے۔جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور ولایت کی وضاحت یہ ہے کہ امام قدوری علیہ الرحمہ نے اس میں تصریح کر دی ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے اور ہلال رازی کا قول بھی اسی طرح ہے اور ظاہر مذہب بھی اسی طرح ہے۔

فقیہ ہلال رازی نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ فقہاء کا قول ہے کہ جب واقف نے اپنے لئے وقف کی شرط بیان کی تو ولایت اسی کیلئے ہو جائے گی۔ اور جب اس نے شرط نہ بیان کی تو ولایت نہ ہوگی۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا؛ کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے کیونکہ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز موقوف کو متولی کے سپرد کرنا وقف کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور جب واقف نے وقف کو متولی کے حوالے کر دیا ہے تو ولایت اس میں ختم ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ متولی بھی واقف کی جانب سے ولایت حاصل کرنے والا ہے اور یہ تو ناممکن ہے کہ خود واقف کو ولایت حاصل نہ ہو اور دوسرا اس سے ولایت حاصل کرنے والا ہو کیونکہ اس وقف کا سب زیادہ قریبی واقف ہی تو ہے پس اس کی ولایت کا زیادہ حقدار بھی وہی ہوگا۔

اور جب کسی شخص نے مسجد بنائی تو وہی اس کی تعمیر کرنے اور اس میں مؤذن مقرر کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ جس طرح کسی نے غلام آزاد کیا تو اسکا ولاء آزاد کرنے والے کیلئے ہے کیونکہ آزاد کرنے والا ہی اس آزاد کا زیادہ قریبی ہے۔

اور جب واقف نے اپنے لئے ولایت کی شرط بیان کر دی جبکہ وقف کے بارے میں وہ قابل اعتماد نہ ہو تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فقراء کے حال پر مہربانی کرتے ہوئے اس سے ولایت چھین لے جس طرح قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ بچوں پر مہربانی کے سبب وصی کو وصایت سے فارغ کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب واقف نے یہ شرط بیان کی کہ بادشاہ و قاضی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ وقف کو واقف کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو اس کا متولی بنا دیں گے کیونکہ ایسی شرط شریعت کے حکم کے خلاف ہے پس یہ شرط خود بہ خود باطل ہو جائے گی۔

وقف میں شرط لگانے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کیلئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں ایک زمین کا ٹکڑا ملا ہے اس سے بہتر مال مجھے اب تک کبھی نہیں ملا تھا آپ اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر جی چاہے تو اصل زمین اپنے ملکیت میں باقی رکھ اور پیداوار صدقہ کر دے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دیا کہ نہ اسے بیچا جائے گا نہ اس کا ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔ اسے آپ نے محتاجوں کے لئے رشتہ داروں کے لئے اور غلام آزاد کرانے کے لئے اللہ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے اور مہمانوں کیلئے صدقہ (وقف) کر دیا اور یہ کہ اس کا متولی اگر دستور کے مطابق اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق وصول کر لے یا کسی محتاج کو دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ ابن عون نے بیان کیا کہ جب میں نے اس حدیث کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (متولی) اس میں سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔
(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۷۳۷)

حدیث اور باب میں مطابقت ظاہر ہے واقف اپنی وقف کو جس جس طور چاہے مشروط کر سکتا ہے جیسا کہ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شرطوں کی تفصیلات موجود ہیں اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ واقف اپنی تجویز کردہ شرطوں کے تحت اپنے وقف پر اپنی ذاتی ملکیت بھی باقی رکھ سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وقف کا متولی نیک نیتی کے ساتھ دستور کے مطابق اس میں سے اپنا خرچ بھی وصول کر سکتا ہے۔ اس وقف نامہ میں مصارف کی ایک مد فی سبیل اللہ بھی مذکور ہے۔ جس سے مجاہدین کی امداد مراد ہے اور وہ جملہ کام جن سے اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت ہوتی ہو جس طرح اسلامی مدارس اور تبلیغی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

یعنی وقف کا لغوی معنی روکنا ہے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس طرح اس کو وقف کر دیا یعنی روک دیا ٹھہرادیا اور شریعت میں اپنی کسی ملکیت کو اللہ کے راستے میں روک دینا وقف کر دینا کہ اس کے منافع کو فقراء اور مسافروں پر خرچ کیا جائے اور اس کی اصل واقف کی ملکیت میں باقی رہے وقف کی صحت کے لئے الفاظ میں نے وقف کیا میں نے اسے روک دیا وغیرہ وغیرہ صریح الفاظ ہیں۔ بطور کنایہ یہ بھی درست ہے کہ میں نے اسے صدقہ کر دیا۔ لفظ حرمت میں نے اس کے منافع کا استعمال اپنے لئے حرام قرار دے لیا اس کو بعض نے وقف کے لئے لفظ صریح قرار دیا اور بعض نے غیر صریح قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کی حدیث کے مطابق یعنی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں جن میں سے اصل وقف کی صحت کا ثبوت بھی ہے۔ بقول علامہ نووی ائمہ شافعیہ اور جماہیر کا یہی مذہب ہے اور اس پر عام مسلمانوں کا اجماع بھی دلیل ہے جو مساجد اور کنویں وغیرہ کے وقف کی صحت پر ہو چکا ہے اور اس حدیث سے خرچ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوئی جو اپنے محبوب ترین مال میں سے کیا جاتا ہے اور اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوئی اور اس سے اہل علم وفضل سے صلاح ومشورہ کرنا بھی ثابت ہوا اور صلہ رحمی کی فضیلت اور رشتہ ناطہ والوں کے لئے وقف کرنے کی فضیلت بھی ثابت ہوئی۔

اول کلام کا آخر کلام کے ناسخ ہونے کا بیان

وقف میں یہ شرط ہے کہ اگر میں چاہوں گا اسے بیچ کر دوسری زمین خریدوں گا یہ لفظ نہیں ہے کہ خرید کر اُسکی جگہ پر کر دوں گا اس شرط کے ساتھ بھی وقف صحیح ہے اگر زمین بیچے گا تو زرِ ثمن اُسکے قائم مقام ہوگا پھر جب دوسری زمین خریدے گا تو وہ پہلی کے قائم مقام ہو جائے گی۔ (خانیہ

وقف نامہ میں پہلے یہ لکھا کہ میں نے اسے وقف کیا اس کو نہ بیچ کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ پھر آخر میں یہ لکھا کہ متولی کو یہ اختیار ہے کہ اسے بیچ کر دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ پر وقف کر دے تو اگرچہ پہلے لکھ چکا ہے کہ بیع نہ کی جائے مگر اس کی بیع جائز ہے کہ آخر کلام اول کلام کا ناسخ یا موضح ہے اور اگر عکس کیا یعنی پہلے تو یہ لکھا کہ متولی کو بیع واستبدال کا اختیار ہے مگر آخر میں لکھ دیا کہ بیع نہ کی جائے تو اب بدلنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

امام ومؤذن مقرر کرنے میں بانی مسجد یا اُسکی اولاد کا حق بہ نسبت اہل محلّہ کے زیادہ ہے مگر جب کہ اہل محلّہ نے جس کو مقرر کیا وہ بانی مسجد کے مقررہ کردہ سے اولیٰ ہے تو اہل محلّہ ہی کا مقرر کردہ امام ہوگا۔ (درمختار)

وقف زمین کا وکیل سے تبادلہ کرانے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب یہ شرط تھی کہ میں تبادلہ کروں گا اور خود نہ کیا بلکہ وکیل سے کرایا تو بھی جائز ہے اور مرتے وقت وصیت کر گیا تو وصی تبادلہ نہیں کر سکتا اور اگر یہ شرط تھی کہ میں اور فلاں شخص مل کر تبادلہ کریں گے تو تنہا وہ شخص تبادلہ نہیں کر سکتا اور یہ تنہا کر سکتا ہے۔ (فتح القدیر، باب وقف)

مسجد کیلئے وقف جگہ کو منتقل کرنے کا فقہی بیان

اور اگر وقف مسجد ہو تو وہ اسی جگہ میں معطل رہے گی، مثلا کہ اگر وہ محلہ خراب ہو گیا اور منہدم ہو گیا، تو پھر وہ فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں اس کی قیمت صرف کر دی جائے گی۔

اور اگر کسی مسجد کے لیے وقف ہو، اور اس کی آمدن مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہو تو اس آمدن کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اس سے فائدہ اسی جنس میں لیا جا رہا ہے جس میں وہ وقف کیا گیا تھا، اور مسجد کے لیے وقف کردہ چیز کی مسجد کی ضروریات سے زیادہ آمدن کو مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے۔

شخصی ملکیت کی اراضی میں مسجد تعمیر کی گئی ہو اور وہ مسجد کے نام پر وقف کی گئی ہو اور مسلمان اس مسجد میں باقاعدہ نماز کی ادائیگی کرتے رہے ہوں تو یہ بھی شرعی مسجد ہے یہ زمین بھی تا قیامت مسجد کے حکم میں ہے اس سلسلہ میں حکومت کی منظوری ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

قولـه يـزول ملـكـه عـن الـمسجد اعلم ان المسجد يخالف سائر الاوقاف في عدم اشتـراط التسـليـم الـى الـمتولي عند محكمه وفي منع الشيوع عند ابي يوسف وفي خرسبب عن ملك الواقف عند الامام وان لم يحكم به حاكم ۔ (ج۲، ۳۵۹)

-یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کر دی جائے وہ اسی مسجد کے لئے تا قیامت خاص ہوتی ہے لہذا اس مسجد کی اراضی کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

وقـولـه ولو خرب ما حوله اي ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقـد استـغـنـى الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله عند الامام والثاني فلايعود ولايجوز نـقـلـه ونـقـل مـالـه الـى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه اولاً وهو الفتوىٰ حاوي القدسي واكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الاسبب ۔

وفي الفتاوىٰ الهندية:

واذا خرب المسجد واستغنی اھلہ وصار بحیث لایصلی فیہ عاد ملکاً لواقفہ او لو رثتہ حتی جاز لھم ان یبیعوہ او یبنو داراً وقیل ھو لمسجد ابداً وھو الاصح کذا فی خزانۃ المفتین ۔

سرکاری رقبہ پر مسجد کی تعمیر کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے ایسی جگہوں پر حکومت سے باضابطہ اجازت کے بغیر مسجد وغیرہ تعمیر نہیں کرنی چاہئے اگر حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری اراضی پر مسجد تعمیر ہوئی ہو تو محلہ کے مسلمانوں کی اجتماعی دینی ضرورت کے پیش نظر حکومت شرعاً واخلاقاً اس مسجد کو باقی رکھنے کی پابند ہوگی ایک تو کیونکہ یہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے جس کا انہدام جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ مسجد چونکہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت ہے اور سرکاری اراضی یا املاک بھی قوم کی اجتماعی املاک شمار ہوتی ہیں اگر مسلمان اپنی کسی اجتماعی ضرورت کے لئے اپنی اجتماعی ملکیت سے بقدر ضرورت مستفید ہو رہے ہوں تو اسے خلاف شریعت نہیں کہا جاسکتا اس لئے اگر حکومت اپنی اس شرعی واخلاقی پابندی کا پاس نہ رکھے اور قدیم مساجد کو گرانے کے لئے غیر قانونی ہونے کو بنیاد بنا کر قدیم مساجد کو گرانے کی کوشش کرے تو یہ حکومتی اقدام اللہ تعالیٰ کے اس غیظ وغضب کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا جو مساجد کو مٹانے گرانے اور ویران ومنہدم کرنے والوں کے لئے طے کر رکھا ہے ایسے اقدام کے ذمہ داروں کو آخرت کے عظیم عذاب کے علاوہ دنیا کی ذلت ورسوائی کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کا اعلان ہے:

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم ۔ (البقرہ)

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اور فتاویٰ حمادیہ میں ہے: فیفرض الکلام فیما لو بنی علی الساحۃ مسجداً فاللہ تعالیٰ ذم من سعیٰ فی خراب المساجد فلا یجوز ھدمہ ۔

سب سے زیادہ پیاری چیز اور صدقہ

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں بر سے مراد جنت ہے، یعنی اگر تم اپنی پسند کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو گے تو تمہیں جنت ملے گی، مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ مالدار صحابی تھے مسجد کے سامنے ہی بیرحا نامی آپ کا ایک باغ تھا جس میں کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہاں کا خوش ذائقہ پانی پیا کرتے تھے جب یہ آیت

اتری تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ میرا تو سب سے زیادہ پیارا مال یہی باغ ہے میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا فرمائے اور اپنے پاس اسے میرے لئے ذخیرہ کرے آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اسے تقسیم کردیں آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا تم اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کردو چنانچہ حضرت ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا، بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے تمام مال میں سب سے زیادہ مرغوب مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے میں اسے راہ اللہ دینا چاہتا ہوں فرمایئے کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اسے وقف کردو اصل روک لو اور پھل وغیرہ راہ اللہ کردو۔ مسند بزاز میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس آیت کی تلاوت کرکے سوچا تو مجھے کوئی چیز ایک کنیز سے زیادہ پیاری نہ تھی۔ میں نے اس لونڈی کو راہ للہ آزاد کردیا، اب تک بھی میرے دل میں اس کی ایسی محبت ہے کہ اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے نام پر دے کر پھر لوٹا لینا جائز ہوتو میں کم ازکم اس سے نکاح کرلیتا۔

فَصْل

﴿یہ فصل مسجد کے وقف کے بیان میں ہے﴾

فصل وقف مسجد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصل مسجد کے احکام کے بیان میں ہے اور اس سے پہلے فصل میں ایسے احکام بیان کیے گئے ہیں جو اس کے احکام سے مختلف ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے وقف میں امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک متولی کو تسلیم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک شیوع منع ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک واقف کی ملکیت سے خروج ہے اگر چہ حاکم نے اس کا فیصلہ نہ کیا ہو۔

حضرت امام اعظم اعظم رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ نے وقف میں مسجد میں فرق کیا ہے۔ وقف کا حکم یہ ہے کہ جب تک حاکم حکم نہ دے یا وہ موت کے بعد موصیٰ بہ کی طرف مضاف نہ ہو جس کی طرف اس نے لوٹنا ہے۔ جبکہ مسجد اس کی جانب لوٹنے والی نہیں ہے نہ اس کی بیع ہے اور نہ اس سے وراثت ہے۔ بیشک وقف میں دو معانی جمع ہو گئے ہیں۔ (۱) حبس (۲) صدقہ۔ پس وہ کہے گا میں نے وقف کیا ہے تو پس وہ اپنی ملکیت کے عین کو وقف کرنے والا ہے۔ اور جب اس نے یہ کہا کہ میں نے اپنی زمین سے مسجد بنائی تو اس کی ملکیت اس میں کچھ باقی نہ رہے گی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۵۰ بیروت)

مسجد بنانے سے زوال ملکیت کا بیان

(وَإِذَا بَنَى مَسْجِدًا لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْهُ حَتَّى يُفْرِزَهُ عَنْ مِلْكِهِ بِطَرِيقِهِ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ ، فَإِذَا صَلَّى فِيهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مِلْكِهِ) أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهُ لَا يَخْلُصُ لِلَّهِ تَعَالَى إلَّا بِهِ ، وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيهِ فَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ التَّسْلِيمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ ، وَذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ ، أَوْ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فَقَامَ تَحَقُّقُ الْمَقْصُودِ مَقَامَهُ ثُمَّ يُكْتَفَى بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَذِّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَدْنَاهُ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ يُبْنَى لِذَلِكَ فِي الْغَالِبِ

(وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْته مَسْجِدًا) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ ؛ لِأَنَّهُ إسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيرُ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى بِسُقُوطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ

كَالْإِعْتَاقِ ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ ---

اور جب کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملکیت اس مسجد سے اس وقت ختم ہو جائے گی جب اس نے مسجد کا راستہ نکال کر اپنی ملکیت سے الگ کر دیا ہے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دینے والا ہے۔ اور جب اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھ لی ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس مسجد سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ اور افراز اسی لئے لازمی ہے کہ اس کے بغیر وہ خاص اللہ کیلئے نہ ہوگا اور اس میں نماز پڑھنا اس لئے ضروری ہے کیونکہ طرف کے نزدیک وقف کے صحیح ہونے کیلئے حوالے کر دینا شرط ہے۔ اور وقف میں جس طرح حوالے کرنا ضروری ہے اسی طرح اس میں تسلیم بھی شرط ہے اور مسجد کی تسلیم اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا ہے۔ یا اس طرح کہا جائے گا کہ جب مسجد پر بطور حقیقت قبضہ ناممکن ہے تو اس کے مقصد کو بجالانا یہ اس کے قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔

طرفین کی ایک روایت کے مطابق تسلیم کیلئے ایک شخص کا نماز پڑھنا بھی کافی ہے کیونکہ پوری جنس کا عمل ناممکن ہے پس جنس کا کم تر فرد کی شرط کافی ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ نماز با جماعت شرط ہے کیونکہ عام طور پر مسجد نماز کی جماعت کیلئے بنائی جاتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بنانے والے جب یہ کہا کہ میں نے اس کو مسجد بنایا تو اس سے ہی اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک تسلیم کی شرط نہیں ہے کیونکہ بندے سے اس کے حق کا اسقاط ہے جو بندے سے ساقط ہوتے ہی اللہ کیلئے ہو جائے گا۔ جس طرح اعتاق میں ہوتا ہے۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مسجد میں کسی نے درخت لگائے تو درخت مسجد کا ہے لگانے والے کا نہیں اور زمین موقوفہ میں کسی نے درخت لگائے اگر یہ شخص اس زمین کی نگرانی کے لیے مقرر ہے یا واقف نے درخت لگایا اور وقف کا مال اس پر صرف کیا یا اپنا ہی مال صرف کیا مگر کہہ دیا کہ وقف کے لیے یہ درخت لگایا تو ان صورتوں میں وقف کا ہے ورنہ لگانے والے کا۔ درخت کاٹ ڈالے جڑیں باقی رہ گئیں ان جڑوں سے پھر درخت نکل آیا تو یہ اُسی کی مِلک ہے جسکی مِلک میں پہلا تھا۔

(فتح القدیر، باب الوقف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد بنانے کے لئے حکم دیا اور فرمایا اے بنونجار ! اپنے باغ کی مجھ سے قیمت لے لو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں اللہ کی قسم ! ہم تو اس کی قیمت صرف اللہ سے مانگتے ہیں۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۲۷۷۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھجور کے باغات کے اعتبار سے مدینہ کے انصار میں سب سے بڑے مالدار تھے اور انہیں اپنے تمام مالوں میں مسجد نبوی کے سامنے بیرحاء کا باغ سب سے زیادہ پسند تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی نیکی تم ہرگز نہیں حاصل کرو گے جب تک اپنے اس مال سے نہ خرچ کرو جو تمہیں پسند ہوں تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نیکی ہرگز نہیں حاصل کر سکو گے جب تک اپنے ان مالوں میں سے نہ خرچ کرو جو تمہیں زیادہ پسند ہوں اور میرے اموال میں مجھے سب سے زیادہ پسند بیرحاء ہے اور یہ اللہ کے راستہ میں صدقہ ہے میں اللہ کی بارگاہ سے اس کی نیکی اور ذخیرۂ آخرت ہونے کی امید رکھتا ہوں آپ کو جہاں اللہ تعالیٰ بتائے اسے خرچ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاباش یہ تو بڑا فائدہ بخش مال ہے یا (آپ نے بجائے رابح کے رائح کہا) یہ شک عبداللہ بن مسلمہ راوی کو ہوا تھا۔۔۔ اور جو کچھ تم نے کہا میں نے سب سن لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنے ناطے والوں کو دے دو۔ ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عزیزوں اور اپنے چچا کے لڑکوں میں تقسیم کر دیا۔ اسماعیل عبداللہ بن یوسف اور یحییٰ بن یحییٰ نے مالک کے واسطہ سے۔ رابح کے بجائے رائح بیان کیا ہے۔

ترجمہ باب کی مطابقت صاف ظاہر ہے کہ ابوطلحہ نے بیرحاء کو صدقہ کر دیا۔ اس کے حدود بیان نہیں کئے کیونکہ بیرحاء باغ مشہور و معروف تھا ہر کوئی اس کو جانتا تھا اگر کوئی ایسی زمین وقف کرے کہ وہ معروف و مشہور نہ ہو تب تو اس کی حدود بیان کرنی ضروری ہیں لفظ بیرحاء دو کلموں سے مرکب ہے پہلا کلمہ بیئر ہے جس کے معنی کنویں کے ہیں دوسرا کلمہ حاء ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا کسی جگہ کا نام جس کی طرف یہ کنواں منسوب کیا گیا ہے یا یہ کلمہ اونٹوں کے ڈانٹنے کے لئے بولا جاتا تھا اور اس جگہ اونٹ بکثرت چرائے جاتے تھے لوگ ان کو ڈانٹنے کیلئے لفظ حاء کا استعمال کرتے۔ اسی سے یہ لفظ بیرحاء مل کر ایک کلمہ بن گیا۔ پھر حضرت ابوطلحہ کا سارا باغ ہی اس نام سے موسوم ہو گیا کیونکہ یہ کنواں اس کے اندر تھا لفظ بخ بخواہ واو کی جگہ بولا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ کیا اگر وہ ان کی طرف سے خیرات کریں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر ان صحابی نے کہا کہ میرا ایک پرمیوہ باغ ہے اور میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے وہ ان کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

(بخاری حدیث نمبر 6770)

یہاں بھی اس باغ کی حدود کو بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے مقصد باب ثابت ہوا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ذخیرہ چھوڑنے کے لئے کنواں یا کوئی باغ وقف کر دینا بہترین صدقہ جاریہ ہے کہ مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرتی رہے گی اور جس نے یہ کیا ہے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

مسجد والی زمین کی ملکیت ہونے کا بیان

قَالَ : وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إلَى الطَّرِيقِ ، وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهُ ، وَإِنْ مَاتَ يُورَثُ عَنْهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ ، وَلَوْ كَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازَ كَمَا فِي مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ .

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : إذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ ، وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلَى عَكْسِ هَذَا ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيمُهُ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضِيقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ . وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی بندے نے مسجد کو ایسی جگہ پر بنایا ہے جس کے نیچے تہہ خانہ ہے یا اس کے اوپر مکان ہے جبکہ مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی جانب بنایا ہے۔ اور اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا ہے تو وہ مسجد نہ ہوگی بلکہ اس کو بیچنے کا حق حاصل ہوگا اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی میراث بن جائے گی کیونکہ یہ اللہ کے لئے خاص نہ ہوئی تھی کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے۔ ہاں البتہ جب تہہ خانہ مسجد ہی کی مصلحت کیلئے بنا ہوا ہے تو پھر وقف جائز ہے۔ جس طرح مسجد بیت المقدس ہے۔

حضرت حسن بن زیاد نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب کسی نے نچلے حصے کو مسجد بنایا اور مسجد کے اوپر رہائش کیلئے مکان ہے تو بھی وہ مسجد ہے کیونکہ مسجد ہمیشہ کیلئے مسجد ہوا کرتی ہے اور یہ حکم نچلے حصے میں پایا جاتا ہے اوپر والے میں نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے اسی برعکس روایت کی گئی ہے اس لئے مسجد قابل ادب ہے اور جب اس کے اوپر رہائش کیلئے مکان ہوگا یا کرایہ لینے کی غرض کوئی چیز ہے تو اس کی تعظیم نہ ممکن ہو جائے گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ جب وہ بغداد گئے اور وہاں پر انہوں نے جگہ تنگ دیکھی تو انہوں نے ضرورت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب وہ رے کے شہر میں گئے تو انہوں نے ضرورت کے تحت ان سب کو جائز قرار دیا ہے۔

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسجد کے لیے یہ ضرور ہے کہ اپنی املاک سے اُسکو بالکل جدا کر دے اسکی ملک اُس میں باقی نہ رہے، لہٰذا نیچے اپنی دوکانیں ہیں یا رہنے کا مکان اور اوپر مسجد بنوائی تو یہ مسجد نہیں۔ یا اوپر اپنی دوکانیں یا رہنے کا مکان اور نیچے مسجد بنوائی تو یہ مسجد نہیں بلکہ اُسکی ملک ہے اور اُسکے بعد اُسکے ورثہ کی، اور اگر نیچے کا مکان مسجد کے کام کے لیے ہو اپنے لیے نہ ہو تو مسجد ہوگی۔ (تبیین الحقائق، باب وقف)

اسی طرح مسجد کے نیچے کرایہ کی دکانیں بنائی گئیں یا اوپر مکان بنایا گیا جن کی آمدنی مسجد میں صرف ہوگی تو حرج نہیں یا مسجد کے نیچے ضرورت مسجد کے لیے تہ خانہ بنایا کہ اُس میں پانی وغیرہ رکھا جائے گا یا مسجد کا سامان اُس میں رہے گا تو حرج نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ)

مگر یہ اُس وقت ہے کہ قبل تمام مسجد دکانیں یا مکان بنالیا ہو اور مسجد ہو جانے کے بعد نہ اُسکے نیچے دکان بنائی جاسکتی نہ اوپر مکان۔ یعنی مثلاً ایک مسجد کو منہدم کر کے پھر سے اُسکی تعمیر کرانا چاہیں اور پہلے اُسکے نیچے دکانیں نہ تھیں اور اب اس جدید تعمیر میں دکان بنوانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے کہ یہ تو پہلے ہی سے مسجد ہے اب دکان بنانے کے یہ معنی ہونگے کہ مسجد کو دکان بنایا جائے۔

مسجد وقف کی قسم سے ہے اور وقف عقد لازم ہے یہ فسخ نہیں ہوسکتی۔ حدیث میں ہے: لا یباع اصلھا ولا یوھب ولا یورث یعنی وقف نہ فروخت ہوسکتی ہے نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ وراثت میں لی جاسکتی ہے۔ اس بناء پر مسجد کی عمارت خواہ بالکل خراب ہو جائے وہ چٹیل میدان وقف ہی رہے گا۔ لیکن اب دیکھنا چاہیے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی صورت کیا ہے۔ اگر مسجد کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو یہ اول نمبر ہے۔ اگر وہاں مسجد بننے کی کوئی صورت نہیں مثلاً وہ کسی سبب سے مسجد کے قابل نہیں رہی یا اس کو بنانے کے لیے پیسوں کا انتظام ہونا مشکل ہے اور نماز کے لیے دوسری مسجد موجود ہے یا کوئی اور سبب ہے تو اس مسجد کو کسی اور وقف میں تبدیل کر دیا جائے جس سے دوسری مسجد کو فائدہ پہنچے مثلاً یہ جگہ کرایہ پر یا ٹھیکہ پر دے دی جائے یا اس میں کھیتی کی جائے یا کوئی شخص اپنے پیسوں سے یہاں دکان یا مکان بنائے اور اس کے کرایہ سے اپنا قرض پورا کر کے اس کو چھوڑ دے یا کرایہ ادا کرتا رہے۔

اگر وقف رہنے کی صورت میں دوسری مسجد کو فائدہ نہیں تو پھر فروخت کر کے اس کی قیمت دوسری مسجد پر خرچ کر دی جائے۔ اگر دوسری مسجد پر ضرورت نہ ہو تو درس وتدریس یا کسی اور نیک مصرف میں لگادی جائے بہر صورت جو شے خدا کی ہو چکی حتی الوسع کسی نہ کسی طرح اس کو اسی راہ میں صرف کرنا چاہیے۔ ضائع نہ ہونے دے۔ اگر کوئی اور صورت نہ ہو تو قبرستان ہی سہی کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے عام فائدہ کی شے ہے ہاں اگر معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو جدھر جاتی ہے جانے دے۔

منتقیٰ باب ما یمنع بفاضل مال الکعبۃ میں ہے۔

عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لولا ان قومک حدیثو عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لا نفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللہ ولجعلت بابھا بالارض ولادخلت فیھا من الحجر (رواہ مسلم)

یعنی عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے اگر تیری قوم جاہلیت کے ساتھ نئے زمانے والی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کا خزانہ نکال کر فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتا اور بیت اللہ کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حجر کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔

بیت اللہ کے خزانہ سے مراد وہ مال جو لوگ بیت اللہ کی خاطر نذر دیا کرتے تھے جس طرح مساجد میں لوگ دیتے ہیں۔ یہ خزانہ بیت اللہ میں اسی طرح دفن ہے۔ رسول اللہ ؟ نے جب دیکھا کہ یہ بیت اللہ کی حاجت سے زائد بے کار ہے تو خیال ہوا کہ اس کو فی سبیل اللہ تقسیم کر دیا جائے لیکن کفار چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ خطرہ تھا کہ کہیں وہ بدظن نہ ہو جائیں اس لیے چھوڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب وقف کی حالت ایسی ہو جائے کہ ضائع جاتی نظر آئے تو اس کی کوئی ایسی صورت بنانی چاہیے جس سے وہ ضائع نہ ہو۔

کشف القناع عن متن الاقناع جلد 2 صفحہ 471 میں ہے۔

واحتج الامام بان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدحول المسجد الجامع من التمارین ای بالکوفۃ۔

یعنی امام محمد علیہ الرحمہ نے تبدیل وقف پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جامع مسجد کھجوروں کے تاجروں سے بدل دی یعنی بدل کر کوفہ میں دوسری جگہ لے گئے۔

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ شارع عام تنگ ہو گیا تو انہوں نے مسجد کا کچھ حصہ راستہ میں ڈال دیا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ جلد 3 صفحہ 288 غرض اس قسم کے تصرفات اوقاف اور خیرات میں درست ہیں جن سے وہ ضائع نہ ہو بلکہ بڑھے یا محفوظ ہو جائے بلکہ حنفیہ کا بھی آخری فتویٰ اس پر ہے چنانچہ ردالمختار جلد 3 صفحہ 407 میں اس کی تصریح کی ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر وقف بیکار ہو جائے تو اس کے اصل مالک یا وارثوں کے ملک میں ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ وقف کی غرض پر مدار ہے حتی الوسع اس کو ضائع نہ ہونے دے۔

گھر میں مسجد بنانے کا بیان

قَالَ (وَكَذَلِكَ إنْ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ) يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورَثُ عَنْهُ ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ

مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا ، وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى (وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ) اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا ، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ .

ترجمہ

اور فرمایا: جب کسی نے اپنے مکان کے درمیان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت دیدی تب بھی حکم اسی طرح ہوگا۔ یعنی اس کیلئے اس کو بیچنے کا حق ہے۔ اور اس کی موت کے بعد وارثوں کی ہوجائے گی کیونکہ وہ جگہ مسجد کہلانے والی ہے جس میں کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے اور جب مسجد کی چاروں اطراف میں مالک کی ملکیت باقی ہو تو اس کو منع کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ جگہ مسجد نہیں ہے کیونکہ مالک نے راستہ اپنے لئے باقی رکھ لیا ہے۔ پس وہ مسجد خاص اللہ کیلئے نہ ہوئی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کو نہ بیچ سکتا ہے اور نہ ہی وراثت میں دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کو ہبہ کر سکتا ہے۔ پس آپ اس کو مسجد تسلیم کر لیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے کہ وہ مسجد ہوجائے گی کیونکہ جب وقف کرنے والا اس کے مسجد ہونے پر راضی ہے تو راستہ بھی اس میں داخل ہوجائے گا۔ کیونکہ راستے کے بغیر مسجد کس طرح ہوسکتی ہے۔ پس وہ راستہ بھی مسجد کا بن جائے گا۔ جس طرح کرائے پر دینے سے راستے کی وضاحت کے بغیر وہ اس میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

عام اجازت صلوٰۃ کے سبب مسجد ہونے کا بیان

مسجد بنائی اور جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی مسجد ہوگئی اگرچہ جماعت میں دو ہی شخص ہوں مگر یہ جماعت علی الاعلان یعنی اذان واقامت کے ساتھ ہو۔ اور اگر تنہا ایک شخص نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھی اس طرح نماز پڑھنا جماعت کے قائم مقام ہے اور مسجد ہوجائے گی۔ اور اگر خود اِس بانی نے تنہا اس طرح نماز پڑھی تو یہ مسجدیت کے لیے کافی نہیں کہ مسجدیت کے لیے نماز کی شرط اس لیے ہے تاکہ عامہ مسلمین کا قبضہ ہوجائے اور اس کا قبضہ تو پہلے ہی سے ہے، عامہ مسلمین کے قائم مقام یہ خود نہیں ہوسکتا۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب وقف)

یہ کہا کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا تو اس کہنے سے بھی مسجد ہوجائے گی۔ (تنویر) مکان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اُس میں آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دیدی اگر مسجد کا راستہ علیحدہ کر دیا ہے تو مسجد ہوگئی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوقف)

حضرت حصین بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن جاوان سے دریافت کیا کہ حضرت احنف بن

قیس کے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کا ساتھ چھوڑ دینے کی کیا سبب ہے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں نے حضرت احنف کو نقل کرتے ہوئے سنا کہ جس وقت میں حج کے واسطے جانے کے وقت مدینہ منورہ حاضر ہوا تو ابھی ہم لوگ اپنی قیام کرنے کی جگہ سامان اتارتے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ لوگ مسجد میں اکٹھا ہو رہے ہیں میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ لوگ مسجد میں اکٹھا ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ ان کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں وہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔

خداوندقدوس ان پر رحم فرمائے چنانچہ جس وقت میں وہاں پر پہنچا تو کہنے لگے کہ حضرت عثمان تشریف لے آئے انہوں نے زرد رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ٹھہر جا میں دیکھ لوں کہ حضرت عثمان کیا بات فرمارہے ہیں؟ انہوں نے آ کر دریافت کیا کہ کیا اس جگہ حضرت طلحہ حضرت علی حضرت سعد رضی اللہ عنہم ہیں۔لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔انہوں نے فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں ہے کہ کیا تم واقف ہو کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا تھا کہ کوئی فلاں مربد خریدے گا تو خداوندقدوس اس کی مغفرت فرمائے گا۔ چنانچہ میں نے وہ مربد خرید لیا اور میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو خرید لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا تم اس کو ہماری مسجد میں شامل کر دو۔تم کو اس کا ثواب مل جائے گا۔لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تم کو اس خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے کہ کیا تم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جو شخص رومہ کا کنواں خریدے گا تو خداوندقدوس اس کی بخشش فرمادیں گے۔ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رومہ کا کنواں خرید لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو مسلمانوں کے پانی پینے کے واسطے وقف کر دو تم کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔

لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تم کو اسی خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہ کیا تم لوگ اس بات سے واقف ہو کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا تھا کہ جو شخص غزوہ تبوک کے واسطے لشکر کا سامان مہیا کرے گا تو خداوندقدوس اس کی بخشش فرمادے گا۔ میں نے ان کی ہر ایک چیز کا انتظام کر دیا یہاں تک کہ ان کو کسی رسی یا نکیل تک کی ضرورت نہ رہی۔ وہ فرمانے لگے اے خدا تو گواہ رہنا اے خدا تو گواہ رہنا اے خدا تو گواہ رہنا (تین مرتبہ فرمایا)۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1547)

مسجد والی جگہ کی بیع ووارثت کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُورَثُ عَنْهُ) لِأَنَّهُ تَجَرَّدَ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلَّهِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلَّهِ تَعَالَى ، وَإِذَا أَسْقَطَ

الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ لَهُ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتَاقِ.
وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُودُ إِلَى مِلْكِهِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَعُودُ إِلَى مِلْكِ الْبَانِي ، أَوْ إِلَى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَيَّنَهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ ، وَقَدْ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيرِ الْمَسْجِدِ وَحَشِيشِهِ إِذَا اُسْتُغْنِيَ عَنْهُ ، إلَّا أَنَّ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ فِي الْحَصِيرِ وَالْحَشِيشِ إِنَّهُ يُنْقَلُ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنائی تو اس کیلئے یہ حق نہیں ہے کہ وہ جگہ واپس لے یا اس کو بیچ دے اور وہ جگہ اس کیلئے میراث بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ جگہ بندوں کے حق سے نکل کر اللہ کے خاص ہو چکی ہے اور یہ حکم اسی دلیل کے سبب ہے کہ تمام چیزیں اللہ کیلئے ہیں اور جب بندے نے وہ حق ساقط کر دیا ہے جو اس کو ملا تھا تو وہ حق اپنی اصلیت کی جانب لوٹ کر آنے والا ہے۔ لہذا اس سے بندے کا تصرف ختم ہو جائے گا جس طرح آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ اور جب مسجد کے گرد ونواح کی جگہ ویران ہو جائے اور وہاں کی ضرورت ختم ہو جائے تب بھی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ جگہ مسجد ہی رہے گی۔ کیونکہ وہ جگہ بندے کی جانب سے ساقط ہو چکی ہے۔ پس وہ اس کی ملکیت میں دوبارہ نہ جائے گی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بنانے والے کی موت کے بعد وہ اس کے وارث کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی۔ کیونکہ بنانے والے نے اس کو عبادت کیلئے بنایا تھا اور اب وہ عبادت ختم ہو چکی ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مسجد کی چٹائی اور گھاس ہے جب ان کی ضرورت ختم ہو جائے جبکہ چٹائی اور گھاس کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ان کو دوسرے مسجد میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسجد کے آس پاس جگہ ویران ہوگئی وہاں لوگ رہے نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں یعنی مسجد بالکل بیکار ہوگئی جب بھی وہ بدستور مسجد ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اُسے توڑ پھوڑ کر اُس کے اینٹ پتھر وغیرہ اپنے کام میں لائے یا اُسے مکان بنا لے۔ یعنی وہ قیامت تک مسجد ہے۔ مسجد کی چٹائی جانماز وغیرہ اگر بیکار ہوں اور اِس مسجد کے لیے کار آمد نہ ہوں تو جس نے دیا ہے وہ جو چاہے کرے اُسے اختیار ہے اور مسجد ویران ہوگئی کہ وہاں لوگ رہے نہیں تو اُس کا سامان دوسری مسجد کو منتقل کر دیا جائے بلکہ ایسی منہدم ہو جائے اور اندیشہ ہو کہ اِس کا عملہ لوگ اوٹھا لے جائیں گے اور اپنے صرف میں لائیں گے تو اسے بھی دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دینا جائز ہے۔ (ردمختار، باب وقف)

[illegible]

[illegible] چاہتے ہیں کہ [illegible]

[illegible] دوسرے لوگ ایسا کرنا چاہتے ہوں تو نہیں کر سکتے اور اہل محلہ [illegible]

[illegible] اس میں حوض اور کنواں اور ضرورت کی چیزیں بنائیں وضو اور پینے کے لیے مٹکوں میں پانی

[illegible] بانی مسجد کے ورثہ کو منع کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ اپنے مال سے ایسا کرنا چاہتے

[illegible] اپنے پاس سے کرنا چاہتا ہے اور اہل محلہ اپنی طرف سے تو بانی مسجد بہ نسبت اہل محلہ کے زیادہ حقدار ہے۔ حوض [illegible] میں یہ شرط ہے کہ کسی سبب سے مسجد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ (ردمحتار، باب وقف)

شیخ [illegible] الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے جتنی مسجد تھی اُسکے علاوہ دوسری زمین میں بنائے جائیں مسجد میں نہیں بنائے جاسکتے۔ نمازیوں کی کثرت کی سبب سے مسجد تنگ ہوگئی اور مسجد کے پہلو میں کسی شخص کی زمین ہے تو اُسے خرید کر مسجد میں اضافہ کریں اور اگر وہ نہ دیتا ہوتو واجبی قیمت دیکر جبراً اُس سے لے سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر پہلوئے مسجد میں کوئی زمین یا مکان ہے جو اس مسجد کے نام وقف ہے یا کسی دوسرے کام کے لیے وقف ہے تو اُسکو مسجد میں شامل کر کے اضافہ کرنا جائز ہے البتہ اس کی ضرورت ہے کہ قاضی سے اجازت حاصل کرلیں۔ اسی طرح اگر مسجد کے برابر وسیع راستہ ہو اُس میں سے اگر کچھ جز مسجد میں شامل کرلیا جائے جائز ہے۔ جبکہ راستہ تنگ نہ ہو جائے اور اُس کی سبب سے لوگوں کا حرج نہ ہو۔ مسجد تنگ ہوگئی ایک شخص کہتا ہے مسجد مجھے دیدو اسے میں اپنے مکان میں شامل کرلوں اور اسکے عوض میں وسیع اور بہتر زمین تمہیں دیتا ہوں تو مسجد کو بدلنا جائز نہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب وقف)

وقف شدہ زمین میں وراثت جاری نہ ہونے کا بیان

کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق وصیت مشروع ہے۔ فرمان باری تعالی ہے: (تم پر فرض کردیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور وہ مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کرجائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے) البقرۃ (180)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ": بلاشبہ اللہ تعالی نے تمہاری موت کے وقت تم پر تمہارے مال کا ایک تہائی حصہ صدقہ کیا ہے، جو تمہارے اعمال میں زیادتی کا باعث ہے"

سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر (2709) البانی نے صحیح ابن ماجۃ میں اسے حسن کہا ہے. اور وقف بھی صدقہ جاریہ کی اقسام میں شامل ہے جس کا انسان کی موت کے بعد بھی فائدہ ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور فرمایا ": جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں لیکن تین قسم کے اعمال جاری رہتے ہیں : صدقہ جاریہ، یا نفع مند علم، یا نیک اور صالح

اولاد جواس کے لیے دعا کرے۔(صحیح مسلم حدیث نمبر.(1631)

اور مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ میں وصیت کرنی جائز نہیں، کیونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے جب سارے مال کی وصیت کرنا چاہی تو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ":ایک تہائی اور ایک تہائی بہت ہے"(صحیح بخاری حدیث نمبر (2742) صحیح مسلم حدیث نمبر (1628)

لھذا اگر تو یہ گھر ترکہ کا ایک تہائی حصہ یا اس سے کم ہے تو یہ سارا گھر وقف ہے، اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے تو اس میں سے ترکہ کے ایک تہائی کے برابر وقف ہوگا۔

دوم: وقف کی گئی چیز فروخت کرنی جائز نہیں، اور نہ ہی اسے ملکیت بنانا اور اس کا قبضہ کرنا جائز ہے، اور ورثہ کے لیے اسے ترکہ میں شامل کر کے وراثت کے ساتھ تقسیم کرنا جائز نہیں ہے. عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی خیبر کی زمین وقف کرنا چاہی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ":اس کی اصل فروخت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی ہبہ ہوگی، اور نہ ہی وراثت بنے گی۔(صحیح بخاری حدیث نمبر (2764) صحیح مسلم حدیث نمبر (1633)

وقف کردہ مختلف اشیاء کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَنَى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْ ذَلِكَ حَتَّى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبَ مِنْ السِّقَايَةِ ، وَيُدْفَنَ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوْ الْإِضَافَةُ إلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الِانْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ (وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ) كَمَا هُوَ أَصْلُهُ ، إذْ التَّسْلِيمُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَازِمٌ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنْ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدُفِنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ ، وَذَلِكَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ .وَيُكْتَفَى بِالْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ فِعْلِ الْجِنْسِ كُلِّهِ ، وَعَلَى هَذَا الْبِئْرُ الْمَوْقُوفَةُ وَالْحَوْضُ ، وَلَوْ سُلِّمَ إلَى الْمُتَوَلِّي صَحَّ التَّسْلِيمُ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا ؛ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنْ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ ، وَفِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنُوبِ عَنْهُ ، وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيلَ لَا يَكُونُ تَسْلِيمًا ؛ لِأَنَّهُ

لَا تَدْبِيرَ لِلْمُتَوَلِّي فِيهِ ، وَقِيلَ يَكُونُ تَسْلِيمًا ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى مَنْ يَكْنُسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ ، فَإِذَا سُلِّمَ إلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيمُ ، وَالْمَقْبَرَةُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَا قِيلَ ؛ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلِّيَ لَهُ عُرْفًا .وَقِيلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّقَايَةِ وَالْخَانِ فَيَصِحُّ التَّسْلِيمُ إلَى الْمُتَوَلِّي ؛ لِأَنَّهُ لَوْ نُصِّبَ الْمُتَوَلِّي يَصِحُّ ، وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ ،

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے پانی پینے کیلئے مسلمانوں کیلئے کوئی سبیل بنادی یا مسافروں کی رہائش کیلئے کوئی مسافر خانہ تعمیر کروایا ہے یا گھوڑے باندھنے کی جگہ بنوادی یا اس نے اپنی زمین کو قبرستان بنایا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذکورہ اشیاء اس وقت بنانے والے کی ملکیت میں رہیں گی جب تک حاکم ان کا فیصلہ نہ کرے گا۔ کیونکہ ابھی تک اس بندے کا حق ان سے ختم نہیں ہوا ہے کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ بنانے والے ان اشیاء سے نفع اٹھانے حق رکھتا ہے۔ پس وہ مسافر خانہ میں رہ سکتا ہے رباط میں ٹھہر سکتا ہے اور سبیل سے پانی بھی پی سکتا ہے اور قبرستان میں اس کو دفن بھی کیا جاسکتا ہے۔ پس حاکم کا فیصلہ کرنا یا وقف کرنے والا کا اپنی موت کے بعد کی حالت کی جانب منسوب کرنا شرط ہے جس طرح فقراء والے وقف پر ہوا کرتا ہے۔ بہ خلاف مسجد کے کیونکہ مسجد سے وقف کرنے والے کو نفع اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور حاکم کے حکم کے بغیر بھی وہ اللہ کیلئے خاص ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وقف کرنے والے کے قول سے ملکیت ختم ہو جاتی ہے جس طرح ان کی اصل ہے کیونکہ ان کے متولی کو سپرد کرنے کی شرط بھی نہیں ہے اور اس کے سوا بھی وقف لازم ہوجاتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب لوگ سبیل سے پانی پی لیں اور مسافر خانہ اور رباط میں ٹھہر جائیں اور مردوں کو قبرستان میں دفن کردیا جائے تو وقف کرنے والے کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک متولی کو تسلیم شرط ہے اور ہر چیز کے حال کے مطابق تسلیم کی شرط ہوگی۔ جبکہ مذکورہ صورتوں میں وہ شرط پائی جارہی ہے جبکہ ثبوت تسلیم کیلئے ایک آدمی کا عمل بھی کافی ہے۔ کیونکہ پوری جنس کا عمل ناممکن ہے۔ اور وقف کیا ہوا کنواں اور حوض کا اختلاف بھی اسی طرح ہے۔

اور جب وقف کرنے والے نے وقف شدہ چیز کو متولی کے حوالے کردیا ہے تو ان تمام احوال میں تسلیم درست ہوجائے گی اس لئے متولی ان لوگوں کا نائب ہوتا ہے جن کیلئے وقف کیا جاتا ہے۔ اور نائب کا عمل اصل کے قائم مقام ہوتا ہے۔

البتہ مسجد کے معاملے میں ایک قول یہ ہے کہ متولی کو سپرد کرنے سے تسلیم ثابت نہ ہوگی کیونکہ متولی کا عمل دخل مسجد میں نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق تسلیم درست ہوجائے گی کیونکہ مسجد ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کی صفائی کرے اور اس کا دروازہ بند کرے پس جب وقف کرنے والے متولی کے سپرد کرتا ہے تو یہ تسلیم کرنا درست ہوجائے گا۔

تسلیم کے مسئلہ میں قبرستان مسجد کے حکم میں ہے۔ جس طرح کہا گیا ہے کہ عرف کے مطابق قبرستان کا کوئی متولی نہیں ہوا کرتا جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ قبرستان، مسافر خانہ اور سبیل کے حکم میں ہے اور ان کو متولی کے سپرد کرنا درست ہے کیونکہ جب وقف کرنے والا قبرستان کیلئے متولی مقرر کرے تو یہ درست ہوگا۔ اگر چہ یہ عرف کے خلاف ہے۔

شرح

اور جب کسی شخص نے مسجد بنائی یا اپنی زمین کو قبرستان یا مسافر خانہ بنایا ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ زمین میری ہے اور بانی کہیں چلا گیا ہے موجود نہیں ہے تو اگر بعض اہل مسجد کے مقابل میں فیصلہ ہو گیا تو سب کے مقابل میں ہو گیا اور مسافر خانہ کے لیے یہ ضرور ہے کہ بانی یا نائب کے مقابل میں فیصلہ ہو اُنکی عدم موجودگی میں کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ ہندیہ)

وقف کے بعض مستحقین دعویٰ میں سب کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یعنی ایک کے مقابل میں جو فیصلہ ہوگا وہی سب کے مقابل میں نافذ ہوگا یہ جب کہ اصل وقف ثابت ہو۔ اسی طرح بعض وارث جمیع ورثہ کے قائم مقام ہیں یعنی اگر میت پر یا میت کی طرف سے دعویٰ ہو تو ایک وارث پر یا ایک وارث کا دعویٰ کرنا کافی ہے۔ اسی طرح اگر مدیون کا دیوالیا ہونا ایک قرض خواہ کے مقابل میں ثابت ہوا تو یہ سبھی کے مقابل ثبوت ہو گیا کہ دوسرے قرض خواہ بھی اسے قید نہیں کرا سکتے۔

مسلمانوں کیلئے پانی کی سبیل وقف کرنے کا بیان

حضرت سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جس وقت لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید خانہ میں ڈال دیا تو وہ اوپر چڑھ گئے اور انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے لوگو! میں تم سے خداوند قدوس کا واسطہ دے کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے کہ پہاڑ کے حرکت میں آنے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھوکر مارتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے پہاڑ! تو اسی جگہ ٹھہر جا۔ تیرے اوپر ایک نبی صدیق اور دو شہید کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس وقت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اس پر کچھ لوگوں نے ان آیت کریمہ کی تصدیق کی۔ انہوں نے فرمایا میں خداوند قدوس کا واسطہ دے کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی اس قسم کا شخص آج ہے جس نے کہ بیعت رضوان پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہو کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے اور یہ حضرت عثمان کا ہاتھ ہے اس پر کچھ لوگوں نے حضرت عثمان کے فرمان کی تائید کی اور اس کی تصدیق کی پھر انہوں نے فرمایا میں خداوند قدوس کا واسطہ دے کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی شخص ایسا موجود ہے کہ جس نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہو کہ کون ہے کہ جو قبول ہونے والا مال صدقہ میں دیتا ہے؟ اس بات پر میں نے اپنے ذاتی مال سے آدھے لشکر کو آراستہ کیا اس پر بھی لوگوں نے ان کی تصدیق کی۔ انہوں نے پھر فرمایا میں خدا کا واسطے دے کر معلوم کرتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے کہ جو اس مسجد میں جنت کے مکان کے بدلہ توسیع کرتا ہے اس بات پر میں نے اپنے ذاتی مال سے وہ زمین خریدی۔ اس بات پر لوگوں نے ان کی تصدیق کی۔ انہوں نے پھر فرمایا میں خداوند قدوس کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں کیا کوئی اس قسم کا شخص موجود ہے جس نے کہ

بئر رومہ کے کنویں کی فروخت کا مشاہدہ کیا ہو جس کو میں نے اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسافروں کے واسطے وقف کر دیا تھا اس بات پر بھی کچھ لوگوں نے ان کی بات کی تصدیق کی۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1550)

رفاعہ عامہ کی طرح وقف کا بیان

سڑک اور گزرگاہ پر درخت اس لیے لگائے گئے کہ راہگیر اس سے فائدہ اٹھائیں تو یہ لوگ انکے پھل کھا سکتے ہیں۔ اور امیر و غریب دونوں کھا سکتے ہیں۔ اسی طرح جنگل اور راستہ میں جو پانی رکھا ہو یا سبیل کا پانی ہے ہر ایک پی سکتا ہے جنازہ کی چار پائی امیر و غریب دونوں کام میں لا سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہر شخص تلاوت کر سکتا ہے۔ کنوئیں کے پانی کی روک ٹوک نہیں خود بھی پی سکتے ہیں جانور کو بھی پلا سکتے ہیں۔ پانی پینے کے لیے سبیل لگائی ہے تو اس سے وضو نہیں کر سکتے اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو اور وضو کے لیے وقف ہو تو اُسے پی نہیں سکتے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

قرآن مجید وقف کرنا، مسجدیں اور سرائے تعمیر کرنا اور نہریں جاری کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے جس عمل اور جن نیکیوں کا ثواب ملتا رہے گا (وہ یہ ہیں): علم، جو اس نے سکھایا اور اسے پھیلایا، یا نیک اولاد جس کو اس نے اپنے پیچھے چھوڑا، یا قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑا، یا مسجد کی تعمیر کی، یا مسافر خانہ بنایا، یا نہر جاری کی، یا اس نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں کوئی صدقہ کیا، اس کا اجر اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ (ابن ماجہ)

مکہ مکرمہ میں گھر حجاج کیلئے وقف کرنے کا بیان

وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنَى لِحَاجِّ بَيْتِ اللَّهِ وَالْمُعْتَمِرِينَ ، أَوْ جَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنَى لِلْمَسَاكِينِ ، أَوْ جَعَلَهَا فِي ثَغْرٍ مِنْ الثُّغُورِ سُكْنَى لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ .أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغُزَاةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَدَفَعَ ذَلِكَ إلَى وَالٍ يَقُومُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ ، وَلَا رُجُوعَ فِيهِ لِمَا بَيَّنَّا إلَّا أَنَّ فِي الْغَلَّةِ تَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ ، وَفِيمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانِ وَالِاسْتِقَاءِ مِنْ الْبِئْرِ وَالسِّقَايَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ ، وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفَصْلَيْنِ .فَإِنَّ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيدُونَ بِذَلِكَ فِي الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ ، وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ تَشْمَلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيرَ فِي الشُّرْبِ وَالنُّزُولِ .وَالْغَنِيُّ لَا يَحْتَاجُ إلَى صَرْفِ هَذَا الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب کسی بندے نے حج وعمرہ کرنے والوں کیلئے مکہ مکرمہ میں اپنا گھر بطور رہائش بنا دیا ہے اور مکہ کے سوا میں اپنے گھر کو مسکینوں کیلئے وقف کر دیا ہے یا اس نے کسی سرحد پر موجود اپنے گھر کو اللہ کی راہ میں غازیوں اور چھاؤنی میں رہنے والوں کیلئے وقف کر دیا ہے یا پھر اس نے اپنی زمین کی آمدنی مجاہدوں کیلئے وقف کر دی ہے اور پھر اس کو کسی ناظم یا نگران کے حوالے کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اس میں وہ رجوع نہیں کر سکے گا۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ آمدنی صرف فقراء کیلئے حلال ہے امراء کیلئے حلال نہیں ہے جبکہ اس کے سوا یعنی مسافر خانہ اور کنوئیں اور سبیل سے پانی پینے میں امیر وفقیر دونوں برابر ہیں۔ اور دونوں احوال میں فرق عرف عام کے مطابق کیا جائے گا۔

ہاں غلہ وقف کرنے کی صورت میں یہ اہل عرف کے نزدیک فقراء کیلئے ہے۔ جبکہ غلہ کے سوا میں فقراء وامراء کو برابر حقدار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ پینے اور ٹھہرنے کی ضرورت غنی اور فقیر دونوں میں عام ہے ہاں البتہ غنی اپنے مال کے سبب اس آمدنی کو استعمال کرنے میں ضرورت مند نہ ہوگا۔ اور اللہ ہی سب زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس بندے نے حاجیوں کے ٹھہرنے کے لیے مکان وقف کیا ہے تو دوسرے لوگ اس میں نہیں ٹھہر سکتے اور حج کا موسم ختم ہونے کے بعد کرایہ پر دیا جائے اور اُس کی آمدنی مرمت میں خرچ کی جائے، اس سے بچ جائے تو مساکین پر صرف کر دی جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

حجاج کی خدمت کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافروں کا قول تھا کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کے پانی پلانے کی سعادت ایمان سب سے بہتر ہے ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں اس لیے ہم سے بہتر کوئی نہیں۔ اللہ نے ان کے فخر وغرور اور حق سے تکبر اور منہ پھیرنے کو بےنقاب کیا کہ میری آیتوں کی تمہارے سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم ان سے بےپرواہی سے منہ موڑ کر اپنی بات چیت میں مشغول رہتے ہو۔ پس تمہارا گمان بیجا تمہارا غرور غلط، تمہارا فخر نامناسب ہے یوں بھی اللہ کے ساتھ ایمان اور اس کی راہ میں جہاد بہت بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلے میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ تمہاری تو کوئی نیکی ہو بھی تو اسے شرک کا کیڑا کھا جاتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر کے بھی نہیں یہ اپنے تئیں آبادی کرنے والا کہتے تھے اللہ نے ان کا نام ظالم رکھا ان کی اللہ کے گھر کی خدمت بیکار کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عباس نے اپنی قید کے زمانے میں کہا تھا کہ تم اگر اسلام وجہاد میں تھے تو ہم بھی اللہ کے گھر کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بیکار ہے۔

صحابہ کرام نے جب ان سے پرلے دے شروع کی تو حضرت عباس نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے، ہم غلاموں و آزاد کرتے تھے، ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے، ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، اس پر یہ آیت اتری، مروی ہے کہ یہ تکرار حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی۔

مروی ہے کہ طلحہ بن شیبہ، عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں میں اگر چاہوں وہاں رات گزار سکتا ہوں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں اگر چاہوں تو مسجد ساری رات رہ سکتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں جانتا کہ تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے میں مجاہد ہوں اور اس پر یہ آیت پوری اتری۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ڈر ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زمزم کے پانی پلانے کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اپنے اس منصب پر قائم رہو تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اسلام کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا تیسرے نے اسی طرح راہ رب کے جہاد کو کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس آوازیں بلند نہ کرو یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں آپ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات دریافت کرلوں گا۔

مسجد حرام سے روکنا گناہ ہے

مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بڑا گناہ ہے۔ (بقرہ۔آیت)۔ ظاہر ہے کہ یہاں مسجد سے نماز پڑھنے والوں کو نکالنا نہیں بلکہ مکہ سے مسلمان باشندوں کو نکالنا مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُه حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ رعایت اُس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ (البقرہ۔آیت)۔ یہاں بھی مسجد حرام سے مراد پورا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد۔ لہٰذا مسجد حرام میں مساوات کو صرف مسجد میں مساوات تک محدود نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ حرم مکہ میں مساوات ہے۔

پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ یہ مساوات صرف عبادت اور تعظیم و حرمت ہی میں نہیں ہے، بلکہ حرم مکہ میں تمام حقوق کے اعتبار سے ہے۔ یہ سرزمین خدا کی طرف سے وقف عام ہے لہٰذا اس پر اور اس کی عمارات پر کسی کے حقوق ملکیت نہیں ہیں۔ ہر شخص ہر جگہ ٹھیر سکتا ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا اور نہ کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا سکتا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ لوگ بکثرت احادیث اور آثار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مكة مناخ لا تباع رباعها و لا تو اجر بيوتها،

مکہ مسافروں کے اُترنے کی جگہ ہے، نہ اس کی زمینیں بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرائے پر چڑھائے جائیں۔

ابراہیم نخعی کی مُرسل روایت کہ حضور ﷺ نے فرمایا مکة حرمها الله لا يحل بيع رباعها و لا اجارة بيوتها ۔ مکہ کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی زمین کو بیچنا اور اس کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا حلال نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ ابراہیم نخعی کی مُرسلات حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، کیونکہ اُن کا یہ قاعدہ مشہور و معروف ہے کہ جب وہ مرسَل روایت کرتے ہیں تو دراصل عبد اللہ بن مسعودؓ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں)۔ مجاہد نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں ایک روایت نقل کی ہے۔

عَلقمہ بن نَضلَہ کی روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مکے کی زمینیں سوائب (افتادہ زمینیں یا شاملات) سمجھی جاتی تھیں، جس کو ضرورت ہوتی وہ رہتا تھا اور جب ضرورت نہ رہتی دوسرے کو ٹھہرا دیتا تھا۔

عبداللہ بن عمر کی روایت کہ حضرت عمر نے حکم دے دیا تھا کہ حج کے زمانے میں مکے کا کوئی شخص اپنا دروازہ بند نہ کرے۔ بلکہ مجاہد کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمر نے اہلِ مکہ کو اپنے مکانات کے صحن کھلے چھوڑ دینے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ ان پر دروازے لگانے سے منع کرتے تھے تا کہ آنے والا جہاں چاہے ٹھیرے۔ یہی روایت عطا کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف سُہیل بن عمرو کو فاروق اعظم نے صحن پر دروازے لگانے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان کو تجارتی کاروبار کے سلسلے میں اپنے اونٹ وہاں بند کرنے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول کہ اللہ نے پورے حرم مکہ کو مسجد بنا دیا ہے جہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کا فرمان امیر مکہ کے نام کہ مکے کے مکانات پر کرایہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ حرام ہے۔ ان روایات کی بنا پر بکثرت تابعین اس طرف گئے ہیں،

اور فقہا میں سے امام مالک، امام اعظم رضی اللہ عنہ، سُفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، اور اسحاق بن رَاھَوَیہ کی بھی یہی رائے ہیں کہ اراضی مکہ کی بیع، اور کم از کم موسمِ حج میں مکّے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہاء نے مکہ کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے اور ان کی بحیثیت عمارت، نہ کہ بحیثیت زمین بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

مسجد حرام سے روکنے کی ممانعت میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے اس فعل کی تردید کرتا ہے جو وہ مسلمانوں کو مسجد الحرام سے روکتے تھے وہاں انہیں احکام حج ادا کرنے سے باز رکھتے تھے باوجود اس کے اولیاء اللہ کے ہونے کا دعوی کرتے تھے حالانکہ اولیاء وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہو اس سے معلوم ہوتا کہ یہ ذکر مدینے شریف کا ہے۔ جس طرح سورۃ بقرہ کی آیت (یسـئـلـونک عن

الشھر الحرام الخ) ، میں ہے یہاں فرمایا کہ باوجود کفر کے پھر یہ بھی فعل ہے کہ اللہ کی راہ سے اور مسجد الحرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں جو درحقیقت اس کے اہل ہیں۔ یہی ترتیب اس آیت کی ہے (الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الخ) یعنی ان کی صفت یہ ہے کہ ان کے دل ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

مسجد الحرام جو اللہ نے سب کے لئے یکساں طور پر باحرمت بنائی ہے مقیم اور مسافر کے حقوق میں کوئی کمی زیادتی نہیں رکھی۔ اہل مکہ مسجد الحرام میں اتر سکتے ہیں اور باہر والے بھی۔ وہاں کی منزلوں میں وہاں کے باشندے اور بیرون ممالک کے لوگ سب ایک ہی حق رکھتے ہیں۔

اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرمانے لگے کہ مکے کی حویلیاں ملکیت میں لائی جاسکتی ہیں۔ ورثے میں بٹ سکتی ہیں اور کرائے پر بھی دی جاسکتی ہیں۔ دلیل یہ دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کل آپ اپنے ہی مکان میں اتریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عقیل نے ہمارے لئے کون سی حویلی چھوڑی ہے؟ پھر فرمایا کافر مسلمان کا ورث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا۔ اور دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر وہاں جیل خانہ بنایا تھا۔ طاؤس اور عمرو بن دینار بھی اس مسئلے میں امام صاحب کے ہم نوا ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ ورثے میں بٹ نہیں سکتے نہ کرائے پر دیئے جاسکتے ہیں۔ اسلاف میں سے ایک جماعت یہ کہتی ہے مجاہد اور عطا کا یہی مسلک ہے۔ اس کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے حضرت علقمہ بن فضلہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدیقی اور فاروقی خلافت میں مکے کی حویلیاں آزاد اور بےملکیت استعمال کی جاتی رہیں اگر ضرورت ہوتی تو رہتے ورنہ اوروں کو بسنے کے لئے دے دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نہ تو مکہ شریف کے مکانوں کا بیچنا جائز ہے نہ ان کا کرایہ لینا۔ حضرت عطا بھی حرم میں کرایہ لینے کو منع کرتے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ شریف کے گھروں کے دروازے رکھنے سے روکتے تھے کیونکہ صحن میں حاجی لوگ ٹھیرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت انہیں حاضری کا حکم بھیجا انہوں نے آ کر کہا مجھے معاف فرمایا جائے میں سوداگر شخص ہوں میں نے ضرورتاً یہ دروازے بنائے ہیں تاکہ میرے جانور میرے بس میں رہیں۔ آپ نے فرمایا پھر خیر ہم اسے تیرے لئے جائز رکھتے ہیں۔ اور روایت میں حکم فاروقی ان الفاظ میں مروی ہے کہ اہل مکہ اپنے مکانوں کے دروازے نہ رکھو تاکہ باہر کے لوگ جہاں چاہیں ٹھیریں۔

عطا فرماتے ہیں شہری اور غیر وطنی ان میں برابر ہیں جہاں چاہیں اتریں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مکے شریف کے لوگ گھروں کا کرایہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے والا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان کا مسلک پسند فرمایا یعنی ملکیت کو اور ورثے کو تو جائز بتایا ہاں کرایہ کو ناجائز کہا ہے اس سے دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جو بھی یہاں براکام کرے یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ غیر وطنی لوگ جب کسی بڑے کام کا ارادہ ہی کرلیں تو بھی انہیں سزا ہوتی ہے چاہے اسے عملا نہ کریں۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم میں الحاد وظلم کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی اللہ اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نے تو اس کو مرفوع بیان کیا تھا لیکن میں اسے مرفوع نہیں کرتا۔ اس کی اور سند بھی ہے جو صحیح ہے اور موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے زیادہ ٹھیک ہے عموما قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے، واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کسی پر برائی کے صرف سے برائی نہیں لکھی جاتی لیکن اگر دور دراز مثلا عدن میں بیٹھ کر بھی یہاں کے کسی شخص کے قتل کا ارادہ کرے تو اللہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاں یا نہیں کہنے پر یہاں قسمیں کھانا بھی الحاد میں داخل ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اپنے خادم کو یہاں گالی دینا بھی الحاد میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے امیر شخص کا یہاں آکر تجارت کرنا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کمے میں اناج کا بیچنا۔

ابن حبیب بن ابو ثابت فرماتے ہیں گراں فروشی کے لئے اناج کو یہاں روک رکھنا۔ ابن ابی حاتم میں بھی فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی منقول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن انیس کے بارے میں اتری ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر اور ایک انصار کے ساتھ بھیجا تھا ایک مرتبہ ہر ایک اپنے اپنے نسب نامے پر فخر کرنے لگا اس نے غصے میں آکر انصاری کو قتل کردیا اور کمے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور دین اسلام چھوڑ بیٹھا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جو الحاد کے بعد مکہ کی پناہ لے۔ ان آثار سے گو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام الحاد میں سے ہیں لیکن حقیقتا یہ ان سب سے زیادہ اہم بات ہے بلکہ اس سے بڑی چیز پر اس میں تنبیہ ہے۔ اسی لئے جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ شریف کی خرابی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینک کر ان کا بھس اڑا دیا اور وہ دوسروں کے لئے باعث عبرت بنا دئے گئے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک لشکر اس بیت اللہ کے غزوے کے ارادے سے آئے گا جب وہ بیدا میں پہنچیں گے تو سب کے سب مع اول آخر کے دھنسا دئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ یہاں الحاد کرنے سے بچیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا اس کے گناہ اگر تمام جن وانس کے گناہوں سے تولے جائیں تو بھی بڑھ جائیں دیکھو خیال رکھو تم وہی نہ بن جانا۔ (مسند احمد) اور روایت میں یہ بھی ہے کے نصیحت آپ نے انہیں حطیم میں بیٹھ کر کی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر، حج، ۲۵)

فقہ شافعی میں وقف پر اغنیاء کیلئے عدم شرط کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک جائداد ملی تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے متعلق خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اسے صدقہ کردو۔ چنانچہ آپ نے فقراء مساکین رشتہ داروں اور مہمانوں کے لئے اسے صدقہ کردیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۷۷۳،۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں فیہ جواز الوقف علی الاغنیاء لان ذوی القربی والضیف لم یقید بالحاجۃ وھو الاصح عند الشافعیہ۔

یعنی اس سے اغنیاء پر وقف کرنے کا جواز نکلا کیونکہ قرابتداروں اور مہمانوں کے لئے حاجت مند ہونے کی قید نہیں لگائی اور شافعیہ کے نزدیک یہی صحیح مسلک ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اختتامی کلمات شرح ہدایہ جلدنہم

الحمدللہ! آج بروز بدھ بعد نماز فجر مورخہ ۱۲ ستمبر ۲۰۱۲ء بمطابق ۲۴ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ شرح ہدایہ معروف بہ فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ مکمل ہوگئی ہے اور اللہ تعالی کا شکر ہے کہ نو ضخیم جلدوں میں ہدایہ اولین مکمل ہوچکی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالی مجھے، میرے والد گرامی، میرے اساتذہ کرام، قارئین، ناشر اور میرے ساتھ معاونت کرنے والے تمام مسلمان بھائیوں کی بخشش فرمائے۔ اور اللہ تعالی مجھے ہدایہ اخیرین کی شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اگر اس کتاب میں کہیں کوئی سہو ہو یا غلطی ہوئی تو قارئین سے گزارش ہے کہ مجھے مطلع کریں ان شاء اللہ اس کو درست کردیا جائے گا۔ خاص طور جب فقہی مذاہب بیان کیے جاتے ہیں تو بہت محتاط تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ میری اللہ تعالی سے دعا ہے کہ یا اللہ مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع نصیب فرما۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بہاولنگر